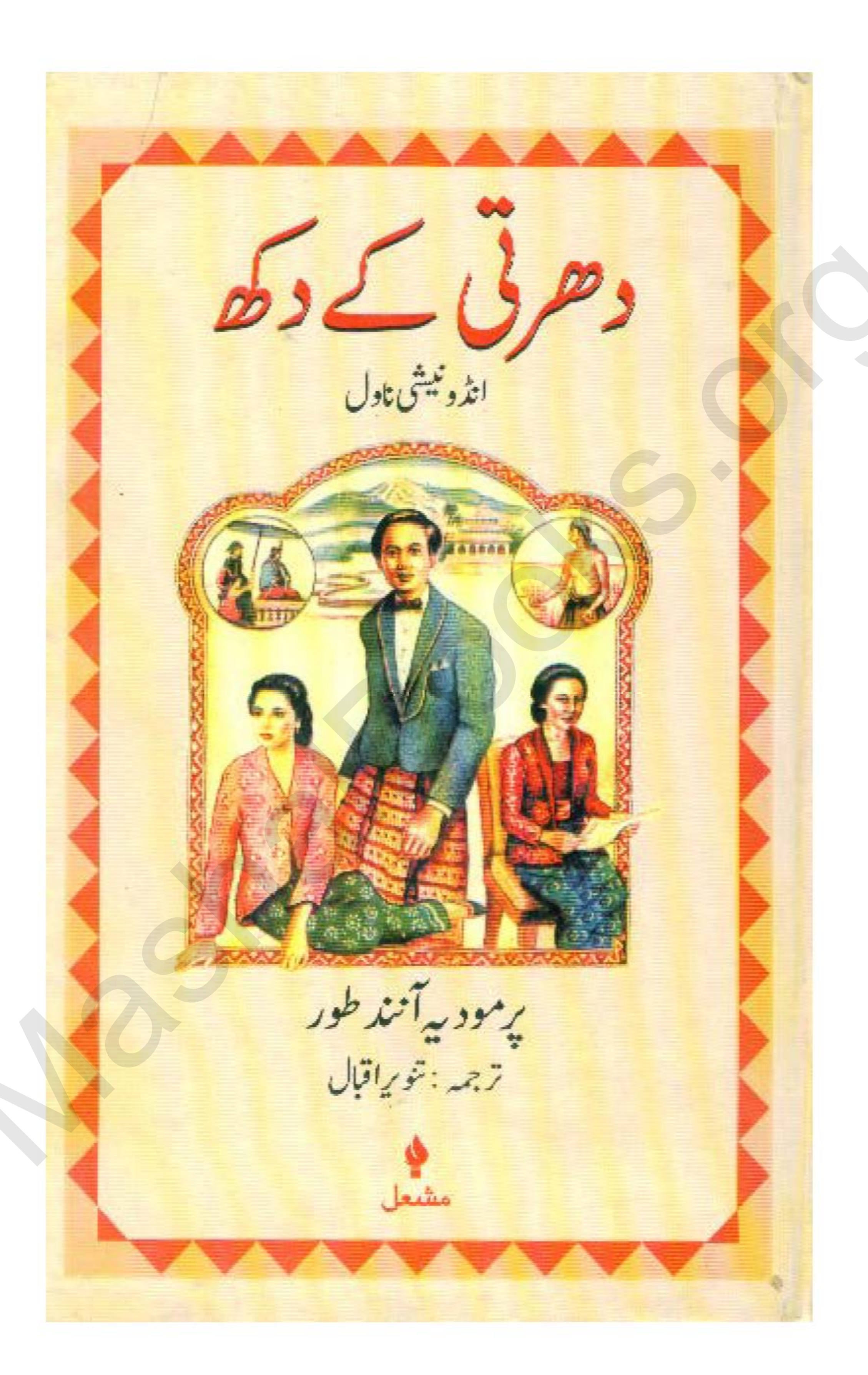

دھرتی کے دکھ
انڈونیشی ناول
پرمودیہ آنند طور
ترجمہ : تنویر اقبال
مشعل

دھرتی کے دکھ

(انڈونیشی ناول)

پرمدیہ آنند طور

ترجمہ: تنویر اقبال

مشعل

آر-بی 5' سیکنڈ

فلور' عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن'

لاہور 54600' پاکستان

دھرتی کے دکھ

پرمدیہ آنندطور

ترجمہ: تنویر اقبال

ناشر: مشعل

آر-بی 5، سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن،

لاہور 54600، پاکستان

فون و فیکس 042-35866859

E-mail: mashbks@brain.net.pk

پیش لفظ

بیسویں صدی کا سورج طلوع ہوتے ہی، آزادی اور خودمختاری کی ایک ایسی عظیم لہر اٹھی جس نے آناً فاناً پورے کرہ ارض کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ سامراجی قوتیں جدید علوم اور ذرائع پیداوار کی ترقی کا ہتھیار لئے پوری دنیا میں دندناتی پھر رہی تھیں۔ بظاہر تبدیلی کی، تا حد نظر، کوئی جھلک نظر نہیں آتی تھی۔ پورا ایشیا اور افریقہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا، جبر و استبداد کے آگے اپنی مجبور و مقہور قسمت پر آنسو بہانے کے سوا کچھ بھی نہ کر پا رہا تھا۔ ایسے میں نو آبادیاتی طاقتوں کے باہمی تضادات نے جنم لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے شدت کی انتہا پر جا پہنچے۔ نتیجہ پہلی اور دوسری عالم گیر جنگوں کی صورت میں نکلا۔ ان جنگوں نے نو آبادیاتی طاقتوں کو اس درجہ بے بس کر ڈالا کہ انہیں اپنے مقبوضات کو چھوڑتے ہی بن پڑی۔

یہ ناول اس دور سے ذرا پہلے کی کہانی ہے۔ انڈونیشیا کے پس منظر میں لکھا گیا یہ ناول پرمودیا آنند طور کی زندگی کی ابتدائی یادداشتوں پر مشتمل ہے۔ ایک روشن خیال اور آزادی پسند لکھاری کے طور پر، خصوصاً ایک غلام سماج کے فرد کی حیثیت سے، انہوں نے اپنے سامنے پھیلی ہوئی اور خود بیتی حقیقتوں کو خوبصورت افسانوی انداز دینے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ پچھلی صدی کی ابتدا میں اردو ادب جن لایعنی اخلاقی حدود اور معاشرتی پابندیوں کا شکار نظر آتا ہے (اور غالباً اسی لئے اردو زبان میں ابھی تک غلام صدیوں میں کئے گئے نو آبادیاتی مظالم کی کوئی مستند تاریخ یا داستان نظر نہیں آتی) انڈونیشی تحریروں میں ایسی کوئی ناروا اور خودساختہ پابندیاں سرے سے نظر نہیں آتیں۔

بدیسی حکمرانوں کی خباثت انگیز حرکات اور جبر و تشدد کی ہر شکل مصنف کے ہاتھوں، بلا کم و

کا ست لفظوں کی تصویر میں ڈھل جاتی ہے۔ کتاب کا مصنف ناول میں واحد متکلم کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے جہاں بدیسی نظام کی سختیوں اور مظالم کے سامنے سینہ سپر دکھائی دیتا ہے، وہاں وہ ماضی کے گمراہ کن جاہ وجلال، اجداد پرستی اور معاشرتی توہمات کا بھرپور مذاق اڑانے سے بھی نہیں چوکتا۔

نوجوان طالب علم کی حیثیت میں، غالبا وہ واحد دیسی لڑکا ہے، جس کا کوئی خاندانی نام نہیں مگر وہ اس پر شرمندہ ہونے کے بجائے، محنت اور مسلسل جدوجہد کے ذریعے، یورپی اور مخلوط النسل طلبہ کے درمیان اپنا مقام منوانے میں کامیاب ہوتا ہے۔ منکی اس کا عرفی نام ہے جو (بقول اس کے) اس کے کسی استاد نے غصے میں اسے منکی (انگریزی میں بندر کا مترادف) کہتے کہتے، منکی میں بدل دیا تھا لیکن وہ کسی خجالت کا سامنا کرنے کے بجائے، اپنی اسی عرفیت کے ذریعے، اپنی ذہنی اور علمی برتری کا احساس دلاتا ہے۔

بغاوت شاید اس کی فطرت ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی، اپنی ماں کے سوا کسی سے نہیں بنتی۔ وہ اپنے باپ کی حاکمانہ ذہنیت اور بدیسی حکمرانوں کے طور طریقوں کو باہم مماثل پاتا ہے۔ تاریخ پر اس کی گہری نظر ہے۔ وہ یہ کہتے ہوئے قطعی نہیں شرماتا کہ اس کے آباؤ اجداد نے اپنے ذاتی اغراض ومقاصد کی خاطر، قومی مفادات کا ڈچ نوآبادکاروں کے ہاتھ بڑا سستا سودا کر لیا تھا۔

تاریخ کے اوراق کو اگر ذرا سنجیدگی سے ٹٹولا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ سترھویں اور اٹھارویں صدی کے زیادہ تر ایشیائی معاشرے صنعتی اور زرعی اعتبار سے خود کفیل اور خاصے منضبط تھے۔ یورپ میں تحریک احیائے علوم اور صنعتی انقلاب کے یکے بعد دیگرے برپا ہونے کے بعد، نوآبادیاتی پھیلاؤ ایک تاریخی جبر تھا (یہ اور بات کہ اس کا نشانہ ہمیں بننا پڑا) سفید فام اقوام کو ایک طرف اپنی بڑھتی ہوئی صنعتوں کے لئے خام مال درکار تھا اور دوسری جانب صنعتی پیداوار کے لئے منڈیوں کی تلاش۔ یہ دونوں کام ابتدا میں ان کے مہم جو اور طالع آزما گروہوں نے انفرادی طور پر کرنے کی کوشش کی۔ اٹھارویں صدی کے وسط تک ایسٹ انڈیا کمپنی نے پورے بنگال میں تجارتی اجارہ داری قائم کر لی تھی۔ مراعات تو انہیں اورنگ زیب کے آخری دور میں ہی حاصل ہو گئی تھیں مگر اس کے جانشینوں نے انہیں ہر طرح کے ٹیکس کی ادائیگی سے ہی آزاد کر دیا۔ مقامی لوگوں کو اپنی پیداوار پر ٹیکس ادا کرنے پڑتے تھے۔ جن سے ان کی پیداواری لاگت بہت زیادہ ہو جاتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مقامی صنعت مکمل طور پر تباہ ہو کر رہ گئی۔ یہی حال جزائر انڈونیشیا میں ہوا، وہاں ڈچ انڈیز کمپنی

نے گنے اور چینی کی پیداوار صرف سفید فاموں کے لئے مخصوص کر رکھی تھی۔ زرخیز ترین زمینیں مقامی لوگوں سے انتہائی کم کرائے پر حاصل کر لی جاتیں اور ان کے حصول کے لئے ہر نازیبا حربہ استعمال کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کیا گیا۔

اس داستان میں نیائے اونتو سارو ہ کا کردار اس جبر کی واضح مثال نظر آتا ہے۔ وہ ایک سفید فام کی دوسری بیوی (ڈچ اسے غیر قانونی شادی سمجھتے تھے) ہونے کے باوجود، اپنی سالہا سال کی شدید محنت سے قائم کردہ کمپنی اور جائیداد ایسے سفید فام وارثوں کے حوالے کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے، جو ہزاروں میل دور دوسرے براعظم میں موجود ہیں۔

پچھلی صدی میں نو آبادیات کا ادب اور داستان بھرپور مزاحمت کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں مگر اسی طرح کا ہندوستانی معاشرہ ایسا کوئی مزاحمتی ادب تخلیق نہیں کر پایا۔ یہ بات نہیں کہ یہاں مزاحمت تھی ہی نہیں بلکہ ہمارے ادیب اور شاعر قلعہ معلٰی کے دروازے بند ہونے کے بعد، اظہار وفاداری یا تلاش ملازمت میں انگریزی دربار کے طواف کرنے میں مصروف تھے۔ سید احمد خان "اسباب بغاوت ہند " لکھ کر سر کا خطاب پا رہے تھے اور مرزا غالب، اپنی پنشن کے دوبارہ اجرا کے لئے یہ کہہ رہے تھے کہ "حضور میں آدھا مسلمان ہوں کیونکہ شراب پیتا ہوں مگر سور نہیں کھاتا"۔

انگریز، ڈچ سے بہت زیادہ ہوشیار اور عقلمند تھا۔ جہاں آدمی گڑ سے مر جائے، وہاں زہر کی کیا ضرورت۔ سو انگریز نے گڑ کا بے دریغ استعمال کیا اور دوسری جانب ہماری خود کفیل معیشتوں کے خون کا آخری قطرہ تک پینے کی کوشش کر ڈالی اور ہمیں خام مال پیدا کرنے والی زرعی معیشت بنا کر رکھ دیا۔ بہر حال ان حقائق کا تجزیہ کرنا معیشت دانوں اور مورخوں کا کام ہے، ہمارا نہیں۔ ہم تو سمندر میں صرف کنکریاں مار سکتے ہیں۔ اپنے پانیوں میں ارتعاش پیدا کرنا تو سمندر کی مرضی پر منحصر ہے۔

تنویر اقبال

باب 1

لوگ مجھے منکی کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ میرا اپنا نام کیا ہے، فی الحال بتانے کی ضرورت نہیں۔ وجہ یہ نہیں کہ مجھے اپنا آپ چھپانے میں کوئی مزہ آتا ہے، بارہا میں نے اس بارے میں سوچا ہے۔ دراصل ابھی میں خود کو لوگوں کی نظروں میں لانا نہیں چاہتا۔

شروع میں، جب میں یہ مختصر نوٹس لکھ رہا تھا تو شدید قنوطیت مجھ پر طاری تھی۔ وہ مجھے چھوڑ کر جا چکی تھی۔ کون جانے یہ جدائی عارضی تھی یا دائمی۔ (میں اس وقت حالات کے بدلتے رخ سے قطعی لاعلم تھا) کبھی ختم نہ ہونے والا دکھ اور خوف، آس اور یاس کے درمیان ہلکورے کھاتا مستقبل، سربستہ راز ! ہم چاہیں یا نہ چاہیں اپنی جسم و جاں سمیت اس سمت میں چلتے جانا ہے اور حالات کا جبر اکثر اوقات ہمارے ساتھ ہوتا ہے۔ میرے ساتھ بھی بالآخر یہی ہوا، قدرت مہربان ہوتی ہے یا بے اعتنائی برتتی ہے، اس کی مرضی لیکن انسانیت کو عموماً ایک ہاتھ سے تالی بجانا پڑتی ہے۔ تیرہ سال بعد، مجھے ان نوٹس کو دوبارہ پڑھنے کا موقع ملا۔ میں نے ان میں اپنے خوابوں اور تصورات کا رنگ بھرا تو ان کی شکل ہی مختلف ہو گئی۔ مختلف؟ آہ ! لیکن اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے ! بہرحال واقعات کچھ اس طرح پیش آئے:

باب 2

اوائل جوانی میں ہی علم و آگہی کا جو تجربہ مجھے نصیب ہوا، الفاظ اس کی خوبصورتی بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ ہمارے سکول کے ڈائریکٹر نے ایک دفعہ پوری کلاس کے سامنے کہا تھا: "آپ کے اساتذہ نے عمومی معلومات کا اتنا وسیع اور بے بہا خزانہ آپ کو دیا ہے جو شاید یورپ کے بہت سے ملکوں میں بھی اس درجے کے طلبہ کو حاصل نہیں ہوا ہوگا"۔

ظاہر ہے، میں خوشی سے پھول کر کپا ہو گیا، میں کبھی یورپ نہیں گیا تھا۔ ڈائریکٹر کی بات صحیح تھی یا غلط، مجھے پتہ نہیں تھا۔ بات میرے دل کو لگی سو میں نے اس پر یقین کر لیا۔ پھر یہ بات بھی تھی کہ میرے تمام اساتذہ یورپ میں ہی پلے بڑھے تھے اور ان کی تعلیم و تربیت بھی وہیں ہوئی تھی۔ اساتذہ کی بات پہ یقین نہ کرنا بھی کوئی مناسب نہیں لگتا۔ میرے والدین نے مجھے ان کے حوالے کیا تھا اور یہ لوگ اپنے علم و مرتبے کے اعتبار سے جزائر میں موجود یورپی اور مقامی تعلیم یافتہ طبقے میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے چنانچہ مجھے ان پر اعتبار کرنا ہی تھا۔

سکول کی تعلیم و تربیت، جس کے اثرات کا میں نے عملی زندگی میں خود مشاہدہ کیا، نے میری شخصیت کو میرے، ہم وطنوں کے عمومی رنگ ڈھنگ سے بالکل ہی مختلف رنگ دے دیا۔ پتہ نہیں مجھے اس کا نقصان ہوا یا فائدہ، جاوی رہن سہن اور مغربی تربیت کے ملے جلے تجربے نے ہی شاید مجھے یہ نوٹس لکھنے کی عادت ڈالی تھی ممکن ہے کبھی یہ کسی کام آ جائیں۔

پرنٹنگ خصوصاً جستی چھپائی سائنس کی وہ ودیعت ہے جس پر میں ہمیشہ عش عش کرتا ہوں۔ تصور کیجئے۔ کسی بھی تصویر کی لاکھوں کاپیاں ایک ہی دن میں بنائی جا سکتی ہیں۔ خوبصورت مناظر، بڑی اور اہم شخصیات، نئی مشینوں اور فلک بوس امریکی عمارتوں کی تصاویر، غرض دنیا کے ہر کونے کی ہر چیز، میں ان چھپے ہوئے کاغذات کے ذریعے خود دیکھ سکتا تھا۔ مجھ سے پچھلی نسل کتنی تہی داماں تھی، اپنے ہی گاؤں کے کچے راستوں پر، اپنے ہی پیروں کے خلط ملط نشانات میں گم!

ان عجائبات کے خالقوں اوران کے لیے کام کرنے والے انتھک کارکنوں کا میں تہ دل سے ممنون ہوں۔ابھی پانچ سال پہلے تک چھپی ہوئی تصاویر کی بجائے صرف بلاک اور لیتھوگرافک چھپائی کا رواج تھا جن سے حقیقت کی عکاسی ممکن نہیں تھی۔

جدید ترین دریافتوں کا لفظ یورپی اور امریکی رپورٹوں کے ذریعے ہم تک پہنچا، ان دریافتوں کی شان وشوکت کے آگے دیوی، دیوتاؤں، سورماؤں اور وے یانگ میں میرے اجداد کا جاہ وجلال ماند پڑتا نظر آ رہا تھا۔ریل گاڑیاں۔۔۔۔ایسی گاڑی جس میں گھوڑے ہیں نہ مویشی اور نہ ہی بیل۔۔۔۔چلتے ہوئے، میرے ہم وطن دس سال سے تو دیکھ ہی رہے ہیں لیکن آج تک ان کی حیرت دور نہیں ہو پائی۔بٹاویا اور سرابیا کا فاصلہ صرف تین دن میں طے ہوسکتا ہے !اور لوگوں کا کہنا ہے کہ جلد ہی یہ سفر صرف ایک دن اور رات کا رہ جائے گا۔ایک دن رات !بڑے بڑے مکانوں کی طرح بنے ڈبوں کی طویل گاڑی، لوگوں اور اشیا سے لدی پھندی، صرف پانی کی قوت سے کھینچی جاتی ہے !اگر مجھے زندگی میں کبھی سٹیشن سے ملنے کا موقع ملا ہوتا تو میں یقیناً اسے رنگارنگ پھولوں کا گلدستہ پیش کرتا، میرے جزیرے جاوا میں، ریل کی پٹڑیوں کا ایک جال بچھ گیا۔ریلوں کا گاڑھا دھواں میرے وطن کے آسمان کو سیاہ کرتا ہوا، خلا کی وسعتوں میں کہیں گم ہو جاتا۔یوں لگتا تھا جیسے دنیا کے آگے فاصلوں کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہی۔ٹیلی گرام نے تو فاصلوں کو ختم ہی کر ڈالا، طاقت پر ہاتھیوں اور گینڈوں کی اجارہ داری کا خاتمہ ہو گیا۔انسان کے ہاتھوں بنے ہوئے نٹ، پیچ اور بولٹ ان کی جگہ لے رہے ہیں۔

اور ادھر یورپ میں لوگوں نے، بھاپ کے انجن جتنی طاقت کی، بلکہ اس سے بھی زیادہ طاقت کی چھوٹی چھوٹی مشینیں بنانا شروع کر دی تھیں۔ان میں بھاپ کے بجائے تیل استعمال ہوتا تھا۔یہ خبر بھی اڑائی جارہی تھی کہ کسی جرمن نے بجلی سے چلنے والی کار بنا ڈالی ہے۔یااللہ !ادھر میں ابھی تک بجلی کی ماہیت سے بھی ناواقف تھا۔۔۔۔قدرتی مظاہر کی قوتوں میں تبدیلی لا کر، ان سے انسانی خدمت کا کام شروع ہو چکا تھا۔لوگ اڑن دیوتا گٹوٹ کا کا کی طرح ہوا میں اڑنے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔میرے ایک استاد نے کہا تھا:" کچھ ہی عرصے کی بات ہے اور پھر معمولی معمولی کاموں کے لیے انسان کو اپنا خون پسینہ ایک نہیں کرنا پڑے گا۔ہر کام مشینیں کیا کریں گی اور لوگوں کو عیش کرنے کے سوا کوئی کام نہیں ہوگا۔تم لوگ بہت خوش نصیب ہو کہ ان جزائر میں رہتے ہوئے ایک نئے دور کی ابتدا کا مشاہدہ کرنے جارہے ہو۔

جدید !حیرت ہے اس لفظ کی تیز رفتاری پر، کسی بیکیٹریا کی طرح، بے تحاشا عددی اضافے کے ساتھ پوری دنیا میں پھیل گیا۔(کم از کم ،لوگ تو یہی کہہ رہے ہیں) چنانچہ مجھے بھی اس لفظ کا استعمال کرنے دیجئے اگرچہ میں ابھی اس کے مفہوم سے صحیح واقف نہیں۔قصہ مختصر، اس جدید دور میں کسی بھی فوٹو کی لاکھوں کاپیاں ہر روز بنائی جا سکتی ہیں۔اہم بات یہ تھی کہ اپنی بہت سی تصویروں میں سے ایک تصویر کو میں اکثر دیکھا کرتا تھا۔تصویر کسی دوشیزہ کی تھی جس میں خوبصورتی، دولت، طاقت اور کامرانی غرض ہر شے مجتمع ہو گئی تھی۔شاید دیوتاؤں کی محبوبہ تھی وہ!

میرے سکول کے دوستوں میں یہ افواہیں، سرگوشی کے سے انداز میں، گشت کرتی نظر آتیں: دنیا کا امیر ترین بینکار بھی اس سے شادی کا نہیں سوچ سکتا۔سر سے پاؤں تک دلکشی اور وقار کا حسین امتزاج تھی، دیکھنے کی چیز ہے، بس دیکھے جاؤ!

اپنے فارغ اوقات میں، میں عموماً اس کے چہرے پر نظریں گاڑ دیتا اور سوچوں میں گم ہو جاتا: یہ ہوگا کیسے ! کیا ہوگا ! کتنی بلند حیثیت ہے وہ ! تقریباً بائیس ہزار کلومیٹر کا فاصلہ ہے ہمارے درمیان۔سرابیا سے وہاں تک بحری جہاز کا سفر کوئی مہینے بھر کا ہے۔دو عظیم سمندر، پانچ آبنائیں اور ایک رود بار عبور کرنا پڑتے ہیں۔ان دشوار مرحلوں سے گزر کر بھی خدا جانے، اس سے ملاقات ہو یا نہ ہو۔میں کسی کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔جو بھی سنتا میرا مذاق اڑاتا اور مجھے پاگل قرار دے دیتا۔

ایک افواہ اور بھی سننے میں آئی کہ سات سمندر پار اس دوشیزہ کے لیے، ڈاک خانے میں کبھی کبھار ایک خط موصول ہوا کرتا تھا جس میں اس سے شادی کی تمنا کی جاتی تھی۔ان خطوط میں سے کوئی بھی اپنی منزل تک نہیں پہنچا۔میں بھی اگر دیوانگی میں ایسی کوئی حرکت کر بیٹھتا تو اس کا بھی وہ حشر ہوتا، ڈاک خانے والے، ایسے تمام خطوط اپنے پاس رکھ لیتے تھے۔

میں اٹھارہ سال کا تھا اور وہ۔۔۔۔۔۔دیوتاؤں کی محبوبہ۔۔۔۔۔۔ بھی میری ہم عمر تھی۔

ہم دونوں ہی 1880 میں پیدا ہوئے تھے۔صرف پہلا عدد ڈنڈے کی طرح سیدھا تھا، باقی سب گولائی میں تھے، ناتراشیدہ سنگ مرمر کی طرح۔دن اور مہینہ بھی ایک ہی تھا۔ 31 اگست۔فرق تھا بھی تو گھنٹوں اور جنس میں تھا۔میرے والدین نے میری پیدائش کا وقت نہیں نوٹ کیا تھا اور اس کے پیدا ہونے کا وقت مجھے معلوم نہیں تھا۔جہاں تک جنس کے فرق کا تعلق ہے۔میں لڑکا تھا اور وہ لڑکی تھی، اور جہاں تک زمان اور مکان کے پیچیدہ فرق کا تعلق ہے: جب میرا جزیرہ سیاہ چادر شب

میں محوخواب ہوتا تھا تو اس کے علاقے میں سورج کی حکمرانی ہوتی تھی اور جب اس کی سرزمین رات کے اندھیروں سے بغل گیر ہورہی ہوتی تو میرے شہروں پر خط استوا کا گرم سورج جگمگا رہا ہوتا۔

میری ٹیچر ماجدہ پیٹرز علم نجوم پر اعتقاد کا مذاق اڑایا کرتی تھیں۔ انہوں نے تھامس اکو نیاس کا واقعہ سنایا: اس نے ایک دفعہ دو ایسے آدمیوں کو دیکھا جن کی جائے پیدائش اور وقت پیدائش میں سرمو فرق نہ تھا۔ قسمت کا کھیل دیکھیں: ایک شخص بہت بڑا زمیں دار بن گیا اور دوسرا اس کا غلام۔

خیر میں تو علم نجوم میں یقین ہی نہیں رکھتا۔ اس نے انسانی ادراک و آگہی کی نشو ونما میں کیا کردار ادا کیا ہے جو اس پر یقین کیا جائے؟ اگر اس کے ذریعے کی گئی پیش گوئیاں سچ ہوتی ہیں تو پھر ہمارے کرنے کے لیے کیا رہ گیا۔ ایسی فضول چیزیں تو کچرے خانے میں ڈال کر بھول جانا چاہیے۔ ایک دفعہ مذاق ہی مذاق میں میری قسمت کا حال بھی دیکھا گیا۔ بار بار میرا زائچہ بنایا گیا۔ پھر قسمت کا حال بتانے والی نے اپنی زبان یوں کھولی کہ اس کے منہ میں لگے سونے کے دو دانت بھی نظر آنے لگے:

"اگر آپ میں استقامت ہے تو وہ دوشیزہ یقیناً آپ کو ملے گی"۔۔۔۔۔۔ میں تو اپنی عقل پر زیادہ یقین کرتا ہوں۔ تمام دنیا کی استقامت بھی مل جائے تو یہ بات ناممکن ہے۔

میں سائنسی سمجھ بوجھ کا قائل ہوں۔ کم از کم انسان، اس طرح، واضح ادراک تو کر سکتا ہے۔

کرائے پر لیے ہوئے کمرے میں، اپنے کاؤچ پر بیٹھا، میں اس دوشیزہ دلنواز کی تصویر میں مگن تھا۔ ناگہاں رابرٹ سرہوف (میں یہاں اس کا اصلی نام استعمال نہیں کر رہا) دستک دیئے بغیر، دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ مجھے اس طرح بیٹھا دیکھ کر اس نے زوردار قہقہہ لگایا، شرم اور گھبراہٹ کے مارے، میری آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ وہ بولا تو اس کے لہجے میں بلا کی کاٹ تھی۔ "اوہو، عورتوں کے رسیا، کسی کو چھوڑو گے بھی ہمارے رقیب روسیاہ لیکن چاند کے خواب دیکھنے کا فائدہ؟" جی تو چاہا، اسے اٹھا کر کمرے سے باہر پھینک دوں مگر منہ سے صرف اتنا نکلا:

"اوہ۔۔۔۔تمہیں کیا پتہ؟"

میں یہ بتا تا چلوں کہ وہ ایچ۔ بی۔ ایس میں، میرا دوست تھا۔ قد میں مجھ سے نکلتا ہوا اور نسلا بظاہر مقامی، مگر اس کی رگوں میں کس کس کا خون شامل تھا، یہ بات قدرت ہی بہتر جانتی ہے۔

"اسے تو بھول ہی جاؤ"۔ اس نے کہا۔ اس کی آواز میں تمسخر اور کمینہ پن، دونوں ہی جھلک رہے تھے۔ پھر گویا ہوا: "یہاں سرابیا میں بھی ایک دیوی ہے، تصور سے زیادہ خوبصورت، بس اس تصویر سے ملتی جلتی ہی سمجھ لو۔ یہ تو صرف ایک تصویر ہی ہے اور بس" وہ مجھے چڑا رہا تھا۔ میں وہ شخص تھا جس نے خوبصورتی کی تعریف کی تھی اور وہ میری کی ہوئی تعریف میرے ہی منہ پر مار رہا تھا۔ اس کے متناسب اعضاء، ہڈیوں کا ابھار، نرم و نازک شفاف جلد، جگمگاتی آنکھیں اور سرگوشی کے لیے تھرکتے ہونٹ۔۔۔۔۔"

"تم نے اس میں، سرگوشی کرتے ہوئے ہونٹ، کا اضافہ کر کے، اسے بدل دیا ہے"۔

"ہاں، بے شک تمہارے لیے ان ہونٹوں پہ گالیاں ہی کیوں نہ ہوں، وہ تمہیں اچھے ہی لگیں گے"۔

میں چپ رہا۔ اس نے مجھ پر چبھتی نظر ڈالی۔ "اگر تم مرد ہو، عورتوں کے اصلی رسیا تو ہمیں وہاں ضرور جانا چاہیے، دیکھیں تو سہی تمہارا کیا رویہ ہوتا ہے وہاں؟ تمہارے ہونٹ جس مردانگی کی چغلی کھاتے ہیں، وہ تم میں ہے بھی یا نہیں"۔

"مجھے تو ابھی بہت سے کام کرنے ہیں"۔

"اکھاڑے میں اترنے سے پہلے ہی ڈر گئے؟" اس نے طعنہ دیا۔ مجھے ایک دم طیش آ گیا۔ میں جانتا تھا کہ ڈچ سکول کا وہ ذہن۔۔۔۔ جو رابرٹ سرہوف کے سر میں موجود تھا۔۔۔۔ لوگوں کی بے عزتی کرنے، تمسخر اڑانے، بدنام کرنے اور خباثت انگیزی میں واقعی بہت تیز تھا۔ وہ میری کمزوری سمجھ گیا: میری رگوں میں کوئی یورپی خون نہیں دوڑ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے، چلیں گے"۔ میں نے جواب دیا۔ نیا تعلیمی سال شروع ہوئے، ابھی چند ہفتے ہی گزرے تھے اور اب سارے جاوا بلکہ شاید تمام ڈچ جزائر میں جشن منایا جا رہا تھا، ہر جگہ ہالینڈ کا قومی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اس یکتائے روزگار دوشیزہ، حسن کی دیوی، دیوتاؤں کی محبوبہ کی رسم تاج پوشی ادا کی جا رہی تھی۔ وہ اب میری ملکہ تھی اور میں اس کی رعایا۔ بالکل مس ماجدہ پیٹرز کی زبانی سنی ہوئی تھامس اکونیاس کی کہانی کی طرح یہ تھیں ملکہ معظمہ ول ہیلمنا۔ پیدائش کے دن،

مہینے اور سال نے ستارہ شناسوں کو یہ موقع فراہم کیا تھا کہ انہیں تخت وتاج کا وارث بنا دیں اور مجھے نچلے درجے پہ لے جا کر، ان کی رعایا میں سے ایک عام شخص۔ میری ملکہ کو تو شاید کبھی بھی یہ علم نہیں ہو سکے گا کہ میرا بھی دنیا میں کوئی وجود ہے۔

جزائر میں جمعہ کا دن تھا اور 7 ستمبر ۱۸۹۸ کی تاریخ جبکہ ہالینڈ میں ابھی جمعرات تھی اور ستمبر ۱۸۹۸ کی چھ تاریخ ! سکولوں کے طلبہ جشن تاج پوشی کے ہنگاموں میں گم تھے: مقابلے، جسمانی مہارت اور صلاحیتوں کے مظاہرے، فٹ بال کھیل، مداریوں کے کرتب اور والی بال وغیرہ۔ مجھے ان میں سے کسی میں بھی دلچسپی نہیں تھی۔ کھیل مجھے پسند ہی نہیں تھے۔

میرے اردگرد خوب چہل پہل تھی۔ توپوں کی سلامی کی گرج فضا میں گونج رہی تھی۔ مارچ پاسٹ کے ساتھ ملکہ کی عظمت کے نغمے بکھر رہے تھے۔ میرا دل خالی خالی اور شکستہ تھا، چنانچہ میں حسب عادت، اپنے پڑوسی اور کاروباری شریک جین میریز کے پاس جا دھمکا۔ جین فرانسیسی تھا، ایک ٹانگ سے محروم، لیکن اس کی کہانی ذرا بعد میں آئے گی۔ اس نے فرانسیسی میں میرا خیر مقدم کیا تاکہ میں بھی وہی زبان بولوں۔

"کاوا جین ! تھوڑا سا کام ہے تمہارے لیے۔ ایک بیٹھک کے ساتھ رہائشی سوٹ بنانا ہے۔ میں نے گاہک کی پسند کا ایک خاکہ اسے تھما دیا۔

"ماسٹر منکی"۔ برابر کے دروازے سے آواز آئی۔ میں نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا۔ مسز تلنگا نے اپنا ہاتھ لہرایا۔

"جین ! میں جا رہا ہوں، وہ غالباً مجھے کوئی کیک تحفتاً دینے آئی ہیں"۔

گھر آ کر مجھے کوئی کیک تو نظر نہیں آیا البتہ رابرٹ سرہوف وہاں موجود تھا۔

"کیوں بھئی، چل رہے ہو؟"

گیٹ کے سامنے ایک نئی نویلی بگھی، ہماری منتظر تھی، ہمارے بیٹھتے ہی بگھی کے گھوڑے حرکت میں آ گئے۔ کوچوان ایک بوڑھا جاوی تھا۔ "عام بگھیوں کے مقابلے میں اس کا کرایہ تو خاصا زیادہ ہوگا؟ "میں نے ڈچ زبان میں پوچھا۔

"بے وقوفی کی باتیں نہ کرو، منکی۔ یہ کوئی عام بگھی نہیں، چار پہیوں والی سستی سی بگھی !اس میں سپرنگ لگے ہوئے ہیں۔ سرابیا میں اپنی قسم کی پہلی بگھی ہے۔ بگھی کی تیاری پر اٹھنے والے تمام خرچ سے زیادہ قیمت تو صرف ان سپرنگس ہی کی ہوگی۔

"مان لیا بھئی، تم ٹھیک کہہ رہے ہو، اب بتاؤ راب، ہم جا کہاں رہے ہیں؟"

وہ اپنے مخصوص بے ہودہ، پراسرار لہجے میں کہنے لگا: اس جگہ، جہاں جانے کی خواہش ہر نوجوان کے دل میں ہوتی ہے اس فرشتہ سیرت کی وجہ سے، سنا منکی۔ خوش قسمتی سے مجھے اس کے بھائی نے دعوت دی ہے۔ آج تک کسی اور کو یہ دعوت نہیں ملی سوائے اس کے"۔ اس نے انگوٹھے سے اپنی جانب اشارہ کیا۔ "پتہ ہے، اس کے بھائی کا نام بھی رابرٹ ہے"۔

"اب تو بہت سے بچوں کے نام رابرٹ ہونے لگے ہیں۔۔۔۔۔ "اس نے میری سنی ان سنی کر دی اور بولتا رہا۔

"ہم دونوں کی ملاقات ایک فٹ بال میچ کے دوران ہوئی تھی اور اب، اس نے مجھے دوپہر کے کھانے پر بلایا ہے، بچھڑے کا گوشت مجھے بہت پسند ہے"۔ اس نے انتہائی احمقانہ انداز میں مجھ پر ایک نظر ڈالی۔

"لیکن بچھڑے۔۔۔۔۔ "میری سمجھ میں نہیں آیا۔

"بچھڑے کا گوشت، بچھڑے کا گوشت کھانا، بہرحال یہ مسئلہ ہے اور تمہارا مسئلہ"۔ اس نے چٹخارا لیتے ہوئے، اپنی آنکھیں مجھ پر گاڑ دیں۔ "رابرٹ کی وہ چھوٹی بہن ہے میں بھی تو دیکھوں تمہاری یہ مردانہ وجاہت کہاں تک تمہارے کام آتی ہے، بڑے رسیا بنتے ہو عورتوں کے"۔

بگھی جونہی وونو کرومو کی جانب، بلاؤرن کے راستے کرینگن سٹریٹ کی پتھریلی سڑک پر مڑی، اس کے پہیوں کا آہنی فریم کھڑکھڑانے لگا۔ "آؤ بھئی، گانا گاتے ہیں۔۔۔۔ میں آیا، اس میں نے دیکھا اور میں نے فتح کر لیا"۔ اس نے پہیوں کی کھڑکھڑاہٹ کے دوران، مجھے اکسانے کی بھرپور کوشش کی۔ "ارے، تمہارا تو ابھی سے رنگ اڑنے لگا۔ لگتا ہے، تمہیں بھی اپنی مردانگی پر یقین نہیں۔۔۔۔ ہاہاہا"۔

"تم یہ سب کچھ خود ہی لینے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔۔۔۔۔ بچھڑے کے گوشت کے ساتھ ساتھ وہ دیوی بھی۔۔۔۔؟"

"میں؟ بھئی میں تو خالص یورپی دیوی کے سوا کچھ سوچ ہی نہیں سکتا!"

اچھا تو وہ دوشیزہ کوئی مخلوط النسل مقامی لڑکی ہی تھی۔ رابرٹ سرہوف۔۔۔۔۔ ایک بار پھر آپ کو یاد دلا دوں کہ میں اس کا اصلی نام نہیں لے رہا۔۔۔۔ بھی جاوی تھا۔ اس کے ماں باپ بھی مقامی ہی تھے۔ رابرٹ کی پیدائش کے وقت اس کا باپ، اس کی ماں کو پیراک ہار بر لے گیا

تھا، جہاں ایک بحری جہاز ہمیز کرک لنگر انداز تھا۔اس کی ماں نے اسے، اسی جہاز پر جنم دیا، اس لیے اسے ڈچ شہریت کا حق دار سمجھا گیا، اس لیے اس کے دماغ میں یورپیت کا بھوت سوار تھا، مجھے بعد میں پتہ چلا کہ ڈچ بحری جہاز پر پیدا ہونا، قانونی طور پر، کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا اور اس کا رویہ غالبا رومن شہریت کے حامل یہودیوں جیسا لگتا تھا وہ خود کو اپنے ہی مقامی بھائیوں سے مختلف سمجھتا تھا۔ وہ ذہنی طور پر جاوی تھا ہی نہیں۔ البتہ، اگر وہ اس جہاز سے ایک کلومیٹر دور، پیراک کی بندرگاہ پر یا کسی اور میڈ ور بس جہاز پر پیدا ہوا ہوتا تو شاید اس کا رویہ خاصا مختلف ہوتا۔ مجھے کچھ کچھ سمجھ آنے لگی تھی کہ وہ کسی انڈو لڑکی میں دلچسپی کیوں نہیں لیتا۔ وہ لاشعوری طور پر خود کو ڈچ شہری سمجھتا تھا اور اپنی آئندہ نسلوں کے مستقبل تک کے لیے سوچتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ مستقبل میں۔۔۔۔ مقامی باشندے تو خیر چیز کیا ہیں۔۔۔۔ مخلوط النسل انڈو شہریوں سے بھی زیادہ متمول اور ذی حیثیت ہوگا۔

وہ صبح کچھ زیادہ ہی سہانی تھی۔ صاف ستھرے نیلے آسمان پر بادل کا نام ونشان تک نہ تھا۔ نو جوانی میں تو ویسے ہی ہر طرف خوشی کا راج محسوس ہوتا ہے۔ میری ہر کوشش کامیابی سے ہم کنار ہو رہی تھی۔ تعلیمی معاملات میں کوئی مشکل تھی ہی نہیں۔ دلی اور ذہنی الجھنیں بھی نہیں تھیں۔ دل آئینے کی طرف شفاف تھا اور وہ جس کی تاج پوشی ہوئی تھی؟ ظاہر ہے، یہ تو ہونا ہی تھا۔ عمارتوں اور ان کے دروازوں پر ساری سجاوٹ اسی کے لیے تھی، تمام سرکاری تقاریب اور اجتماعات اسی کے لیے ہو رہے تھے۔ دیوتاؤں کی محبوبہ، آسمان سے اتری دیوی !اور یہ سرہوف مجھے ایک ارضی لڑکی کے چکر میں ڈال کر، میرا مذاق اڑانا چاہتا تھا۔

انہی خیالوں میں گم، میں نے شہر کی جانب رواں دواں، دیہاتیوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، زرد پتھریلی سڑک سیدھی وونوکرمو جا رہی تھی۔ مکانات، خشک کھیت، سرسبز میدان، سڑک کے ساتھ ساتھ بانسوں کے بلند و بالا درخت، تا حد نظر پھیلے گھنے جنگلات اور ان پر سورج کی روپہلی کرنوں کی لگاتار بارش، یہ سب کچھ چشم زدن میں گزرتا چلا گیا: دور پس منظر میں فلک بوس مگر خاموش پتھریلی چٹانوں کا دھندلایا ہوا سلسلہ کوہ، گیان دھیان میں مصروف کسی سیناسی کے بت کی مانند۔

"نہیں، میں نے کہا نا، میں صرف کھانا کھانے جا رہا ہوں اور تم اسے مسخر کرنے"۔

"ہم جا کہاں رہے ہیں؟"

"عین نشانے کی سیدھ میں"۔

"راب؟ "میں نے حیرت زدگی میں، اس کے شانے پر ایک گھونسا جڑ دیا۔" بک بک نہ کرو، سچ بتاؤ"۔

مگر اس نے بتا کر نہیں دیا۔" اتنے کڑوے کڑوے منہ نہ بناؤ، اگر تم اپنی مردانگی کے جوہر دکھانے میں کامیاب ہو گئے تو"۔ اس نے اپنے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔" میں اپنے استادوں سے زیادہ تمہارا احترام کیا کروں گا اور اگر تم ناکام ہو گئے تو، یاد رکھنا، ساری زندگی میرے مذاق کا نشانہ بنتے رہو گے، منکی!"

"میری ہنسی اڑا رہے ہو"۔

"نہیں منکی، ایک دن تم بھی بوپاتی بن جاؤ گے۔ ممکن ہے تمہیں کسی اجاڑ بیابان علاقے کا حاکم بنا دیا جائے۔ میری دعا ہے کہ تمہیں زرخیز علاقہ ملے اور اگر یہ دیوی تمہاری شریک حیات ہوئی تو پیارے سارے بوپاتی تم سے حسد کے مارے جلا کریں گے"۔

"کس نے کہا کہ میں بوپاتی بنوں گا"۔

"میں نے، اور میں ہالینڈ میں اپنی تعلیم جاری رکھوں گا، انجینئر بنوں گا اور پھر ہم دونوں ملیں گے۔ میری بیوی بھی میرے ساتھ ہوگی۔ تمہیں پتہ ہے کہ میں تم سے پہلا سوال کیا کروں گا؟"

"تم خواب دیکھ رہے ہو، میں کبھی بھی بوپاتی نہیں بنوں گا"۔

"ارے سنونا ! میرا تم سے پہلا سوال یہ ہوگا۔ اے عورتوں کے رسیا، زانی مگرمچھ ! تمہارا حرم کہاں ہے؟"

"لگتا ہے تم مجھے ابھی تک غیر متمدن جاوی سمجھتے ہو"۔

"جاوی کیا، بوپاتی بھی تو زمین پر چلتے پھرتے کسی درندے سے کم نہیں ہوتا؟ "وہ زور سے ہنسا، اس کی ہنسی میں سخت چبھن تھی، ہنسی رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ وقت کے ساتھ، ہم سراپا سے دور ہوتے چلے جا رہے تھے۔ اس نے مجھے غصہ دلا دیا تھا۔ دراصل میرے احساسات کو با آسانی مجروح کیا جا سکتا ہے، اس لیے مجھے غصہ بھی جلد ہی آ جاتا ہے۔ راب کو کسی کے احساسات کی بھلا کیا پروا، وہ پہلے بھی کہہ چکا تھا۔۔۔۔۔"اگر کوئی امیر اور طاقت ور جاوی اپنا حرم رکھنے کا خواہاں نہیں تو وہ صرف کسی یورپی یا یوریشین لڑکی سے شادی کر کے ہی ایسا کر سکتا ہے"۔

پھر یقیناً کسی دوسری بیوی یا داشتہ کا تصور ممکن نہیں ہوگا"۔

بگھی دونو کرومو کی حدود میں داخل ہوگئی تھی۔ راب نے مجھے بائیں جانب دیکھنے کو کہا۔

چینی سٹائل کا مکان تھا، اردگرد وسیع احاطہ اور اس کے چاروں جانب سرسبز باڑ لگی تھی۔ اچھا خاصا مکان تھا۔ سامنے کے دروازے اور کھڑکیاں بند تھے۔ پوری عمارت پر سرخ پینٹ کیا ہوا تھا۔ میری حس لطافت کو اس میں کوئی دلکشی نظر نہیں آئی، اور ہوتی بھی تو کیوں، میں نہ گھر کو جانتا تھا اور نہ گھر والوں کو۔ یہ عیش کدہ یا چکلہ تھا جو کسی باباہ آہ تیانگ کی ملکیت تھا۔

بگھی اپنے راستے پر رواں دواں تھی۔ اس عیش کدے سے سو، ڈیڑھ سو میٹر تک زمین خالی پڑی تھی اور اس کے بعد، ایک دومنزلہ، لکڑی کا بنا ہوا مکان تھا، اس کے اردگرد بھی خاصا بڑا احاطہ تھا، چاروں جانب لکڑی کا جنگلا بنا ہوا تھا اور اس کے قریب ہی "بیتن سورگ زرعی کمپنی " کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ سرابیا اور دونو کرومو کا رہائشی ہر شخص جانتا تھا کہ یہ مسٹر مے لیما۔۔۔۔۔ ہرمن مے لیما۔۔۔۔ کا مکان ہے۔ لوگ اسے مسٹر مے لیما کا ذاتی محل سمجھتے تھے حالانکہ یہ محض ساگوان کا بنا ہوا گھر تھا۔ اس کی سرمئی رنگ لکڑی کی چھت دور سے ہی نظر آنے لگتی تھی۔ گھر کے سارے دروازے اور کھڑکیاں کھلے ہوئے تھے۔ آگے برآمدے کے بجائے، لکڑی کی وسیع وعریض سیڑھیوں کی حفاظت کے لیے ایک خاصا بڑا اور قیمتی شامیانہ لگا ہوا تھا۔

بات کچھ یوں تھی کہ لوگ صرف مسٹر مے لیما کا نام جانتے تھے۔ لوگوں نے انہیں زیادہ سے زیادہ ایک دو دفعہ دیکھا ہوگا، البتہ ان کی مقامی بیوی، نیائے اونتوساروہ کا ذکر لوگوں میں ہوتا رہتا تھا۔ مغربی مرد کی دوسری بیوی (لوگ اسے عموماً داشتہ کا درجہ دیتے ہیں) ہونے کے باوجود، وہ تیس سالہ دلکش خاتون، لوگوں میں مقبول تھیں۔ وہی اس اچھی خاصی بڑی زرعی کمپنی کی کرتا دھرتا تھیں۔ اونتوساروہ کا جاوی نام اسی بیتن سورگ کی وجہ سے انہیں ملا تھا۔ لوگوں کے مطابق، اس گھرانے اور کمپنی کی حفاظت کی ذمہ داری ایک مادوری لڑاکا ڈارسم اور اس کے ساتھیوں کے سپرد تھی۔ اس ساگوانی محل کے گرد کسی کو پھٹکنے کی بھی جرات نہ ہوتی تھی۔

میں چوکنا ہو کر بیٹھ گیا۔ بگھی اچانک مڑی، گیٹ میں گھسی، کمپنی کے بورڈ کے پاس سے گزرتی، سیدھی گھر کے سامنے والے زینے کے پاس جارکی، ایک ہلکی سی کپکپاہٹ بدن میں اٹھی۔ ڈارسم، جسے میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، میرے تصور میں در آیا۔ بھاری بھرکم مونچھیں، زبردست گھونسا اور ایک بہت بڑی درانتی، اس عجیب وغریب اور نامبارک محل سے کسی کو بھی دعوت

نامہ بھیجے جانے کی، کبھی کوئی کہانی نہیں بنی تھی۔

"یہاں؟ "میں نے پوچھا۔ رابرٹ جواب دیئے بغیر، فوراہی نیچے اتر گیا۔

ایک انڈو یوریشین نوجوان نے شیشے کا دروازہ کھولا اور سر ہوف کا خیر مقدم کرنے کے لیے زینوں سے نیچے اتر آیا۔ وہ میرا ہم عمر لگتا تھا۔ مقامی رنگت مگر مغربی نقوش لیے وہ طویل قد، کسرتی جسم کے ساتھ خاصا معقول لگا۔

"ہائے، راب!"

"اوہو، راب !" سر ہوف بڑے تپاک سے بولا۔ "میں اپنے ایک دوست کو ساتھ لایا ہوں، ٹھیک بھی کیا یا نہیں۔ ممکن ہے تمہیں یہ اچھا نہ لگے"۔

نوجوان نے میرے۔۔۔۔۔ ایک مقامی نوجوان کے۔۔۔۔۔ کے لیے کسی گرم جوشی کا اظہار نہیں کیا بلکہ اس کی چبھتی نظریں مجھے گراں گزریں، میں ذرا چوکنا ہو گیا۔ مجھے علم تھا کہ ہم کھیل کا ایک نیا راؤنڈ شروع کرنے جا رہے ہیں، اگر اس نے مجھے اندر لے جانے سے انکار کر دیا تو سر ہوف قہقہہ لگا کر مجھے کہے گا، ذرا باہر سڑک پر چہل قدمی ہی کر لو، کچھ دیر میرے لیے وہاں ممکن ہے ڈارسم مجھے بھگانے کے لیے موجود ہو۔ ابھی انکار اس کے منہ سے نہیں نکلا تھا۔ اس نے مجھے نکلنے کو نہیں کہا تھا۔ اس کے ہونٹوں کی ایک جنبش، مجھے اٹھا کر باہر پھینک دیتی۔ اف اللہ ! میں کہاں اپنا منہ چھپاؤں؟ لیکن نہیں، وہ اچانک مسکرایا اور اپنا ہاتھ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا:

"رابرٹ مے لیما "اس نے تعارف کرایا۔

"منکی "میں نے جواب دیا۔ وہ میرا ہاتھ تھامے، اس انتظار میں تھا کہ میں اپنا خاندانی نام بتاؤں گا۔ اس نے بھنویں اچکائیں، میں سمجھا: وہ سوچ رہا تھا کہ شاید میرے والد نے مجھے قانونی طور پر نہیں اپنایا۔ خاندانی نام کے بغیر، کوئی بھی جاوی قابل نفرت سمجھا جاتا تھا۔ میں بھی مقامی تھا لیکن اس نے میرا خاندانی نام پوچھنے پر اصرار نہیں کیا۔

"خوشی ہوئی تم سے مل کر، آؤ، اندر چلیں"۔

ہم سیڑھیاں چڑھ کر اوپر گئے۔ رابرٹ مے لیما کی تیز نگاہی میرے شکوک اور وہم ختم نہ کر سکی تھی لیکن لمحہ بھر میں میرے سارے شک اور وہم غائب ہو گئے۔ ہمارے سامنے ایک لڑکی کھڑی تھی۔ سفید رنگت، شفاف مغربی چہرہ، دیسی بال اور آنکھیں، وہ آنکھیں، وہ چمکدار آنکھیں(" !دن کے اجالے میں چمکتے دوستارے"۔ میں نے اپنے نوٹس میں انہیں اسی نام سے

پکارا ہے)اگر سر ہوف اسی لڑکی کے بارے میں کہہ رہا تھا تو اس کا کہنا بالکل صحیح تھا۔ وہ ملکہ سے کہیں زیادہ خوبصورت اور حسین تھی۔ زندگی سے بھر پور، گوشت پوست کی بنی ہوئی، وہ کوئی تصویر نہیں تھی۔

"انالیز مے لیما"۔اس نے پہلے مجھ سے اور پھر سر ہوف سے ہاتھ ملایا۔

اس کے ہونٹوں سے نکلی ہوئی آواز نے مجھ پر وہ انمٹ تاثر چھوڑا جو تازندگی بھلایا نہیں جا سکتا۔

ہم چاروں بید سے بنی ایک سے ٹی پر بیٹھ گئے۔ جلد ہی رابرٹ سر ہوف اور رابرٹ مے لیما تو فٹ بال کے بارے میں گفتگو میں محو گئے۔ (مجھے فٹ بال سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، چنانچہ ان کی گفتگو میں شامل ہونا مجھے بڑا عجیب لگا) میری آنکھیں وسیع وعریض ڈرائنگ روم کا جائزہ لینے لگیں، فرنیچر، چھت، لٹکے ہوئے بلوریں شیشے، شمع دان، گیس کی لٹکتی روشنیاں، تانبے کے پائپوں کے ساتھ (میں گیس کے مرکزی ٹینک کے متعلق کوئی اندازہ نہیں لگا سکا) تخت وتاج سے حال ہی میں دست بردار ہونے والی ملکہ ایما کی، بھاری بھر کم لکڑی کے فریم والی، دیوار پر لٹکی تصویر۔ فرنیچر کے ایک تاجر کی حیثیت میں، ماحول پر ایک اچٹتی نظر سے مجھے پتا چل گیا کہ یہ سب چیزیں ماہر فنکاروں کی صناعی کا نتیجہ ہیں اور ظاہر ہے بہت قیمتی بھی ہیں۔ اور سے ٹی کے نیچے بچھا ہوا قالین اتنے خوبصورت ڈیزائن کا تھا کہ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اور بار ہا ایسا ہوا کہ ادھر ادھر گھومتی نظریں بالآخر انالیز کے چہرے پر جا رکتیں۔

"اتنے خاموش کیوں ہیں آپ؟ "انالیز نے پوچھا۔ وہ مجھ سے عام فہم ڈچ میں ہی مخاطب ہوئی تھی۔

ایک دفعہ پھر میری نظریں اس کے چہرے پر جا رکیں مگر میں اس کی آنکھوں میں نہیں جھانک پایا۔ خاندانی نام کے بغیر اور ایک مقامی ہونے کے باوجود کیا وہ مجھ سے متنفر نہیں تھی۔ میں صرف ہلکی سی مسکراہٹ کے ذریعے ہی جواب دے سکتا تھا۔۔۔۔۔ ایک دفعہ پھر میں نے خود کو ادھر ادھر مصروف کرنے کی کوشش کی۔ فرنیچر کو دیکھتے ہوئے بے ساختہ نکلا:

"یہاں کی ہر چیز ہی خوبصورت ہے"۔

"آپ کو پسند آئیں یہ سب؟"

"بہت زیادہ !"ایک دفعہ پھر میری آنکھیں اس پر جم گئیں۔ ان تمام خوبصورت چیزوں

کے عین درمیان اس کی موجودگی، ہر شے کے حسن اور دلکشی کو ماند کر رہی تھی۔

"آپ اپنا خاندانی نام کیوں چھپاتے ہیں؟ "اس نے پوچھا۔

"میں نے اسے نہیں چھپایا"۔ میں نے جواب دیا۔ دوبارہ پریشانی کا غبار میرے ذہن پر چڑھنے لگا۔" کیا خاندانی نام بتانا بہت ضروری ہے؟ "میں نے رابرٹ سرہوف کی جانب نظر ڈالی۔ میرے نظریں ہٹانے سے پہلے، اس نے بھی میری جانب دیکھا۔

"بالکل، بتانا چاہیے"۔ انالیز نے کہا۔"ورنہ لوگ سوچیں گے کہ آپ کے والد نے آپ کو ابھی تک نہیں اپنایا"۔

"میرا خاندانی نام ہے ہی نہیں۔ سچ جانیں، میرا ایسا کوئی نام نہیں"۔ میں نے چالبازی سے جواب دیا۔

"اوہ !"اس نے آہستگی سے کہا"معافی چاہتی ہوں"۔ وہ لمحے بھر کو چپ رہی پھر بولی۔ "یہ کوئی ایسی بات نہیں"۔

"دراصل میں انڈو ہوں ہی نہیں"۔ میں نے مدافعانہ انداز میں بات آگے بڑھائی۔

"اوہ !"ایک بار پھر اس کے چہرے پر حیرت کا رنگ آیا۔" نہیں؟"

مجھے یوں لگا، میرا دل تیزی سے دھڑکتا ہوا، سینے سے باہر نکل آئے گا، وہ سمجھ گئی تھی کہ میں مقامی ہوں۔ اب مجھے کسی بھی لمحے اٹھا کر باہر پھینکا جا سکتا ہے۔ رابرٹ سرہوف کی اچٹتی نظریں مجھے اپنے جسم میں چبھتی محسوس ہو رہی تھیں۔

میں نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو رابرٹ مے لیما انالیز کو بری طرح گھور رہا تھا۔

اسی لمحے، وہ میری طرف مڑا، اس کے ہونٹ غصے سے بھنچے ہوئے تھے، اوہ خدایا! میرے ساتھ کیا ہونے والا تھا؟ کیا مجھے کسی کتے کی طرح اٹھا کر باہر پھینک دیا جائے گا اور سرہوف میری بے بسی پر قہقہے لگا رہا ہوگا؟ اس کی آنکھیں گویا مجھے ذبح کئے جا رہی تھیں۔ مے لیما گھرانے کا چشم و چراغ پلکیں جھپکانا تک بھول گیا تھا۔

ایک لمحے کو میری بصارت دھندلا سی گئی۔ وہاں نہ انالیز کا چہرہ تھا اور نہ ہی اس کا بدن۔ خالی سفید گاؤن میری آنکھوں کے آگے لہرا رہا تھا۔ اب مجھے احساس ہوا کہ دراصل سرہوف مجھے کسی اور کے گھر لے جا کر، میری بے عزتی کرانا چاہتا تھا۔ بہرحال مجھے اپنی حماقت کا خمیازہ تو بھگتنا ہی تھا اور ایک دو لمحے بعد ڈارسم کو بلایا جائے تا کہ وہ مجھے دھکے دے کر، باہر سڑک تک چھوڑ

آئے۔

اچانک میرے کانوں میں انالیز کی تیز مگر مترنم ہنسی کی آواز گونجی۔ مجھے لگا، میرا دل دھڑکنا بھول رہا ہے۔ آہستہ آہستہ، میں نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھنا شروع کیا، اس کے خوبصورت، موتی کی طرح چمکتے ہوئے دانت نظر آرہے تھے۔ اتنے آبدار اور حسین دانت بھی پہلے کبھی میں نے نہیں دیکھے تھے۔ ظالم، عورتوں کے شیدائی !اس صورت حال میں بھی تم خوبصورتی کی تعریف سے باز نہیں آرہے۔

"مقامی ہونا کوئی بری بات نہیں"۔ ہنستے ہنستے وہ بولی۔

رابرٹ مے لیما کی نظریں اپنی چھوٹی بہن کی طرف گھوم گئیں اور انالیز بھی چیلنج کے سے انداز میں، سیدھی، اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی، بالآخر بھائی نے اپنی توجہ دوسری طرف کر لی۔

کیسا عجیب وغریب ڈرامہ تھا؟ رابرٹ سرہوف نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا۔ مے لیما بھی چپ رہا۔ شاید وہ دونوں چاہتے تھے کہ میں ان سے معذرت طلب کروں، صرف اس لیے کہ میرا کوئی خاندانی نام نہیں تھا اور میں مقامی بھی تھا۔ میں معافی کیوں چاہوں؟ ایسا تو ممکن ہی نہیں۔

"مقامی ہونا تو اچھی بات ہے"۔ انالیز نے دھیرے سے کہا۔ "میری ماں بھی مقامی ہیں۔۔۔۔۔ مقامی جاوی۔۔۔۔۔ منکی، آپ میرے مہمان ہیں"۔ اس کے لہجے میں تحکم تھا، اور پھر میری جان میں جان آئی۔

"شکریہ!"

" لگتا ہے، آپ کوفٹ بال سے کوئی دلچسپی نہیں، میرا بھی یہی حال ہے، چلیں، ہم کہیں اور بیٹھتے ہیں"۔

وہ اٹھی اور میری راہنمائی کرنے کے لیے اپنا ہاتھ، ایک ادائے محبوبانہ کے ساتھ، میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے خود کو سنبھالا، اس کے بھائی اور سرہوف سے اشارتاً اجازت چاہی۔ ان کی نظریں ہمارے تعاقب میں تھیں۔ انالیز نے پیچھے مڑ کر، سرہوف کی جانب معذرت خواہانہ مسکراہٹ اچھالی۔

وسیع ڈرائنگ روم کو پار کرتے وقت مجھے اپنی چال میں ڈگمگاہٹ محسوس ہوئی۔ یوں لگ رہا تھا، ان دونوں کی نگاہیں میری پشت کے آرپار ہو رہی ہیں۔ ہم پچھلی طرف کے کمرے میں آ

گئے۔ یہ کمرہ ڈرائنگ روم سے بھی زیادہ آراستہ نظر آ رہا تھا۔ تمام دیواریں ہلکے براؤن رنگ کی تھیں۔ اس پر ساگوانی وارنش کی گئی تھی۔ ایک کونے میں کھانے کی میز اور اس کے گرد چھ کرسیاں تھیں۔ ساتھ ہی دوسری منزل کو جانے والی سیڑھیاں تھیں، باقی تینوں کونوں میں بھی چھوٹی چھوٹی میزیں لگی ہوئی تھیں، جن پر مغربی پھولوں کے گل دستے سجے ہوئے تھے۔

قیمتی اشیا میں میری محویت دیکھ کر، وہ مجھے ڈسپلے کیبنٹ کی طرف لے گئی۔ یہ کیبنٹ کھانے کی میز کی دوسری جانب دیوار کے ساتھ ایستادہ تھی۔ اس میں صناعی کے ایسے اعلیٰ نمونے موجود تھے، جو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔

"اس وقت چابیاں میرے پاس نہیں ہیں"۔ انالیز نے کہا۔ "یہ مجھے بے پناہ پسند ہے"۔ اس نے کانسی کے ایک چھوٹے سے مجسمے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "مما کا کہنا ہے کہ یہ کسی مصری ملکہ کا مجسمہ ہے"۔ ایک لمحے کو وہ سوچ میں پڑ گئی۔ "اگر میں غلطی نہیں کر رہی تو اس کا نام نفریتی ہے"۔

اس مرصع مجسمے کا نام کچھ بھی رہا ہو، میں تو اس دیہاتی عورت پر حیران ہو رہا تھا جو ایک مصری ملکہ کا نام تک جانتی تھی۔

اسی کیبنٹ میں "ارلنگا" کی منقش تصویر بھی تھی، اسے ایک دیومالائی کردار شاہین کی پشت پر سوار دکھایا گیا تھا، دوسری اشیا کے برعکس، اس میں سادہ لکڑی کی جگہ، کسی اور چیز کو کشیدہ کاری کے لیے استعمال کیا گیا تھا، جو میرے علم میں نہیں تھی۔

پہلے شیلف میں، مختلف جانوروں کے چہروں کے سرا مک ماسک قطار اندر قطار موجود تھے۔

"یہ تمام ماسک سی یو پی نامی کہانی کے مختلف کرداروں کے ہیں؟" اس نے وضاحت کی۔ "سن رکھی ہے یہ کہانی؟"

"ابھی تک تو نہیں سنی"۔

"میں کسی دن یہ کہانی سناؤں گی آپ کو"۔ پتہ نہیں آپ کو پسند بھی آئے گی یا نہیں؟"

پوچھنے کے انداز میں خاصی دوستانہ گرم جوشی تھی، اس کے ساتھ ہی ہمارے درمیان موجود اجنبیت کی فضا چھٹنے لگی۔

"پسند کیوں نہیں آئے گی"۔

"پھرتو آپ کو یہاں آنا ہوگا"۔

"مجھے یہاں آنے میں خوشی ہوگی"۔

یہاں بوپاتی عمارتوں کی طرح، اسٹینڈز کے نچلے حصے میں سیپیوں اور گھونگھوں کی پچی کاری اور نقاشی نہیں نظر آئی۔ ایک نچلی سطح کی متحرک میز پر فونوگرام رکھا ہوا تھا۔ فونوگرام کا نچلا حصہ موسیقی کے ریکارڈز رکھنے کے لیے استعمال ہوتا ہوگا۔ میز پر خوبصورت نقاشی کی گئی تھی۔ یہ خصوصی طور پر بنوائی گئی ہوگی۔

"آپ چپ کیوں ہیں؟ "اس نے دوبارہ پوچھا۔"ابھی سکول میں ہی زیر تعلیم ہیں؟"

"رابرٹ سرہوف کے سکول کے دوستوں میں سے ہوں"۔

" لگتا ہے میرے بھائی کو اس کی دوستی زیادہ ہی پسند ہے۔ ڈچ سکول کا پڑھا ہوا ہے نا۔ چلیں، ڈچ سکول کا میرا بھی کوئی دوست بن گیا، کیوں جناب !" پھراچانک وہ اپنے پیچھے موجود دروازے کی طرف مڑی اور زور سے بولی۔"مما، یہاں آئیں، مما میں آپ کو ایک مہمان سے ملواؤں"۔

لمحے بھر میں، ایک مقامی خاتون زرق برق سفید بلاؤز میں ملبوس، اسی دروازے سے نمودار ہوئیں۔ چاندی کے منقش سیاہ سلیپر ان کے پاؤں میں تھے۔ ان کے رکھ رکھاؤ، شاداب چہرے، ممتا بھری مسکراہٹ اور بناؤ سنگار نے پہلی ہی ملاقات میں، مجھ پر گہرا اثر چھوڑا۔ وہ خاصی کم عمر اور دلکش لگ رہی تھیں۔ کسی گلابی پھول کی طرح حسین۔ یہ تھیں وہ نیائے اونتوسارو جو ونوکروموا اور سرابیا کے لوگوں کی توجہ کا مرکز تھیں۔ ہر خاص و عام کی زبان پر ان کا نام تھا۔ وہ ایک بڑی زرعی کمپنی کا پورا انتظام سنبھالے ہوئے تھیں۔

"ہاں، انالیز، کون ہے تمہارا مہمان؟ "حیرت کا ایک اور جھٹکا: نیائے ڈچ بول رہی تھیں۔

"ڈچ سکول کا ایک طالب علم، مما"۔

"اچھا ! کیا یہ سچ ہے؟ "نیائے نے مجھ سے پوچھا۔ وہ اچھی روانی سے اور صحیح تلفظ کے ساتھ ڈچ بول رہی تھیں۔

میں ہچکچاہٹ کا شکار ہوگیا۔ آیا مجھے۔۔۔۔۔ انہیں مغربی خاتون سمجھ کر۔۔۔۔۔ ان سے

ہاتھ ملانا چاہیے یا مقامی خاتون سمجھ کر، ان کی جانب توجہ ہی نہیں دینی چاہیے۔لیکن ہوااس کے برعکس، انہوں نے کمال شائستگی سے میری جانب ہاتھ بڑھایا اور میں نے بوکھلا کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔ یہ مقامی روایت کے خلاف اور مغربی طور طریقوں کے عین مطابق تھا۔ مجھے پتہ نہیں تھا، ورنہ اصولا، مجھے ہی پہلے ہاتھ بڑھانا چاہیے تھا۔

"انالیز کے مہمان، میرے بھی مہمان ہوتے ہیں"۔انہوں نے انتہائی نفیس ڈچ میں کہا۔ " مگر میں تمہیں کس طرح مخاطب کروں؟تم انڈو۔۔۔۔۔۔تو ہونہیں"۔

"جی، میں انڈو نہیں ہوں"۔ میں انہیں کس نام سے مخاطب کروں؟ نیائے یا مادام؟

"تم واقعی ڈچ سکول کے پڑھے ہوئے ہو؟ "انہوں نے زیرلب مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

"جی ہاں، یہ سچ ہے۔۔۔۔۔"

"لوگ مجھے نیائے اونتو سارو ہ کہتے ہیں۔ وہ ہیتن سورگ کا تلفظ ادا نہیں کر پاتے نا۔سینو، تم بھی یہ نام لیتے ہچکچا رہے ہو، سب کا یہی حال ہوتا ہے، پریشان نہ ہو"۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔انہوں نے بھی میری بوکھلاہٹ کو نظر انداز کر دیا۔

"اگر تم ڈچ سکول کے طالب علم ہو تو یقیناً تم کسی بوپاتی کے بیٹے ہو گے۔کس ضلعے کے بوپاتی ہیں تمہارے والد؟"

"نہیں، نی، نی۔۔۔۔۔"

"تم میرا نام لیتے اتنے زیادہ گڑبڑا رہے ہو، چلو تم مجھے مما کہہ کر مخاطب کرو، انالیز کی طرح۔۔۔۔۔بشرطیکہ تم برا نہ سمجھو تو"۔

"ہاں، منکی"۔ بیٹی نے ٹکڑا لگایا۔"مما ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں۔تم انہیں مما ہی کہو"۔

"میں کسی جگہ کے بوپاتی کا بیٹا نہیں ہوں، مما"۔ اور اس نئے نام کے ادا کرتے ہی، میرے اور ان کے درمیان بیگانگی، اجنبیت اور تکلف کی دیوار، ایک دم غائب ہو گئی۔

"پھر تم کسی پاتح کے بیٹے ہو گے"۔ نیائے اونتو سارو ہ نے بات بڑھائی۔

"نہیں، ایسا بھی نہیں ہے، مما!"

"ٹھیک ہے بھئی، یہ تو خوشی کی بات ہے کہ انالیز کا کوئی دوست بھی ہے، جو اسے ملنے آیا ہے، ارے این !اپنے مہمان کی ذرا اچھی طرح خاطر تواضع کرنا"۔

"بے فکر رہیں مما"۔اس نے شگفتگی سے جواب دیا۔ ماں کی حوصلہ افزائی نے اسے مطمئن کر دیا تھا۔

نیائے اونتو سارہ وہ اٹھ کر چلی گئیں۔ میں اس مقامی خاتون سے مل کر بہت متاثر ہوا تھا۔ وہ نہ صرف شاندار ڈچ بولتی تھیں بلکہ وہ کسی مہمان مرد کی وجہ سے ذہنی الجھاؤ کا شکار بھی نہیں ہوئیں۔ انہوں نے کہاں تعلیم پائی ہوگی؟ اور وہ نیائے۔۔۔۔۔ یورپی شوہر کی دوسری بیوی۔۔۔۔۔ کے مرتبے میں ہی کیوں اٹکی رہ گئیں؟ انہیں پڑھانے والا تھا کون، جو وہ بالکل کسی مغربی عورت کی طرح آزاد خیال ہوگئیں؟ عجیب عجیب شکوک اور اوہام، شکل بدل بدل کر، میرے گرد پریشانی کے قلعے تعمیر کر رہے تھے۔

"میں خوش ہوں کہ آپ میرے مہمان ہیں"۔اس نے شوخ لہجے میں کہا۔"پہلے کبھی کوئی مجھے ملنے نہیں آیا۔لوگ یہاں آتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ یہاں تک کہ میرے سکول کے پرانے دوست بھی نہیں آتے"۔

" کون سے سکول میں زیر تعلیم تھیں؟"

"ای۔ایل۔ایس۔ میں تھی لیکن میں چوتھی جماعت میں بھی نہیں جا سکی"۔

"تعلیم کیوں جاری نہیں رکھی؟"

انالیز نے اپنی انگلی ہونٹوں تلے دبائی اور میری جانب دیکھنے لگی۔"ایک حادثہ ہو گیا تھا"۔ اس نے جواب دیا اور پھر چپ ہوگئی، اچانک اس نے پوچھا۔"تم مسلمان ہو؟"۔۔۔۔۔

" کیوں؟"

"اس لیے کہ تم سور کا گوشت نہیں کھاتے ہوگے"۔

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ایک خادمہ چاکلیٹ ملا دودھ اور کیک لے آئی۔خادمہ نے مقامی رسم کے مطابق سر جھکا کر سلام کرنے کے بجائے، حیرت سے مجھے تکنا شروع کر دیا۔ مقامی آقاؤں کے ہاں ایسا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔اسے لازماً اور مسلسل کورنش بجالانا چاہیے تھی۔ زندگی کتنی خوبصورت ہوجائے اگر کسی کو کسی دوسرے کے سامنے سر نہ جھکانا پڑے۔

"میرے مہمان مسلمان ہیں"۔انالیز نے اپنی خادمہ کو جاوی میں مخاطب کیا۔"اچھی طرح سمجھا دینا کہ پورک کسی اور خوراک میں بالکل نہ لگنے پائے"۔پھر وہ میری طرف مڑی اور پوچھنے لگی۔"اتنے چپ چپ کیوں ہیں آپ؟"

"تمہیں پتا نہیں؟ "جواباً، میں نے سوال داغ دیا۔" کیونکہ میں نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ ایسی خوبصورت دیوی سے بھی میرا سامنا ہو سکتا ہے"۔ وہ چپ ہو گئی اور اپنی ستارہ آنکھوں سے مجھے تکنے لگی۔ مجھے اپنے کہے پر افسوس ہونے لگا۔ انتہائی آہستگی سے، ہچکچاتے ہوئے، اس نے پوچھا۔"اس دیوی کے لفظ سے، آپ کس کی جانب اشارہ کر رہے ہیں؟"

"تمہاری طرف"۔ میں نے سرگوشی کی۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس نے اپنا سر اٹھایا، اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی تھیں۔

"میری طرف، تمہارا کہنا ہے کہ میں خوبصورت ہوں؟"

نہ جانے کہاں سے مجھ میں جرات آ گئی، میں نے بہ اصرار کہا:"اس میں کوئی شبہ ہی نہیں"۔

"مما"۔ انالیز حیرت زدگی میں، زور سے چیخی اور پچھلے دروازے کی طرف مڑ گئی۔ تباہی! میں بھی کچھ کم زور سے نہیں چیخا ہوں گا مگر میری آواز، دل ہی میں، گھٹ کر رہ گئی۔ وہ پچھلے دروازے تک چلی گئی تھی۔ غالباً وہ نیائے کو بتانا چاہ رہی تھی۔ عجیب پاگل لڑکی ہے، ایک جانب اتنی خوبصورت اور دوسری جانب یہ تضاد۔ غالباً وہ اپنی ماں سے شکایت کرنے جا رہی ہے کہ منکی بہت ہی بے ہودہ آدمی ہے۔ دراصل یہ مکان ہی منحوس لگتا ہے، نہیں، نہیں، یہ منحوس نہیں ہے، اگر کچھ ہوا بھی تو میرے اپنے کرتوت کی وجہ سے ہی ہوگا۔

نیائے دروازے میں نمودار ہوئیں اور میری طرف بڑھیں۔ میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ غالباً مجھ سے ہی حماقت ہوئی تھی۔ اس یا وہ کو کو سزا ضرور دیجئے مگر رابرٹ سرہوف کے سامنے شرمندہ نہ کریں۔

"اب کیا بات ہے این؟ کیوں بھئی، اس نے کوئی بحث مباحثہ شروع کر دیا کیا؟ "انہوں نے میری جانب دیکھا۔

"نہیں، ہم کوئی بحث نہیں کر رہے تھے"۔ لڑکی نے چہکتے ہوئے کہا، پھر انتہائی لاڈلے انداز میں شکایت کرنے لگی۔"مما "اس نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔"مما ذرا تصور کریں، منکی مجھے خوبصورت کہہ رہے ہیں"۔

نیائے نے مجھے گھورا، اس کا سر تھوڑا سا جھکا ہوا تھا۔ پھر انہوں نے اپنی بیٹی کا جائزہ لیا اور پھر اپنی بیٹی انالیز کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے گویا ہوئیں:" جانتی تو ہو، میں تمہیں پہلے بھی

کہتی رہی ہوں کہ تم خوبصورت ہو۔ غیر معمولی خوبصورت ! تمہارے حسن کے بارے میں کوئی شبہ ہو ہی نہیں سکتا۔ منکی نے غلط نہیں کہا"۔

"اوہ مما !" انالیز کے چہرے پر سرخی چھا گئی۔

نیائے میرے برابر والی کرسی پر بیٹھ گئیں اور کہنے لگیں۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم یہاں آئے۔ دوسرے انڈو بچوں کی طرح یہ کبھی بھی میل جول کی عادی نہیں رہی۔ یہ ابھی تک انڈو ہی نہیں بن سکی"۔

"میں انڈو ہوں بھی نہیں"۔ بیٹی نے فوراً بات کاٹی۔ "اور انڈو بننا بھی نہیں چاہتی۔ میں تو مما جیسی بننا چاہتی ہوں"۔

میری حیرت میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ پتہ نہیں اس گھرانے میں کیا ہو رہا تھا۔

"سن رہے ہو تم۔ یہ مقامی بننا پسند کرتی ہے۔ سنیو، تم چپ چپ کیوں ہو؟ شاید تمہیں میرا سنیو کہنا اچھا نہیں لگ رہا۔ یہ بھی کوئی مخاطب کرنے کا انداز ہوا بھلا؟

"نہیں، مما نہیں"۔ میں نے فوراً ہی جواب دیا۔

"کچھ الجھے ہوئے سے لگ رہے ہو"۔

الجھن تو ہونی ہی تھی۔ نیائے اونتو سارو کے رویئے میں وہ ممتا جھلک رہی تھی، جو عرصہ ہوا، میں فراموش کر چکا تھا۔ جیسے انہوں نے ہی مجھے جنم دیا ہو، مجھے ان میں ماں نظر آئی حالانکہ وہ میری ماں سے بہت کم عمر نظر آ رہی تھیں۔ میں اپنے احمقانہ رویے کی وجہ سے، نیائے کے آگ بگولہ ہونے کا منظر تھا مگر انہیں غصہ نہیں آیا۔ بالکل میری ماں کی طرح، وہ بھی کبھی مجھ پر ناراض نہیں ہوتی تھیں۔ کسی نامعلوم خدشے نے، دل ہی دل میں سر اٹھایا، انہیں اپنی ماں سے، نہ ملاؤ، یہ صرف ایک نیائے ہیں۔ جائز شادی کا اسے کیا پتہ، جس نے ناجائز بچوں کو جنم دیا ہو۔ گھٹیا کردار، اپنے آرام و آسائش کی خاطر، اپنی عزت بیچ ڈالی۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا تھا کہ انہیں کسی بات کا علم ہی نہیں ہوگا، ان کا ملائم لہجہ، رواں ڈچ اور اپنی بیٹی کے لیے انتہائی نفیس رویہ، سوجھ بوجھ اور وسیع ظرف، یہ سب کچھ عام عورتوں جیسا تو نہیں تھا، ان کا رویہ تو بالکل تعلیم یافتہ یورپی عورتوں کا سا لگتا تھا۔

"مشکل یہ ہے این"۔ نیائے نے بات آگے بڑھائی۔ "تم میل جول پسند ہی نہیں کرتیں، بس اپنا مما کے سینے سے لگی رہنا چاہتی ہو۔ اب تو انیسویں سال میں جا رہی ہو"۔ لیکن

فوراً ہی وہ میری جانب متوجہ ہوگئیں۔" کیا تم اسی طرح لڑکیوں کی تعریف کرتے رہتے ہو"۔

یہ سوال بجلی کی مانند چمکا، اس سے چھکتی فضا نے مجھ میں حوصلہ پیدا کر دیا، میں بڑے نپے تلے لہجے میں بولا۔

"اگر لڑکی واقعی خوبصورت ہو تو اس کی تعریف کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں، یا ہے؟"

"چاہے لڑکیاں یورپ کی ہوں یا مقامی؟"

"مقامی لڑکیوں کی تعریف کرنا کس طرح ممکن ہے، ان کے تو قریب جانا بھی ناممکن ہے، مما، صرف یورپی لڑکیوں کی حد تک یہ بات صحیح ہے"۔

" کیا تم میں اس طرح کی بات کرنے کا حوصلہ ہے؟"

"ہمیں اپنے جذبات ایمان داری سے پیش کرنے کی تربیت دی گئی ہے"۔

"تو تم صرف مغربی لڑکیوں کے حسن کی تعریف ہی، ان کے منہ پر، کر سکتے ہو"۔

"جی، مما، میرے اساتذہ مغربی تہذیب ہی سکھاتے ہیں"۔

"تمہارے اس طرح کے تاثرات پر، ان کا ردِعمل عموماً کیا ہوتا ہے؟ ناراضگی کا؟"

"نہیں، مما، کون ہوگا جو اپنی تعریف پسند نہ کرے۔ میری ٹیچر، کا کہنا ہے کہ اگر کوئی لڑکی اپنی تعریف کو اپنی بے عزتی سمجھتی ہے تو دراصل یہ اس کے اپنے اندر کی خباثت ہوتی ہے"۔

"تو یہ مغربی لڑکیاں اس کا جواب کس طرح دیتی ہیں؟"

"وہ، مما، جواب میں شکریہ ادا کرتی ہیں"۔

"جیسے کتابوں میں ہوتا ہے؟"۔۔۔۔۔ یہ مغربی کتابیں بھی پڑھتی ہیں، یہ نیا ئے؟

"اچھا این، ان کا شکریہ ادا کرو"۔

مقامی لڑکیوں کی طرح، اس کے چہرے پر شرم اور گھبراہٹ کی ملی جلی کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ چپ بیٹھی رہی۔

"اور انڈو لڑکیاں۔۔۔۔۔ ان کا کیا جواب ہوتا ہے؟ "نیائے نے پوچھا۔

"اگر وہ مغربی تعلیم و تربیت سے بخوبی آشنا ہیں تو ان کا رویہ بھی اسی طرح کا ہوتا ہے"۔

"اور اگر ان کی تربیت ایسی نہ ہوئی ہو تو۔۔۔۔؟"

"ایسا نہ ہو اور وہ تھوڑی بہت خبطی بھی ہوں تو گالیاں بھی دے سکتی ہیں"۔

"پھر تو بعض اوقات تمہیں گالیاں بھی پڑ جاتی ہوں گی؟"

شاید میرے چہرے پر آتی سرخی دیکھ کر، وہ مسکرا دیں، پھر وہ اپنی بیٹی کی جانب مڑ کر بولیں۔ "سن لیا تم نے، این، چلوان کا شکریہ ادا کرو۔ لیکن نہیں ایک لمحے کو ٹھہرو۔ نیو، ایک بار پھر وہی الفاظ دہراؤ تاکہ میں بھی سن سکوں"۔

مجھ پر گھبراہٹ طاری ہوگئی۔ میں کسی قسم کی شخصیت سے الجھا ہوا تھا۔ وہ کسی کو مسخر کرنے اور اس کے ذہن پر چھا جانے کی زبردست صلاحیت رکھتی تھیں۔ "مجھے سنانا نہیں چاہتے؟" انہوں نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اچھا ٹھیک ہے"۔

وہ اٹھ کر چل دیں، میری اور انالیز کی نظریں، انہیں جاتے، دیکھتی رہیں، یہاں تک کہ وہ دروازے کے پیچھے غائب ہوگئیں۔ ہم دونوں، عالم حیرت میں، بالکل بچوں کی طرح، ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ پھر بے ساختہ میرے منہ سے قہقہہ ابل پڑا۔ اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے، منہ دوسری جانب پھیر لیا۔

خدا جانے، کس قسم کا گھرانا ہے یہ ! رابرٹ مے لیما کی خوفناک، جسم میں اترتی ہوئی تیز نظر، انالیز مے لیما کی بچوں جیسی حرکات اور لوگوں کے دل ودماغ پر لمحے بھر میں چھا جانے والی اونتو سارہ وہ۔ اتنی سحر انگیز شخصیت کہ میں یہ بھول ہی گیا کہ وہ ایک ڈچ کی غیر قانونی بیوی ہی تو ہیں۔ اور مسٹر مے لیما، اس بے اندازہ دولت کے مالک، وہ نہ جانے کیا چیز ہوں گے؟

"تمہارے والد کہاں ہیں؟ "میں نے پوچھا۔ انالیز کو غصہ آ گیا۔ "ان کے بارے میں لاعلم ہی رہو تو بہتر ہے۔ مجھے بھی ان کے بارے میں جاننے کی کوئی خواہش نہیں اور۔۔۔۔۔ نہ ہی مما کو"۔

" مگر کیوں؟ "میں پھر پوچھ بیٹھا۔

"موسیقی سننا پسند کرو گے؟"

"اس وقت نہیں"۔۔۔۔۔۔ غرض دوپہر کا کھانا لگنے تک اسی طرح کی گفتگو چلتی رہی۔

رابرٹ مے لیما، رابرٹ سرہوف، انالیز اور میں میز کے اردگرد بیٹھ گئے۔ دروازے کے قریب، ایک نوجوان خادمہ، احکامات کی تعمیل کے لیے، کھڑی رہی۔ سرہوف اپنے دوست کے ساتھ بیٹھا، کبھی کبھار، مجھ پر اچٹتی نظر ڈال لیتا تھا، انالیز بھی اس کی نگاہ کا نشانہ تھی۔ مما، میز کی کرسی پر بیٹھیں۔

میز طرح طرح کے کھانوں سے بھری ہوئی تھی۔ بچھڑے کے گوشت کی ڈش، جس کا

خصوصی اہتمام کیا گیا تھا۔ اس دن زندگی میں پہلی بار میں نے چکھی۔ انالیز میری برابر میں آ بیٹھی اور مجھے کھانا نکالنے میں مدد دینے لگی۔ گویا میں کوئی مغربی آقا یا کوئی بہت ہی معزز انڈو تھا۔ اور نیائے کسی تعلیم یافتہ مغربی خاتون کی طرح، انتہائی اطمینان سے کھانے میں مشغول ہوگئیں۔

میں چیزوں کا تنقیدی جائزہ لینے لگا: چمچوں اور کانٹوں کی ترتیب۔ سوپ کے بڑے چمچے اور چھریوں کا استعمال، منقش کانٹے، کھانے کے دیدہ زیب برتن، کہیں کوئی خامی نہیں تھی۔ سٹیل کی سفید چھری، جسے پتھر پر دھارنے کے بجائے، گرائنڈ کیا گیا تھا۔ دسترخوان، اس پر رکھے ہوئے بیش قیمت ڈونگے، چاندی کے بنے خانون میں رکھے گلاس، غرض کسی بھی چیز میں یا اس کے رکھے جانے کے انداز میں کوئی نقص نظر نہیں آ رہا تھا۔

رابرٹ سرہوف وحشیانہ انداز میں کھانے پر اس طرح ٹوٹ پڑا جیسے اس نے تین دن سے کھانا ہی نہ کھایا ہو۔ اور میں بھوکا ہونے کے باوجود، ہچکچا رہا تھا۔ انالیز نے بھی بمشکل ہی کچھ کھایا ہوگا۔ وہ مجھے، جی ہاں، صرف مجھے، کھانا کھلانے میں لگی رہی۔ نیائے نے جونہی کھانا ختم کیا، میں نے اور انالیز نے بھی کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

رابرٹ سرہوف بدستور کھانے میں لگا رہا۔ اس نے نیائے کی جانب دیکھا تک نہیں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ ایک عرصے کے بعد، میں ماں کی آواز سن رہا ہوں۔

"منکی"۔ نیائے نے کہا۔ "کیا یہ سچ ہے کہ لوگ برف بنانے لگے ہیں۔ کتابوں کا کہنا ہے، بالکل ٹھنڈی ٹھار برف، اصلی برف کی طرح ہوتی ہے"۔

"جی ہاں، ماں، کم از کم اخباری رپورٹیں تو یہی کہتی ہیں"۔

سرہوف کی نگاہ مجھ پر گڑی تھی مگر وہ بدستور کھانے میں مصروف تھا۔

"میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ اخباری رپورٹیں درست بھی ہیں کہ نہیں؟"

"یوں لگتا ہے مما کہ انسان ہر چیز بنانے کے قابل ہو جائے گا"۔ میں نے جواب دیا۔ تاہم دل ہی دل میں، میں حیران ہو رہا تھا کہ کیا کوئی شخص اخباری رپورٹوں پر شک کر سکتا ہے۔

"ہر چیز؟ ناممکن"۔ انہوں نے جواب دیا۔

گفتگو بیچ میں ہی رک گئی۔ رابرٹ مے لیما نے اپنے دوست کو باہر چلنے کے لیے کہا۔ وہ اٹھے اور مقامی خاتون سے اجازت لیے بغیر، باہر چلے گئے۔۔۔۔۔ "میرے دوست کو معاف کر دیجیے مما"۔ میں نے کہا۔ وہ مسکرائیں اور سر کو جنبش دیتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں، پھر وہ بھی چلی

گئیں۔خادمہ نے میز صاف کرنی شروع کر دی۔

" کھانے کے بعد، مما اپنے دفتری کاموں میں مصروف ہو جاتی ہیں"۔ انالیز نے وضاحت کی۔"میں بھی ادھر ادھر کے کاموں میں لگ جاتی ہوں"۔

"تم کیا کام کرتی ہو؟"

"آؤ میرے ساتھ"۔

"اور وہ میرا دوست؟"

"اس کے بارے میں پریشان نہ ہو، میرا بھائی اسے شکار کھلانے لے جائے گا۔ وہ لنچ کے بعد، عموماً پرندوں یا چڑیوں کا شکار کھیلنے نکل جاتا ہے، ائیر گن اٹھا کر"۔

"آخر لنچ کے بعد ہی کیوں؟"

"پرندے بھی اس وقت کھانے سے فارغ ہو کر سو رہے ہوتے ہیں یا نڈھال پڑے ہوتے ہیں، چلو چلیں"۔

میں اس کے پیچھے چل پڑا بالکل اس طرح جیسے کوئی بچہ اپنی ماں کے پیچھے جا رہا ہو۔ اگر وہ حسن و جمال کا مرقع نہ ہوتی تو شاید ایسا نہ ہوتا، اوہ خبیث عورتوں کے شیدائی!

پچھلے دروازے سے گزر کر ہم ایک احاطے میں نکل آئے، جہاں فولادی حلقوں والے لکڑی کے بڑے بڑے ڈرم رکھے ہوئے تھے۔ ایک بہت بڑے ڈرم کے اوپر مکھن نکالنے کی مشین رکھی ہوئی تھی۔ پورے کمرے میں گائے کے دودھ کی مہک بسی ہوئی تھی۔ لوگ کوئی آواز نکالے بغیر اپنی کام میں مصروف تھے، مجھے تو وہ سب گونگے لگے۔ البتہ بار بار، وہ ایک کپڑے سے، اپنے جسم کو پونچھ رہے تھے۔ سروں پر سفید پٹیاں باندھے اور سفید قمیصیں پہنے ہوئے تھے۔ آستینیں، انہوں نے کہنی سے دس سینٹی میٹر اوپر چڑھا رکھی تھیں، وہ سب مرد ہی نہیں تھے، ان میں کچھ عورتیں بھی بہ آسانی پہچانی جا سکتی تھیں۔ کاروباری ادارے میں عورتیں، وہ بھی قمیصیں پہنے ہوئے! دیہاتی عورتیں اور کوٹ زیب تن کیئے ہوئے! اور وہ بھی اپنے کچن میں نہیں! شاید وہ اپنی قمیصوں کے نیچے بریزیر بھی پہنے ہوں گی؟

میں نے باری باری، ہر ایک کو، اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ وہ لمحے بھر کو ہی میری جانب متوجہ ہوں گے۔ انالیز باری باری، ہر ایک کے پاس گئی، اور ان کا حال چال دریافت کیا۔ یہ سب کچھ اشاروں میں ہوا، اس کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکلا۔ یہاں مجھے پہلی دفعہ پتہ چلا کہ

بچوں کی سی حرکتیں کرنے والی یہ لڑکی اچھی خاصی سپروائزر بھی ہے۔ اس کے کارکن۔۔۔۔۔ چاہے مرد ہوں یا عورتیں۔۔۔۔اس کی بات دھیان سے سنتے ہیں۔

میں خود ان عورتوں کو دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ جو اپنے گھروں کے کچن میں موجود ہونے کے بجائے، کام کے کپڑے پہنے، اور کسی کے کاروبار میں لگی، اپنے لیے مردوں کے شانہ بشانہ روزی کمانے میں مصروف تھیں۔ کیا یہ بھی انڈیز میں ایک نئے دور کی شروعات نہیں؟

"عورتوں کو کام میں لگے دیکھ کر حیرانی ہو رہی ہے؟ "انالیز نے پوچھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ بالکل وہی کپڑے پہنتی ہیں جو ہالینڈ کے کارکن پہنتے ہیں لیکن ہم انہیں چھینٹ کا کپڑا ہی دے سکتے ہیں۔

وہ مجھے تقریباً کھینچتی ہوئی باہر، برآمدے میں لے گئی۔ یہاں خشک چیزیں رکھی جاتی تھیں، بہت سے لوگ سویا بین، مکئی، مٹر اور مونگ پھلی کو ادھر ادھر کرنے میں مصروف تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی سب کام کرتے کرتے رک گئے اور اپنے ہاتھ اٹھا کر، سر جھکا کر، ہمارا خیر مقدم کرنے لگے۔ وہ سب کاشتکاروں کا مخصوص، تیلیوں سے بنا، ہیٹ پہنے ہوئے تھے۔

انالیز نے تالی بجائی اور کسی سے دو انگلیاں اٹھا کر، کچھ اشارہ کیا، کوئی لمحے بھر بعد ایک کارکن بچہ تیلیوں کی دو ٹوپیاں لے آیا۔ انالیز نے ایک ٹوپی میرے سر پر اڑھا دی اور دوسری خود اوڑھ لی۔ پھر ہم ایک چھوٹے نالے کے ساتھ ساتھ، چند سو میٹر تک، ٹہلتے ٹہلتے چلے گئے۔

"آج کل زبردست جشن منایا جا رہا ہے"۔ میں نے کہا۔"انہیں چھٹی کیوں نہیں دی گئی"۔

"یہ چاہیں تو چھٹی کر سکتے ہیں۔ مما اور میں کبھی چھٹی نہیں کرتے۔ یہ کارکن روزانہ اجرت پر کام کرتے ہیں"۔

اسی پگڈنڈی پر چلتے چلتے، کافی دور، ہمیں دونوں رابرٹ نظر آ رہے تھے۔ دونوں کے شانوں پر رائفلیں ٹنگی تھیں۔

"تمہارے کام کی نوعیت کیا ہے؟ "میں نے پوچھا۔

"ہر کام کر لیتی ہوں، سوائے دفتری کام کے۔ وہ کام مما خود کرتی ہیں"۔

اچھا تو نیائے اونتو سارو وہ دفتری کام کرتی ہیں۔ وہ کس قسم کا دفتری کام کر سکتی ہیں؟

"انتظامی کام کاج؟ "میں نے اردگرد نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"ہرطرح کا کام، حساب کتاب، کاروبار، خط وکتابت اور بینک کا کام۔۔۔۔۔"

چلتے چلتے میرے قدم رک گئے، انالیز بھی رک گئی۔ میں بے یقینی سے اس کا چہرہ تکنے لگا۔ اس نے میرا ہاتھ کھینچا اور ہم مویشی خانے کی ایک قطار کی جانب، پھر سے، چل پڑے۔ دور سے ہی ان کے گوبر کی بو، میری حس لطافت کو مجروح کر رہی تھی۔ ایک خوبصورت لڑکی کا ساتھ نہ ہوتا تو میں وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا۔ مگر اس دن، زندگی میں پہلی اور آخری دفعہ، میں مویشی خانے کے اندر تک چلا گیا۔ واقعی!

مویشی خانہ خاصی دور تک پھیلا ہوا تھا۔ بہت سے لوگ انہیں چارہ کھلانے اور پانی پلانے میں لگے ہوئے تھے۔ جانوروں کے گوبر اور خراب گھاس پھوس کی سڑاند سے ماحول میں تعفن پھیلا ہوا تھا۔ میں بڑی مشکل سے، اپنی قے کو روک پا رہا تھا۔ اپنے کپڑوں کو ذرا اونچا کر کے، انالیز کئی گایوں کے پاس چلی گئی اور ان کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگی۔ یوں لگا کہ وہ ان سے سرگوشیاں بھی کرتی جا رہی تھی۔ مجھے اس کی مترنم ہنسی کی آواز بھی سنائی دی۔ میں دور کھڑا اسے بغور دیکھتا رہا۔

ساٹن کا گاؤن پہنے، وہ کتنے آرام سے، ایک ایک گائے کے پاس جا کر، اسے باتیں کر رہی تھی۔

یہاں بھی کئی کارکن عورتیں موجود تھیں۔ وہ باڑے کے فرش پر جھاڑو دے رہی تھیں، گندگی صاف کر رہی تھیں۔ ایک بڑے برش کی مدد سے خشک گندگی کو اکھاڑ کر اکٹھا کر رہی تھیں۔ سبھی عورتیں، حیرت سے مجھے بھی دیکھتی جا رہی تھیں۔ انالیز مویشی خانے کے ساتھ آگے کی طرف بڑھتی جا رہی تھی۔ میں بھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ ایک جگہ، وہ رک کر کسی کارکن عورت سے بات کرنے لگی۔ دونوں نے میری طرف کچھ اس طرح دیکھا۔ جیسے میرے بارے میں راز کی کوئی بات کر رہی ہوں۔ ایک اور عورت میرے سامنے سے، ذرا مختلف انداز میں جھکی جھکی، دو جستی بالٹیاں اٹھائے، میرے سامنے سے گزری۔ وہ خاصی خوبصورت تھی۔ دوسروں کی طرح اس نے بھی سفید چھینٹ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اس کے پاؤں، گندگی اور کیچڑ میں لتھڑے ہوئے تھے۔ پھر بھی اس کے سینے کے مدور ابھار بہت جاذب نظر تھے۔ اس نے سر جھکا کر، باقاعدہ مجھے سلام کیا، ایک ترچھی اور گھائل کرنے والی نظر مجھ پر ڈالی۔ اس کے لبوں پر عجیب سی دعوت انگیز

مسکراہٹ تھی۔اس کا سلام کرنے کا انداز انتہائی شوخ اور بے باکانہ تھا۔میں نے کبھی ایسی مقامی لڑکی نہیں دیکھی تھی جو اتنی آزادی اور بے باکی سے ایک انجان آدمی سے سلام دعا کر رہی ہو۔وہ میرے سامنے جھکی اور مالے میں کہنے لگی "جائزہ لے رہے ہیں جناب؟"

"ہاں"۔میں نے کہا۔اچانک انالیز میرے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔

"ایک دن میں، ینم، اپنی گایوں سے کتنی بالٹی دودھ نکال لیتی ہو؟ "انالیز نے جاوی زبان میں پوچھا۔

"وہ ہی، جتنا سب نکالتے ہیں"۔ینم نے جواب دیا۔انالیز کو غصہ آ گیا۔

"میں اب بھی، سب لوگوں کی نسبت زیادہ دودھ دوھ سکتی ہوں"۔ہم مویشی خانے سے باہر نکلے تو انالیز نے کہا" لگتا ہے تمہیں گائے پسند نہیں ہیں، تم پسند کرو تو اصطبل یا کھیتوں کی طرف چلتے ہیں"۔

"میں نے کبھی کھیت دیکھے ہی نہیں تھے تو دلچسپی بھلا خاک ہوتی، پھر بھی میں اس کے پیچھے چلتا رہا۔

"ارے ہاں، تمہیں گھڑسواری پسند ہے؟"

" گھڑسواری؟ "میں چیخ پڑا۔"تم گھڑسواری کرتی ہو؟"

"ہاں، کرتی ہوں۔گھوڑے پر سوار ہوئے بغیر۔اتنے لمبے چوڑے کھیتوں کی نگرانی کس طرح ممکن ہے؟"

ہم ایک کھیت کے قریب سے گزرے جہاں ابھی ابھی مونگ پھلی کی فصل کاٹی گئی تھی۔ ہر طرف مونگ پھلی کے بیج بکھرے نظر آ رہے تھے۔اک طرف اس کی شاخیں اور دوسرے پودوں کے ڈھیر، جانوروں کے چارے کے طور پر استعمال کے لیے چھکڑوں سے اتارے جا رہے تھے۔

"زمین یہاں بہت زرخیز ہے۔ایک ہیکٹر میں تین ٹن خشک مونگ پھلی اگتی ہے یہاں۔ ہم نے اپنے تجربے سے یہ ثابت نہ کیا ہوتا تو لوگ کبھی یقین نہ کرتے"۔انالیز نے کہا۔"بہترین زرخیز زمین ہے، بے حد منافع بخش۔اس کے پتے اور جڑیں تک، کھاد کے لیے اور چارہ کے لیے، استعمال میں آ جاتے ہیں"۔

یوں لگا جیسے وہ میرے خیالات پڑھ سکتی ہے"۔ممکن ہے یہ دوٹن یا پانچ ٹن فی ہیکٹر ہو،

میری بلا سے!"

اس کی آواز میرے کانوں میں آئی: "تمہیں کاشت کاری سے بھی کوئی دلچسپی نہیں چلو گھوڑے دوڑاتے ہیں، ٹھیک ہے؟ "میرے جواب کا انتظار کیے بغیر، اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے زبردستی گھسیٹتی ہوئی، بھاگنے لگی۔ میں اس کے سانس پھولنے اور دل کی دھڑکنوں کی آواز بخوبی سن سکتا تھا۔ وہ مجھے ایک سایہ دار احاطے میں لے گئی۔ جہاں کوچیں، چھکڑے، ویگن اور بگھیاں کھڑے ہوئے تھے۔ دیوار پر رنگا رنگ زینیں لٹکی ہوئی تھیں۔ عمارت کا زیادہ حصہ خالی تھا۔

اتنا بڑا احاطہ دیکھ کر، میری حیرت زدگی پر وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ پھر اس نے ایک خوبصورت سامان گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔ جو جگمگاتے تانبے اور کار بائڈ کی روشنیوں سے مزین تھی۔

" کبھی دیکھی ہے اتنی خوبصورت بگھی؟"

"نہیں، کبھی نہیں دیکھی"۔ میں بگھی کے قریب پہنچ کر، اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

انالیز مجھے لے کر اور آگے چل پڑی۔ بالآخر ہم ایک وسیع و عریض اصطبل میں جا پہنچے۔ اس وقت وہاں صرف تین گھوڑے تھے، گھوڑوں کے جسم سے اٹھتی ہوئی عجیب سی بو کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ مجھے بہر حال وہ بھلی نہیں لگی۔

انالیز نے ایک سرمئی گھوڑے کے قریب جا کر، اس کی گردن میں اپنے بازو حمائل کر دیئے اور اس کے کان میں سرگوشی کرنے لگی۔ وہ اسے "باؤک " کے نام سے پکار رہی تھی۔ باؤک آہستگی سے اس طرح ہنہنایا جیسے وہ ہنس رہا ہو۔ انالیز نے اس کے ماتھے پر ہلکی سی تھپکی دی تو وہ اس طرح منہ چلانے لگا جیسے اپنے مضبوط دانتوں کی نمائش کر رہا ہو۔ انالیز آہستگی سے ہنسی۔ اس آواز میں آبشاروں کا سا مترنم تھا۔

سرگوشی سے فارغ ہو کر اس نے میری طرف دیکھا اور پھر سنجیدگی سے باؤک سے کہا: "وہ رہے ہمارے مہمان، ان کا نام منکی ہے۔ عجیب سا نام ہے، نہ جادوی اور نہ ہی کرسچین، کسی قسم کی عرفیت ہے۔ تم مانتے ہو کہ ان کا نام منکی ہے؟ " گھوڑے نے ایک دفعہ پھر جواب میں ہلکی سی ہنہناہٹ دی۔

"اچھا !" پھر میری طرف متوجہ ہو کر کہا: "اس کا کہنا ہے کہ تمہارا نام دراصل تمہاری عرفیت ہے"۔

بظاہر وہ میرے خلاف کوئی منصوبہ بنا رہے تھے۔ دوسرے دو گھوڑے بھی ہنہنانے لگے۔ پلکیں جھپکائے بغیر وہ بھی میری طرف ہی دیکھ رہے تھے جیسے مجھے کوس رہے ہوں۔

"باہر چلتے ہیں"۔ میں نے کہا مگر وہ دوسرے دونوں گھوڑوں کی جانب بڑھ گئی۔ ان کی پشت پر تھپکی دیتے دیتے مجھے کہنے لگی۔ "آؤ، چلیں"۔

"تمہیں گھوڑوں کی بو آتی ہے !" میں نے پوچھا۔ وہ ہنس کر رہ گئی۔

"بظاہر تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوتی"۔

"دراصل یہ اتنی اہم بات ہے ہی نہیں"۔ اس نے متوازن لہجے میں کہا۔ "باؤک کے ساتھ بچپن ہی سے ہمارا یہ رویہ رہا ہے۔ میں اگر اسے پیار نہ کرتی تو مما ناراض ہو جاتی تھیں۔ ان کا کہنا ہے کہ زندگی کی طرف لے جانے والی ہر شے کا، چاہے وہ گھوڑا ہی کیوں نہ ہو، ممنون ہونا چاہیے"۔ میں نے پھر گھوڑے کی بو کی شکایت نہیں کی۔

"تمہیں یہ شک کیوں ہے کہ میرا نام منکی نہیں؟"

اس کی آنکھوں میں بے یقینی اور شک وشبہ کی جھلک نظر آئی۔ یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ میرے اس نام میں یا مجھے اس نام سے بلائے جانے میں، میری کسی خواہش کا دخل نہیں تھا۔ میں تو خود حیران تھا کہ یہ نام رکھا کیوں گیا تھا۔ یہ کہانی میرے ابتدائی سکول کے زمانے کی ہے، جب مجھے ڈچ زبان کا ایک لفظ بھی نہیں آتا تھا۔ میرے پہلے ٹیچر مسٹر بین روز بوم مجھ سے بہت نالاں تھے۔ میں ان کے ہر سوال کا جواب روتی ہوئی آواز میں دیتا اور آنسو میری آنکھوں میں تیر رہے ہوتے لیکن اس کے باوجود بھی، مجھے ایک نوکر کے ہمراہ، روزانہ اس قابل نفرت سکول میں بھیجا جاتا تھا۔ مجھے پہلی جماعت میں دو سال رہنا پڑا۔ مسٹر روز بوم مسلسل میرے سر پر سوار رہے اور میں ان سے ڈرا اور سہما رہا۔ نیا تعلیمی سال شروع ہونے تک، مجھے ڈچ میں کچھ شدھ بدھ ہو گئی تھی۔ میرے تمام ساتھی دوسری جماعت میں جا چکے تھے۔ مجھے پہلی جماعت میں ہی، دو ڈچ لڑکیوں کے درمیان بیٹھنا پڑا۔ وہ ہر وقت مجھے تنگ کرتی رہتی تھیں۔ ایک دفعہ ویرا نامی لڑکی نے، جو میرے برابر بیٹھا کرتی تھی، میرے کولہوں میں اتنی زور کی چٹکی لی کہ میں بری طرح چیخ پڑا۔ اس نے محض اپنائیت ظاہر کرنے کے لیے مذاق کیا تھا۔ مسٹر روز بوم کی آنکھیں غصے سے پھٹ سی گئیں۔ وہ زور سے چیخے۔ "چپ ہو جاؤ مونک۔۔۔۔۔منکی!"

بس، اسی دن سے ساری جماعت میں میرا نام منکی مشہور ہو گیا۔ اس جماعت میں صرف

میں ہی مقامی تھا۔ میرے اساتذہ بھی مجھے اسی نام سے پکارنے لگے۔ پھر دوسری جماعتوں کے دوست اور سکول کے باہر کے لوگ بھی میرا یہی نام لینے لگے۔ ایک دفعہ، میں نے اپنے بڑے بھائی سے اس لفظ کے معنی پوچھے۔ وہ بھی لاعلم تھا۔ اس نے تو مجھے بڑی سختی سے کہا کہ میں مسٹر روز بوم سے اس کا معنی پوچھوں مگر میری ہمت ہی نہیں پڑی۔ میرے دادا نہ ڈچ جانتے تھے اور نہ ہی لاطینی رسم الخط لکھنا اور پڑھنا۔ وہ صرف جاوی میں لکھ پڑھ سکتے تھے۔ انہیں یہ نام اچھا لگا۔ ایک اچھے استاد کا دیا ہوا جو تھا، انہوں نے اسے میرا مستقل نام بنا دیا۔ اس طرح میرا اصلی نام نہ جانے کہاں گم ہو کر رہ گیا۔

ابتدائی سکول پاس کرنے تک، میں یہی سمجھتا تھا کہ اس نام میں کوئی ناخوشگوار مفہوم چھپا ہوا ہے۔ جب پہلی دفعہ میرے ٹیچر نے یہ نام لیا تھا تو ان کی آنکھیں، غصے سے انگارہ ہو رہی تھیں اور چہرہ بری طرح تمتما رہا تھا۔ ان کے ہاتھوں میں موجود ڈنڈا، ڈیسک پر گر پڑا تھا۔ اچھائی اور دانش مندی تو اس وقت دور دور تک نہیں تھی۔ مجھے یہ لفظ ڈچ لغت میں بھی کہیں نہیں ملا۔ پھر میں ڈچ سکینڈری سکول میں چلا گیا۔ وہاں بھی میرے اساتذہ اس نام کی معنویت سے ناآشنا تھے۔ ہم جاویوں کی طرح، وہ محض جذباتی اندازے لگانے کے قائل نہیں تھے۔ کسی نے ایک بار مجھے کسی انگریز کا یہ مقولہ سنایا۔ نام میں کیا رکھا ہے؟ (عرصہ ہوا، اس انگریز کا نام بھی میرے ذہن سے محو ہو گیا)

پھر ہم نے انگریزی پڑھنا شروع کر دی۔ کوئی چھ ماہ بعد، تلفظ اور ہجوں کے اعتبار سے، ایک ملتا جلتا لفظ میرے سامنے سے گزرا، میں پھر سے اپنے نام کے متعلق سوچنے لگا: غصے سے ان کی آنکھیں شعلہ بار تھیں، چہرہ لال پیلا ہو رہا تھا۔ یقیناً وہ کوئی اچھا لفظ نہیں کہہ رہے تھے۔ مجھے یاد آیا کہ مسٹر روز بوم یہ نام لیتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ ڈرتے ڈرتے میں اندازے لگانے لگا: شاید وہ مجھے غصے میں منکی۔۔۔۔ بندر کہنا چاہتے تھے۔ میں نے اپنے اندازے لگانے کی کہانی، جو غالباً درست بھی ہے کبھی کسی کو نہیں سنائی، انالیز کو بھی نہیں۔

"منکی نام بھی اچھا ہے"۔ انالیز نے کہا۔ پھر "چلیں، ذرا دیہاتوں کی سیر کرتے ہیں۔ ہماری زمین پر چار دیہات ہیں۔ سب گھرانوں کے سربراہ ہمارے پاس ہی کام کرتے ہیں"۔

تمام راستے دیہاتی ہمیں عزت واحترام سے ملتے رہے۔ وہ انالیز کو نون یا نونی کہہ رہے تھے۔

"کتنے ہیکٹر زمین ہے تمہاری؟ "میں نے پوچھا۔

"ایک سواسی ہیکٹر "۔

"ایک سواسی"۔ میں تو اتنے طول و عرض کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بولتی گئی۔

"دھان کے کھیت اور دوسری کاشت کردہ زمین ہے یہ۔ جنگلات اور جھاڑ جھنکار والا علاقہ اس میں شامل نہیں"۔

"جنگلات !"اس کی ملکیت میں جنگلات بھی ہیں۔ پاگل، جنگلات کی مالک ہے ! " مگر کس لئے ؟"

"آگ جلانے کی لکڑی وغیرہ وہیں سے آتی ہے"۔اس نے مزید بتایا۔

" کچھ دلدلی علاقے بھی تمہاری ملکیت میں ہوں گے؟"

"ہاں، دو ایسے چھوٹے دلدلی علاقے بھی ہیں"۔

"اور پہاڑوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ "میں نے پوچھا۔

"پہاڑ؟ تم مجھے ستا رہے ہو؟ اس نے ظاہری غصے سے کہا۔

"آتش فشاں بھی ہوں گے تا کہ ان سے ابلتے شعلوں کو، دیوتاؤں کی طرح، تم اپنے ہاتھوں میں روک لو۔

"ہاں، ہاں، بولتے رہو"۔اس نے میرے شانے پر چٹکی لیتے ہوئے کہا۔

"ارے، وہاں کیسا ڈھیر لگا ہوا ہے؟ "چند میٹر دور ہی میں نے دلدلی علاقے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"سرکنڈے ہیں، کیا تم نے اس طرح کے سرکنڈے پہلے کبھی نہیں دیکھے؟"

"آؤ، ادھر چلتے ہیں"۔ میں نے کہا۔

"نہیں"۔اس نے بڑی سختی سے کہا اور اپنے شانے ذرا جھکا لیے۔ میں نے اس کے بدن میں کپکپی سی محسوس کی۔

"اس جگہ سے تمہیں خوف محسوس ہوتا ہے"۔

اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ وہ مجھے خاصا ٹھنڈا لگا۔ اچانک اس کی آنکھوں میں پریشانی تیرنے لگی۔ وہ جلد از جلد سرکنڈوں کے اس جھنڈ سے دور چلی جانا چاہتی تھی۔ اس کے ہونٹ زرد ہو گئے۔ میں نے پیچھے نظر ڈالنا چاہی۔ اس نے انتہائی پریشانی کے عالم میں میرا ہاتھ پکڑا اور سرگوشی

کرنے لگی" کوئی توجہ نہ دو، بس چلے چلو، ذرا تیزی دکھاؤ"۔

ہم ایک گاؤں میں گئے، پھر دوسرے گاؤں میں۔ ہر جگہ ایک جیسا ماحول تھا۔ چھوٹے چھوٹے، کالے کلوٹے، ننگے بچے کھیلتے پھر رہے تھے۔ ان کی ناک بہہ رہی تھی۔ بعض بچے تو اسے چاٹ کے صاف بھی کر رہے تھے۔ سایہ دار جگہوں پر حاملہ عورتیں بیٹھی سینے پرونے کے کام میں مشغول تھیں یا اپنے نوزائیدہ بچوں میں لگی ہوئی تھیں۔ بعض عورتیں دو دو یا تین کے جتھے بنا کر، ایک دوسرے کی جوئیں دیکھ رہی تھیں۔

کچھ عورتوں نے راستے میں انالیز کو روکا بھی، وہ اس سے کسی قسم کی مدد چاہتی تھیں یا کسی مسئلے کا حل چاہتی تھیں۔ اور یہ غیر معمولی لڑکی، بالکل ماں کی طرح، ان سب سے انتہائی مشفقانہ سلوک کر رہی تھی، ان سب لوگوں نے اسے زندگی کی خوبصورتی کا شعور دیا تھا اور وہ، ان انسانوں سے ہی نہیں، گھوڑوں سے بھی چاہت کا اظہار کرتی تھی۔ ان دیہاتی لوگوں کے درمیان، مجھے انالیز کی بڑائی محسوس ہوئی۔ میں ابھی تک جس دیوی کے خواب دیکھتا رہا تھا اور جو تخت نشینی کے بعد، خود بخود دسری نام اور جزائر کی ملکہ بھی بن گئی تھی۔ یہ چھوٹی سی لڑکی، اس سے بھی کہیں زیادہ عظیم محسوس ہوئی۔ انالیز کا چہرہ زیادہ نرم اور روشن لگا، شاید اس لیے کہ اس تک رسائی ممکن تھی۔

جونہی وہ عورتوں سے فارغ ہوئی، ہم دوبارہ ٹہلتے ہوئے چلنے لگے۔ وسیع و عریض فطرت ہمارے اردگرد بکھری ہوئی تھی اور صاف و شفاف آسمان، ہمیں ہر طرف سے لپیٹے ہوئے تھا۔ ماحول خاصا گرم تھا۔ اسی لمحے، میں نے اس سے آہستگی سے یہ لفظ کہے "ملکہ کی تصویر دیکھی ہے تم نے؟"

"ظاہر ہے۔ بہت شاندار شخصیت ہیں وہ!"

"ہاں، تم غلط نہیں کہہ رہیں"۔

"کیوں؟"

"تم ان سے بھی زیادہ خوبصورت ہو"۔

وہ ایک دم رک گئی اور میری جانب دیکھنے لگی۔ پھر اس کے منہ سے "شکریہ، منکی" نکلا۔ اس کے لہجے میں تھوڑی سی گھبراہٹ تھی۔ راستہ خاصا گرم ہو گیا تھا۔ دور دور تک کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں چھلانگ لگا کر پلی پر چڑھ گیا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ بھی اس پر جست لگاتی ہے یا نہیں۔ اس نے اپنے طویل گاؤن کو سنبھالا اور جست لگا کر اوپر آنے لگی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ

کر، اسے سہارا دیا اور فوراً ہی اپنے قریب کر کے، اس کے رخسار کا بوسہ لے لیا۔ حیرت زدگی میں، اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ جیسے میرے اندر جھانک رہی ہوں۔ میں نے ایک بار پھر چوم لیا۔ مجھے یوں لگا جیسے میں نے مخملیں جلد کو چھولیا ہو۔ "اتنی خوبصورت دوشیزہ سے میں کبھی نہیں ملا"۔ میں نے دلی جذبات سرگوشی میں انڈیل دیئے۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شکریہ بھی نہیں کہا۔ صرف اشارے سے اس نے بتایا کہ اب گھر چلنا چاہیے۔ وہ خاموش چلتی رہی اور گھر واپسی کا یہ سفر خاموشی ہی میں کٹا۔ ایک خیال سا میرے ذہن میں کوندا: اپنی ان حرکتوں کی وجہ سے تم خود ہی مصیبتوں کو دعوت دے رہے ہو، منکی۔ اگر اس نے ڈارسم سے شکایت کر دی تو وہ تمہیں ایسی مار مارے گا کہ تمہاری آواز بھی نہیں نکل پائے گی۔

وہ اپنا سر جھکائے چلتی رہی۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ انالیز کے سینڈل تو پلی کے پاس ہی رہ گئے۔ شرم کے مارے، مجھ سے چپ نہ رہا گیا۔ "تمہارے سینڈل تو وہیں رہ گئے این"۔

اس نے سنی ان سنی کر دی نہ جواب دیا اور نہ ہی مڑ کر دیکھا بلکہ اس کی رفتار میں تیزی آ گئی۔

"میں تیزی سے اس کے پاس جا پہنچا۔" کیا تم ناراض ہو، این، خفا ہو مجھ سے؟"

اس کی خاموشی نہیں ٹوٹی۔ دور سے بھی وہ ٹمبر پیلس، دوسری عمارات کے درمیان، خاصا پرشکوہ نظر آ رہا تھا۔ نیائے، کھڑکی سے جھانکتی ہوئی، نظر آ رہی تھیں۔ ان کی نگاہیں ہم پر ہی مرکوز تھیں، انالیز چونکہ سر جھکائے چل رہی تھی، اس لیے وہ نیائے کی متعاقب نگاہوں سے لاعلم تھی۔ گودام کے قریب پہنچنے تک یہی منظر تھا۔

گھر میں جا کر، ایک دفعہ پھر ہم سامنے والے ڈرائنگ روم کی نشستوں پر براجمان ہو گئے۔ انالیز ابھی تک چپ تھی۔ میرے ذہن میں برف کی تہیں جم رہی تھیں۔ اچانک انالیز اٹھی اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ میں اپنی نشست پہ بیٹھا، انہی سوچوں میں غلطاں تھا، وہ لازماً میری شکایت کرے گی۔ مجھے ہر سزا کے لیے تیار رہنا چاہیے ! میں بھاگوں گا ہرگز نہیں۔

تھوڑی دیر بعد، انالیز واپس آئی۔ اس کے ہاتھوں میں ایک بنڈل تھا۔ وہ اس نے میز پر رکھ دیا۔ پھر سرد لہجے میں بولی۔ "پہلے ہی دیر ہوگئی ہے۔ وہ کمرہ تمہارے لیے ہے۔ وہاں آرام کرو، اس بنڈل میں سلیپر، تولیہ اور پاجامہ ہیں۔ تم وہاں نہا دھو لو۔ مجھے ابھی کچھ اور کام کرنا ہیں"۔

جانے سے پہلے وہ اس دروازے تک گئی، جس کی جانب اس نے اشارہ کیا تھا۔ پھر دروازہ کھولا اور مجھے اندر جانے کو کہا۔ اس نے آرام سے مجھے اندر دھکیلا اور دروازہ باہر سے بند کر دیا، سو، میں کمرے میں اکیلا رہ گیا۔

ان چھوٹی چھوٹی پریشانیوں نے مجھے ذہنی طور پر تھکا مارا تھا۔ میری حماقت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے خوف نے میرے دل کو دہلا رکھا تھا۔ مجھے کیسے خطا کار سمجھا جائے گا؟ آخر میں نے کیا عجیب حرکت کر ڈالی ہے؟ اتنی خوبصورت لڑکی کی موجودگی میں، کوئی جوان آدمی ہوگا، جو ایسی حرکت سے باز رہے گا؟ حیاتیات کے میرے استاد نے کیا یہ نہیں کہا تھا؟۔۔۔۔۔اوہ، جہنم میں جائے حیاتیات!

باتھ روم میں داخل ہونا بھی ایک شاندار عیاشی لگا۔ چاروں جانب کریم رنگ کی ٹائلیں اور ان پر قطار اندر قطار لگے شیشے۔ میں نے پہلی بار اتنا وسیع و عریض باتھ روم دیکھا تھا۔ اتنا صاف شفاف اور خوبصورت باتھ تو کسی بوپاتی کے محل میں بھی نہیں ہوگا۔ خوبصورت باتھ ٹب میں نیلگوں پانی، مجھے دعوت غسل دے رہا تھا۔ جدھر بھی نظر پڑتی، اپنا ہی عکس نظر آ رہا تھا۔ صاف شفاف نیلے ٹھنڈے پانی نے میرے تمام تفکرات اور خوف دھو ڈالے۔

اگر کسی دن میں دولت مند ہو گیا تو اسی طرح کا باتھ روم بنواؤں گا، بالکل اسی معیار کا، اسی انداز کا۔

پچھلی نشست گاہ میں، مما نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔ وہ بھی میرے برابر بیٹھ گئیں اور مجھ سے کاروبار اور تجارت کے بارے میں باتیں کرنے لگیں۔ مجھے فوراً ہی، ان معاملات میں، اپنی کم مائیگی کا احساس ہو گیا۔ وہ بہت سی یورپی اصطلاحات عمومی انداز میں بول رہی تھیں اور میں ان کے مفہوم سے قطعی ناآشنا تھا، بعض اوقات، وہ مجھے ٹیچر کی طرح سمجھانے بیٹھ جاتیں، نیائے کے سمجھانے کا انداز بھی، انہی کی طرح شاندار تھا۔

"تم تو بزنس میں کافی دلچسپی رکھتے ہو، سنیو"۔ آخر میں انہوں نے کہا، جیسے میں ان کی ہر بات سمجھ رہا تھا۔ "جاوی لوگوں کے لیے اور خصوصاً کسی اہم افسر کے بیٹے کے لیے تو یہ بڑی عجیب

سی بات لگتی ہے، تم شاید تجارت کا پیشہ اختیار کرنا چاہتے ہو؟"

"میں بزنس میں گھسنے کی کوشش کر رہا ہوں، مما!"

"سنیو، بوپاتی کے بیٹے؟ کس قسم کا بزنس کرنا چاہ رہے ہو؟"

"شاید اس لیے کہ میں بوپاتی کا بیٹا نہیں ہوں"۔ میں نے جواب دیا۔

"کیا کاروبار کر رہے ہو؟"

"اعلیٰ قسم کے فرنیچر کا"۔ میں نے اپنا پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ "یورپ کے جدید ترین سٹائلز اور ماڈل میں عموماً بحری جہازوں (میں آنے والے نئے لوگوں) کے لیے فرنیچر وغیرہ بنواتا ہوں۔ اپنے سکول کے دوستوں کے والدین سے بھی اس سلسلے میں ملتا رہتا ہوں۔

"اور سکول کی پڑھائی کا کیا حال ہے؟ تم اپنے ساتھیوں سے پیچھے تو نہیں رہ جاتے؟"

"ایسا کبھی نہیں ہوا مما!"

"بہت خوب، جدوجہد کرنے والے لوگ ہمیشہ مجھے دلچسپ لگتے ہیں۔ کیا تمہاری فرنیچر کی اپنی ورکشاپ ہے؟ کتنے کاریگر ہیں تمہارے پاس؟"

"نہیں، میں تو صرف تصویریں دکھا کر فرنیچر پسند کراتا ہوں"۔

"تمہارا یہاں آنا بھی کہیں تجارت کے سلسلے میں تو نہیں تھا؟ ہمیں بھی دکھاؤ وہ تصویریں"۔

"نہیں، میں یہاں خالی ہاتھ ہی آیا تھا۔ لیکن اگر مما اسے ضروری سمجھتی ہیں تو میں کسی وقت وہ تصویریں لے آؤں گا۔ مثلاً، آسٹریا، فرانس یا انگلینڈ کے محلات میں استعمال ہونے والی الماریاں۔۔۔۔۔ جدید فرانسیسی، یورپی طرز کی، قدیم بھاری بھرکم اور وکٹورین سٹائل کی۔۔۔۔۔"

نیائے بغور میری کہانی سنتی رہیں۔ دو دفعہ، میں نے انہیں باقاعدہ چٹخارے لیتے دیکھا۔ پتہ نہیں، یہ میری تعریف تھی یا میری بے عزتی۔ پھر انہوں نے آہستگی سے کہا۔ "بڑے خوش بخت ہیں وہ لوگ جو اپنی محنت کا پھل کھاتے ہیں۔ اپنی محنت شاقہ سے خوشی کشید کرتے ہیں اور اپنے تجربے کی بنیاد پر آگے بڑھتے جاتے ہیں"۔

ان کی آواز، یوں محسوس ہوا، کسی پادری کے دل میں سے نکل رہی ہے۔ پھر وہ زور سے بولیں۔

"شاندار !"سیڑھیوں کے بالائی کونے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔"آہ!"

انالیز بلاؤز اور سارونگ پہنے، سیڑھیوں سے نیچے اتر رہی تھی۔ روایتی انداز میں بنے بال، ذرا اوپر کو اٹھے ہوئے تھے۔ اس کی سرخ وسفید گردن صاف نظر آ رہی تھی۔ اس کے گلے، کان، ہاتھ اور سینے کا ابھار سفید اور سبز موتیوں، جواہر اور ہیروں سے سجے ہوئے تھے (یقین جانیں مجھے قطعی علم نہیں تھا کہ ان میں سے کون سے ہیرے تھے اور کون سے دوسرے جواہر۔ کون سے اصلی تھے اور کون سے نقلی) اس پر نگاہ پڑتے ہی میں اس کے ٹرانس میں آ گیا۔ وہ دیو مالائی کہانی بابا دتاناہ جاوی کے جا کا تاروب کے فرشتے سے کہیں زیادہ مسحور کن اور حسین رہی ہوگی۔ تاہم وہ خاصی پریشان لگ رہی تھی۔ وہ بھاری زیورات پہنے، کچھ زیادہ ہی بنی ٹھنی لگ رہی تھی۔ پتہ نہیں کیوں مجھے لگا کہ یہ ساری بناوٹ اور سجاوٹ، صرف اور صرف، میرے لیے ہے۔

اس کا حسن و جمال کسی زیور اور آرائش کا محتاج تھا ہی نہیں، کچھ بھی نہ پہنے ہوتی تو بھی خوبصورت لگتی۔ ہم میں سے بہت سے بے وقوف سمجھتے ہیں کہ انسانی آرائش وزیبائش کے آگے خداداد حسن ماند پڑ جاتا ہے۔ وہ دنیا جہاں کی آرائش کیئے مجھے اجنبی سی لگی۔ اس ملبوس کی شاید وہ عادی ہی نہیں تھی، اس لیے اس کی وضع قطع اور حرکات وسکنات کسی لکڑی کی گڑیا کی سی لگ رہی تھیں۔ اس کی ہر چیز سے نمود ونمائش کا اظہار ہو رہا تھا۔ لیکن خوبصورتی بہرحال خوبصورتی ہوتی ہے۔ یہ تو مجھے دیکھنا تھا کہ اس کی فضول خرچی کی عادات کو کیسے تبدیل کیا جائے۔

"یہ بناؤ سنگھار اس نے تمہارے لیے کیا ہے سنیو !"نیائے نے سرگوشی کی۔

انالیز مسکراتی ہوئی ہماری طرف بڑھی۔ شاید وہ میری تعریف کا، دل ہی دل میں، شکریہ ادا کرنا چاہ رہی ہو۔ میں بھی اس کی تعریف کے لیے لفظ ہی تلاش کر رہا تھا کہ نیائے نے پہل کر دی۔

"اس طرح کا بناؤ سنگھار کرنا تم نے کس سے سیکھ لیا؟"

"اوہ، مما !"وہ مما کے شانوں پر لاڈ سے، بوجھ ڈالتے ہوئے بولی۔ اس کی جھیل سی آنکھیں مجھ پر مرتکز تھیں اور چہرے پر سرخی چھائی ہوئی تھی۔ ماں بیٹی کے درمیان انتہائی بے تکلفانہ گفتگو اور وہ بھی ایک اجنبی کے سامنے، میری سراسیمگی میں اضافہ کر رہی تھی۔ پھر بھی میں نے محسوس کیا کہ مجھے مما کے سامنے جرات مندانہ رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ مجھے، وہاں سے اٹھنے سے پہلے، ان کے ذہن میں جرات کا واضح نقش چھوڑنا تھا۔ ایک ایسے مرد کا تاثر جو جری ہونے کے ساتھ دلچسپ، متاثر کن شخصیت کا مالک ہو اور حسن کی دیوی کا اولوالعزم فاتح بھی۔ ملکہ کے سامنے،

میرے خیال میں، میرا رویہ بھی شاہانہ ہونا چاہیے۔ مرغ کی کلغی اور ہرن کے سینگ ہی تو ان کی خوبصورتی ہیں۔ میرا یہ رویہ ہی دراصل مردانگی کی شان ہوگا۔

میں نے ماں بیٹی کی گفتگو میں دخل اندازی کرنا نامناسب سمجھا۔ "این، سنیوتو کبھی کے گھر جا چکے ہوتے۔ اچھا ہوا ہم نے انہیں روک لیا ورنہ یہ تو واقعتاً کسی خاص چیز سے محروم رہ جاتے!"

"اوہو، مما !" انالیز نے اپنی میٹھی، لاڈ بھری آواز میں نیائے سے کہا اور ان سے لپٹ گئی۔ اس کی آنکھیں بدستور مجھ پر جمی تھیں۔

"ارے، یہ کیا نیو؟ خاموش کیوں ہو؟ کیا تم اپنے طور طریقے ہی بھلا بیٹھے؟"

" کیا خوبصورتی ہے !مما، مجھے مناسب الفاظ نہیں مل رہے، خوبصورتی بہرحال خوبصورتی ہے"۔

"ہاں "نیائے نے مزید کہا۔ "جزائر کی ملکہ لگتی ہے، ہے نا نیو؟ "وہ میری جانب متوجہ ہو کر بولیں۔

ماں بیٹی کا یہ تعلق مجھے بڑا عجیب لگا۔ ممکن ہے ناجائز شادی اور ولادت اس کی وجہ رہی ہو۔ ممکن ہے نیائے کا خاندانی ماحول اسی قسم کا ہو۔ شاید یورپ میں یورپی گھرانوں کا ماحول اسی قسم کا ہوتا ہو یا ممکن ہے مستقبل میں جزائر کا گھریلو ماحول ایسا ہی بن جائے۔ ممکن ہے یہ ہو ہی غلط، عجیب اور ابنارمل۔ بہرحال مجھے یہ سب پسند آیا۔ بات باہمی تعریف وتوصیف سے آگے نہیں بڑھی۔

دن ڈھلنے لگا مگر مما کی باتیں چلتی رہیں اور ہم دونوں سنتے رہے۔ انہوں نے بہت سی ایسی باتیں بھی کیں جو میں نے اپنے اساتذہ سے بھی نہیں سنی تھیں۔ کمال کی باتیں تھیں ان کی۔ مجھے گھر جانے کی اجازت ہی نہیں مل رہی تھی۔

" گھوڑا گاڑیاں تو گھر کے عقبی حصے میں موجود ہیں"۔ انہوں نے کہا۔ "تم چاہو تو بڑی بگھی میں بھی گھر جا سکتے ہو"۔

ایک لڑکا گیس لیمپ جلانے لگا۔ میں ابھی تک اس کے مرکزی ٹینک کا پتہ نہیں چلا سکا تھا۔

خادمائیں ڈائننگ ٹیبل لگانے لگیں۔ دورابرٹس کو عقبی نشست گاہ میں بلا لیا گیا اور خاموشی سے عشائیہ شروع ہوگیا۔ ایک خادمہ نے اگلے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ عقبی نشست گاہ کی لائٹ سفید دودھیا شیشے کے کور سے ڈھکی تھی، کمرے میں ہلکی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سب مہر بلب

تھے۔ آنکھیں پلیٹ اور ڈش کے درمیان ہی حرکت کر رہی تھیں۔ چمچوں، کانٹوں اور چھریوں کے، پلیٹوں کے ساتھ کھنکھنے کی آوازیں البتہ گونج رہی تھیں۔

نیائے نے اپنا سر اٹھایا۔ سامنے کا دروازہ، بغیر کسی دستک کے کھل رہا تھا۔ میں نے نیائے کی جانب دیکھا۔ ان کی آنکھیں بھی سامنے کے دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ رابرٹ مے لیما کی نظریں بھی ادھر ہی مرتکز تھیں۔ اس کی آنکھوں میں خوشی اور ہونٹوں پر طمانیت بھری مسکراہٹ تھی۔ میں بھی، اپنی عقبی جانب دیکھنا چاہتا تھا۔ بڑی مشکل سے میں نے، اپنی خواہش پر قابو پایا۔ یہ خاصا غیر مناسب اور غیر شریفانہ عمل ہوتا۔ چنانچہ میں انالیز کو تکنے لگا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں متحرک اور کان آتی ہوئی آواز پر مرکوز تھے۔

میں نے جان بوجھ کر اپنا چمچہ ہوا میں لہرایا اور اپنے کان عقبی سمت سے آتی ہوئی آواز پر مرکوز کر دیئے۔ فرش پر چلتے ہوئے جوتوں کی گونج ہر لمحے قریب آ رہی تھی۔ نیائے نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ رابرٹ سرہوف کا نوالہ اس کے منہ میں جاتے جاتے رہ گیا۔ اس نے چمچہ اور کانٹا پلیٹ میں رکھ دیئے۔ میرے کان، کلاک کے پنڈولم کی طرح، قریب آتے قدموں کے آہنگ پر لگے ہوئے تھے۔ رابرٹ مے لیما اسی طرح کھانے میں مشغول رہا جیسے کوئی خاص بات تھی نہیں۔

پھر انالیز نے، جو میرے برابر میں ہی بیٹھی تھی، پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ چمچہ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر، زمین پر جا گرا۔ ایک خادمہ بھاگ کر آئی اور اس نے چمچہ زمین سے اٹھا لیا اور ایک دم راستے سے ہٹ گئی۔ انالیز آمدہ صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے کھڑی ہی رہی کیونکہ قدموں کی چاپ بہت ہی قریب آ گئی تھی۔

میں نے بھی چمچے اور کانٹے کو پلیٹ میں رکھا اور انالیز کی تقلید میں، ذرا ہوشیار ہو کر، کھڑا ہو گیا۔ نیائے بھی کھڑی ہو گئیں۔ سامنے کے کمرے میں پھیلی روشنی کی وجہ سے نو وارد کا سایہ طویل سے طویل تر ہوتا چلا گیا۔ جوتوں کی ٹھک ٹھک بالکل ہی سر پر محسوس ہو رہی تھی۔ پھر ایک لمبا تڑنگا، موٹا، بلکہ بہت ہی موٹا یورپین نمودار ہوا۔ اس کے کپڑے بہت شکن آلود تھے۔ اور بال اس طرح کھچڑی بنے ہوئے تھے کہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ سفید ہیں یا سرمئی۔

اس نے ہماری جانب دیکھا۔ ایک لمحے کو رکا۔

"تمہارے والد ہیں؟" میں نے انالیز سے سرگوشی کی۔

"ہاں"۔ اس نے منہ ہی منہ میں کہا۔

مسٹر مے لیما، اپنے رخ تبدیل کئے بغیر، سیدھے، ہی ہماری طرف چلے آئے بلکہ صرف میری طرف۔ وہ میرے سامنے رکے۔ ان کی بھنویں سفید اور گھنی تھیں اور چہرہ برف کی طرح سفید لگ رہا تھا۔ ایک لمحے کو میری نظریں، ان کے بغیر تسموں کے مٹی سے لتھڑے ہوئے جوتوں پر پڑیں۔ اسی لمحے مجھے اپنے سکول کے اساتذہ کی نصیحت یاد آئی: "جو لوگ تم سے بات کرنا چاہتے ہیں، ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھو۔ میں نے فوراً اپنی آنکھیں اوپر اٹھائیں اور انہیں سلام کیا۔

"شام بخیر، مسٹر مے لیما"۔ یہ الفاظ، میں نے ڈچ میں انتہائی ملائم لہجے میں ادا کئے۔

وہ انتہائی وحشیانہ انداز میں گرجے۔ ان کے شکن آلود کپڑے، ان کے بدن پر ڈھیلے لگ رہے تھے۔ الجھے ہوئے بے ترتیب بال ماتھے اور کانوں تک ڈھلکے ہوئے تھے۔ "تمہیں یہاں آنے کی اجازت کس نے دی، بندر؟ "دانت پیستے ہوئے انہوں نے بازاری مالے میں مجھے مخاطب کیا۔ اپنے الفاظ کی طرح لہجہ بھی بہت عامیانہ اور گھٹیا تھا۔

میرے پیچھے، رابرٹ مے لیما کے کھنکارنے اور پھر انالیز کی سسکیوں کی آوازیں ابھریں۔ سرہوف نے بھی جوتوں کو کھسکاتے ہوئے، کھڑے ہو کر سلام کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میرے سامنے کھڑے عفریت نے اس کی جانب کوئی توجہ نہیں دی۔ میں مانتا ہوں، میں ہل کر رہ گیا۔ اس صورت حال میں، میں نیائے کی جانب سے ہی کسی مداخلت کی توقع کر سکتا تھا۔ کسی اور سے مجھے کوئی امید تھی ہی نہیں۔ ان کی خاموشی میرے لیے تباہ کن ثابت ہوتی اور وہ۔۔۔۔۔ وہ خاموش تھیں۔

"تم سمجھتے ہو، لڑکے، مغربی کپڑے پہن کر، یورپین لوگوں میں اٹھ بیٹھ کر اور تھوڑی بہت ڈچ بولنا سیکھ کر، تم بھی یورپین بن گئے؟ تم اب بھی بندر ہی ہو!"

"شٹ اپ !" نیائے ڈچ میں ہی چیخ پڑیں۔ "وہ میرا مہمان ہے"۔

مسٹر مے لیما کی آنکھیں اپنی داشتہ پر مرتکز ہو گئیں۔ اس بن بلائے مہمان کے چکر میں کچھ نہ کچھ ہو کر ہی رہے گا!

"نیائے "مسٹر مے لیما نے کہا۔ "ایک پاگل یورپین بھی ایک پاگل مقامی کی طرح ہی ہوتا ہے"۔ نیائے کی آنکھیں نفرت سے شعلہ بار تھیں۔ "اس گھر میں تمہیں ایسا کوئی حق نہیں، تمہیں پتہ ہے نا، تمہارا کمرہ کہاں ہے؟ "نیائے نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ اشارے والی

انگلی میں انہوں نے لوہے کا نوکیلا ناخن پہنا ہوا تھا۔

مسٹر مے لیما، تذبذب کے عالم میں، میرے سامنے ہی کھڑے رہے۔

"کیا مجھے ڈارسم کو بلانا پڑے گا؟" انہوں نے دھمکی دی۔

وہ لمبا تڑنگا اور موٹا آدمی سراسیمگی کی حالت میں، منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑایا۔ پھر اپنا رخ بدل کر، پیروں کو گھسیٹتا ہوا، دروازے سے نکل کر اس کمرے میں غائب ہو گیا، جہاں آج میں کافی دیر تک رہا تھا۔

"راب"۔ رابرٹ مے لیما نے اپنے مہمان سے کہا۔ "چلو باہر چلیں، یہاں تو بہت گرمی ہے"۔

وہ دونوں نیائے سے اجازت لیے بغیر ہی باہر نکل گئے۔ نیائے کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ "خبیث کہیں کے!"

انالیز ابھی تک سسکیاں لے رہی تھی۔ "چپ ہو جاؤ این، معاف کرنا منکی، اب آرام سے بیٹھو، جھٹک دو ذہن سے یہ سب خلفشار، این۔ تم بھی بیٹھ جاؤ"۔

ہم دونوں دوبارہ بیٹھ گئے۔ انالیز نے ایک ریشمی رومال سے اپنا منہ چھپا رکھا تھا اور نیائے ابھی تک اس بند دروازے پر نظریں جمائے ہوئے تھیں۔ "تمہیں منکی سے شرمندہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں"۔ نیائے ہم دونوں کی طرف دیکھے بغیر بولیں۔ ان کے لہجے میں ابھی تک غصہ تھا۔ "اور تم، نیو، یقیناً یہ سب کبھی نہیں بھلا سکو گے۔ میں کسی بات پر شرمندہ نہیں ہوں اور تمہیں بھی کسی شرمندگی کا احساس نہیں ہونا چاہیے اور ذہن میں کوئی غم و غصہ بھی نہ رکھنا۔ میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔ یوں سمجھو، اس کا کوئی وجود ہی نہیں، نیو، ایک وقت تھا، میں اس کی وفادار نیائے تھی، باوفا ساتھی تھی۔ مگر اب وہ۔۔۔۔۔ محض ایک بیکار کچرا ہے اور کچھ نہیں، ایک ایسا شخص جو اپنے بچوں کو صرف شرمندگی دے سکتا ہے۔ یہ ہے تمہارا باپ این!"

اپنا غصہ نکالنے کے بعد، وہ کچھ ٹھنڈی ہو کر، اپنی نشست پر بیٹھ گئیں۔ انہوں نے کھانا دوبارہ شروع نہیں کیا۔ ان کے چہرے سے درشتی اور سختی عیاں تھی۔ میں چپ سادھے انہیں دیکھتا رہا۔ آخر کس طرح کی خاتون ہیں یہ؟

"مجھے مجبوراً اتنا سخت ہونا پڑا ہے نیو، اپنی عزت کی حفاظت تو کرنا ہی تھی۔ آخر اس سب کا کیا ہوگا؟ اس کے بچے۔۔۔۔۔ اس کا کاروبار۔۔۔۔۔ ایسا نہ کروں تو ہم تو ہر چیز کے لیے محتاج

ہوکر رہ جائیں۔ چنانچہ، تمہارے سامنے بھی یہ رویہ اختیار کرتے ہوئے مجھے کوئی شرم یا جھجک محسوس نہیں ہوئی"۔ وہ انتہائی ملائمت سے اپنے سخت برتاؤ کی وکالت کر رہی تھیں۔ "مجھے ظالم یا خودسر ہرگز نہ سمجھنا"۔ وہ اپنی خوبصورت ڈچ میں بولے چلی گئیں۔ "یہ انداز بھی اس کی بھلائی کے لیے ہے۔ میرا یہ سلوک، عین اس کی اپنی خواہش کے مطابق ہے۔ یہ انداز مجھے انہی یورپینوں نے سکھایا ہے، منکی، انہی یورپینیوں نے !" وہ مجھے یقین دلانا چاہ رہی تھیں۔ "یہ سب میں نے کسی سکول سے نہیں بلکہ زندگی سے سیکھا ہے"۔

میں چپ تھا۔ ان کا ہر لفظ میرے ذہن میں گھستا چلا گیا۔ سکول سے نہیں، زندگی سے ! مجھے خودسر اور ظالم نہ سمجھو ! یہ انداز مجھے یورپینوں نے ہی سکھایا ہے۔۔۔۔۔

پھر نیائے اٹھ کھڑی ہوئیں اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کھڑکی کی طرف گئیں۔ دروازے کے پیچھے موجود، ایک ڈور کے گچھے کو انہوں نے کھینچا۔ کہیں دور گھنٹی بجنے کی بڑی واضح سی آواز سنائی دی۔ کچھ دیر پہلے غائب ہو جانے والی خادمہ دوبارہ نمودار ہوئی۔ نیائے نے اسے کھانا سمیٹنے کا حکم دیا۔ مجھے کیا کرنا چاہیے، میں ابھی تک سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"اب تم بھی گھر جاؤ نیو"۔ انہوں نے کہا۔

"ٹھیک ہے مما، بہتر یہی ہوگا کہ میں گھر چلا جاؤں"۔

وہ میرے پاس آئیں، ان کی آنکھوں میں دوبارہ وہی ممتا کی جھلک محسوس ہوئی۔

"این"۔ ان کے لہجے میں اور زیادہ ملائمت در آئی۔ "اپنے مہمان کو گھر بھی جانے دو۔ چلو اپنے آنسو صاف کرو"۔

"ہم معذرت خواہ ہیں منکی"۔ اپنی سسکیوں کو روکتے ہوئے، وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"کچھ نہیں ہوا، این"۔

"جب بھی کوئی چھٹی وغیرہ ہو، بغیر کسی تذبذب کے یہاں آ کر، ہمارے ساتھ چھٹی منانا، کوئی الٹی سیدھی بات نہیں ہوگی۔ کیا خیال ہے؟ آؤ گے نا؟ چلو اب گھر جاؤ۔ ڈارسم تمہیں بگھی میں چھوڑ آئے گا"۔

وہ دوبارہ دروازے تک گئیں اور پھر وہی گھنٹی بجائی اور پھر نشست پر آرام سے بیٹھ گئیں۔ ان تمام لمحات میں، میں نیائے کی شخصیت میں الجھا رہا۔ وہ لوگوں اور ماحول، دونوں کو قابو کرنا جانتی تھیں۔ میں بھی ان کے سحر کا شکار ہو گیا تھا۔ نہ جانے کس سکول سے انہوں نے تعلیم حاصل کی تھی،

کمال کی پڑھی لکھی اور ذہین لگتی تھیں۔ وہ بہت سے لوگوں کی ضروریات کا احساس لمحہ بھر میں کر ڈالتی تھیں اوراس کے مطابق، ہر کسی سے ان کا سکول بھی مختلف ہوتا تھا۔اوراگر وہ اتنی ہی تعلیم یافتہ تھیں توانہوں نے نیائے کی حیثیت کیسے قبول کر لی؟ میں اس گتھی کا کوئی سرا بھی پکڑ نہیں سکا۔

ایک مادوری اندر داخل ہوا،کوئی 6۔ 1 میٹر لمبا،عمر چالیس سال کے لگ بھگ سیاہ قمیص اور پینٹ پہنے،سر پرستار والی ٹوپی، کمر میں ایک چھوٹا سا تیز خنجر لٹکا ہوا، بڑی بڑی، گھنی، کالی سیاہ بل کھاتی مونچھیں۔۔۔۔۔ یہ تھا ڈارسم، نیائے نے اسے مادوری میں کچھ کہا۔ غالباوہ مجھے بحفاظت گھر تک چھوڑ آنے کا حکم دے رہی تھیں۔ ڈارسم سیدھا کھڑا، چپ چاپ (پلکیں جھپکائے بغیر) ٹٹولتی آنکھوں سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔ جیسے میرا چہرہ حفظ کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"یہ نوجوان میرے اور انالیز کے مہمان ہیں"۔ نیائے نے جاوی میں کہا۔ "انہیں بحفاظت گھر چھوڑ کر آؤ، راستے میں کوئی گڑبڑ نہ ہو، خاص خیال رکھنا"۔ میرے خیال میں یہی بات انہوں نے پہلے مادوری میں اسے کہی ہوگی۔

ڈارسم نے منہ سے کوئی لفظ نکالے بغیر، سلام کیا اور باہر نکل گیا۔

"منکی !"نیائے نے شکوہ کیا۔ "انالیز کے کوئی دوست نہیں ہیں،تمہارے آنے سے وہ خوش ہوئی ہے۔ظاہر ہے تم بھی مصروف آدمی ہو لیکن کبھی کبھار یہاں آتے رہا کرو،اور ہاں مسٹر مے لیما کے بارے میں فکر کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ معاملہ میرا ہے،تم اگر یہاں رہنا پسند کرو،تو تمہارے لیے روزانہ بگھی بھی بھیجی جا سکتی ہے،بشرطیکہ تم پسند کرو"۔

یہ عجیب وغریب اور خوفناک گھر اور گھرانا !باہر والے انہیں منحوس سمجھتے ہیں۔ بہرحال میں نے جواباً کہا:

"مجھے سوچنے کا موقع دیجئے مما، اتنی فراخدلانہ پیش کش کے لیے میں آپ کا ممنون ہوں"۔

"نہ میں جواب نہ دینا"۔انالیز نے کہا۔اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"ہاں، نیو، اس پر ضرور غور کرنا، اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو انالیز سب کچھ سنبھال لے گی۔ کیوں این؟ ٹھیک ہے نا؟"،انالیز نے سر ہلا کر، رضامندی کا اظہار کیا۔

گھر کے سامنے بگھی کی آمد کا کھڑاک سنائی دیا۔ ہم گھر کے خارجی برآمدے کی طرف آئے۔رابرٹ سرہوف اور رابرٹ مے لیما، چپ بیٹھے، باہر پھیلتے اندھیرے کی جانب دیکھ رہے

تھے۔بگھی بالکل زینے کے قریب آ کر رکی۔ سرہوف اور میں سیڑھیاں اتر کر، بگھی میں سوار ہو گئے۔

"ہر شخص کو شب بخیر اور آپ سب کا شکریہ مما، این اور راب !" میں نے کہا۔

بگھی حرکت میں آ گئی۔ مما نے کہا۔"ارے رکو !" بگھی رک گئی۔"منکی ! نیچے آ ؤ ذرا"۔

میں بندہ بے دام کی طرح، گویا ان کی گرفت میں آ گیا تھا۔ بغیر سوچے سمجھے میں چھلانگ لگا کر بگھی سے اترا اور سیڑھیوں کے پاس پہنچ گیا۔ نیائے، اور انالیز، ایک زینہ نیچے اتریں۔ نیائے نے میرے کانوں میں آہستگی سے کہا۔"انالیز نے مجھے بتا دیا ہے۔۔۔۔۔ڈرو نہیں۔۔۔۔۔کیا یہ سچ ہے کہ تم نے اسے پیار کیا تھا؟"

بجلی گری ہوتی تو میں اتنا حیران نہ ہوتا۔فکر اور پریشانی کی لہریں میرے پورے بدن میں، رینگتی، میرے پاؤں تک جا پہنچیں۔ میرے پاؤں ڈگمگا سے گئے۔

" کیا یہ صحیح ہے؟ "انہوں نے بہ اصرار پوچھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ مجھ سے جواب نہیں بن پا رہا۔ انہوں نے انالیز کو کھینچ کر میری طرف بڑھایا۔"اس کا مطلب ہے یہ درست ہے۔اب، منکی، میرے سامنے انالیز کو پیار کرو، تاکہ مجھے پتہ چلے کہ انالیز جھوٹ نہیں بولتی"۔

میں کانپ کر رہ گیا۔لیکن اس حکم سے سرتابی ناممکن تھی۔ میں نے انالیز کے رخسار پر پیار کر لیا۔

"مجھے فخر ہے نیو، تم وہ شخص ہو جس نے اسے پیار کیا ہے، اب گھر جاؤ"۔

گھر واپسی کے سفر میں، میں کچھ بھی کہنے سننے کے قابل نہیں تھا، مجھے لگا جیسے نیائے میرے ذہن پر قابض ہو گئی ہیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ انالیز خداداد حسن کی مالک تھی۔لیکن اس کی ہوشیار والدہ نہ جانے لوگوں کو کیسے مسخر کر لیتی تھیں کہ وہ انکی خواہش پر سر جھکائے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ سرہوف کے منہ سے بھی ایک لفظ نہیں نکلا۔

بگھی پتھریلی سڑک پر سرپٹ دوڑی جا رہی تھی۔ اور اس کی کاربائڈ لائٹس اندھیرے کا

سینہ چاک کر رہی تھیں۔ اس رات پوری سڑک پر صرف ہماری بگھی ہی نظر آ رہی تھی۔ شاید یہاں کا ہر باسی کنواری ملکہ ول ہلیمنا کی رسم تاج پوشی کے جشن میں شرکت کے لیے سرابیا پہنچا ہوا تھا۔ ڈارسم نے مجھے کرینگن میں میرے ہوسٹل تک مجھے چھوڑا۔ میرے گھر میں داخل ہونے تک وہ، وہیں کھڑا رہا۔ پھر وہ سرہوف کو اس کے گھر چھوڑنے چلا گیا۔

"اے ماسٹر منکی !" میرے گھر کی بزرگ، باتونی مالکن مسز تلنگا نے مجھے مخاطب کیا۔ " گھر میں کھانا ہی چھوڑ دیا کیا تم نے؟ میں ابھی ابھی تمہارے کمرے میں خط چھوڑ کر آئی ہوں۔ میں نے دیکھا: تم نے تو ابھی پہلے والے خطوط بھی کھول کر نہیں دیکھے۔ یاد رکھو، انہیں کسی نہ کسی نے لکھا، ان پر ٹکٹیں لگائیں اور تمہارے پاس بھیجا تو صرف پڑھنے کے لیے، ممکن ہے کسی خط میں کوئی اہم بات لکھی ہو؟ تمام خطوط ٹاؤن ہی سے آئے لگتے ہیں۔ یہ کیا ماجرا ہے بھئی؟ اف فوہ ! کل کی شاپنگ کے لیے تو میرے پاس کچھ بھی نہیں"۔۔۔۔۔۔ میں نے اس نیک بخت مگر جھکی عورت کو ایک ٹالن کا سکہ تھما دیا۔ اس نے بڑے زور و شور سے میرا شکریہ ادا کیا۔ میرے کمرے میں گرم گرم چاکلیٹ ملا دودھ موجود تھا۔ میں اسے ایک سانس میں پی گیا۔ پھر میں نے اپنے جوتے اور کپڑے اتارے اور سیدھے بستر میں چھلانگ لگا دی اور دن بھر گزرنے والے واقعات کے متعلق سوچنے لگا۔ اچانک میری نگاہ سامنے کی دیوار کے نزدیک موجود میز پر دیوی کے پورٹریٹ پر پڑی۔ میں بستر سے باہر نکلا۔ اس پورٹریٹ کو بغور دیکھنے لگا۔ پھر میں نے اس کا رخ دیوار کی طرف موڑ دیا اور دوبارہ بستر میں گھس گیا۔

سرابیا اور بٹاوی کے اخبارات میرے سرہانے پڑے تھے۔ میں نے انہیں ایک طرف سرکا دیا۔ میں عموماً سونے سے پہلے اخبارات پڑھا کرتا تھا۔ پتہ نہیں کیوں میں جاپان سے متعلق رپورٹیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر دیکھتا تھا۔ مجھے جاپانی نوجوانوں کا پڑھنے کے لیے انگلینڈ اور امریکہ جانا اچھا لگتا تھا۔ مگر اس روز دل کسی اور چیز میں اٹکا ہوا تھا۔ اس عجیب و غریب اور دولت مند گھرانے میں، نیائے کسی ساحرہ کی طرح لوگوں کے دل اپنی مٹھی میں کر لینے کا فن جانتی تھیں۔ انالیز بے پناہ خوبصورت تھی۔ اس کی عادتوں میں بچپنا ضرور تھا مگر وہ کارکنوں سے کام لینا بخوبی جانتی تھی۔ رابرٹ مے لیما، ہاتھی کی سی جسارت کے حامل، بدمزاج، مگر اپنی ہی داشتہ، مقامی بیوی کے ہاتھوں بے بس۔ سب اپنی اپنی جگہ کسی ڈرامے کا کردار لگتے تھے۔ جانے کس قسم کا گھرانا تھا یہ؟ اور میں خود؟ نیائے کے سامنے میں بھی بے بس تھا۔ بستر میں کروٹ بدلتے ہوئے بھی ان کی آواز میری

سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ انالیز کی کسی سے دوستی نہیں ہے؟ تمہارے آنے سے یہ خوش ہوئی ہے۔ مجھے پتہ ہے تمہارے پاس بھی زیادہ فارغ وقت نہیں ہوتا، پھر بھی، یہاں آتے جاتے رہا کرو۔۔۔۔۔اگر تم یہاں رہنا چاہو تو ہمیں بہت خوشی ہو گی۔۔۔۔۔

مجھے سوئے ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا ہو گا کہ گھر کے باہر کھڑ کھڑ کی آواز محسوس ہوئی، میں اٹھ کر لیمپ جلایا۔صبح کے پانچ بج رہے تھے۔

"ماسٹر منکی کے لیے کچھ سامان ہے"۔ میں نے کسی آدمی کی آواز سنی۔"دودھ، مکھن اور پنیر، نیائے اونتو سارو ہ کی طرف سے،ان کے لیےایک خط بھی ہے"۔

باب 3

زندگی معمول کے مطابق گزر رہی تھی۔ شاید صرف میرے سلسلے میں یہ تبدیلی آئی تھی کہ وونو کرمو کا بتین سورگ میرے تصورات میں رچ بس گیا۔ کیا میں کالے جادو کا شکار ہو گیا تھا؟ میں بہت سی مغربی اور مخلوط النسل لڑکیوں سے واقف تھا۔ صرف انالیز ہی کیوں میری نگاہوں میں گھومنے لگی تھی؟ اور نیائے کی آواز ہر وقت میرے کانوں میں کیوں گونجتی رہتی تھی؟ منکی، سنیو منکی، پھر کب آ رہے ہو؟ غرض میں تھا اور میری پریشان سوچیں۔

میں روزانہ ننھی مے میریز کے ساتھ سکول کے لیے روانہ ہوتا۔ سم پینگ کے ای ایل ایس میں اس کے سکول تک ہاتھ میں ہاتھ ڈالے، پیدل ہی جاتا۔ پھر میں ایچ بی ایس سٹریٹ پر اپنے سکول چلا جاتا۔ میں آتے جاتے ہر بگھی کو بغور دیکھتا کہ شاید اس میں ڈارسم موجود ہو اور اگر کوئی تانگہ میرے پیچھے سے آتا ہوا گزرتا تو میں ذرا رخ موڑ کر اس میں بھی جھانک لیتا۔ یوں لگتا تھا جیسے میرے قریب سے گزرنے والی ہر بگھی سے مجھے کوئی کام ہے۔

سکول میں بھی، انالیز میرے تصورات میں بسی رہتی۔ نیائے کی آواز میرے کانوں میں گونجتی رہتی۔ کب آ رہے ہو؟ اس نے تمہارے لیے، بناؤ سنگھار کیا ہے۔ پھر کب آ رہے ہو؟

رابرٹ سرہوف نے پھر کبھی مجھے وونو کرومو کے بارے میں پریشان نہیں کیا۔ وہ تو مجھ سے نظریں چھپاتا پھرتا تھا۔ انالیز کو فتح کرنے کی صورت میں، اس نے جو شرط لگائی تھی، وہ اسے پورا نہیں کرنا چاہتا ہوگا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میرے اور حقیقت کے بیچ میں ایک سرمئی دھند کی چادر تن گئی ہے۔ ہر چیز غیر واضح تھی اور محسوسات غیر یقینی۔

میرے سکول کے تمام دوست، مقامی، یورپ یا انڈو، لڑکے یا لڑکیاں، سبھی بدلے بدلے

سے لگتے تھے۔ میں بھی انہیں بدلا ہوا لگا۔ جی ہاں، میری ہوشیاری، مستعدی اور یگانگت سب ہوا ہو گئی تھی۔

سکول سے گھر آتے ہوئے، میں سیدھا جین میریز کے گھر چلا گیا۔ وہ حسب معمول اپنی ڈرائنگز میں الجھا ہوا تھا۔ شاید وہ کوئی ڈیزائن بنانے میں مصروف تھا۔ اس دن میں اپنے کمرے کا رخ فوراً کرنا نہیں چاہتا تھا۔ بندرگاہ جانے کو بھی میرا جی نہیں چاہ رہا تھا۔ میں نیلامی کے اخبار کے دفتر میں جا کر، اشتہاری مضامین میں سر کھپانے کا خواہاں بھی نہیں تھا۔ کسی موزوں اخبار کے لیے کچھ لکھنا بھی اس وقت نامناسب سا لگا۔ دوستوں کے گھر جا کر، فرنیچر فروخت کرنے کی کوشش یا تصویروں کے آرڈرز کے حصول کی بھی کوئی آرزو نہیں تھی۔

میں کچھ کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ میرے جسم کی یہ خواہش تھی کہ میں بستر پر پڑا، ہر کروٹ بدلتے ہوئے، انالیز اور صرف انالیز کے تصور میں محو رہوں۔ اپنے بچپن کے خول میں بند دوشیزہ کے لیے اپنے ذہن کے دریچے کھول رکھوں۔

گھر میں مسز تلنگا مسلسل میرے پیچھے پڑی رہیں کہ میں بیتن سورگ میں گزری آپ بیتی ان کے گوش گزار کروں۔ میری بے ربط باتوں پر انہیں آگ لگ جاتی اور وہ اپنی ناز یبا رائے کا اظہار کرنے لگ جاتیں۔ ینگ ماسٹر، تم تو اس کی بیٹی کو چاہتے ہو لیکن اس کی ماں بڑی خبیث عورت ہے۔ ہر شخص اس کی بیٹی کی خوبصورتی کا معترف ہے مگر کوئی بھی وہاں جانے کی جرات نہیں کرتا۔ تم بڑے خوش قسمت ہو لیکن اچھی طرح خیال کرنا، کہیں نیائے تمہیں ہڑپ ہی نہ کر جائے!"

یہ بات مسز تلنگا یا مجھ تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ شاید دنیا کے ہر شخص کے علم میں تھی کہ نیائے قسم کی عورتوں کا اخلاقی معیار بس کچھ اسی طرح کا ہوتا ہے۔ نیچ، گندا، بدتہذیب، شہوت پسند۔ یہ گھرانے دراصل طوائفوں کے ہوتے تھے، جہاں کردار نام کی کوئی چیز ہوتی ہی نہیں۔ جن کی قسمت میں گمنامی کے سوا کچھ نہیں ہوتا لیکن کیا یہی فیصلہ نیائے اونتو سارودہ کے بارے میں بھی صادر کیا جا سکتا تھا؟ اس سوال کے ہاتھوں، میں بری طرف کنفیوژ تھا، ایسا ممکن نہیں تھا! یا شاید میں نے مشاہدے میں احتیاط کا دامن چھوڑ دیا تھا؟ ممکن ہے میں لاعلم ہی رہنا چاہتا ہوں؟ زندگی کے تمام طبقات نے بلکہ تمام نسلوں نے، نیائے گھرانوں کے متعلق اپنا ایک نظریہ قائم کیا ہوا تھا۔ چاہے وہ مقامی ہوں، یورپین ہوں، چینی یا عرب ہوں۔ پھر میں ایک تنہا آدمی اس نظریئے کو بھلا کس طرح جھٹلا سکتا ہوں۔ انالیز کو پیار کرنے کا حکم، کیا اس کے ادنی اخلاق کا ثبوت نہیں؟ شاید!

پھر بھی مسز تلنگا کی بے ہودہ باتیں میرے دل میں موجود روشنی کو دھندلا دیتیں۔ شاید یہ باتیں اس لیے قرین قیاس ہوں کہ میں لایعنی خواب دیکھنے میں مصروف تھا۔ پچھلے کئی دنوں سے میں خود کو یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ میرے اور انالیز کے درمیان پیش آنے والا واقعہ ایک لمحاتی حادثہ تھا جو نوجوان لڑکیوں اور لڑکوں کی زندگی کا معمول ہوتا ہے۔ سب گھرانوں میں، چاہے وہ بادشاہوں کے ہوں یا تاجروں اور مذہبی راہنماؤں کے یا کسان اور مزدور گھرانوں کے ہوں۔ یہ ہوا کرتا ہے۔ آسمان کے دھندلکوں میں بسنے والی دیوی دیوتاؤں کو بھی اس سے مفر نہیں۔ یہ سب بجا، لیکن ایک غیر مرئی انگلی میری جانب اٹھتی ہوئی، مجھے یہ دوش دیتی۔ مصیبت یہ ہے کہ تم اپنے خوابوں ہی کی توجیہ کئے جا رہے ہو۔

چنانچہ اس سہ پہر، انتہائی مجبور ہو کر، میں نے جین میریز کے پاس جانے اور اس سے مشورہ کرنے کا سوچا۔ جین سے کسی بہت سنجیدہ گفتگو کی مجھے توقع نہیں تھی۔ ہمارے مابین واضح ابلاغ ایک مسئلہ تھا۔ اسے ڈچ سرے سے نہیں آتی تھی، مالے البتہ اس کی بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ مجھے فرانسیسی واجبی سی آتی تھی۔ وہ ڈچ سیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ حالانکہ وہ ڈچ نوآبادیاتی فوج کے ہمراہ تقریباً چار سال تک جنگ آسہ میں حصہ لے چکا تھا۔ اس کی ڈچ صرف چند فوجی اصطلاحات تک محدود تھی۔

لیکن وہ میرا سب سے پرانا دوست تھا اور کاروبار میں میرا شریک بھی تھا۔ اس سے گفتگو کرنا مجھے مناسب لگا۔

کارکن کسی آہ تیانگ نامی شخص کے لیے بنائے گئے فرنیچر کو فنشنگ ٹچ دے رہے تھے۔ مجھے شبہ سا ہوا کہ شاید یہ وہی شخص ہے جو نیائے اونتو سارو کے پڑوس میں واقع عشرت کدے کا مالک ہے۔ اس چینی نے اپنے لوگوں سے یہ فرنیچر اس لیے نہیں بنوائے کہ یہ مغربی سٹائل کا ہے۔ مجھے یہ آرڈر بہرحال کسی اور کے ذریعے ملا تھا۔

جین، اپنی نئی تصویر کا خاکہ بناتے ہوئے، پنسل سے کھیل رہا تھا۔ "میں تمہیں ڈسٹرب کرنا چاہ رہا ہوں جین"۔ میں یہ کہتے ہوئے اس کی ڈرائنگ ٹیبل کے ساتھ پڑی ہوئی کرسی پر ہی بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا چہرہ اٹھایا اور میری جانب دیکھا۔

"تمہیں سحر کا مطلب معلوم ہے؟"۔۔۔۔۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"گونا گونا؟ "میں نے پوچھا۔

"ہاں، کالا جادو،۔۔۔۔۔۔ میں نے تو کچھ ایسا مفہوم ہی سنا ہے۔ حبشی کیا کرتے ہیں۔ لوگ تو یہی سمجھتے ہیں۔ اگر میں نے صحیح سنا ہے تو اس کا مفہوم یہی ہوگا"۔

میں اسے اپنے محسوسات کے متعلق بتانے لگا۔ مجھے لگ رہا ہے جیسے میں کسی جادو کے زیر اثر ہوں۔ پھر میں اس سے نیائے کی طرح کے گھرانوں کے متعلق گفتگو کرنے لگا۔ پھر نیائے اونتو سا روہ کا گھرانہ زیر بحث آ گیا۔

اس نے پنسل ڈرائنگ ٹیبل پر رکھ دی مجھ پر نظریں گاڑ دیں اور میرے ایک ایک لفظ کی معنویت سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر انتہائی آرام سے مختلف زبانوں کا ملغوبہ بنا کر، یوں گویا ہوا۔

"خاصی گھمبیر صورت حال ہے، منکی، تم محبت میں گرفتار ہو گئے ہو"۔

"نہیں، جین! میں قطعا اسیر عشق نہیں ہوا۔ یہ دوشیزہ یقیناً بہت دلکش اور سحر انگیز ہے مگر عشق والا کوئی مسئلہ نہیں"۔

میں تمہاری مشکل سمجھ سکتا ہوں، یہ معاملہ اس وقت اور سنجیدہ ہوجاتا ہے جب تم اپنی محبت کے بارے میں کسی کو بتا بھی نہیں سکتے، سنو منکی! تمہارا جوان خون اسے اپنانا چاہتا ہے مگر تم لوگوں کی طعنہ زنی سے ڈرتے ہو"۔ وہ آہستگی سے ہنسا۔ "لوگوں کی باتیں سننی بھی چاہئیں اور ان پر دھیان بھی دینا چاہیے اور اگر ان کی باتوں میں وزن ہو تو اس کا احترام بھی کرنا چاہیے۔ ہاں اوٹ پٹانگ باتوں پر نہ توجہ دینے کی ضرورت ہے اور نہ احترام کرنے کی۔ تم پڑھے لکھے آدمی ہو منکی، اور عقل مند آدمی کو اپنی سوچوں اور اپنے افعال میں، کہیں بھی انصاف کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ تعلیم یافتہ ہونے کا یہی مطلب ہے۔ دو تین دفعہ اس گھرانے میں آؤ جاؤ، سچائی خود بخود تمہاری سمجھ میں آ جائے گی۔ عوامی رائے کا وزن بھی معلوم ہو جائے گا"۔

"سو تمہارا خیال ہے کہ مجھے وہاں دوبارہ جانا چاہیے؟"

"میرا کہنا یہ ہے کہ تم عوامی رائے کی سچائی معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ لوگوں کی غلط رائے کو بلاوجہ مان لینا بھی غلط ہے۔ تم ایک ایسے گھرانے کو جانچنا چاہ رہے ہو جو شاید جانچ کرنے والے شخص سے زیادہ بہتر ہے"۔

"جین، مجھے وہاں جانے اور ٹھہرنے کا کہا گیا ہے"۔

"تو جاؤ، بس اپنی پڑھائی کا خیال رکھنا۔ اب تمہیں نئے آرڈرز کے پیچھے بھاگنے کی قطعی ضرورت نہیں۔ ابھی پانچ تصویریں ہیں، جنہیں مکمل ہونا ہے اور یہ"۔ اس نے کاغذی خاکے پر

ہاتھ رکھا۔"میں ایک ایسی چیز پینٹ کرنے جا رہا ہوں، جس کا میں ایک طویل عرصے تک، خواب دیکھتا رہا ہوں"۔

میں نے اس کے آگے موجودہ کاغذی خاکہ اپنی طرف کھینچا۔ تصویر پر نظر پڑتے ہی، میں اپنے سارے مسائل لمحہ بھر میں بھول گیا۔

ایک ڈچ انڈیز فوجی۔۔۔۔۔اس کا تنکوں والا ہیٹ اور اس کی تلوار کم از کم یہی ظاہر کر رہے تھے۔۔۔۔۔ایک اسا ہی لڑاکا کے پیٹ پر اپنے پاؤں کا اپنا پورا بوجھ ڈال رہا تھا جبکہ اس کی سنگین شکار کی چھاتی کی سمت بڑھ رہی تھی۔ اس کی قمیص پہلے ہی پھٹ گئی تھی اور اندر سے کسی نوجوان عورت کا سینہ ابھرا نظر آ رہا تھا۔ عورت کی آنکھیں خوف سے پھیل گئی تھیں اور اس کے بال بانس کے پتوں پر، بکھرے ہوئے تھے۔ وہ اپنا بایاں ہاتھ بار بار اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ایک پیش قبض تھما ہوا تھا۔ غالباً زوردار آندھی کی وجہ سے، بانس کی شاخوں کا گچھا، کسی چھتری کی طرح، ان دونوں پر جھکا ہوا تھا۔ پس منظر کچھ ایسا تھا کہ جیسے یہی دو جاندار ہوں: ایک قتل کرنے جا رہا تھا اور دوسرا قتل ہونے۔

"عجیب خباثت ہے جین، تم حسن کی بات کرنا پسند کرتے ہو۔ اس خباثت میں حسن ہے کہاں؟"

اس نے سگریٹ کا زوردار کش لیا اور بولا:"یہ وضاحت کرنا آسان بھی نہیں منکی۔ یہ تصویر انتہائی نجی قسم کی ہے، یہ عام لوگوں کو دکھانا مقصود نہیں۔ اس کا سارا حسن اس کی جزئیات میں ہے"۔ وہ چپ ہو گیا جسے میں نے محسوس کیا:

"سو تم ہو وہ فوجی جین؟ تم نے اس طرح کا وحشیانہ ظلم کیا تھا؟ "اس نے اثبات میں سر ہلایا۔"تم نے اسے آزادی دے دی؟ "اس نے پھر ہلکا سر ہلایا۔"وہ یقیناً تمہاری ممنون رہی ہو گی"۔

"وہ میری ممنون نہیں تھی منکی، اس نے مجھے کہا تھا کہ میں اسے مار ڈالوں۔ وہ اس بات پر شرمندہ تھی کہ ایک کافر نے اسے ہاتھ لگا کر داغ دار کر دیا ہے"۔ اس نے بڑی افسردگی سے جواب دیا۔ شاید وہ اپنے نارسا ماضی میں جھانک رہا تھا۔ وہ لفظ بھی اس نے مجھ سے نہیں کہے، غالباً وہ خود سے مخاطب تھا۔

"اور اب وہ مر چکی ہے۔ اس کے چھوٹے بھائی نے کیمپ میں آ کر، اس کی بغل میں زہر

سے بجھا خنجر اتار دیا تھا۔ وہ فی الفور مر گئی۔ پھر اس کے قاتل نے بھی چیختے چیختے اپنی جان دے دی:
"جہنم میں جاؤ، کافر کہیں کے، کافروں کے پیرو!"

"اس کے بھائی نے اسے کیوں مارا؟" میں اپنی سب مشکلات فراموش کر بیٹھا تھا۔

"اس کا بھائی اپنے وطن کے لیے اور اپنے عقیدے کے دفاع کے لیے مسلسل لڑتا رہا لیکن اس کی بہن نے ہتھیار ڈالنے کے بعد مزاحمت ختم کر دی۔ اس کی موت کا تو کوئی گواہ بھی نہیں، منکی۔ اس کا کوئی پڑوسی، اس کے بچے کو، اس وقت ٹہلانے لے جا رہا تھا۔ اس کا شوہر، کہیں دور، اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے، گیا ہوا تھا"۔

"تو یہ عورت اتنا عرصہ فوجیوں کے ساتھ ہی رہی؟ قیدیوں کی طرح؟ بچے کے پیدا ہونے تک قید ہی رہی؟"

"شروع میں تو وہ قیدی ہی تھی لیکن بعد میں ایسا نہیں تھا"۔ اس نے فوری جواب دیا۔

"اس نے کسی سے شادی کر لی تھی"۔

"نہیں، اس نے کسی سے شادی نہیں کی"۔

"اور وہ بچہ، جسے پڑوسی سیر کرانے لے گیا تھا۔۔۔۔ وہ کہاں سے آیا؟"

"وہ بچہ اس نے مجھے دے دیا، میری اپنی بچی، منکی"۔

"جین!"

"ہاں، منکی، لیکن یہ کہانی مے کو نہ سنانا"۔

میں جذباتی ہو کر اٹھا اور مے کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ ایک طرف بغیر چادر بچھے دیوان پر بے خبر سو رہی تھی۔ میں نے اسے گود میں اٹھا لیا اور پیار کرنے لگا۔ وہ بیدار ہو کر حیرانی سے مجھے تکنے لگی۔ اس کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکلا۔

"مے، مے !" میں شور مچاتا، اسے گود میں لیے، دوبارہ جین میریز کے پاس آیا۔ "جین! یہ تمہاری بچی ہے، وہی بچی ! تم جھوٹ تو نہیں بول رہے، بتاؤ نا؟"

وہ فرانسیسی، اپنی ٹھوڑی ہاتھ پر ٹکائے، گھر سے باہر دور کہیں، خلا میں تک رہا تھا۔ وہ اپنی کہانی دہرانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ کوئی جواب نہیں دینا چاہتا تھا۔ مجھے اب یاد آیا کہ وہ اپنی بیوی سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔

"اسی لیے تم مجھے وونو کر مو جانے کے لیے کہہ رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"محبت ہی تو اصل خوبصورتی ہے، منکی۔ بہت، بہت زیادہ خوبصورت، یہ اور بات کہ اس کے پیچھے تباہی و بربادی چھپی ہو۔ بہرحال اس کے نتائج کا سامنا کرنے کی جرات تو ہونی چاہیے"۔

"سیر کو چلیں گے پاپا!" بچی نے فرمائش کی۔ اسے اثبات میں جواب ملا، لیکن نہانے کے بعد۔ تو وہ خوش خوش اندر چلی گئی۔ میں نے کہا۔ "یہ بات یقینی نہیں کہ مجھے اس لڑکی سے پیار ہو گیا ہو"۔

"شاید تمہیں پیار نہ ہوا ہو، یہ فیصلہ کرنا میرا کام بہرحال نہیں اور ایسا بھی نہیں ہے کہ پیار اچانک آسمان سے ٹپکنا شروع ہو جائے کیونکہ پیار فطرت کی دین ہے، کوئی آسمان سے ٹپکنے والا شہاب ثاقب نہیں۔ تم ذرا اپنے دل کو ٹٹولو۔ وہ لڑکی، ممکن ہے، تمہیں پسند کرتی ہو۔ تمہاری باتوں سے لگتا ہے کہ اس کی ماں تو تم پر بری طرح ریجھ گئی ہے۔ پہلی ہی ملاقات میں تمہاری گرویدہ ہو گئی ہے۔ میں کالے جادو پر یقین نہیں رکھتا۔ ممکن ہے اس کا وجود ہو۔ لیکن اس کا زیادہ تر امکان ایسے ماحول میں ہو گا جہاں زندگی ابھی تہذیب کے ابتدائی مراحل سے گزر رہی ہو۔ پھر تم نے کہا کہ نیائے تمام دفتری کام کرتی ہیں۔ اس قسم کے لوگ کالے جادو کا عمل نہیں کرایا کرتے۔ وہ کردار کی مضبوطی پر زیادہ اعتماد کرتی ہوں گی۔ عموماً بے کردار لوگ کالا جادو کراتے ہیں۔ نیائے کو اپنی تمام ضرورتوں کا مکمل ادراک ہے۔ غالباً وہ اپنی بیٹی کی تنہائی کے مسئلے پر خاصی پریشان ہیں"۔

"تم آج شام، مے کو سیر کرانے لے جاؤ گے؟"

"تم تو کبھی اسے لے کر نہیں جاتے"۔ میں نے جواب دیا۔ "وہ تمہارے ساتھ سیر کرنا چاہتی ہے"۔

"فی الحال یہ ممکن نہیں منکی، اس پر ترس کھاؤ، لوگ ہمیں گھورنے لگیں گے۔ ایک دن کسی کا فقرہ اس کے کانوں میں پڑے گا: اس لنگڑے لولے ڈچ کو دیکھو، اپنی بچی کے ساتھ جا رہا ہے۔ نہیں منکی، اتنی پیاری روح کو غیر ضروری غموں کے زخم نہیں لگنے چاہئیں، چاہے اس کی وجہ اس کے اپنے باپ کی بدہئیتی ہی کیوں نہ ہو۔ اسے مجھ سے پیار رہنا چاہیے۔ اور دوسروں کی الٹی سیدھی بکواس کی پروا کیے بغیر، صرف اپنے باپ کا پیار محسوس کرنا چاہیے"۔

اتنی باتیں اس نے کبھی نہیں کی تھیں اور نہ ہی وہ کبھی اتنا اداس ہوا تھا۔ خدا جانے اس کے اندر کیا ہو رہا تھا؟ شاید وہ اپنے ماضی۔۔۔۔۔ گم شدہ اور نارسا ماضی پر گرفت کرنا چاہتا تھا لیکن یہ

ناممکن تھایا شاید وہ اپنی جائے پیدائش، اپنے مادر وطن کو یاد کر رہا ہو، جہاں وہ پلا بڑھا تھا اور جہاں اس نے پہلی دفعہ سورج طلوع ہوتے دیکھا تھا؟ شاید ایک غیر ملکی بیٹی کا معذور باپ ہونے کی وجہ سے وہ وطن لوٹنا ہی نہ چاہتا ہو؟ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ایسا شاہکار تخلیق کرنا چاہتا ہو جس کی بدولت اہل وطن اسے عظیم فنکار تسلیم کر لیں؟ تمہیں کبھی ترس کھانے کا وقت ہی نہیں ملا، جین"۔ میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"ٹھیک کہتے ہو منکی۔ میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ ترس کا جذبہ ایسے اچھے لوگوں کی خواہش کا نام ہے جو اسے عملی شکل نہیں دے سکتے۔ رحم کھانے کو عیاشی سمجھو یا کمزوری۔ تعریف کا مستحق وہ شخص ہے جو اپنے نیک ارادوں کو عملی جامہ بھی پہنا سکتا ہو۔ میں تو اس قابل ہوں ہی نہیں۔ میں اس لفظ پر جتنی روشنی ڈالوں گا، اتنا ہی زیادہ یہ لفظ "رحم "یہاں جزائر میں خوبصورت نظر آئے گا مگر یورپ میں ایسا نہیں ہے"۔

اس کے لہجے میں اداسی کچھ اور گہری ہوتی چلی گئی۔

"تم وہ جین تو نہیں ہو، میں جس سے واقف ہوں"۔ میں نے اسے ہلکی سی سرزنش کی۔

"میں تو پریشان ہو گیا۔ تم اپنے آپ میں ہی نہیں لگ رہے، جین۔"]["میرے لیے اتنی فکر مندی کا شکریہ منکی۔ تم دن بدن تیز ہوتے جا رہے ہو"۔

مے آ گئی۔ جونہی اسے پتہ چلا کہ وہ اپنے پاپا کے ساتھ سیر کو نہیں جا سکے گی، اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"انکل منکی کے ساتھ چلی جاؤ، مے۔ مجھے افسوس ہے لیکن میں ابھی کام میں الجھا ہوا ہوں۔ اس طرح منہ نہ بسورو بیٹا"۔

میں نے مخلوط النسل فرنچ اسا ہی۔۔۔۔۔ننھی بچی کو ساتھ لیا اور گھر سے نکل آیا۔

"پاپا میرے ساتھ سیر کرنا چاہتے ہی نہیں"۔ اس نے ڈچ میں شکوہ کیا۔ "انہیں شاید پتہ نہیں کہ میں آرام سے ان کا ساتھ دے سکتی ہوں۔ میں یقین دلاتی ہوں کہ راستے میں انہیں کہیں گرنے نہیں دوں گی"۔

"بے شک تم بہت مضبوط ہو مے، وہ پھر کسی دن تمہیں سیر کے لیے لے جائیں گے"۔

میں اسے کابلن فیلڈ لے گیا۔ آہستہ آہستہ وہ مایوسی کے خول سے نکل آئی۔ ہم گھاس پر بیٹھ گئے۔ لوگ چاروں جانب پتنگ بازی میں مصروف تھے، وہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی، کبھی

ملی جلی جاوی اور ڈچ میں اور کبھی فرنچ میں۔ میں بے توجہی میں اس کی باتوں کا ہوں، ہاں میں جواب دیتا رہا۔ میں خود بہت سے معاملات میں گھرا، پریشان خیالی کا شکار تھا۔ مے لیما گھرانہ، میریز کا گھرانہ، میرے سکول کے دوستوں کا میری جانب بدلتا ہوا رویہ اور خود مجھ میں پیدا ہوتی ہوئی تبدیلیاں، بعض پتنگیں کٹ گیئں اور آسمان میں ڈولتی نظر آنے لگیں۔

مے نے میرا ہاتھ کھینچا اور افق سے اٹھتے بادلوں کی جانب اشارہ کرنے لگی۔

"تمہیں اپنے پاپا سے بہت محبت ہے، مے؟"۔۔۔۔۔وہ مجھے حیرت زدہ آنکھوں سے دیکھنے لگی۔ مجھے اس کے چہرے میں جین میریز کی جھلک نظر آئی۔ مجھے بانسوں کے جھنڈ تلے، سنگین کے سائے میں اس نوجوان زخمی عورت کی ہلکی سی رمق بھی، اس بچی میں محسوس نہیں ہوئی۔ جین کا چہرہ البتہ بچپن میں ایسا ہی رہا ہوگا اور ننھی میریز سرے سے نہیں جانتی کہ اس کا باپ کون ہے"۔

جین کبھی سوربون میں پڑھا کرتا تھا۔اس نے اپنے شعبے یا درجے کے متعلق کبھی کچھ نہیں بتایا۔ دل میں نہ جانے کیا آیا، پڑھنا لکھنا چھوڑ کر، اس نے اپنی تمام پینٹنگ پر مرکوز کر دی۔اس کے اپنے کہنے کے مطابق، اس میں وہ کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ پھر وہ پیرس کے لاطینی حصے میں رہنے لگا اور سڑکوں کے کنارے فٹ پاتھوں پر اپنی تصویروں کی نمائش کرنے لگا۔اس کی تصویروں کی خاصی مانگ تھی لیکن معاشرے میں اسے وہ عزت نہیں مل سکی، جس کا وہ متمنی تھا۔فٹ پاتھ پر ہی، تصویروں کی نمائش کے ساتھ ساتھ، اس نے نقاشی کا کام بھی شروع کر دیا۔ پانچ سال گزر گئے مگر اس کے آگے بڑھنے کی خواہش پوری نہیں ہوئی۔ بالآخر وہ اپنے ماحول سے اکتا گیا۔ اسے تماش بینوں کے اس ہجوم سے نفرت ہونے لگی جو اسے افریقی مجسمے بناتے یا نقاشی کرتے یا اپنے مغربی معاشرے کی عکاسی کرتے دیکھنے جمع ہو جایا کرتا تھا۔ وہ کوئی ایسی جدت چاہتا تھا جو اس کی اجاڑ اور بنجر زندگی کو سرسبز و شاداب بنا دے۔ وہ یورپ سے نکلا اور مراکش، لیبیا، الجزائر اور مصر میں پھرتا رہا۔افریقہ کی پراسرار سرزمین بھی اس کے فن کی پیاس نہ بجھا سکی۔ وہ جس تخیل کی تلاش میں تھا، وہ اسے بہت بعد میں ملا لیکن اس کی پہچان بھی اس کے لیے مسئلہ بن گئی۔ یہی وجہ تھی کہ سکون واطمینان اس سے بہت دور تھے۔ وہ مسلسل متفکر اور پریشان رہتا تھا۔ چنانچہ اس نے افریقہ کو بھی خیر باد کہا اور جزائر کی جانب چلا آیا۔ وہ یہاں پہنچا تو پائی پائی کو محتاج تھا۔ اپنی حالت سدھارنے کا یہی ایک راستہ اسے نظر آیا کہ وہ ڈچ جزائر کی افواج میں شامل ہو جائے۔ کچھ مہینے

کی فوجی تربیت کے بعد، اسے آسہ کے محاذ پر بھیج دیا گیا۔ یونٹ کی زندگی میں بھی، وہ اپنے آپ میں ہی گم رہا۔ وہ ڈچ میں دیئے گئے احکام کی تعمیل کے علاوہ، کسی سے بات تک نہیں کرتا تھا۔ مقامی زبان وہ سیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

مے کو ان ساری باتوں کا کوئی علم نہیں تھا۔

جین نے تہیہ کر لیا کہ فوجی زندگی گزارنے کے ساتھ، وہ مصوری کا شغل جاری رکھے گا۔ جزائر کے مقامی باشندے بہت سادہ دل لوگ ہیں۔ انہوں نے شاید ہی کوئی جنگ جیتی ہوگی۔ ویسے بھی بندوقوں اور توپوں کے آگے تلواروں اور نیزوں کا بھلا کیا کام؟ اس نے سوچا۔ بہر حال اسے بہترین لڑاکا بنا کر آسہ بھیج دیا گیا۔ اس کی پلاٹون کا کمانڈر کارپورل باستین تلنگا نسلا انڈو یورپین تھا۔ وہ مقامی ہوتا تو بس ایک عام سا سپاہی ہوتا۔ جین دوسرے خالص یورپی فوجیوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگا۔ ان میں سے کسی کو بھی ڈچ نہیں آتی تھی۔ یہ وہ ناکارہ اور دھتکارے ہوئے لوگ تھے جو مختلف یورپی ممالک کو اپنے تئیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ آئے تھے۔ یہ لوگ یاس اور نا امیدی کے مارے تھے یا قزاقی کے پیشے سے متعلق تھے۔ بہت سے قرضوں کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے اور کئی ایک سٹے اور جوئے کے ہاتھوں میں قلاش ہو گئے تھے۔ غرض ان میں سے اکثر مہم جو قسم کے لوگ تھے۔ یہ سب اعلیٰ درجے کے فوجی کے طور پر بھرتی ہوئے تھے کیونکہ ادنی درجے کا رینک صرف جزائری اور مقامی باشندوں عموماً پرودریو کے جاوی لوگوں کے لیے مخصوص تھا۔

پرودریو کے مقامی ہی کیوں؟ میں نے ایک دفعہ پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہ لوگ عموماً خاموش طبع ہوتے ہیں اور جلدی حواس باختہ نہیں ہوتے۔ فوج کے خیال میں آساہیوں کے مقابلے کے لیے یہ زیادہ کارآمد تھے۔ اساہی خالی خولی دھمکیاں دینے والے لوگ نہیں تھے۔ وہ آہنی ارادوں اور مضبوط اعصاب کے مالک تھے۔ وہ کچھ کر دکھانے والے لوگ تھے اور اپنی شکست کو ابھی تک ہضم بھی نہیں کر پائے تھے۔ خصوصاً سنگ مرمر کے علاقے کے لوگ، ابتدا میں خاصے اولوالعزم تھے۔ ڈچ انہیں آسہ کی جنگ میں ملیامیٹ کر دینا چاہتے تھے۔

آسہ کی جنگ کے تجربے کے بعد، اسے ماننا پڑا۔ مقامی جنگ جوؤں کی جنگی صلاحیت کے بارے میں اس کے ابتدائی اندازے بالکل غلط تھے۔ اساہی زبردست صلاحیتوں کے مالک تھے۔ دراصل ان کے دقیانوسی ہتھیار، ان کی کمزوری تھے۔ ان کی تنظیمی قابلیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جوانوں کے انتخاب میں ڈچ فوج کی غیر معمولی صلاحیت کو بھی وہ تسلیم کرتا تھا۔

تاہم اس کا یہ تعصب کہ ڈچ بندوقوں اور توپوں کے سامنے تلوار اور نیزے یا اساہی بانس کا پھندا بیکار محض ہیں۔۔۔۔۔بھی غلط تھا۔اساہیوں کا جنگ لڑنے کا اپنا مخصوص انداز تھا۔اپنے ماحول، اپنی صلاحیتوں اور اپنے عقاید کا بھرپور استعمال کر کے، انہوں نے نوآبادیاتی فوج کی طاقت کا زیادہ تر حصہ نیست و نابود کر ڈالا تھا۔وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا تھا کہ وہ موت کی پرواکئے بغیر، اپنے حق کے لیےلڑے جا رہے تھے۔ان میں بچے بوڑھے سبھی شامل تھے۔شکست کے باوجود، وہ اپنی لڑائی جاری رکھے ہوئے تھے۔منکی، اپنی تمام تر صلاحیتوں اور کمزوریوں کے ساتھ وہ جنگ جاری رکھے ہوئے تھے۔

ایک اور موقع پر اس نے مختلف زبانوں کا ملغوبہ بناتے ہوئے، مجھے بتایا کہ جن دنوں وہ فوج میں تھا اساہی دور دور تک اندرونی علاقوں میں اور جنوب میں ٹاکن جن کے خطے تک دفاعی جنگ میں مصروف تھے۔ایک اساہی کمانڈر تیوت علی، اپنے بے پناہ فوجی ضائع ہو جانے اور کافی علاقہ چھن جانے کے باوجود، کس طرح اپنے لڑاکا سپاہیوں میں زبردست جوش و خروش قائم رکھے ہوئے تھا۔ یہ راز بھی کبھی جین کی سمجھ میں نہیں آ سکا۔ وہ مسلسل برسرپیکار رہے۔انہوں نے ڈچ افواج کے خلاف ہی نہیں بلکہ اپنی بقا کے لیے بھی عظیم مزاحمت کی۔فوجی ذرائع نقل و حمل، پل، سڑکیں، ٹیلی فون لائنیں، ریل گاڑیاں اور ریلوے لائن وغیرہ ان کا عمومی نشانہ ہوتے تھے۔دشمن کو ہراساں کرنے کے لیے وہ پانی میں زہر ملا دیتے۔شب خون مارتے، بانسوں کا پھندا لگا دیتے۔ گوریلا کارروائیاں یا براہ راست فوجی بیرکوں میں اچانک توڑ پھوڑ کر ڈالنا ان کے کھیل کا حصہ تھا۔

ڈچ جرنیل، ان حریت پسندوں کے خلاف کارروائیاں تقریباً ختم کر چکے تھے۔اب ان کا بس صرف بچوں، بوڑھوں، بیماروں اور حاملہ عورتوں پر ہی چل سکتا تھا۔سو وہ ان کے تشدد کی چکی میں پس رہے تھے۔ان بے یار و مددگار لوگوں میں زیادہ خوش قسمت وہ تھے جو سیدھے موت کی آغوش میں چلے جاتے تھے۔ڈچ ذرائع کے مطابق بمشکل تین ہزار یورپی فوجی اس جنگ میں کام آئے ہوں گے مگر مقامی فوجیوں کے بقول حریت پسندوں نے ان کی ہر انچ پیش قدمی کی زبردست قیمت وصول کی۔

اس طرح جین میریز کو ان عظیم مقامی آزادی پسندوں کی تعریف کرنا آئی اور اس کے دل کے دروازے ان کی محبت میں وا ہو گئے۔ان باکردار اور جری لوگوں نے، اپنے عہد کی زبردست طاغوتی قوت کے خلاف، اس کی تمام سائنسی اور تہذیبی ترقی کے باوجود، ستائیس سال تک

مزاحمت جاری رکھی۔

پیار خوبصورت ہے منکی، بہت زیادہ خوبصورت۔۔۔۔۔اس نے کہا تھا۔۔۔۔۔لیکن اس نے یہ نہیں بتایا کہ ایک دشمن عورت کو اس نے محبوبہ کیسے بنالیا۔شاید وہ بھی اس سے پیار کرتی تھی تبھی تو اس نے ، مے جیسا ،خوبصورت تحفہ جین کو پیش کیا تھا۔جی ہاں وہی مے، آج میرے پہلو میں بیٹھی مجھ سے ہلکی پھلکی باتیں کر رہی تھی۔ میں نے اس کے بالوں کو چھیڑا۔ نہ جانے اسے اپنی ماں کا دودھ پینا نصیب بھی ہوا کہ نہیں۔ایک ایسی متاع بے بہا اس سے چھن گئی تھی ،جس کا کوئی نعم البدل ممکن ہی نہیں!

''انکل، ادھر دیکھیں''۔اس نے مجھے ڈچ میں مخاطب کیا۔''ان بادلوں کے بالکل اوپر، پتنگیں، کیکڑوں کی طرح رینگ رہی ہیں!''

''یہ غلط ہے مے، کیکڑے بھلا آسمان پر اڑ سکتے ہیں؟ بادل گہرے ہوتے جا رہے ہیں، چلو گھر چلیں''۔

جین میریز ابھی تک اپنی ڈرائنگ ٹیبل پر جھکا ہوا تھا۔ہمیں اندر آتے دیکھ کر اس نے ہماری طرف دیکھا۔ مے فوراً بھاگتی ہوئی اس کے پاس گئی اور بادلوں سے بھی اوپر اڑتی کیکڑوں جیسی پتنگوں کے متعلق اسے بتانے لگی۔جین بڑی توجہ سے اس کی باتیں سن رہا تھا اور میں اردگرد موجود ان مکمل تصاویر کا جائزہ لینے لگا جو اگلے ایک دوروز میں گاہکوں کو بھیجی جانی تھیں۔ گاہک ہمیشہ اپنی مرضی ٹھونسا پسند کرتے ہیں۔اس سلسلے میں گاہکوں سے بحث ومباحثہ کرنا جین کے بس کی بات نہیں تھی۔انہیں مطمئن کرنا میرا کام ہوتا تھا۔

یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔گاہکوں کو یہ سمجھانا کہ فنکار ایک زبردست فرانسیسی مصور ہے اور صرف یہی ایک وجہ فن پارے کی دائمی دلکشی اور حسن کے لیے کافی ہے۔انسانی زندگی تو محدود ہوتی ہے مگر یہ شاہکار لافانی نوعیت کا ہے۔اگر گاہک کی مرضی کے مطابق کوئی تبدیلی کر دی گئی تو اس کا دائمی حسن ناپید ہو جائے گا۔اور یہ ایک عام سی تصویر بن کر رہ جائے گی۔خواتین خریدار زیادہ الجھتی تھیں۔خوش قسمتی سے، بہت سی باتیں، جین کی توضیحات کے بعد، مجھے اچھی طرح سمجھ آ گئی تھیں۔ عورتیں عمر کے معاملے میں بڑی حساس ہوتی ہیں۔وہ اپنی خوابناک جوانی کی گرفت سے نکل نہیں سکتیں بلکہ وہ اس طلسم کو لازوال حیثیت دینا چاہتی ہیں۔عورتیں بڑھتی عمر سے ہمیشہ خوف زدہ رہتی ہیں۔اس قسم کی صورتوں کو بڑے پیار سے سنبھالا جا سکتا ہے۔یہ تصویر آپ کے لیے ہی نہیں بلکہ

آپ کے بچوں کے لیے عظیم ورثہ ثابت ہوگی۔ (خوش قسمتی سے خواتین اکثر بال بچوں والی ہوتی ہیں) عموماً میرا انداز گفتگو انہیں قائل کر ہی لیتا تھا اگر مجھے ہٹ دھرمی زیادہ ہی محسوس ہوتی تو میں اس قسم کی دھمکی سے کام چلاتا: ٹھیک ہے، اگر آپ کو یہ تصویر پسند نہیں تو یہ تصویر میں خود خرید کر، اپنے کمرے میں آویزاں کر لوں گا۔ یہ وار عموماً کامیاب ہو جاتا، حیرت کے مارے وہ سوال کرتیں، وہ بھلا کیوں؟ میرا جواب ہوتا۔ بھئی جب ایک چیز میری ملکیت میں آ گئی تو پھر میں اس کا جو چاہے، کرتا پھروں۔ مثلاً کیا کرو گے؟ میں کہتا: ممکن ہے، میں اس کے چہرے پر مونچھیں بنا ڈالوں۔۔۔۔(حقیقت میں یہ بات میں نے کبھی کسی کے سامنے کی نہیں) مختصراً یہ کہ میں ایسی بحث میں کبھی ہارا نہیں۔ مجھے اچھی طرح سمجھ میں آ گئی تھی کہ خریدار خواتین بحث ومباحثے کو کسی کی اضافی قابلیت کے طور پر دیکھتی ہیں۔

"کافی دیر ہو گئی جین، مجھے اب تک گھر میں ہونا چاہیے تھا۔۔۔۔"

میں نے درمیانی باڑ عبور کی اور اپنے بورڈنگ ہاؤس کے احاطے میں داخل ہو گیا۔ وہاں ڈارسم میرے لیے ایک خط لیے منتظر تھا۔

"چھوٹے آقا"۔ اس نے انتہائی احترام سے مجھے جاوی میں مخاطب کیا۔ "نیا ئے جواب چاہتی ہیں۔ میں آپ کے جواب کا منتظر ہوں"۔

خط میں لکھا تھا۔ "وونوکروموکا گھرانہ میرا انتظار کر رہا تھا۔ انالیزنت نئے خواب بننے میں لگ گئی تھی، وہ کھانا پینا بھلا بیٹھی تھی۔ کام کاج میں اس کا دھیان ہی نہیں رہا تھا۔ "اگر منکی تم ایک بے پناہ مصروف ماں کی مشکلات کا احساس کر سکو، انالیز میری تنہا مددگار ہے اور میں اس کے بغیر یہ سارے کام نمٹا نہیں سکتی۔ میں اس کی صحت کے بارے میں خاصی پریشان ہوں۔ تمہارا ہمارے ہاں آنا، ہم دونوں کے لیے انتہائی مبارک ہوگا۔ چند لمحوں کے لیے ہی سہی مگر آؤ ضرور۔ ایک دو گھنٹے بھی بہت ہوں گے۔ لیکن ہمیں امید ہے کہ تم ہمارے ساتھ ٹھہرنا پسند کرو گے۔ اور آخر میں تمہاری توجہ اور پسندیدگی کا خصوصی شکریہ"۔

خط بالکل صحیح اور مناسب ڈچ میں تحریر کیا گیا تھا۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ کسی ناتجربہ کار پرائمری پاس خاتون نے یہ خط لکھا ہے۔ میں نے سوچا ممکن ہے کہ کسی اور سے یہ خط لکھوایا گیا ہو۔ یہ مجھے بہرحال پتہ تھا کہ رابرٹ مے لیما نے یہ نہیں لکھا لیکن اس کے لکھنے والے کا پتہ لگنا بہت ضروری تھا۔ اس خط سے مجھے نیا حوصلہ ملا تھا، نئی ہمت ملی۔ صرف میں ہی ان کے جادو کا شکار نہیں ہوا تھا، وہ

بھی پوری طرح مجھ سے متاثر ہوئے تھے۔ نیائے جیسی عقل منداور زبردست ماں ہر بچے کی ضرورت ہوتی ہے (اور ناقابل موزانہ خوبصورت دوشیزہ، ہر جوان کی تمنا ہوتی ہے) میں نے سوچا۔ وہ اپنے گھرانے اور کاروبار کے تحفظ کے لیے میری ضرورت محسوس کرر ہے ہیں۔

اس کا مطلب ہے میری بھی اہمیت ہے، ہے نا؟ اپنی تمام حرکتوں کو جائز قرار دینے کے لیے، اب میں بہت سی دلیلوں کے انبار بھی لگا سکتا تھا۔

ٹھیک ہے، میں وہاں جاؤں گا۔

باب 4

نیائے کے خط میں ذرا بھی مبالغہ آرائی نہیں تھی۔ انالیز خاصی کمزور لگی۔ اس نے گھر کے مرکزی دروازے پر میرا خیر مقدم کیا۔ ہاتھ ملاتے ہوئے اس کے زرد چہرے پر زندگی کی نئی لہر محسوس ہوئی، اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔ رابرٹ مے لیما نظر نہیں آیا۔ میں نے بھی اس کے بارے میں نہیں پوچھا۔ نیائے ڈرائنگ روم کے بغلی دروازے سے اندر آ ئیں۔ "سوتم آ گئے نیو، انالیز تمہارا خاصا انتظار کرتی رہی ہے۔ اپنے دوست کی تواضع کروا ین، مجھے ابھی خاصے کام نمٹانا ہیں"۔

مجھے ڈرائنگ روم سے ملحقہ کمرے کی ہلکی سی جھلک نظر آئی۔ وہ غالباً نیائے کا کاروباری دفتر تھا۔ نیائے نے دروازہ بند کیا اور نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ مجھ پر پھر وہی محسوسات حملہ آور ہونے لگے جو پہلی بار یہاں آنے پر، مجھ پر طاری ہوئے تھے۔ میں ذرا محتاط ہو گیا کسی بھی لمحے کوئی عجیب بات ہوسکتی ہے۔ میرے دل نے مجھے مزید احتیاط کی تاکید کی۔ ایک انجانا سا خیال ابھرا۔ تم نے یہاں آنے کی حماقت ہی کیوں کی؟ اگر تم ہوسٹل کی زندگی سے اکتا گئے ہو تو اپنے گھر والوں کے پاس کیوں نہیں چلے جاتے؟ یا کسی اور جگہ رہائش پذیر کیوں نہیں ہو جاتے؟ تم اس ممنوعہ گھر کی کشش کے خلاف مزاحمت کیوں نہیں کرتے؟ تم غیر مشروط طور پر سر تسلیم خم کیے جا رہے ہو؟

انالیز مجھے اسی کمرے میں لے گئی جہاں میں پچھلی دفعہ کچھ دیر کو ٹھہرا تھا۔ ڈارسم میرا سوٹ کیس اور بیگ بگھی سے اتار لایا۔

"میں تمہارے کپڑے الماری میں رکھ دیتی ہوں"۔ انالیز نے کہا۔

میں نے سوٹ کیس کی چابیاں اس کے حوالے کر دیں اور وہ اپنے کام میں لگ گئی۔ اس نے میز پر سلیقے سے کتابیں رکھیں۔ کپڑے الماری میں لٹکا دیئے۔ "ماس !" پہلی دفعہ اس نے مجھے

اس طرح مخاطب کیا۔۔۔۔۔میرا دل خوشیوں سے بھر گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی جاوی گھرانے میں موجود ہوں۔"یہ تین خطوط ابھی تک دیکھے نہیں گئے تم انہیں پڑھ کیوں نہیں لیتے؟"

مجھے لگا جیسے ہر کوئی مجھ سے ان خطوط کو پڑھ ڈالنے کا مطالبہ کر رہا ہے۔

"تین خط ماس، سارے کے سارے "بی" سے آئے ہیں"۔

"ہاں، میں انہیں بعد میں دیکھ لوں گا"۔

وہ انہیں اٹھائے میرے پاس آ گئی۔"پڑھ لو، ان میں کوئی اہم بات بھی ہو سکتی ہے"۔

وہ بیرونی دروازے کھولنے چلی گئی۔ میں نے خطوط تکیے پر ڈال دیئے اور اس کے پیچھے باہر نکل آیا۔ ہمارے سامنے ایک خوبصورت باغیچہ موجود تھا۔ ایک طرف سوئمنگ پول تھا اور چند بطخیں۔ دوسری جانب، گپ شپ میں لگتی ہوئی تھیں۔ پول کے کنارے پر ایک سنگی بنچ پڑا تھا۔

"آؤ بھئی"۔ وہ مجھے لان کے کناروں پر بنی سیمنٹ کی روش پر لے گئی۔ ہم سنگی بنچ پر بیٹھ گئے۔ انالیز نے ابھی تک میرا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔"جاوی میں بات کرنا تمہیں زیادہ پسند ہے؟"

میں اسے جاوی زبان اور اس سے متعلقہ ادب آداب کی الجھنوں سے بچانا چاہتا تھا۔ سو میں نے کہا۔

"ڈچ ہی مناسب رہے گی"۔

"ہمیں خاصا انتظار کرایا تم نے"۔

"سکول کا خاصا کام تھا این، مجھے ہر صورت پاس ہونا ہے"۔

"ماس، پاس تو تم یقیناً ہو جاؤ گے"۔

"شکریہ این۔ اگلے سال مجھے گریجویشن کر لینا چاہیے۔ تم مجھے بہر حال یاد آتی رہیں"۔

اس کا چہرہ تمتمانے لگا۔ وہ میرے اور نزدیک ہو گئی۔"جھوٹ نہ بولو"۔ اس نے کہا۔

"تم سے کون کافر جھوٹ بول سکتا ہے؟"

"کیا یہ سچ ہے؟"

"ہاں بھئی، بغیر کسی شک وشبہ کے"۔ میں نے اسے سینے سے چمٹا لیا۔ اللہ ! تیرا شکر کہ تو نے مجھے دنیا کی خوبصورت ترین دوشیزہ عطا فرمائی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں تو تیز تھیں ہی میرا دل بھی بے قابو ہونے لگا۔

"رابرٹ کہاں ہے؟ "میں نے خود کو پرسکون کرنے کے لئے دھیان بٹایا۔
"یہ سوال کرنے کا کیا فائدہ؟ "اس کے بارے میں تو مما بھی کبھی نہیں پوچھتیں۔ I
"اوہو، کوئی نہ کوئی گڑبڑ تھی۔ مجھے اس معاملے میں دخل دینا نہیں چاہیے، یہی مناسب ہوگا"۔
"مما آج کل اپنے فرائض سرانجام نہیں دے پا رہیں"۔ اس نے اپنا سر جھکا کر، ذرا غم زدہ لہجے میں کہا۔ "مجھے ہی ان کاموں کی دیکھ بھال بھی کرنی پڑ رہی ہے"۔
میں نے اس کے زرد اور خشک ہونٹ بغور دیکھے۔
"رابرٹ مما کو پسند نہیں کرتا۔ میری بھی اسے کوئی خاص پروا نہیں۔ وہ کبھی کبھار ہی گھر پر نظر آتا ہے۔ اسے ہر مقامی شخص اور چیز سے نفرت ہے۔ ہاں، وہ ان سے حظ اٹھانا اپنا حق سمجھتا ہے۔ یوں لگتا ہے وہ نہ مما کا پہلا بیٹا ہے اور نہ ہی میرا بھائی۔ وہ کسی راہ سے بھٹکے اجنبی کی طرح ہے، جو شاید یہاں آئے پھنس گیا ہے"۔
ظاہر ہے وہ اپنے بھائی کے بارے میں خاصا سوچتی رہتی ہوگی۔ اتنی کم عمری میں، نہ جانے وہ اپنے ذہن میں کیا کیا مسائل لئے بیٹھی تھی۔ "مجھے مسٹر مے لیما بھی نظر نہیں آئے"۔ میں نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔
"پاپا؟ تم اب بھی ان سے خوفزدہ ہو؟ اس خوفناک رات کو بھول جاؤ۔ پاپا بھی یہاں ایک اجنبی ہی کی طرح رہتے ہیں۔ ان کے بارے میں ذہن پر زور دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بعض اوقات وہ ہفتہ ہفتہ گھر سے غائب رہتے ہیں۔ بعض اوقات وہ سو رہے ہوتے ہیں اور ایک دم خدا جانے کہاں غائب ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گھر کی ساری ذمہ داری میرے اور مما کے کندھوں پر آ پڑی ہے"۔
کس قسم کا گھرانا ہے یہ؟ دو عورتیں ۔۔۔۔۔۔ ماں اور بیٹی ۔۔۔۔۔ یہ سارا گھر اور اتنا بڑا کاروبار سنبھالے بیٹھی ہیں؟
"مسٹر مے لیما کہاں کام کرتے ہیں؟"
"ان کے لئے اپنا دماغ خراب نہ کرو۔ یہ میری التجا ہے ماس !ان کی مصروفیات کے بارے میں کوئی بھی نہیں جانتا۔ وہ بات چیت ہی نہیں کرتے۔ وہ زیادہ تر خاموش رہتے ہیں اور ہم کوئی سوال ہی نہیں کرتے۔ کوئی بھی ان سے بات نہیں کرتا۔ پچھلے پانچ سال سے یہی معمول ہے۔ کم از کم میں تو یہی دیکھ رہی ہوں۔ اس سے پہلے وہ بہت اچھے تھے، ان کا رویہ دوستانہ ہوتا

تھا۔ روزانہ وہ ہمارے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ میں ای۔ ایل۔ ایس میں چوتھی کلاس میں گئی تو بس اچانک ہی سب کچھ بدل کر رہ گیا۔ کچھ دن تو سارا کاروبار بند رہا۔ مما، سرخ متورم آنکھوں کے ساتھ، مجھے سکول سے لینے آتی تھیں۔ وہ مجھے سکول سے ہی اٹھانا چاہ رہی تھیں۔ اس دن سے آج تک میں مما کے معاملات میں ان کی مدد کرتی ہوں۔ اس کے بعد سے پاپا ہفتے میں کبھی کبھار نظر آ جاتے ہیں۔ مما پھر کبھی ان سے نہیں بولیں، نہ انہوں نے پاپا کے کسی سوال کا جواب ہی دیا۔۔۔۔۔"

ایک یاس انگیز کہانی۔

"رابرٹ کو بھی سکول سے اٹھالیا گیا تھا؟ "میں نے گفتگو کا رخ موڑنے کی کوشش کی۔

"مجھے جب سکول سے اٹھایا گیا تو رابرٹ ساتویں میں تھا۔ وہ بدستور سکول میں پڑھتا رہا"۔

"بعد میں اس نے اپنی تعلیم کہاں جاری رکھی؟"

"پاس تو وہ ہو گیا تھا، مگر وہ آگے پڑھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ کام سے جی چراتا تھا۔ فٹ بال، شکار اور گھڑ سواری بس یہی مصروفیتیں تھیں اس کی"۔

"وہ مما کی مدد کیوں نہیں کرتا؟"

"وہ مقامیوں سے متنفر ہے، صرف ان سے جسمانی حظ اٹھانا جانتا ہے وہ۔ یہ مما کی رائے ہے اس کے بارے میں۔ وہ ایک ایسا یورپین بننا چاہتا ہے، تمام مقامی جس کے آگے سر جھکا کر مئودب کھڑے رہیں۔ مما کو تو سر جھکانے کی عادت نہیں۔ وہ تمام کاروبار پر کنٹرول کرنا چاہتا ہے۔ ہر شخص کو میرے اور مما سمیت، اس کے مفاد کے لئے کام کرنا ہوگا"۔

"وہ تمہیں بھی مقامی سمجھتا ہے؟ "میں نے ذرا احتیاط انداز میں پوچھا۔

"میں مقامی ہوں ماس"۔ اس نے ہچکچائے بغیر جواب دیا۔ "حیران کیوں ہو رہے ہو۔ مجھے جزائری کہلانے کا زیادہ حق ہے۔ میں اپنی مما سے پیار کرتی ہوں اور ان پر بھرپور یقین بھی ہے میرا۔ اور مما ظاہر ہے مقامی ہیں"۔

عجیب سراسیمہ کرنے والا گھرانا ہے یہ بھی۔ ہر شخص اپنی جگہ ایک خوفناک ڈرامے کا کردار لگتا ہے۔ انالیز باتیں کرتی رہیں اور میں چپ چاپ سنتا رہا۔

"اگر تم رابرٹ اسے آسان سمجھتے ہو"۔ مما نے کہا تھا: "تم اب بالغ ہو گئے ہو۔ اپنے پاپا

کے انتقال کے بعد، تم وکیل سے مشورہ کرنا، ممکن ہے سارا کاروبار تمہارے کنٹرول میں آ جائے"۔
مما نے یہ بھی کہا تھا: "لیکن یہ نہ بھولنا کہ تمہارے باپ کی جائز، قانونی بیوی سے تمہارا ایک سوتیلا بھائی بھی ہے۔ اس کا نام مورٹس مے لیما ہے اور وہ پیشہ ور انجینئر ہے اور ایک خالص یورپین کا مقابلہ کرنا تمہارے لئے تقریباً ناممکن ہوگا۔ تم مخلوط النسل ہو۔ اگر تم واقعی اس ساری کمپنی کے مالک بننا چاہتے ہو تو انالیز کی طرح کام کرنا سیکھو۔ تم تو ابھی کارکنوں پر حکم بھی نہیں چلا سکتے۔ کیونکہ تم نے خود کبھی کام نہیں کیا"۔

"اس سفید بطخ کو دیکھو این، بالکل سفید اون کی بنی لگتی ہے"۔ میں گفتگو کا رخ بدلنا چاہتا تھا لیکن وہ بولتی رہی۔

"تم اپنے گھریلو راز کیوں مجھے بتائے جا رہی ہو؟"

" کیونکہ پچھلے پانچ سال میں تم ہمارے پہلے مہمان ہو۔ ہمارے خاندانی مہمان۔ مہمان تو پہلے بھی آتے رہے ہیں مگر ان سے صرف کاروباری تعلق ہوتا تھا۔ ایک اور صاحب بھی ہمارے خاندانی مہمان تھے مگر وہ ہمارے ڈاکٹر تھے۔ تم درحقیقت ہمارے پہلے ذاتی مہمان ہو اور تم اپنی اچھائی کی وجہ سے میرے اور مما کے بہت ہی قریب آ گئے ہو"۔ اس کی آواز مدہم ہوتے ہوتے غائب ہوگئی۔ اس کا بچپنا نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔ "اب دیکھو، میں تمہیں ہر چیز بتائے جا رہی ہوں۔ تمہیں بھی یہاں کسی قسم کی غیریت نہیں برتنی چاہیے۔ تم یقیناً ہم ماں بیٹی کے بہت اچھے دوست ہو گے"۔

اس کی آواز پر جذبات کا غلبہ محسوس ہونے لگا۔ "میرا جو کچھ ہے، وہ تمہارے لئے ہے ماس۔ اس گھر میں تم اپنی مرضی کے مالک ہو"۔

دولت کے انبار کے عین درمیان، ان ماں بیٹی کے دل کتنے اداس اور تنہا تھے!

"اب آرام کرو، میں ذرا کچھ کام کر لوں"۔

وہ جانے کے لئے کھڑی ہوئی۔ ایک لمحے کو میری طرف دیکھ کر ہچکچائی، پھر میرے رخساروں پر پیار کر کے، تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی اور کمرے میں، میں اکیلا رہ گیا۔۔۔۔

آخر کب تک وہ اپنے جذبات پر قابو پائے رکھتی۔ میں اسے اپنا سا لگا تو اس کے جذبات بے ساختہ ابل پڑے۔ میری نشست گاہ سے چاول فیکٹری کا شور و غل صاف سنائی دے رہا تھا۔

دودھ کے چھکڑوں کی آمد و رفت کی آوازیں، گودام سے اشیا کے لانے اور لے جانے کے لئے بیل گاڑیوں کے پہیوں کی کھٹ کھٹ۔ مونگ پھلی کے چھلکے اتارے جانے کا شور، مزدوروں کے درمیان ہنسی مذاق اور خوش گپیوں کا ہنگامہ۔

میں کمرے میں آن بیٹھا۔ اپنی نوٹ بک کھولی اور اس انوکھی اور خوفناک گھرانے کے متعلق اپنے تاثرات لکھنے لگا، محض اتفاقاً، میں جن کے معاملات میں خود کو الجھا بیٹھا تھا۔ کون جانے؟ میں نے سوچا، ایک دن میں بھی ہر ٹاگ لے موئی کی معروف سیریل "جب پھول کملائے " کی طرح کی کہانیاں لکھ رہا ہوں گا۔ ہاں کسے پتہ؟ ابھی تک تو میں اشتہارات اور آکشن پیپرز کے لئے چھوٹے چھوٹے مضامین ہی لکھ پایا ہوں۔ کوئی کیا کہہ سکتا ہے؟ میرا اپنا بھی ایک نام ہو اور لوگ میری تحریریں شوق سے پڑھ رہے ہوں۔ کسی کو کیا پتہ؟

میں نے انالیز سے سنی ساری باتیں لکھ ڈالیں اور ہاں لڑا کا ڈارسم کے متعلق؟ ابھی تک میں اس کی شخصیت کے بارے میں قطعی لاعلم ہوں۔ اس کمزور سے گھرانے کے تین ٹکڑوں میں سے، وہ کس کا طرف دار ہوگا۔ کہیں وہ ان سبھی لوگوں کے لئے خطرناک تو نہیں اور اگر ایسا ہے تو میں خود بھی خطرات کی زد میں ہوں؟ اور اگر خطرے کے متعلق میرے شبہات میں کچھ بھی صداقت ہے تو میں یہاں کیوں ٹھہرا ہوا ہوں؟ کیا میرا یہاں سے چلے جانا ہی بہتر نہیں؟

دروازے پر دستک نے مجھے چونکا دیا۔ دروازے پر نیائے کھڑی تھیں۔

"میں بتا نہیں سکتی کہ تمہارے یہاں آنے کی ہم لوگوں کو کتنی خوشی ہوئی ہے۔ دیکھو، نیو۔ وہ دوبارہ کام میں دلچسپی لینے لگی ہے۔ اس میں زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی ہے۔ تمہارا نام صرف کمپنی کے فائدے میں ہی نہیں بلکہ انالیز کے حق میں بے پناہ اہم ہے۔ وہ تم سے محبت کرتی ہے سینو۔ وہ تمہاری توجہ کی طالب ہے۔ میری اس بے تکلفی کا برا نہ ماننا منکی"۔

"جی مما"۔ میں نے بعد احترام جواب دیا۔ وہ مجھے بالکل اپنی ماں کی طرح لگیں۔ مجھے پھر لگا جیسے ان کا کالا جادو میرے سر پر چڑھ کر بول رہا ہے۔

" ٹھیک ہے۔ فی الحال یہیں رہو۔ ایک خصوصی بگھی صرف تمہارے استعمال کے لئے مخصوص رہے گی"۔

"آپ کا شکریہ مما"۔

"اس کا مطلب ہے، تمہیں یہاں ٹھہرنے میں کوئی اعتراض نہیں؟ چپ کیوں ہو؟ ہاں

ہاں، اس پر غور کرو۔ بہر حال فی الوقت تو تم یہیں ہو"۔

"جی مما"۔ میں جیسے بے خودی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔

"اچھا آرام کرو۔ شاید یہ بات کچھ بعد از وقت ہے۔ بہر حال میری طرف سے اپنی تعلیمی کارکردگی پر مبارک وصول کرو"۔ اس طرح میں اس گھرانے کا نیا رکن بن گیا۔ ڈارسم کی طرف سے نہ جانے کیوں میرے دل میں وہم بیٹھ گیا تھا۔ مجھے محتاط رہنا ہوگا۔ میں اس سے دور دور ہی رہوں گا۔ لیکن اس کے ساتھ مناسب اور شائستہ رویہ رکھنا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ رابرٹ مجھے مقامی سمجھ کر، مجھ سے متنفر ہی رہے گا۔ مسٹرمے لیما بھی، جب بھی انہیں موقع ملا، مجھے اچھی طرح تنگ کریں گے۔ مختصراً مجھے آنکھیں کھلی رکھنا ہیں۔ انالیز کی قربت کی یہ قیمت تو ادا کرنی ہوگی۔ اس دنیا میں بغیر کچھ ادا کئے، ملتا ہی کیا ہے؟ چھوٹی سے چھوٹی خوشی حاصل کرنے کی بھی قیمت دینی پڑتی ہے۔

رات کے کھانے پر نہ رابرٹ نظر آیا اور نہ ہی مسٹرمے لیما کی کوئی جھلکی دکھائی دی۔

"منکی بیٹا"۔ نیائے نے بات شروع کی۔ "اگر تم کام کرنا پسند کرتے ہو اور مشکل سے گھبراتے نہیں تو تم یہاں خاصے خوش رہوگے۔ ایک مرد کی موجودگی ہمیں بھی تحفظ کا احساس دیتی رہے گی۔ میرا مطلب ہے ایک قابل اعتماد مرد کی موجودگی!"

"شکریہ مما، مجھے یہ سب کچھ اچھا لگ رہا ہے، مگر پھر بھی میں اس بارے میں کچھ سوچنا چاہوں گا"۔ میں نے انہیں جین میریز کے چھوٹے سے گھرانے کے بارے میں بھی بتایا، جسے اکثر وبیشتر میری ضرورت پڑتی رہتی تھی۔

"اچھی بات ہے۔ لوگوں کی باہمی دوستیاں بھی ہوتی ہیں۔ خودغرضی سے پاک دوستیاں، دوست نہ ہوں تو زندگی کتنی ویران اور بنجر محسوس ہو۔۔۔۔۔۔ "ان کے الفاظ دل میں اترے جا رہے تھے۔ اچانک وہ انالیز سے مخاطب ہوئیں۔

"منکی اب تمہارے پاس ہے۔ اس کی ذرا ٹھیک سے دیکھ بھال کرو۔ تمہیں اس کی قربت نصیب ہے اور کیا چاہیے؟"

"ٹھیک ہے مما"۔ انالیز نے کن آنکھیوں سے میری جانب دیکھتے ہوئے، مما کو جواب دیا۔

"تم ہر سوال کے جواب میں ٹھیک ہے مما، ٹھیک ہے مما کہہ کے جان چھڑا لیتی ہو۔" ذرا

ٹھیک سے بات کرو، میں بھی تو سنوں"۔ انالیز نے دوبارہ میری طرف نظر اٹھائی۔ اس رنگ گلنار ہو گیا تھا۔ مما مسکرا دیں پھر میری طرف دیکھ کر کہنے لگیں۔ "یہ لڑکی، نیو بالکل چھوٹے سے بچے کی طرح ہے اور ہاں تم بھی تو کچھ کہو، تم انالیز کے خاصا قریب آ گئے ہو؟ "میری باری آئی تو سراسیمگی نے میرے منہ پر تالے لگا دیئے۔ ظاہر ہے میں انالیز کی طرح" ٹھیک ہے مما "تو نہیں کہہ سکتا تھا۔ یہ خاتون تو لمحوں میں فیصلہ کر ڈالتی تھیں اور سیدھی لوگوں کے دل میں گھس کر، ان کی کیفیت جان لیتی تھیں۔ یقیناً ان میں کوئی ایسی غیر مرئی قوت موجود تھی جو نزدیک تو کیا، دور دور کے لوگوں کو اپنی مٹھی میں لے لیتی تھیں۔ "یہ تم دونوں بھیگی بلی کیوں بنے ہوئے ہو؟ "وہ اپنے محاورے کے بروقت استعمال پر خود ہی ہنس پڑی۔ یہ کوئی عام سی نیائے نہیں تھیں۔ مجھ سے ایچ بی ایس کے طالب علم کو بغیر کسی احساس کمتری کے، رام کر لینا کچھ انہی کا کام تھا۔ وہ اپنی رائے ظاہر کرنے کا بھرپور حوصلہ رکھتی تھیں۔ انہیں اپنے کردار کی پختگی پر پورا یقین تھا۔

ہم رات بھر فوٹو گراف پر آسٹریلین والز کی دل نشین موسیقی سے دل بہلاتے رہے۔ مما کوئی کتاب پڑھتی رہیں۔ مجھے نہیں پتہ وہ کس قسم کی کتاب تھی۔ انالیز میرے پاس خاموش بیٹھی رہی۔ میرے تصورات میں ننھی میریز اچھلتی کودتی رہی۔ وہ یہاں آ کر بہت خوش ہوگی۔ اسے مغربی موسیقی بہت پسند ہے۔ وہاں ہمارے پاس گراموفون تھا ہی نہیں۔ میں انہیں ننھی مے کے بارے میں بتاتا رہا، جو بے ماں کے پل رہی تھی۔ اس کی ماں پر کیا گزری؟ جین میریز کی اچھائی اور اس کی عقلمندی کے قصے سناتا رہا۔ نیائے کتاب پڑھنا چھوڑ کر میری طرف متوجہ ہو گئیں اور یہ باتیں سننے لگیں۔

میں جین میریز کی کہانی سناتا رہا: ایک دن اس کی پلاٹون کو بلانگ کیرن کے قصبے پر حملے کا حکم دیا گیا۔ وہ صبح کے نو بجے کے قریب گاؤں میں جا پہنچے۔ گاؤں سے کچھ فاصلے پر ہی انہوں نے گاؤں والوں کو خوف زدہ کرنے کے لئے ہوائی فائر کئے تاکہ مقابلے کی نوبت ہی نہ آئے۔ انہوں نے درختوں کے سائے تلے مزید کچھ ہوائی فائر کئے اور پھر گاؤں میں داخل ہونے کے لئے آگے بڑھنے لگے۔ گاؤں بالکل ویران تھا۔ چنانچہ پلاٹون کسی مزاحمت کا سامنا کئے بغیر گاؤں میں داخل ہو گئی۔ وہاں چڑیا کا بچہ تک نظر نہیں آیا۔ وہ اپنے راستے میں آئی ہر چیز کو تباہ و برباد کرنے میں لگ گئے۔

۲۰ سالہ جنگ نے ان غریب دیہاتیوں کے پاس چھوڑا ہی کیا تھا، جسے فوجی مال غنیمت

سمجھ کر لوٹ سکتے۔ کارپول تلنگا نے سارے گھروں کو جلا کر خاک کر ڈالنے کا حکم دے دیا۔

عین اسی وقت اساہی دور سے چیونٹوں کی مانند قطار اندر قطار آتے نظر آئے۔ وہ سیاہ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ان کے پر جوش نعروں میں اللہ اکبر کا نعرہ نمایاں تھا۔ پھر نہ جانے کہاں سے نوجوان حملہ آوروں کا ایک جتھا اچانک نمودار ہوا اوران پر اپنی تلواروں سے حملہ آور ہو گیا۔ کسی کو سمجھ نہیں آئی کہ وہاں سے آن ٹپکے تھے۔ فوجیوں کی بندوقیں بغیر کارتوسوں کے تھیں اور اساہیوں کا وہ جتھا چیونٹوں کی طرح ان پر چڑھے جا رہا تھا۔ بمشکل تمام وہ اپنے زخمیوں کو اٹھا کر گاؤں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ جین میریز بانس کے پھندے میں پھنس کر وہیں رہ گیا۔ (ایک نوکیلی لکڑی اس کی ٹانگ میں گھس گئی۔ بہر حال کوئی خطرناک چوٹ نہیں آئی۔ انہوں نے لکڑی کا پھندا اس کی ٹانگ سے نکالا تو جین بے ہوش ہو گیا۔

فوجی مسلسل پیچھے ہٹتے رہے۔ اساہیوں کا منصوبہ ہر شخص کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ کسی بھی لمحے حملہ آوروں کا کوئی اور گروہ کسی اور سمت سے نمودار ہو سکتا تھا۔ فوجیوں کو تو بس جلد از جلد وہاں سے واپس لوٹنا تھا۔

پندرہ دن بعد پتہ چلا کہ جین میریز کے گھٹنے کا حصہ بری طرح گل سڑ گیا ہے۔ چند مہینے پہلے اس کی محبوبہ، اس سے چھنی تھی اور اب اس کی ٹانگ گھٹنے کے اوپر سے جدا کی جا رہی تھی۔

''بچی کو یہیں لے آؤ''۔ نیائے نے کہا۔ ''انالیز کو ایک چھوٹی سی بہن اچھی لگے گی۔ کیوں این؟ اوہو، اب تمہیں چھوٹی بہن کی کیا ضرورت؟ اب تو منکی مل گیا ہے تمہیں''۔

''مما!'' وہ کچھ سراسیمہ سی ہو گئی۔ میں بھی کم سراسیمگی کا شکار نہیں ہوا۔ میں عجیب مخمصے میں پھنس گیا تھا۔ اس خاتون سے ملنے پہلے، میں اپنی شخصیت کی تعمیر میں مصروف تھا۔ خود پر خاصا فخر تھا مجھے۔ لیکن ان کے سامنے میری ہمت ہی جواب دے جاتی تھی۔ میری انفرادیت ان کے سائے میں چھپتی جا رہی تھی۔ میں اس صورت حال کو بہر حال طویل عرصے تک برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

''مما، مجھے یہ پوچھنے کی اجازت ہے''۔ میں نے خود کو ان کے سحر سے آزاد کرنے کی کوشش کی۔ ''آپ کس سکول سے پڑھی تھیں؟''

''سکول''۔ انہوں نے گویا آسمان میں جھانکنے کی کوشش کی، جیسے اپنی یادوں کو کھنگال رہی ہوں۔ ''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، میں کبھی سکول گئی ہی نہیں''۔

"یہ کیسے ممکن ہے؟ آپ ڈچ بولتی اور پڑھتی رہتی ہیں، لکھ بھی لیتی ہوں گی۔ سکول کے بغیر، یہ سب کیسے ممکن ہے؟"

" کیوں نہیں؟ زندگی کسی بھی سمجھدار اور اہل آدمی کو سب کچھ سکھا دیتی ہے"۔

میں یہ جواب سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ ایسے لفظ تو کبھی میرے اساتذہ کے منہ سے بھی نہیں نکلے ہوں گے۔ اس رات سونا میرے لئے دوبھر ہو گیا۔ میرا ذہن اس خاتون کو سمجھنے کی کوشش میں اور الجھتا جا رہا تھا۔ بیرونی لوگ انہیں محض ایک نیائے سے زیادہ اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ مقامی لوگ انہیں محض ان کی امارت کی وجہ سے قابل احترام سمجھتے تھے۔ میں انہیں ایک اور زاویئے سے دیکھ رہا تھا۔ وہ جو کچھ بھی کہتی تھیں، کر ڈالتی تھیں۔ جین میریز کی بات مجھے تسلیم کرنا پڑی۔ سب سے پہلے تم اپنے خیالات کو منصفانہ بناؤ۔ سنی سنائی باتوں سے سچائی کا پتہ نہیں چلتا۔ یقیناً بہت سی خواتین غیر معمولی صلاحیت کی حامل ہوں گی۔ لیکن مجھے تو پہلی دفعہ نیائے اونتو سار وہ میں ایسی غیر معمولی خصوصیات نظر آئی تھیں۔ جین میریز کا کہنا تھا کہ اسا ہی عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ میدان جنگ میں لڑنے آتی ہیں اور اپنے مردوں سے پہلے موت کی آغوش میں جانا پسند کرتی ہیں۔ میرے اپنے علاقے میں، عورتیں کھیتوں میں، اپنے مردوں کے ساتھ، سارے ہی کام سر انجام دیتی تھیں۔ لیکن ان میں کوئی بھی مما جیسی صلاحیتوں کی مالک نہیں تھی۔ وہ گاؤں کی دنیا سے باہر بھی بہت کچھ جانتی تھیں۔

میرے سکول کے دوست بھی ایک ایسی مقامی دوشیزہ کو جانتے تھے، جو جے کے بوپاتی کی بیٹی تھی۔ وہ غالباً پہلی مقامی خاتون تھی جو ڈچ میں لکھنا جانتی تھی۔ عمر میں غالباً مجھ سے ایک سال بڑی تھی۔ سترہ سال کی عمر میں پہلی دفعہ اس کی تحریریں چھپنا شروع ہوئیں۔ اپنی مادری زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں لکھنا ! میرے آدھے دوستوں نے تو اس خبر کی صحت سے ہی انکار کر دیا۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ای ایل ایس کی ایک مقامی طالبہ اپنی رائے کا اظہار مغربی انداز میں کرنے پر قادر ہو، بڑے بڑے رسالوں میں چھپنے کی تو بات ہی کیا؟ میں نے بہرحال اس پر یقین کر لیا اور یقین کرنے کی وجہ بھی تھی۔ اس کی اس قابلیت نے میری ہمت افزائی کی کہ میں بھی غیر ملکی زبان میں اسی طرح لکھ سکتا ہوں۔ کیا میں اپنی اس صلاحیت کا لوہا پہلے ہی منوا نہیں چکا؟ اگرچہ یہ ساری سرگرمی انتہائی ابتدائی اور محدود نوعیت کی تھی۔ اسی لڑکی نے مثال بن کر مجھے لکھنے کا حوصلہ دیا تھا۔ اب میرے سامنے ایک ذرا عمر رسیدہ خاتون تھیں۔ لکھنا نہ جاننے کے باوجود وہ لوگوں کو قابو کرنا

خوب جانتی تھیں۔ اتنی بڑی، یورپین طرز کی کمپنی چلانا کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں، اپنے بیٹے سے نمٹنا، شوہر کو قابو میں رکھنا اور اپنی (خواب شہزادی جیسی) بیٹی کو تمام تر کاروباری تربیت دینا، اور یہ سب باتیں احسن طریقے سے کرنا کچھ انہی کا کام تھا۔

میں اس حیرت انگیز اور لرزہ طاری کرنے والے گھرانے کا، اچھی طرح مشاہدہ کرنے کے بعد، ایک نہ ایک دن اس پر لکھوں گا ضرور۔

باب 5

میں نیائے اونتو سارو ہ جیسی غیر معمولی خاتون کے متعلق جاننے کی خواہش کو دبا نہیں سکا۔ چند ماہ گزر جانے کے بعد انالیز کی زبانی مجھے ان کی سرگزشت کے بارے میں خاصا علم ہو گیا۔ ان کی کہانی کچھ اس طرح تھی:

تمہارے ذہن میں ہماری پہلی ملاقات تو ابھی تازہ ہی ہو گی؟ انالیز نے پوچھا۔ ظاہر ہے یہ بھی کوئی بھولنے والی بات ہے۔ میں تو بہر حال تا زندگی اسے فراموش نہیں کر سکتی۔ تمہیں یاد ہے مما کے سامنے تم نے مجھے پیار کیا تھا۔ میں تو لرز کر رہ گئی تھی۔ مما مجھے سنبھال نہ لیتیں تو میں شاید سیڑھیوں سے گر ہی پڑتی۔ تم تو بگھی میں بیٹھ کر چلے گئے تھے۔ میرے رخساروں پر تمہارے پیار کی گرمی محسوس ہوئی تو میں فوراً کمرے میں چلی گئی اور شیشے میں اپنا چہرہ دیکھنے لگی۔ سب کچھ ویسا ہی تھا۔ رات کے کھانے پر مرچیں حسب معمول تھیں، پھر بھی میرے رخسار تمتما رہے تھے۔ میں اپنی توجہ ادھر ادھر مبذول کر رہی تھی مگر ہر پھر کر وہ پھر تمہاری جانب ہی مرکوز ہو جاتیں۔

شاید میں پاگل ہو گئی تھی؟ ہر جگہ تم ہی کیوں میری آنکھوں میں ابھر آتے تھے؟ تمہارے جاتے ہی مجھے لگا جیسے تم مجھ سے چھن گئے ہو؟ میں نے رات کو کپڑے بدلے اور موم بتی بجھا دی۔ بستر میں گھس گئی مگر اس اندھیرے میں بھی صرف تمہاری شکل واضح نظر آ رہی تھی۔ میں اس دوپہر کی طرح، تمہارا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا چاہتی تھی، لیکن تمہارے ہاتھ وہاں تھے۔۔۔۔ کہاں۔۔۔۔۔ بس یونہی میں کروٹیں بدلتی رہی مگر نیند کوسوں دور تھی۔ پھر یوں لگا جیسے تمہارے ہاتھوں کی انگلیاں میرے سینے پر آوارہ پھر رہی ہیں۔ میرے جذبات کو متلاطم کر رہی ہیں۔ میں ردعمل کرنا چاہتی تھی مگر کیا کرتی؟ مجھے کچھ پتہ ہی نہیں تھا۔ میں نے گھبراہٹ میں کمبل اور تکیہ ایک طرف پھینکے اور بستر

سے اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

میں بغیر دستک دیئے مما کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ ابھی تک بستر پر نہیں لیٹی تھیں۔ وہ میز پر بیٹھی مطالعے میں مصروف تھیں۔ انہوں نے میری جانب دیکھا اور کتاب بند کر دی۔ مجھے کتاب کے نام کی ہلکی سی جھلک نظر آئی۔۔۔۔۔۔"نیائے داسی ماں"۔

"یہ کتاب کیا ہے مما؟"

انہوں نے کتاب کو الماری میں رکھ دیا۔"تم ابھی تک سوئی کیوں نہیں؟"

"میں آج آپ کے ساتھ سونا چاہتی ہوں"۔

"اتنی بڑی ہوگئیں اور اب بھی ماں کی گود میں سونا چاہتی ہو؟"

"مما، جی چاہ رہا ہے"۔

"اچھا ٹھیک ہے، اس جانب جا کر لیٹو"۔

میں بستر میں گھس گئی۔ مما گھر کے دروازے اور کھڑکیاں چیک کرنے نیچے چلی گئیں۔ واپس آ کر، انہوں نے کمرے کا دروازہ بند کیا۔ مچھر دانی سیدھی کی اور چراغ کی لو بجھا دی۔ کمرے میں مکمل تاریکی چھا گئی۔

ان کی قربت میں، میں نے کچھ طمانیت محسوس کی اور بے صبری سے ان کے بات کرنے کا انتظار کرنے لگی، ممکن ہے وہ کچھ تمہارے بارے میں کہیں۔

"انالیز بیٹا"۔ انہوں نے بات شروع کی۔"تمہیں نیند کیوں نہیں آ رہی؟ کیا اب تم کافی بڑی نہیں ہوگئیں؟"

"مما ! کبھی آپ کو بے پناہ خوشی ملی ہے؟"

"لمحاتی اور مختصر ہی سہی، خوشی تو بہر حال ہر کسی کو ملتی ہے۔ اب تو پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں، ان سے نجات مل جائے۔ یہ بھی کم نہیں۔ لیکن تم میری خوشی یا ناخوشی کے بارے میں کیوں پوچھ رہی ہو؟ میں تو تمہارے متعلق پریشان رہتی ہوں۔ میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتی ہوں"۔

میں مما سے لپٹ گئی اور انہیں پیار کرنے لگی۔ مما نے جتنا میرا خیال رکھا ہے، شاید ہی کوئی اتنا خیال کر سکتا ہوگا۔

"تم مجھ سے بہت پیار کرتی ہو این؟ "یہ پہلا سوال تھا، جسے سنتے ہی میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بظاہر مما بڑی سخت گیر محسوس ہوتی تھیں۔

"میں تمہیں ہر حال میں خوش دیکھنا چاہتی ہوں اور اپنے دکھوں کا سایہ بھی تم پر پڑنے نہیں دینا چاہتی۔ میں تمہارا اکیلا پن دور کرنا چاہتی ہوں۔ نہ کوئی تمہارا دوست ہے اور نہ کوئی ہم جولی۔ یہ اچانک خوشی کا سلسلہ کہاں سے آ گیا؟"

"مجھ سے کچھ نہ پوچھیں، اپنی کہانی سنائیں؟"

"تم نے شاید محسوس نہ کیا ہو ایمن، مگر میں تمہاری تربیت میں ذرا سختی اس لئے برت رہی ہوں تا کہ تم اپنے کام کاج میں کسی کی، یہاں تک کہ اپنے شوہر کی بھی محتاج نہ ہو۔ خدا نہ کرے جو تمہارا شوہر بھی تمہارے باپ جیسا ہو"۔ مجھے علم تھا کہ مما کے دل میں پاپا کے لئے قطعی کوئی جگہ نہیں۔ مجھے اس کی وجوہات کا بھی پتہ تھا اس لئے میں نے کوئی سوال نہیں کیا۔ میرے تو ذہن میں بھی نہیں تھا کہ بات اس رخ پر چل نکلے گی۔ میں تو یہ جاننا چاہ رہی تھی کہ جن کیفیات کا میں اس وقت شکار تھی، کیا کبھی مما کے محسوسات بھی ایسے رہے ہوں گے۔

" کبھی مما نے بے پناہ خوشی محسوس کی؟"

"تمہارے باپ مے لیما کے ساتھ شروع کے سال خاصے خوشگوار گزرے"۔

"اور پھر مما؟"

" تمہیں یاد ہے، جب میں تمہیں سکول سے اٹھا لائی تھی۔ بس وہیں سے ہماری خوشیاں غارت ہو گئیں۔ اب تم اتنی بڑی ہو گئی ہو کہ تمہیں یہ باتیں معلوم ہونی چاہئیں۔ واقعات سے صحیح واقفیت تمہارے لئے بھی بہتر ہو گی۔ میں کئی ہفتوں سے تمہیں بتانا چاہ رہی تھی۔ بس موقع ہی نہیں ملا۔ سو گئیں کیا؟"

"میں سن رہی ہوں، مما"۔

"ابتدا میں جب تم بہت چھوٹی تھیں، تمہارے پاپا نے ایک بار کہا تھا کہ اچھی مائیں اپنی بیٹی کو ہر وہ چیز بتاتی اور سکھاتی ہیں، جن کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔"

"ان دنوں۔۔۔۔۔۔"

"ہاں بیٹا، ان دنوں میں تمہارے پاپا کی ہر بات غور سے سنتی تھی اور اس پر عمل بھی کرتی تھی۔ میں انہیں اپنا سب کچھ سمجھتی تھی۔ پھر نہ جانے انہیں کیا ہوا، وہ اپنی ہی تعلیمات بھول گئے۔ بالکل ہی تبدیل ہو گئے"۔

"مما، اس زمانے میں پاپا بہت عقل مند تھے؟"

"عقل مند ہی نہیں، نہایت شفیق اور مہربان بھی تھے۔ انہوں نے ہی مجھے کاشتکاری، کاروباری اور مویشی خانے اور دفتری امور سے متعلق، ہر چیز سے صحیح آ گاہی دی۔ پہلے مجھے مالے بولنی سکھائی گئی۔ پھر لکھنا پڑھنا اور بعد میں ڈچ زبان سکھائی گئی۔ انہوں نے نہ صرف مجھے پڑھایا لکھایا بلکہ بڑے صبر آزما انداز میں اس کا امتحان بھی لیتے رہے۔ ڈچ بول بول کر مجھے اس میں بھی رواں کر دیا۔ پھر مجھے بینک، قانون، تجارتی معاملات کی باقاعدہ اسی طرح تربیت دی، جس طرح آج کل میں تمہیں سکھا رہی ہوں۔

"پھر پاپا میں تبدیلی کیوں آ گئی؟"

"اس کی بھی وجہ تھی۔ بس کچھ ہوا، اچانک، اور ان کی عقل مندی، بھلا مانس پن فنکاری اور ذہانت سب ہوا ہو گئی۔ وہ ٹوٹ پھوٹ گئے۔ لمحوں میں تباہ و برباد ہو گیا سب کچھ۔ وہ ایسی حیوانی سطح پر آ گئے کہ انہیں اپنے بیوی بچوں کی بھی پہچان نہیں رہی"۔

مما کہتے کہتے رک گئیں۔ یوں لگا جیسے وہ ان واقعات سے میرے مستقبل کا شگون لے رہی ہوں۔ ماس۔ دنیا مجھے بالکل ساکت لگی۔ سارے ہمارے سانسوں کی آوازیں ہماری سماعت سے ٹکرا رہی تھیں۔ اگر مما ایک دم پاپا کے ساتھ سختی شروع نہ کر دیتیں تو خدا جانے کیا ہو گیا ہوتا۔ مما نے خاصا زور دے کر کہا: نہ جانے کیا ہو جاتا، شاید میرے تصور سے بھی زیادہ خطرناک صورت حال ہو جاتی میرے لئے۔

"اس وقت میں نے یہ بھی سوچا کہ انہیں ذہنی امراض کے ہسپتال میں لے جاؤں۔ لیکن این، یہ مجھ سے ہوا نہیں، لوگ تمہارے بارے میں نہ جانے کیا کیا سوچیں گے؟ اگر خدانخواستہ قانون نے انہیں دماغی مریض قرار دے دیا تو؟ یہ تمام دولت، کاروبار اور جائیداد، ساری کی ساری حکومت کے قائم کردہ منتظم کے سپرد کر دی جائے گی۔ تمہاری ماں کا، جو محض ایک مقامی عورت ہے، کسی بھی چیز پر کوئی حق باقی نہیں رہے گا اور اپنی بچی کے لئے بھی کچھ نہیں کر سکے گی۔ ساری زندگی کے خون پسینے کی کمائی، لمحوں میں غیروں کے ہتھے چڑھ جائے گی۔ اپنی بچی کو اچھے طریقے سے پروان چڑھانے کی میری خواہش بھی کبھی پوری نہ ہو سکتی۔ کیونکہ قانون میری مامتا کو ہی تسلیم نہ کرتا، کیونکہ میں مقامی ہوں اور میری مے لیما سے شادی کو قانونی نہیں سمجھا جاتا۔ سمجھ رہی ہو نا؟"

"مما"۔ میں نے سرگوشی کی۔ "میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ آپ اتنی زبردست مشکلات سے گزری ہیں۔"

"تمہاری شادی بھی، میری اجازت سے نہیں ہوتی بلکہ وہ منتظم اس کا مجاز ہوتا جس کا تم سے نہ کوئی رشتہ ہوتا اور نہ ناتا۔تمہارے پاپا کو ذہنی امراض کے اسپتال لے جانے سے اور عدالتی مداخلت سے یہ سب باتیں لوگوں کو پتہ چل جاتیں۔لوگ کیا کرتے۔۔۔۔۔۔ این، پتہ ہے تمہاری قسمت کیا ہوتی؟ اللہ نہ کرے"۔

"لیکن مجھے ہی سب نقصان کیوں ہوتا؟"

"تم سمجھتی نہیں، اگر لوگوں کو پتہ چل جاتا کہ تم ایک پاگل آدمی کی بیٹی ہوتو کیا ہوتا؟ ہم آخر کس طرح لوگوں کا سامنا کرتے؟ کس کس کا منہ بند کرتے؟"

میں نے خوف سے، مما کی آغوش میں اپنا منہ چھپالیا۔

"تمہارے پاپا میں یہ بیماری کسی وراثتی اثر سے نہیں آئی"۔انہوں نے مجھے یقین دلایا۔ "بس بدقسمتی انہیں لے ڈوبی۔لیکن لوگ اسے اسی طرح سمجھیں گے۔وہ یہ بھی سوچ سکتے ہیں کہ تم پر بھی اس بیماری کا اثر ہوگا"۔

میں یہ سن کر پریشان ہوگئی۔"اسی لئے میں نے انہیں، ان کے حال پر چھوڑ دیا ہے۔مجھے ان کے ٹھکانوں کا بھی پتہ ہے۔بس اچھی بات یہ ہے کہ لوگ ان باتوں سے لاعلم ہیں"۔

میں اپنی الجھنیں بھول کر، پاپا کے دکھ میں کھوگئی۔

"مما، مجھے اجازت دیں، میں پاپا کی دیکھ بھال کروں گی"۔

"وہ تمہیں پہچانتے ہی نہیں"۔

"لیکن وہ میرے پاپا تو ہیں، ماں"۔

"رحم ان لوگوں پر کھانا چاہیئے، جو اسے سمجھ سکتے ہوں۔تم اس جیسے شخص کی بیٹی ہو، تمہیں شفقت کی زیادہ ضرورت ہے۔ یہ بات تمہیں سمجھنی چاہیے این۔ وہ تو اب انسانی سطح پر زندہ ہی نہیں۔ان کے جتنا قریب ہونے کی کوشش کروگی، اتنا ہی زیادہ خطرات کو دعوت دوگی۔ وہ اب ایسے حیوان کی مانند ہیں، جسے اچھائی اور برائی کی کوئی تمیز ہی نہیں۔ وہ اب اپنے جیسے انسانوں کے کسی کام کے نہیں۔ فضول بات ہے، اب ان کے بارے میں اپنے ذہن کو تھکانے کی کوئی ضرورت نہیں"۔

ان کے متعلق مزید جاننے کی خواہش کو میں نے تھپک تھپک کر سلا دیا۔اتنی سنجیدگی کے عالم میں مما سے کچھ بھی پوچھنا، قطعی غیر دانش مندی ہوتی۔ میں اور ماؤں اور بچوں کے متعلق زیادہ نہیں

جانتی۔ ہم دونوں ہی تنہا تھے، نہ کوئی دوست تھا اور نہ ساتھی۔ کارکنوں سے کام کا تعلق تھا اور کاروباری لوگوں سے کاروباری دلچسپی کے مسائل۔ ذاتی دوستیوں کی غیر موجودگی نے، مجھ سے ایسی باتیں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی پیدا نہیں ہونے دی تھی۔ مجھے مقامیوں کے رہن سہن اور رسم و رواج کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں تھا۔مما نے مجھے اس طرح مصروف رکھا کہ مجھے کچھ جاننے، دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ میں صرف مما کی عظمت اور طاقت سے واقف تھی۔"یہ بات ذہن نشین کرلو، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ہمیں اپنی زندگی بھرپور توانائی اور قوت کے ساتھ اس طرح گزارنا ہے کہ کسی بھی شخص کو تمہارے پاپا کے ذہنی خلل کے بارے میں ذرا سا شک بھی نہ ہو"۔مما نے اپنی بات گویا ختم کر دی۔ ہم دونوں ہی خاموش تھے۔ میں ان کی پریشان خیالی سے بالکل لاعلم تھی۔ دھیان بٹتے ہی، میرے سینے میں پھر وہی جذبات انگڑائیاں لینے لگے۔ میں بمشکل انہیں برداشت کر رہی تھی۔ انہوں نے تمہارے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ پتہ نہیں، وہ تمہیں پسند کرتی ہیں یا نہیں؟ یا وہ تمہیں محض کاروباری نقطہ نظر سے ٹٹول رہی تھیں؟

یوں لگا جیسے تاریکی غائب ہونے لگی ہے۔تصور میں بس تم ہی تم تھے اور کچھ بھی نہیں! چنانچہ مما کی کہانی کو میں نے ذہن سے جھٹک دیا۔ پھر:"مما یہ بتائیں پاپا سے آپ کیسے ملی تھیں اور انکے ساتھ رہنا آپ کو کیسا لگا؟"

"بتاتی ہوں این لیکن پریشان نہ ہونا۔اپنی مما کے مقابلے میں تم بہت زیادہ لاڈلی اور خوش وخرم لڑکی ہو۔ جوانی میں تمہاری مما اتنی خوش نہیں رہتی تھی۔ بہر حال میں تمہیں بتاتی ہوں"۔

اور انہوں نے اپنی کہانی سنانا شروع کر دی:

میرے بڑے بھائی کا نام پائی مان تھا۔ وہ پائی انگ کی منڈی والے دن پیدا ہوا تھا، اسی لئے اس کا نام پائی مان پڑ گیا۔ میں اس سے تین سال چھوٹی تھی۔ مجھے سن کم کہتے تھے۔شادی کے بعد میرے والد کا نام ساسترونٹومو پڑ گیا۔ پڑوسیوں کے مطابق، اس نام کا مطلب تھا۔۔۔۔۔ بہترین لکھنے والا۔

لوگوں کا کہنا تھا کہ میرے والد بہت محنتی آدمی تھے۔ وہ گاؤں میں واحد پڑھے لکھے

آدمی تھے۔اس لئے ان کی بہت عزت تھی۔دفتری زبان پر بھی انہیں پورا عبور تھا۔لیکن وہ کلرک کی حیثیت میں مطمئن نہیں تھے۔وہ بہت اونچے مقام کے خواب دیکھا کرتے تھے، حالانکہ ان کی یہ ملازمت بھی بری نہیں تھی۔وہ کاشتکاری، محنت مزدوری یا اس طرح کا کوئی کام کرنا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

میرے والد کے بہت سے چھوٹے بہن بھائی اور قریبی رشتہ دار تھے۔کلرک ہوتے ہوئے ان سب کو فیکٹری میں کھپانا، ان کے لئے ایک کاردارد تھا۔ ذرا بڑی پوسٹ پر ہوتے تو یہی بات آسان ہو جاتی اور لوگوں کی نظر میں بھی ان کا احترام دوچند ہو جاتا۔وہ چاہتے تھے کہ ان کے عزیز رشتہ دار فیکٹری میں مزدوروں اور نچلے درجے کے کارکنوں کے بجائے بہتر حیثیت میں کام کریں۔کم از کم انہیں فورمین تو ہونا ہی چاہیے۔مزدور یا قلی بننے کے لئے کسی کلرک کی رشتہ داری کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔فورمین جسے چاہتا، مزدور بھرتی کر سکتا تھا۔

دس سال تک انہوں نے انتھک محنت کی لیکن اس کے باوجود ان کی ترقی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے۔تاہم ان کی تنخواہ اور کمیشن ہر سال بڑھتی رہی۔اپنی ترقی کے لئے انہوں نے ہر طریقہ اختیار کیا۔جادو ٹونے کرائے، دعائیں کرائیں، روزے رکھے، مگر سب بے اثر رہا۔

تلنگن شوگر فیکٹری کا کیشیئر بننا، ان کا خواب تھا۔ ہر شخص کا کیشیئر سے پالا پڑتا تھا۔ فورمین اسی سے تنخواہیں لیتے تھے۔اگر مزدوروں کی کٹوتی پر فورمین چوں چاں کرتے تو کیشیئر ان کی تنخواہیں بھی روک سکتا تھا۔ اگر وہ کیشیئر بن جاتے تو تلنگن کے بڑے صاحب اختیار آدمی کہلاتے۔تاجر بھی ان سے عزت سے پیش آتے۔یورپین اور مخلوط النسل لوگ بھی، مالے میں ان سے سلام دعا لیتے نظر آتے۔ان کے قلم کی ایک جنبش کمائی کا ذریعہ ہوتی۔وہ فیکٹری کے طاقتور افسروں میں سے ایک سمجھے جاتے۔لوگ ان سے رقم لینے دینے کے سلسلے میں، ان کا حکم ماننے پر مجبور ہوتے۔

دکھ کی بات یہ ہے کہ ایسا ہوا نہیں۔نہ ترقی ملی، نہ لوگوں کی نظر میں ان کا احترام پیدا ہوا بلکہ ان کے خوابوں کے برعکس انہیں لوگوں کی نفرت اور شکایتیں ہی ملیں۔ان کے درشت لہجے نے، انہیں اپنے دوستوں اور ساتھیوں سے بھی دور کر دیا۔وہ سب سے کٹ کر رہ گئے۔اپنے ہی لوگوں میں تنہا، لیکن انہوں نے اس کی پروا بھی نہیں کی۔وہ تھے بھی بہت سنگدل۔وہ سفید فام لوگوں کے بہت مداح تھے۔ڈچ افسروں کو اپنے گھر بلانے کے لئے، ان کے طور طریقے اور انداز

لوگوں کو ایک آنکھ نہ بھاتے تھے۔ کبھی کوئی افسر ان کے گھر آ جاتا تو اس کی تواضع میں وہ دیدہ ودل فرش راہ کر دیتے۔

لیکن اکاؤنٹنٹ بننا بھی ان کی قسمت میں نہیں تھا مگر وہ منتظم اعلیٰ تو آن کی چاپلوسی میں لگے ہی رہے۔ وہ فیکٹری کا مکمل انچارج تھا۔ وہ تو ہمارے گھر نہیں آیا مگر میرے والد اس کے گھر جاتے اور اس کے بہت سے غیر سرکاری کام کاج میں بلاوجہ ہی اس کی مدد کرتے رہتے۔ لیکن تو آن باصر ایسے کاموں کو سرے سے نظر انداز کر دیتا تھا۔

یہ سب باتیں سن کر مجھے غصہ بھی آتا۔ میرے والد نے اپنے خوابوں کی تکمیل کے لئے خود کو گھلا کر رکھ دیا تھا۔ اور اپنی عزت اور وقار کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ لیکن کچھ کہنے کی جرأت مجھ میں نہیں تھی۔ البتہ دل ہی دل میں، میں دعا مانگا کرتی کہ وہ کسی طرح اپنے فضول اور شرمناک رویئے سے باز آ جائیں۔ پڑوسی کبھی کبھی یہ بھی کہہ بیٹھتے: اللہ سے یہ سوال ضرور کرنا چاہیے کہ انسان کی اور خصوصاً سفید فاموں کی طاقت کی آخر کیا حدود ہیں۔ میں ان کی ترقی کے لئے دعا نہیں کیا کرتی تھی بلکہ میں تو اللہ سے صرف یہ چاہتی تھی کہ میرے والد اس بے ہودہ اور شرمناک صورت حال سے نکل جائیں جس میں وہ گرفتار ہیں۔ ان دنوں، میں یہ سب وضاحت تو شاید نہ کر سکتی ہوں گی مگر محسوس بہرحال کرتی تھی، مگر میری دعائیں بھی بے اثر ہی رہیں۔ نو وارد یورپی افسروں کی طرح تو ان باصر بھی کنوارا تھا۔ عمر میں شاید وہ میرے والد سے بھی بڑا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے اسے کوئی عورت پیش کرنے کی کوشش کی۔ اس نے نہ صرف پیش کش ٹھکرا دی بلکہ میرے والد کو نوکری سے نکال دینے کی بھی دھمکی دی۔ اس واقعے کے بعد ان کا اچھا خاصا مذاق اڑا۔ لوگوں کے طعنے سن سن کر، میری والدہ ادھ موئی ہو گئیں۔ لوگوں کی ذومعنی باتیں۔۔۔۔۔ کل ممکن ہے وہ اپنی بیٹی ہی اسے پیش کر دے۔۔۔۔۔۔ ان کے لئے ناقابل برداشت تھیں۔

تم خود سوچ سکتی ہو، ان حالات میں کتنی سراسیمگی محسوس ہوئی ہوگی۔ میں نے تو گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ لاشعوری طور پر میری نظریں ڈرائنگ روم کے دروازے پر لگی رہتیں۔ شاید کوئی سفید فام مہمان وہاں براجمان ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ ایسا ہوا نہیں۔ دوسرے ڈچ افسروں کے برعکس تو ان باصر کو اسا کو رقص وسرود کی محفلوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ ہر اتوار کو وہ سدادیو کے پروٹسٹنٹ چرچ میں عبادت کے لئے بھی جایا کرتا تھا۔ صبح سات بجے، اسے گھوڑے پر یا بگھی میں سوار جاتے دیکھا جا سکتا تھا۔ ایک بار میں نے بھی اسے خاصے فاصلے سے دیکھا تھا۔

جب میں تیرہ سال کی ہوئی تو گھر کا کچن، پچھلا برآمدہ اور میرا کمرہ۔۔۔۔۔۔۔ یہ میری دنیا تھی، اس سے باہر کا مجھے کچھ پتہ نہیں ہوتا تھا۔ میری ساری سہیلیوں کی شادی ہو چلی تھی۔ کسی پڑوسن یا رشتہ دار کی آمد کی صورت میں ہی کبھی کبھار بچپنے کی سی آزادی کا احساس ہوتا تھا۔ باہر کے استقبالیہ کمرے میں جا کر بیٹھنا تو کجا، مجھے وہاں قدم تک رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔

فیکٹری میں کام ختم ہوتا تو مزدور اور کارکن اپنے گھروں کا رخ کرتے۔ ایسے وقت میں بعض اوقات کسی کو اپنے گھر کے گرد منڈلاتے ہوئے البتہ محسوس کیا کرتی تھی۔ مہمان خواتین میری خوبصورتی کی عموماً تعریف کیا کرتیں۔ وہ مجھے تلنگن کا گلاب یا سداریو کا شگوفہ کا نام دیتیں۔ میں جب بھی خود کو آئینے میں دیکھتی تو ان خواتین کی تعریف مجھے کچھ زیادہ غلط بھی نہ لگتی۔ میرے والد دلکش آدمی تھے۔ میری والدہ۔۔۔۔۔۔ مجھے ان کا نام کبھی پتہ نہیں چل سکا۔ خود بھی بہت خوبصورت تھیں اور اپنے بناؤ سنگھار کا خصوصی خیال رکھتی تھیں۔ میرے والد کے پاس خاصی زمین تھی جو انہوں نے فیکٹری کو کرائے پر دی ہوئی تھی۔ عموماً ایسے لوگ دو تین شادیاں کرتے ہیں مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ ان کے خیال میں ایک اچھی اور خوبصورت بیوی ہی کافی تھی۔ اب ان کی بس ایک ہی تمنا تھی کہ وہ فیکٹری کے اکاؤنٹنٹ بن کر، گاؤں کے سب سے معتبر آدمی بن جائیں۔ معاملات کچھ اس طرح کے تھے این!

میں بمشکل چودہ سال کی ہوئی ہوں گی تو لوگ مجھے بھرپور دوشیزہ سمجھنے لگے حالانکہ دو سال پہلے ہی مجھے ماہواری آنا شروع ہوئی تھی۔ والد میرے بارے میں کوئی خاص منصوبہ لئے بیٹھے تھے۔ لوگ انہیں پسند نہیں کرتے تھے پھر بھی میرے لئے پیغامات کا سلسلہ آنا شروع ہو گیا۔ ہر پیغام سے انکار کر دیا جاتا۔ میں عموماً یہ گفتگو اپنے کمرے میں سنا کرتی۔ عام مقامی عورتوں کی طرح ان معاملات میں، میری والدہ کی کسی بات پر کان ہی نہیں دھرا جاتا تھا۔ سارے معاملات والد ہی طے کرتے تھے۔ ایک دو دفعہ والدہ نے پوچھا بھی: کس قسم کا داماد چاہیے، پتہ تو چلے۔ والد کی خاموشی ان کے سوال کا جواب تھی۔

نہیں این، میں اپنے والد کی طرح نہیں کہ اپنے داماد کے بارے میں خود فیصلہ کرتی پھروں۔ خود انتخاب کرو، میں البتہ مشورہ دے سکتی ہوں۔ لیکن میرے معاملات کچھ اور تھے۔ اس زمانے میں ساری لڑکیوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا تھا۔ لڑکیاں کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ بس ایک انجان آدمی آتا اور اسے لے کر چلا جاتا۔ کون جانے کہاں لے جاتا؟ اس کی پہلے کتنی بیویاں تھیں،

اسے تو یہ بھی معلوم نہ ہوتا۔ ہر معاملے کا اختیار صرف اور صرف میرے والد کو تھا۔ یہ تمہاری خوش قسمتی ہو گی اگر تم اپنے شوہر کی پہلی اور آخری بیوی ہوئیں۔ ایک فیکٹری ایریئے میں یہ بات بڑی غیر معمولی تھی۔

مزید براں لڑکی بیچاری کو یہ بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ اس کا ہونے والا شوہر جوان ہے یا بوڑھا۔ ایک انجان آدمی کے ساتھ اسے تن، من، دھن کے ساتھ، ساری زندگی اسی کے سائے میں گزارنا پڑتی۔ مر کر ہی اس جھنجھٹ سے اسے نجات مل سکتی تھی یا شوہر کا دل بھر جاتا تو وہ اسے طلاق دے کر گھر بھیج دیتا۔ لڑکی بے چاری کے پاس کوئی اور راستہ ہی نہیں تھا۔ شوہر شرابی ہو یا جواری یا کوئی مجرم ہو، اسے بس اس کے ساتھ گزارا کرنا تھا۔ شادی سے پہلے تو لڑکی کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی جاتی تھی۔ تمہیں اچھا شوہر ملا تو یہ تمہاری خوش قسمتی ہو گی۔

ایک رات منتظم اعلیٰ توان باصر کواسا ہمارے گھر آیا۔ میں ایک جانب کھڑی تھی۔ والد ادھر ادھر بھاگ کر، مجھے اور میری والدہ کو مختلف احکامات دے رہے تھے۔ گھبراہٹ میں کبھی کچھ کہتے اور کبھی کچھ۔ مجھے انہوں نے اپنے سب سے اچھے کپڑے پہننے کو کہا۔ میرے میک اپ کرتے ہوئے، انہوں نے آ کر، ایک دو بار مجھے تنقیدی نظروں سے بھی دیکھا۔ میں کچھ مشکوک ہو گئی۔ شاید لوگوں کی سرگوشیوں میں کچھ نہ کچھ سچائی تھی۔ میری والدہ کچھ زیادہ ہی شبہ میں پڑ گئیں۔ وہ کچن کے ایک کونے میں کھڑی رو دھو رہی تھیں، حالانکہ ابھی تک کوئی ایسی غیر معمولی بات نہیں ہوئی تھی۔ ان کی بے زبانی میں بھی ہزاروں کہانیاں چھپی تھیں۔

میرے والد نے مجھے آ کر مہمان کو کافی، دودھ اور کیک پیش کرنے کے لئے کہا۔ میں نے مہمان کے لئے کافی بنائی اور ٹرے میں کیک کے ساتھ رکھ کر لے آئی۔ ظاہر ہے مہمان میرے لئے انجان تھا۔ پھر ہمارے ہاں لڑکیوں کا آنکھ اٹھا کر کسی کو دیکھنا ویسے بھی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے اسے دیکھا تک نہیں، وہ سفید فام تھا یا مقامی۔ نظریں نیچے کئے میں نے کافی اور کیک کو میز پر سجایا۔ اس کی سفید پتلون پر البتہ میری نظر پڑی یا پھر اس کے بڑے بڑے اور لمبے بوٹوں پر۔ اس سے صرف یہ اندازہ لگ سکتا تھا کہ مہمان خاصا بھاری بھرکم اور طویل قامت ہے۔

مجھے توان باصر کواسا کی نگاہیں اپنے بدن میں پیوست ہوتی محسوس ہوئیں۔

"یہ میری بیٹی ہے توان !" میرے والد نے اسے بتایا۔

"اب اس کی شادی ہو جانی چاہیے"۔ مہمان نے جواب دیا۔ اس کی آواز میں گہرائی

کے ساتھ، ایک رعب بھی تھا۔ پھر وہ والد کے ساتھ اٹھ کر، نہ جانے کہاں چلا گیا۔

تین دن بعد، دوپہر کے کھانے کے بعد، والد نے مجھے طلب کیا۔ وہ مرکزی کمرے میں والدہ کے ساتھ بیٹھے تھے۔ میں رکوع کے انداز میں ان کے آگے جھکی۔

"نہیں، نہیں، ایسے نہ کرو"۔ ماں نے احتجاج کیا۔

"کم"۔ والد نے بات شروع کی۔ "اپنی تمام چیزیں اور کپڑے اپنی ماں کے سوٹ کیس میں رکھ لو اور کوئی اچھا اور خوبصورت لباس پہن لو"۔

آہ! ان گنت سوال تھے جو میرے دل میں ہی گھٹ کر رہ گئے۔ ظاہر ہے مجھے ماں باپ کا حکم ماننا تھا اور بس۔ میں اپنے کمرے میں چلی گئی۔ باہر والدہ کے احتجاج اور شور شرابے کی آواز مجھ تک پہنچ رہی تھی مگر والد ٹس سے مس نہ ہوئے۔ میں نے اپنے کپڑے اور دوسری اشیا سوٹ کیس میں پیک کیں۔ دوسری لڑکیوں کے مقابلے میں میرے پاس بہت کپڑے تھے اور خاصے قیمتی بھی تھے۔ میں اپنے کپڑوں کا خیال بھی اچھی طرح کرتی تھی اور کئی کپڑے تو میں نے خود ہی بنائے تھے۔

اپنے کپڑے، اس پرانے سوٹ کیس میں ڈالے، میں باہر آئی۔ والد اور والدہ ابھی تک اسی جگہ بیٹھے تھے۔ والدہ نے کپڑے بدلنے سے انکار کر دیا۔ پھر ہم باہر کھڑی بگھی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

گاڑی میں بیٹھے ہوئے میں نے والد کا صرف ایک جملہ ہی سنا جو بلا کسی ہچکچاہٹ کے اور واضح انداز میں ادا ہوا۔

"آئی کم، اپنا گھر دیکھ لو، آج سے یہ تمہارا گھر نہیں رہا"۔

ان الفاظ کا مفہوم سمجھنے میں مجھے کچھ وقت لگا۔ میری والدہ دھاڑیں مار کر رونے لگیں۔ مجھے گویا گھر نکالا دیا جا رہا تھا۔ میں بھی رو پڑی۔ بگھی تو ان با صر کواسا کے گھر کے سامنے جا رکی۔ ہم نیچے اتر آئے۔ زندگی میں پہلی بار میرے والد نے میرے لئے کچھ کہا۔ انہوں نے میرا سوٹ کیس سنبھال لیا۔

میں اپنے گرد و پیش پر نگاہ دوڑانے کی جرئت نہیں کر سکی۔ پھر بھی یوں لگا جیسے ہزاروں نادیدہ آنکھیں ہمیں حیرت سے گھور رہی ہیں۔ میں اس پتھریلے گھر کے سب سے اوپری قدمچے پر کھڑی ہو گئی۔ میرے تصورات اور احساسات مجھے بوجھل لگ رہے تھے، جسم کا خون خشک ہو رہا

تھا۔ لگ رہا تھا جسم پر کھال کے سوا اور کچھ ہے ہی نہیں۔ اس حالت میں، میں مے لیما کے گھر پہنچی۔ مجھے اپنے باپ کو باپ کہتے ہوئے شرم محسوس ہو رہی تھی۔ این !اسے میرا باپ ہونا ہی نہیں چاہیے تھا۔ بہرحال میں اس کی بیٹی تھی اور وہ بھی مجبور اور بے بس۔ میری ماں کے آنسو، آہیں اور چیخیں، کچھ بھی مجھے اس تباہی سے نہ بچا سکا۔ اور میری بساط ہی کیا تھی، میں نے تو ابھی دنیا کو دیکھنا ہی شروع کیا تھا۔ ابھی تو مجھے اپنا ہی جسم بھی سنبھالنا نہیں آیا تھا۔

توان باصر کواسا باہر آیا۔ اس کے چہرے پر خوشی بکھری ہوئی تھی اور آنکھوں میں عجیب سی چمک۔ وہاں میں نے ایک اجنبی زبان میں اسے کچھ کہتے سنا۔ شاید وہ ہمیں اندر بلا رہا تھا۔ لمحے بھر میں اس کا بھاری بھرکم اور طویل قامت جثہ میری نظر کے سامنے آ گیا۔ وہ والد سے کم از کم تین گنا زیادہ بھاری تھا۔ اس کا چہرہ سرخی مائل تھا۔ اس کی ناک بھی خاصی لمبی تھی، دو تین مقامیوں کی ناک ملا لیں تو شاید اتنی لمبی بنے۔ اس کے ہاتھوں کی کھال کسی چھپکلی کی طرح کھردری تھی۔ گھنے اور زرد بال تھے۔ میں نے دانت سختی سے بھینچ لئے اور سر کو مزید نیچے جھکا لیا۔ اس کے ہاتھ میری ٹانگوں سے بھی زیادہ بڑے لگ رہے تھے۔

سو، یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ مجھے اس سفید فام، چھپکلی جیسی کھردری کھال والے آدمی کو مال غنیمت کے طور پر سونپ دیا گیا۔ مجھے کمزور نہیں رہنا چاہیے۔ میں نے خود سے سرگوشی کی۔ مجھے اپنی مدد آپ ہی کرنا ہوگی۔ میرے گرد خبیث روحوں اور شیطانوں کے سوا کوئی بھی نہیں۔

پہلی دفعہ، توان ناصر کواسا کے کہنے پر میں والد کے برابر والی کرسی پر بیٹھی۔ وہ مالے میں باتیں کرنے لگا۔ مجھے اس کا کوئی لفظ شاید ہی سمجھ آیا ہوگا۔ بس یوں لگ رہا تھا جیسے سمندر کی طوفانی موجیں ہیں اور ان کا خوفناک تموج۔ بے سکونی کی سی کیفیت تھی۔ توآن نے ایک لفافہ اپنی جیب سے نکال کر والد کی جانب بڑھا دیا۔ پھر اس نے ایک کاغذ والد کی طرف بڑھایا جس پر انہوں نے دستخط کر دیئے۔ مجھے بہت بعد میں پتہ چلا کہ مجھے پچیس گلڈرز میں توان کے حوالے کر دیا گیا تھا اور ہاں، یہ وعدہ بھی شامل تھا کہ دو سال کی کامیاب تربیت کے بعد، انہیں کیشیئر بنا دیا جائے گا۔

سو این، یہ تھی اس لڑکی کی کہانی، جسے اس کے والد نے بیچ دیا تھا۔ اور وہ بکنے والی کوئی اور لڑکی نہیں، بلکہ میں تھی۔۔۔۔۔۔ سنی کم۔ وہ دن اور آج کا دن، میرے دل میں اپنے والد کے لئے محبت یا احترام کا کوئی جذبہ باقی نہیں رہا۔ پتہ نہیں ایسے باپ بھی ہوتے ہیں جو اپنے بچوں کو

اپنی غرض کے لئے بیچ ڈالتے ہیں۔ میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی کیونکہ میری حمایت میں کھڑا ہونے والا تھا ہی کون؟ اس دنیا میں ساری قوت اور اختیار ماں باپ کے پاس ہی تو ہوتا ہے۔ اگر باپ اتنا بدخصلت ہو اور ماں اپنی بے بسی کے ہاتھوں مجبور ہو تو پھر اور کس سے مدد کی امید کی جاسکتی ہے؟

والد کے آخری الفاظ یہ تھے: اس گھر سے تم توان باصرکواسا کی اجازت کے بغیر نہیں نکلو گی۔ میری یا ان کی اجازت کے بغیر تم اپنے گھر بھی نہیں جاسکتیں۔

میں نے انہیں بولتے سنا ضرور مگر ان کی جانب سر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ میرا سر بدستور جھکا رہا۔ والد اور والدہ اسی بگھی میں واپس گھر لوٹ گئے۔ میں اسی کرسی پر بیٹھی، اپنے ہی آنسوؤں میں نہاتی رہی، مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں کیا کروں۔ ساری دنیا تاریک نظر آ رہی تھی۔ نیچی آنکھوں سے ہی میں نے گرد و پیش پر نظر ڈالنے کی کوشش کی مگر ہر شے دھندلی نظر آ رہی تھی۔ میں نے توآن باصرکواسا کو، اپنے والدین کو خدا حافظ کہنے کے بعد واپس کمرے میں آتے دیکھا۔ اس نے میرا سوٹ کیس اٹھایا اور بیڈروم میں لے گیا۔ کمرے سے واپس آ کر وہ میرے پاس آیا۔ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے کھڑا ہونے کو کہا۔ میں کانپ کر رہ گئی۔ بات یہ نہیں تھی کہ میں کھڑا ہونا نہیں چاہ رہی تھی یا حکم سے سرتابی کر رہی تھی۔ مجھ میں کھڑا ہونے کی طاقت ہی نہیں تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے میری ٹانگوں میں جان ہی نہیں، میرے بدن کا ہر جوڑ الگ الگ ہوا جا رہا تھا۔ وہ اسے میری ادا سمجھا اور مجھے اپنے بازوؤں میں اٹھا کر کمرے میں لے گیا اور ایک آراستہ پیراستہ بستر پر لٹا دیا۔ میں اتنی ٹوٹ پھوٹ گئی تھی کہ بستر پر بھی مجھ سے بیٹھا نہیں جا رہا تھا۔ میں گر پڑی۔ شاید میں بے ہوش ہو گئی تھی۔ لیکن کمرے کا غیر واضح سا منظر اب بھی میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ توآن نے میرا سوٹ کیس کھولا اور میرے کپڑے الماری میں لٹکا دیئے۔ پھر اس نے کپڑے سے میرا سوٹ کیس صاف کیا اور الماری کے نچلے حصے میں رکھ دیا۔ پھر وہ میری جانب متوجہ ہوا۔ میں گٹھری بنی اسی طرح بستر پر پڑی ہوئی تھی۔

''ڈرو نہیں''۔ ناس نے مالے میں کہا۔ اب بھی اس کی آواز میں ہلکی سی گرج تھی۔ اس کی سانسیں میرے چہرے سے ٹکرا رہی تھیں۔ میں نے اپنی آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔ یہ جن اب نہ جانے میرے ساتھ کیا کرنے جا رہا ہے؟ ہوا یہ کہ اس نے مجھے کسی لکڑی کی بنی گڑیا کی طرح گود میں اٹھا لیا اور پورے کمرے میں چکر لگانے لگا۔ میرے بہتے آنسوؤں کی جانب تو شاید اس کا دھیان

ہی نہیں گیا۔اس کے ہونٹ میرے رخساروں اور ہونٹوں کا طواف کر رہے تھے۔اس کے سانس کی کھڑ کھڑاتی آواز میرے کانوں میں گھسی جارہی تھی۔خوف کے مارے مجھ سے چیخا تک نہیں گیا۔ میں بالکل بے حس وحرکت اس پر سوار تھی اور میرا پورا بدن پسینوں میں نہایا ہوا تھا۔

کچھ دیر بعد، اس نے مجھے فرش پر کھڑا کر دیا۔ میں لہرا کر گرنے کو تھی کہ اس نے دوبارہ مجھے تھام لیا اور آغوش میں لے کر دوبارہ بوس وکنار میں مصروف ہو گیا۔ مجھے اس کے لفظ آج بھی یاد ہیں، حالانکہ اس وقت میں ان کے مفہوم سے قطعی ناآشنا تھی۔"ڈارلنگ، میری ڈارلنگ، میری پیاری گڑیا، ڈارلنگ۔۔۔۔۔۔"

پھر اس نے مجھے اچھال کر اپنی پیٹھ پر سوار کر لیا اور ایک بار ناچنے کودنے لگا۔یوں میری جان میں جان آئی۔ پھر اس نے مجھے فرش پر کھڑا کر دیا۔ میں ذرا بھی لہراتی تو وہ مجھے سہارا دیتا تا کہ میں گر نہ پڑوں۔ میں بہرحال گرتی پڑتی بستر تک پہنچی اور اس پر گر پڑی۔اس نے اپنی انگلیوں سے میرے ہونٹ کھولے اور اشارے میں مجھے اپنے دانت صاف کرنے کو کہا اور ساتھ ہی مجھے گھر کے عقبی حصے میں واقع باتھ روم تک لے گیا۔ وہاں پہلی دفعہ میں نے ٹوتھ برش دیکھا اور اس کا استعمال سیکھا۔وہ مجھے برش کرتے دیکھتا رہا۔میرے سارے مسوڑھے چھل کر رہ گئے۔پھر اس نے اشاروں کی زبان میں ہی خوشبودار صابن کے ساتھ غسل کرنے کے لئے کہا۔ میں اس کا ہر حکم اسی طرح بجالاتی رہی جیسے میں اپنے گھر میں والدین کا مانا کرتی تھی۔وہ باتھ روم کے باہر، ہاتھوں میں، میرے سینڈل تھامے، میرا انتظار کرتا رہا۔ میں باہر آئی تو اس نے مجھے سینڈل پہنائے۔ چمڑے کے بنے ہوئے اتنے بڑے سینڈل، میں نے پہلی بار دیکھے تھے۔

پھر وہ مجھے گھر کے اندر، کمرے میں لے گیا اور مجھے آئینے کے سامنے بٹھا دیا۔تولیئے سے میرے گیلے بالوں کو اچھی طرح خشک کیا اور بالوں میں تیل ڈالا۔ بہت ہی پیاری خوشبو تھی اس تیل کی، پتہ نہیں کون سا تیل تھا۔میرے بالوں میں کنگھی بھی اس نے خود ہی کی۔جوڑا البتہ میں نے خود ہی باندھا۔

پھر اس نے مجھے کپڑے تبدیل کرنے کو کہا۔اس دوران وہ میری حرکات وسکنات کو بغور دیکھتا رہا۔ مجھے یوں لگا جیسے میں کوئی بے جان کٹ پتلی ہوں جو اپنے مالک کے اشاروں پر ناچ رہی ہے۔میں نے کپڑے تبدیل کر لئے تو اس نے میرے چہرے پر پاؤڈر چھڑکا۔میرے ہونٹوں پر لپ سٹک لگائی اور پھر وہ مجھے کمرے سے باہر لے گیا۔ وہاں اس نے اپنی دو خادماؤں کو آواز

دی۔"میری نیائے کی دیکھ بھال ٹھیک سے کرنا"۔

نیائے کی حیثیت میں، یہ تھا میرا پہلا دن، این۔ بہر حال اس کے دوستانہ اور مخلصانہ رویئے کی وجہ سے میرے بہت سے خدشات فوراً ہی دم توڑ گئے۔ خادماؤں کو میری خدمت پر مامور کر کے تو آن باصر کواسا کہیں چلا گیا۔ کہاں گیا، یہ شاید کسی کو بھی پتہ نہیں تھا۔ دونوں خادمائیں میری قسمت پر رشک کر رہی تھیں۔ میں چپ چاپ ان کی باتیں سنتی رہی۔ میں اس گھر اور اس کی روایات سے قطعی ناواقف تھی۔ دل تو چاہتا تھا کہ موقع ملتے ہی وہاں سے بھاگ نکلوں، لیکن بھاگ کر جاتی کہاں، کون تحفظ دیتا؟ کیا کرتی میں؟ سو بات سوچ تک ہی رہی۔ میں جس شخص کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تھی، وہ میرے باپ سے زیادہ بلکہ تلنگن کے تمام مقامیوں سے کہیں زیادہ طاقتور اور بااختیار آدمی تھا۔

ان عورتوں نے میرے لئے کھانا تیار کیا۔ مشروبات بنائے۔ بار بار آ کر مجھے کبھی یہ کھانے کو اور کبھی وہ کھانے کو کہتیں۔ میں مہر بہ لب اور بے حس وحرکت فرش پر بیٹھی تھی۔ میں نے کھانے کی کسی چیز کو بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ کھلی آنکھوں کے باوجود، میں کسی بھی چیز کو دیکھنے سے ڈر رہی تھی۔ شاید زندہ موت ایسی ہوتی ہے۔ رات کو تو آن واپس آیا۔ میں نے اس کے قدموں کی آواز قریب آتے سنی۔ وہ سیدھا کمرے میں آ گیا۔ میں لرز کر رہ گئی۔ کمرے میں جلتے لیمپ کی روشنی اس کے سفید براق کپڑوں کو اور زیادہ جگمگا رہی تھی۔

اس نے میرے پاس آ کر، مجھے فرش سے اٹھایا، بستر پر لٹایا اور خود بھی ساتھ ہی لیٹ گیا۔ اس کی ناراضگی کے خوف سے بار ہا، مجھے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا۔

پتہ نہیں کب تک وہ گوشت کا پہاڑ مجھ پر سوار رہا این۔ کچھ پتہ نہیں، میرے ساتھ کیا بیت رہی تھی۔ میں تو اپنے ہوش وحواس میں ہی نہیں تھی اور جب مجھے ذرا ہوش آیا تو پتہ چلا کہ میں اب کل والی سنی کم نہیں رہی۔ میں نیائے بن چکی تھی۔ مجھے تو آن باصر کا اصل نام بعد میں پتہ چلا: ہرمن مے لیما۔ تمہارے پاپا۔ این تمہارے حقیقی پاپا اور ہاں سنی کم کا نام اس کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غائب ہو گیا=۔

"ارے، تم تو سو گئیں، تھوڑا سا تو جاگو، جاگو نا؟"

"میں تمہیں یہ کہانی کیوں سنا رہی ہوں این؟ صرف اس لئے کہ میں نہیں چاہتی کہ میری بچی کو کبھی بھی اس طرح کے تجربات سے گزرنا پڑے۔ تمہاری شادی جائز طریقے سے ہونی

چاہیے۔ اپنی پسند اور اپنی مرضی سے شادی کرو۔ میری بچی ! تمہارے ساتھ جانوروں کا سا سلوک نہیں ہونا چاہیے۔ میری بچی کو کسی بھی قیمت پر بکنا نہیں چاہیے۔ میں اسے یقینی بناؤں گی کہ یہ صورت کبھی پیدا نہ ہو۔ میں اپنی بچی کی عزت کی حفاظت کے لئے ہر قدم اٹھاؤں گی۔ میری ماں اس قابل نہیں تھی، اس لئے وہ میری حفاظت نہیں کر سکی۔ میرے والد نے مجھے کسی گھوڑے کے بچے کی مانند فروخت کر ڈالا۔ ایسے شخص کو میرا باپ ہونا ہی نہیں چاہیے تھا۔ مجھے تو لگتا ہے، جیسے میرے کوئی ماں باپ تھے ہی نہیں۔

نیائے کی حیثیت میں زندگی گزارنا بہت، بہت کٹھن کام ہے۔ وہ بس ایک زرخرید کنیز ہوتی ہے اور اس کا کام صرف اپنے آقا کی ناز برداری ہوتا ہے۔ ہر طرح سے ! دوسری جانب یہ تلوار ہمیشہ اس کے سر پر لٹکتی رہتی ہے کہ نہ جانے کب اس کا آقا تو آن اس سے اکتا جائے اور اسے اس کے بچوں سمیت، گھر سے دھکے دے کر نکال باہر کیا جائے۔ مقامی لوگ ایسے بچوں کو عزت واحترام نہیں دیتے کیونکہ وہ بغیر نکاح کی اولاد کہلاتے ہیں۔

میں نے دل ہی دل میں قسم کھائی کہ میں اب کبھی اپنے والدین کے گھر میں قدم نہیں رکھوں گی۔ میں نے ان کی یاد بھی اپنے دل سے کھرچ ڈالی۔ میں وہ شرمناک واقعہ دوبارہ ذہن کی سکرین پر لانا ہی نہیں چاہتی تھی۔ انہی لوگوں کی بدولت تو میں نیائے بنی۔ چنانچہ میں نے اپنے آقا کی خواہشات پر پورا اترنے کی کوشش کی: گھر کی صفائی ستھرائی، آرائش وزیبائش، یورپی کھانوں کی تیاری اور ہاں مالے زبان بھی سیکھی۔ این ! میں اس طرح اپنے ماں باپ سے انتقام لے رہی تھی۔ میں انہیں بتانا چاہتی تھی کہ جو کچھ انہوں نے مجھے بننے پر مجبور کر دیا ہے، میں اس سے کہیں زیادہ بہتر مقام اور عزت کی اہل تھی۔

میں کوئی سال بھر تو آن باصر کواسا کے گھر میں رہی، گھر سے باہر بھی نہیں نکلی، نہ تو آن مجھے کہیں لے گیا اور نہ میں کسی مہمان سے ملی۔ کسی سے ملنے ملانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ میں تو دنیا سے شرمسار تھی۔ خصوصاً اپنی دوستوں اور پڑوسنوں سے تو میں آنکھ بھی نہیں ملا سکتی تھی۔ اپنے والدین کا وجود مجھے شرمناک لگتا تھا۔ میں نے تمام نوکروں کی چھٹی کر دی اور گھر کا سارا کام کاج خود سنبھال لیا۔ نیائے کی حیثیت میں زندگی بسر کرتے ہوئے، میں نے اپنے گرد گواہ پیدا نہیں ہونے دیئے۔ میرے بارے میں کبھی کوئی الٹی سیدھی بات باہر نہیں گئی۔ بیچاری بے وقعت، بے اختیار، اس کا بس بھلا کس پر چلتا ہے۔ وغیرہ۔

کلرک ساسترو وٹو موکئی بار ملنے آیا مگر میں نے اس سے ملنے سے انکار کر دیا۔ ایکبار اس کی بیوی بھی آئی، میں اسے دیکھنے کی بھی روادار نہیں تھی۔ مسٹرمے لیما نے میرے اس رویئے پر کبھی اعتراض نہیں کیا، بلکہ وہ تو میرے اس سلوک پر خاصے مطمئن نظر آئے۔ لگتا تھا وہ میرے چیزوں کے بارے میں جاننے اور سیکھنے کی خواہش کو بہت پسند کرتے ہیں۔ این ! تمہارے پاپا نے میرا بہت خیال رکھا۔ لیکن یہ تمام آسائش و آرام میرے زخمی غرور اور شکستہ غیرت کا کوئی مداوا نہ کر سکا۔ تمہارے پاپا ساری زندگی میرے لئے ایک اجنبی ہی رہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ میں نے زندگی بھر خود کو ان کا محتاج نہیں ہونے دیا۔ میں نے انہیں ہمیشہ ہی ایک ایسا اجنبی مسافر سمجھا، جو کسی بھی وقت مجھے، گھر کو، غرض ہر چیز کو چھوڑ چھاڑ کر ہالینڈ جا سکتا ہے اور وہاں تلنگن یا اس سے متعلقہ کوئی شے بھی اس کی یادداشت کے کسی بھی خانے میں نہیں ہوگی۔ بہر حال، میں ذہنی طور پر ایسی کسی صورت کا سامنا کرنے کے لئے تیار تھی۔ اگر تو آن باصر مجھے چھوڑ کر چلا جائے تو بھی مجھے ساسترو وٹو موکے گھر واپس نہیں جانا تھا۔ یہ میرا فیصلہ تھا۔ تمہاری ماں نے فضول خرچی کے بجائے بچت کی عادت ڈالی۔ تمہارے پاپا مجھے جو خرچ دیتے تھے، اس کا انہوں نے کبھی حساب نہیں لیا۔ ماہانہ خرچ کی اشیا وہ ہمیشہ خود لایا کرتے تھے۔

سال بھر میں ہی، میری بچت تقریبا سو گلڈر ہوگئی۔ اب مسٹرمے لیما مجھے چھوڑ بھی جاتے تو میں سرابیا آ کر، اپنی مرضی کا کوئی کاروبار شروع کر سکتی تھی۔ اسی سال تمہارے پاپا کا کمپنی سے معاہدہ ختم ہو گیا۔ انہیں اس کی توسیع میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ تلنگن آنے کے بعد، انہوں نے آسٹریلین مویشیوں کا ایک ڈیری فارم بنا لیا تھا۔ انہوں نے مجھے ان کی صحیح طرح دیکھ بھال کرنا سکھایا۔ شام کے وقت لکھنے پڑھنے کا کام ہوتا تھا۔ وہ مجھے ڈچ زبان بولنا سکھاتے، ڈچ فقروں کی درست ترتیب سمجھاتے۔

پھر ہم سرابیا چلے آئے۔ یہ موجودہ جگہ انہوں نے ہی، اس زمانے میں خریدی تھی۔ لیکن ان دنوں یہاں ویرانی کا بسیرا تھا۔ اجاڑ بیابان جنگل کا سماں تھا۔ مویشیوں کو بھی یہاں منتقل کر لیا گیا۔

ان دنوں، میں نے خوش ہونا سیکھا۔ تمہارے پاپا میرا بہت خیال رکھتے تھے۔ میری رائے پوچھتے، ہر معاملے میں، مجھ سے مشورہ کرتے۔ آہستہ آہستہ مجھے ان کے ساتھ مساوی حیثیت کا احساس ہونے لگا۔ اب مجھے اپنی پرانی دوستوں یا جان پہچان والے لوگوں سے ملتے شرم محسوس

نہیں ہوتی تھی۔ان دنوں کی جانے والی میری محنت اور جدوجہد نے میرا احساس تفاخر مجھے لوٹا دیا۔ مجھ میں کوئی احساس کمتری تھا تو وہ ختم ہو گیا۔لیکن بظاہر تو میں وہی نیائے تھی چنانچہ میں نے کسی کا بھی محتاج نہ بننے کا تہیہ کیا۔کسی عورت اور خاص طور سے میرے جیسی نوجوان عورت کے لئے غرور تمکنت کی زندگی گزارنے کا سوچنا،ان دنوں، دوراز کار قسم کی بات تھی۔لیکن تمہارے پاپا نے ہی مجھے سکھایا اور ساتھ یہ حوصلہ بھی دیا۔خود احترامی اور ذاتی تشخص جیسی باتوں کا مفہوم تو مجھے بہت بعد میں سمجھ آیا۔میرے والد ہمارے نئے گھر بھی کئی دفعہ آئے مگر میں نے ان سے ملنے سے صاف انکار کر دیا۔

"اپنے والد سے ملو، کچھ بھی سہی، بہر حال وہ تمہارے والد ہیں"۔مسٹر مے لیما نے مجھے حکم دیا۔

"ہاں۔میرا بھی باپ تھا،مگر اب میرا کوئی باپ نہیں۔اگر وہ ان تو آن کا مہمان نہ ہوتا تو میں اسے دھکے دے کر گھر سے باہر نکلوا دیتی۔اس سے ملنے سے تو بہتر ہو گا کہ میں یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کہیں چلی جاؤں"۔

"تم چلی گئیں تو میرا کیا بنے گا؟اس مویشی خانے کا کیا ہو گا جب ان کی دیکھ بھال کا کوئی باقی ہی نہیں رہے گا؟"

"ان جانوروں کی دیکھ بھال کے لئے جتنے نوکر چاہو،تم رکھ سکتے ہو؟"

"لیکن وہ گائیں صرف تمہیں پہچانتی ہیں"۔

یہاں مجھے پتہ چلا کہ اب میں مسٹر مے لیما کی دست نگر نہیں رہی بلکہ اس کے برعکس وہ میرے محتاج ہو گئے تھے۔چنانچہ، میں نے سارے معاملات اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔انہوں نے مجھے کبھی نہیں روکا۔میری تعلیم کے سوا، وہ کسی بات میں بھی مجھ سے زبردستی نہیں کرتے تھے۔وہ سخت گیر سہی مگر بہت اچھے استاد تھے اور میں ایک فرماں بردار اور اچھی شاگرد تھی۔مجھے معلوم تھا کہ اگر تمہارے پاپا اپنے وطن ہالینڈ چلے بھی گئے تو ان کی سکھائی ہوئی ہر بات، ایک دن میرے اور میرے بچوں کے کام آئے گی۔

تمہارے پاپا نے ساسترو موٹو کے بارے میں پھر کبھی مجھ پر دباؤ نہیں ڈالا۔کئی دفعہ انہوں نے تو آن کے ذریعے یہ پیغام بھجوایا کہ اگر میں ان سے ملنا نہیں چاہتی تو خط ہی لکھ دیا کروں۔میں نے انہیں کبھی خط کے نام پر ایک دو لائنیں بھی نہیں لکھیں، حالانکہ اب میں روانی سے مالے اور

ڈچ، دونوں زبانوں میں لکھنا جانتی تھی۔ ساسترو موٹو نے بار بار مجھے لکھا۔ میں نے ان میں سے کوئی خط بھی نہیں پڑھا۔ وہ سب خطوط واپس بھیج دیئے گئے۔

ایک دفعہ والد اور والدہ دونوں وونوکروموآ ئے۔ میرے انکار کی وجہ سے تمہارے پاپا خاصے پریشان ہو گئے۔ بقول ان کے، مہمان مجھ سے ملنے پر مصر تھے۔ ماں تو خاصی چیختی چلاتی رہیں۔ میں نے توآن کے ذریعے کہلا بھیجا: " مجھے اپنا ایک ایسا انڈا سمجھیں جو گھونسلے سے نیچے گر کر ٹوٹ گیا۔ اس میں بہرحال انڈے کی کوئی غلطی نہیں"۔ اس کے بعد میرا اپنے ماں باپ سے ہر تعلق اور رابطہ ختم ہو گیا۔

ارے، میرا بازو اس بری طرح کیوں بھینچ رہی ہو این۔ میں نے تمہیں ایک اچھے تاجر ہونے کی تربیت دی ہے۔ تمہیں ذرا بھی جذباتی نہیں ہونا چاہیے۔ یہ دنیا نفع اور نقصان کی دنیا ہے۔ کیا تمہیں میری اس بات سے اختلاف ہے؟ چڑیاں اور مرغیاں تک آسمان پر اڑتے شہباز سے، اپنے چوزوں کو بچانے کی کوشش کرتی ہیں۔ بہتر یہی ہوتا کہ وہ مجھے بھینٹ چڑھانے کے بجائے، اس کی سزا بھگت لیتے۔ تمہاری مما ایسا کرے تو تمہارا بھی وہی رویہ ہونا چاہیے۔ لیکن تمہیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لئے محنت کرنا ہے۔ سخت محنت!"

سو تمہارے پاپا اور بہت سے جانور لے آئے، ان میں سے کئی آسٹریلیا سے منگوائے گئے تھے۔ ظاہر ہے کام بھی بڑھ گیا اور کارکن بھرتی کیئے گئے۔ تمہارے پاپا نے ساری کاروباری ذمہ داریاں میرے سپرد کر دیں۔ شروع میں مجھے کارکنوں کو کام کے لئے حکم دیتے خوف سا محسوس ہوتا تھا، لیکن توآن نے میری رہنمائی کی۔ انہوں نے کہا: مالک ہی تو انہیں مزدوری دیتا ہے۔ ان کی روزی کا ذریعہ تم ہو ! پھر میں نے توآن کے کہنے کے مطابق کارکنوں کو کام کے متعلق، بڑے اعتماد سے، احکامات دینا شروع کر دیئے۔ وہ ایک سخت گیر اور دانش ور استاد کی طرح میرے ساتھ رہے نہیں، انہوں نے کبھی غصے سے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اگر وہ مجھے زدوکوب کرنے پر آتے تو میری تو ہڈیاں تک سرمہ بن جاتیں۔ خاصے مشکل معاملات تھے مگر میں نے آہستہ آہستہ ان کی خواہشات کے مطابق، سب کچھ کرنا سیکھ لیا۔

بیرونی معاملات تمہارے پاپا ہی سنبھالتے تھے۔ وہ خریداروں کی تلاش میں اکثر سفر میں رہتے۔ ہمارے کاروبار میں روز افزوں ترقی ہونے لگی۔ انہیں دنوں ڈارسم ہم سے آ ٹکرایا۔ یہ ان دنوں بے روزگار تھا مگر کام کا دیوانہ تھا۔ اسے جو بھی کام دے دیا جاتا، وہ اسے کرنے کی سر توڑ

کوشش کرتا۔ایک رات، زبردست خنجر زنی کے مقابلے کے بعد اس نے ایک چور پکڑ لیا۔ چور کے سانس پورے ہو چکے تھے، سو وہ مر گیا۔عدالت تک معاملہ گیا مگر اسے بری کر دیا گیا۔اس دن سے وہ میرا با اعتماد کارکن ہے۔بس یوں سمجھو وہ میرا دایاں بازو ہے۔اسی دوران توآن نے گھر سے غائب رہنا شروع کر دیا۔

ارے میں یہ بتانا تو بھول ہی گئی این کہ مجھے اپنی آرائش وزیبائش کرنا، اچھے ملبوسات پہننا، رنگوں کی پہچان اوران کا تنوع، یہ سب کچھ تمہارے پاپا نے ہی سکھایا تھا۔وہ مجھے تیار ہوتے ہوئے عموماً دیکھا کرتے، اس موقع پروہ کہتے:

"نیائے، تمہیں ہمیشہ اسی طرح حسین وجمیل رہنا چاہیے۔پژمردہ چہرہ اورشکن آلود لباس کبھی اچھا کاروباری تاثر پیدا نہیں کر سکتے۔لوگوں کا اعتماد جیتنے کے لئے خوبصورتی، وقار اور اچھا لباس بھی چاہیے"۔

دیکھ رہی ہو، میں نے کس طرح ان کی خواہشات کا احترام کیا؟ میں ہمیشہ پرکشش اور خوش لباس رہنے کی کوشش کرتی ہوں۔بعض اوقات تو سونے سے پہلے بھی، میں میک اپ کر ڈالتی ہوں۔ پژمردہ رہنے کے بجائے خوبصورتی اور دلکشی قائم رکھنی چاہیے۔ یہ بات یاد رکھنا این ! کوئی بری شے دلکش نہیں ہوتی۔اگر میں مرد ہوتی تو اپنے دوستوں کو کسی بھی ایسی عورت کے بارے میں ضرور بتایا کرتی جو اپنا خیال نہ رکھتی ہو۔ایسی عورت سے کبھی شادی کا سوچنا بھی نہیں، ایسی عورت کیا کرے گی جو اپنی جلد تک کا خیال نہیں رکھ سکتی۔

توآن نے مجھے کہا تھا:"پان اور چھالیا کھانے سے ہمیشہ بچنا، اس طرح تمہارے دانت ہمیشہ موتی کی طرح چمکتے رہیں گے"۔اور سچ جانو میں نے کبھی پانوں کو ہاتھ نہیں لگایا۔این !ہر مہینے ہالینڈ سے رسائل وغیرہ آیا کرتے تھے۔توآن کو پڑھنے کا بہت شوق تھا۔پتہ نہیں تم اپنے پاپا پر کیوں نہیں گئیں، حالانکہ پڑھنے کا تو مجھے بھی شوق ہے۔ مالے زبان میں پڑھنے کا کوئی مواد ہوتا ہی نہیں تھا، جاوی کا تو ذکر ہی کیا۔ بہرحال ہم رات کو لالٹین کی روشنی میں، اپنے چھوٹے سے ہٹ (Hut) کے سامنے بیٹھ جاتے۔این !اس وقت یہ خوبصورت گھر نہیں بنا تھا۔تمہارے پاپا مجھے پڑھنے کو کہتے۔اخبار بھی ہوتے۔وہ بغور سنتے اور میری غلطیاں ٹھیک کرتے جاتے۔جن لفظوں کا معنی مجھے نہ آتا، وہ مجھے بتاتے۔یہ سلسلہ عرصہ تک اسی طرح چلتا رہا۔ بالآخر مجھے لغت دیکھنا آ گئی۔ مجھے یاد تھا کہ میں زرخرید کنیز ہوں اور مجھے تمہارے پاپا کی خواہشات پر عمل پیرا رہنا ہے۔

روزانہ یہی ہوتا۔ پھر انہوں نے مجھے پڑھنے کو کتابیں دینا شروع کیں۔ مجھے انہیں نہ صرف پڑھنا ہوتا تھا بلکہ ان کا نفس مضمون تو آن کو بتانا بھی پڑتا تھا۔ ہاں، این !وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ماضی کی سنی کم غائب ہوتی گئی۔ تمہاری مما نے نئے تصورات اور نئے عزائم کے ساتھ، ایک نیا تشخص لئے، گویا دوبارہ جنم لیا۔ میں اس سنی کم کو بھول گئی جسے برسوں پہلے تلنگن میں بیچ دیا گیا تھا۔ مجھے لگا جیسے میرا کوئی ماضی تھا ہی نہیں۔ بعض اوقات میں خود سے سوال کرتی: اگر میں گندمی رنگت والی ڈچ عورت ہوتی تو؟ مجھے اس کا کوئی جواب نہیں سوجھا حالانکہ میں اپنے اردگرد موجود مقامی عورتوں کی جہالت اور اجڈ پن کا مشاہدہ میرا روز کا معمول تھا۔ میں تمہارے پاپا کے علاوہ کسی بھی یورپی فرد سے زیادہ گھلی ملی نہیں۔

ایک بار میں نے تمہارے پاپا سے پوچھا کہ کیا یورپی خواتین کی تعلیم اسی طرح کی ہوتی ہے جیسی کہ میری ہوئی۔ پتہ ہے انہوں نے کیا جواب دیا؟ "تم عام یورپی خواتین سے اور خصوصا مخلوط النسل خواتین سے کہیں زیادہ صلاحیتوں کی مالک ہو"۔

"آہ !این، میں تمہارے پاپا کے ساتھ بہت خوش تھی۔ وہ میری تعریف کرنے اور میری حوصلہ افزائی کرنے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیتے تھے۔ میں بھی اپنا جسم و جان ان پر ہر وقت نثار کرنے کو تیار رہتی تھی۔ میری آرزو تھی کہ میری موت ان کے بازوؤں میں آئے۔ این !یقین جانو، ماضی سے قطع تعلقی کے متعلق میرا فیصلہ بالکل صحیح تھا۔ جاوی رسم اور رواج کے مطابق بھی، یہ غلط نہیں تھا۔ جاوی کہاوت کے مطابق وہ انسانوں کا استاد تو تھا ہی، دیوتاؤں کا بھی استاد تھا۔ اپنی بات نباہنے کے لئے انہوں نے ہالینڈ سے عورتوں کے رسالے میرے لئے منگوانا شروع کر دیئے۔

پھر رابرٹ پیدا ہو گیا اور چار سال بعد تم اس دنیا میں آ گئیں۔ این۔ کاروبار بھی بڑھتا چلا گیا۔ ہماری زمینیں پھیلتی چلی گئیں۔ اپنی زمین کے برابر والا جنگل بھی ہم نے خرید لیا۔ اس وقت تک کاروبار مزید وسیع ہوا تو تمہارے پاپا نے میری محنت کی تنخواہ دینا شروع کر دی۔ یہی نہیں بلکہ پچھلے تمام عرصے کی تنخواہ بھی دے ڈالی۔ اس رقم سے میں نے چاول فیکٹری اور اس کا سارا ساز و سامان خریدا۔ ظاہر ہے۔ یہ میری اپنی ملکیت تھی۔ مسٹر میلیما کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ پھر مجھے پانچ سال کی مدت کا منافع پانچ ہزار گلڈر ملا۔ تو آن نے میرا بنک اکاؤنٹ کھلوا کر، وہ رقم اس میں رکھوا دی۔ اس وقت سے ہی ہم نے اپنی کمپنی کا نام بورڈرج بیتن سورگ رکھ لیا۔ سارے

کاروباری معاملات چونکہ میرے ہی ہاتھ میں تھے، اس لئے لوگ مجھے نیائے اونتو سار وہ نیائے بیتن سورگ کہنے لگے۔

"سوگئیں کیا؟ اچھا جاگ رہی ہو؟۔۔۔۔۔۔ لمبے عرصے تک یورپی خواتین کے ان رسالوں کا مطالعہ چلتا رہا۔ میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ اسی حوالے سے ایک دن میں نے تو آن سے اپنا سوال دھرایا۔

" کیا میں ڈچ عورت نہیں لگتی تو آن؟"

تمہارے پاپا نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور کہا:"ڈچ عورت کی طرح ہونا تمہارے لئے ممکن ہی نہیں۔ اور اس کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں۔ تم نے خود کو جو تشخص دیا ہے، یہ اپنی جگہ بہت بڑی بات ہے اور بہرحال تم یورپی عورتوں سے کہیں زیادہ عقل منداور بہتر ہو۔ ہاں !ان سب یورپی عورتوں سے" !ایک بار پھر انہوں نے دل کھول کر قہقہہ لگایا۔ بلاشبہ انہوں نے مبالغے سے کام لیا تھا مگر میں خوشی سے پھولی نہ سمائی۔ کم از کم میں ان سے کسی بھی طرح کم تر نہیں تھی۔ مجھے تمہارے پاپا کی تعریفیں کرنا اچھا لگتا۔ وہ مجھ سے نہ کبھی الجھے اور نہ ہی درشت لہجہ اختیار کیا۔ ان کے ہونٹوں پر میرے لئے بس تعریف ہی ہوتی تھی۔ وہ میرا کوئی سوال بھی نظرانداز نہیں کرتے تھے۔ میں دن بدن زیادہ حوصلہ منداور جری ہوتی گئی۔

پھر این، نہ جانے کیا ہوا؟ میری خوشیوں بھری زندگی کو نظر لگ گئی۔ ایک دن میں اور تو آن تم دونوں کو مسٹر مے لیما کے بچے تسلیم کرنے کے لئے عدالت میں گئے۔ شروع میں، میں سمجھی کہ اس طرح میرے بچوں کو ان کی جائز اور قانونی حیثیت مل جائے گی۔ لیکن این، ہوا کیا؟ تمہیں ان کے ناجائز بچے تسلیم کیا گیا۔ ہاں تم ان کے بچے ہونے کی وجہ سے، ان کا نام استعمال کر سکتے تھے۔ عدالتی مداخلت کے بعد، قانون کی نظر میں تم میرے بچے نہیں رہے۔ میں نے تمہیں جنم دیا اور تم ہی میرے بچے نہیں رہے۔ اس کے بعد سے قانوناً تم مسٹر مے لیما کے بچے ہو۔ جزائر میں ڈچ قانون کچھ ایسا ہی ہے۔ غلط نہ سمجھنا، تم میرے ہی بچے ہو۔ اس وقت مجھے اس شیطانی قانون کا اندازہ ہوا۔ تمہیں باپ مل گیا، مگر ماں چھن گئی۔

اس کے بعد این، تمہارے پاپا تمہیں چرچ لے کر عیسائی بنانے کی رسم ادا کرنا چاہتے تھے۔ میں تم لوگوں کے ساتھ چرچ نہیں گئی۔ تم لوگ جلد ہی چرچ سے واپس آ گئے۔ پادری نے تمہیں بپتسمہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ تمہارے پاپا افسردہ ہو گئے۔

"ان بچوں کو یہ حق تو ہے کہ کوئی ان کا باپ ہو لیکن چرچ انہیں یہ حق نہیں دیتا کہ وہ راہ نجات حاصل کریں۔ آخر کیوں؟ تو آن نے یہ سوال کیا۔ میں ان معاملات کو بھلا کیا سمجھتی۔ چپ چاپ سنتی رہی۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ تمہیں جائز اولاد تسلیم کرانے کے لئے ہمیں سول عدالت میں شادی کرانی چاہیے۔ پھر چرچ بھی تمہیں بپتسمہ دینے پر معترض نہ ہوتا۔ میں نے کورٹ میرج کے لئے تمہارے پاپا کو کہنا شروع کیا۔ بار باران پر زور ڈالا۔ وہ ان دنوں بہت پریشان اور الجھے ہوئے تھے۔ بس ایک دم غصے سے بھڑک اٹھے۔ اس تمام عرصے میں، میں نے انہیں پہلی دفعہ آگ بگولا ہوتے دیکھا۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور بعد میں بھی چپ ہی سادھے رکھی۔ چنانچہ قانون کی نظر میں تم اب بھی ناجائز اولاد ہو، اور اسی لئے چرچ نے تمہیں بپتسمہ بھی نہیں دیا۔ میں نے کوئی خاص کوشش بھی نہیں کی۔ مجھے انہی حالات میں خوش رہنے کی کوشش کرنا تھی۔ مجھے کبھی کوئی شخص بیگم مے لیما نہیں کہہ کر پکارے گا۔ میری تمام زندگی، نیائے کا لقب میرے ساتھ چلے گا۔ اس کی اتنی اہمیت بھی نہ ہوتی اگر تمہارا باپ ایک قابل احترام، غیرت مند اور قابل اعتماد انسان ہوتا۔ خصوصاً اس معاشرے میں عدالتی اعتراف کی بڑی اہمیت ہے۔ میرے ذاتی مفادات اتنے اہم نہیں۔ تم دونوں کو تمہارے قانونی حقوق مل جائیں، اپنے مفادات کا میں خود خیال رکھ سکتی ہوں۔ ارے تم تو سو گئیں۔

"نہیں ماں"۔ میں نے مما سے کہا۔ میں تو اب بھی تمہارے بارے میں، ان کی زبان سے کچھ سننا چاہتی تھی۔ پھر کبھی کسی اور موقع پر، شاید وہ اتنی تفصیل سے بات نہ کر پائیں۔ چنانچہ میں انتہائی صبر سے ان کی باتیں سنتی رہی، یہاں تک کہ ان کی باتوں کا رخ ہمارے تعلق کی طرف آنے لگا۔ میں نے بات بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"سوالاً آخر آپ پاپا سے محبت کرنے لگیں"۔

"میں اس لفظ کے مفہوم سے قطعی ناآشنا ہوں۔ وہ اپنی ذمہ داریاں نبھاتے رہے، میں اپنی ذمہ داریاں پوری کرتی رہی۔ ہمارے لئے یہی کافی تھا۔ اگر وہ ہالینڈ جانے کا فیصلہ کر لیتے تو میں انہیں قطعاً نہ روکتی۔ ایک تو مجھے یہ حق ہی نہیں تھا اور دوسرے ہمارا ایک دوسرے پر کوئی زور بھی

نہیں تھا۔ وہ اپنی چیزوں کے مالک تھے، اپنی مرضی سے کچھ چھوڑ جاتے، ان کی مرضی تھی۔ میں نے اپنے تجربات سے خود کو بے پناہ طاقتور بنالیا تھا، جو بھی چیز میں نے چاہی میں نے اپنالی، خریدلی، بہرحال تھی تو میں وہی داشتہ، جسے تمہارے پاپا نے میرے والدین سے خریدا تھا۔ میری بچت کی رقم کوئی دس ہزار گلڈرز تک پہنچ گئی این"۔

"آپ اپنے گھر والوں سے ملنے، تلنگن کبھی نہیں گئیں؟"

"نہیں، وہ راستہ ہی بھلا دیا میں نے۔ ماضی کی بری یادیں ساتھ لئے پھرنے کا فائدہ۔ میرے غرور اور عزت نفس کی سبکی والے زخم ابھی تک مندمل نہیں ہوئے۔ جب مجھے اپنے فروخت ہونے کا منظر یاد آتا ہے تو میں اپنے لالچی باپ اور اس کی بے بس اور کمزور بیوی کو معاف کرنے کی ہمت ہی نہیں پاتی خود میں۔ لوگوں کو زندگی میں ایک بار ضرور ہمت اور حوصلے کے ساتھ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرنی چاہیے اور اگر ایسا نہ کر سکتے تو پھر زندگی ہی رائیگاں چلی جاتی ہے"۔

"مما آپ تو سنگدل ہیں، بہت سخت دل!"

"اگر میں اتنی سخت دل نہ ہوتی تو تمہارا کیا بنتا بیٹا؟ مجھے سنگ دل رہنے دو۔ لوگ مجھے ہی نشانہ نہ بنائیں گے نا۔ میں نے تو تقدیر سے سمجھوتا کرلیا ہے، مجھے زرخرید کنیز ہی رہنا تھا سو ٹھیک ہے۔ تم ابھی بہت کمزور ہو این! بلاوجہ کی رحم دلی قطعی نہ دکھایا کرو۔۔۔۔۔۔"

حد ہے مما تو اب بھی تمہارے تذکرے سے کترا رہی تھیں۔ لگتا ہے مما نے کبھی پاپا سے محبت کی ہی نہیں، اس لئے اس موضوع پر ان سے بات کرنا ہی فضول ہے۔ پاپا ساری زندگی، مما کے ساتھ، اجنبی کی طرح رہے، لیکن ماس، تم کیوں میرے اتنے قریب آ گئے؟ اور میں کیوں ہر وقت تمہاری قربت کی متلاشی رہتی ہوں؟

"اور پھر ایک اور آفت آن ٹوٹی این!" مما نے بات جاری رکھی۔ "ایسا زخم لگا جو شاید کبھی مندمل نہیں ہوسکتا"۔

حکومت نے تان جنگ پیراک بندرگاہ کی توسیع اور مرمت کرنے کا فیصلہ کیا۔ بندرگاہ کی

ڈیزائننگ کے کام کے لئے ہالینڈ سے ایک ٹیم بلائی گئی۔ ان دنوں ہمارا ڈیری فارم خوب پھل پھول رہا تھا۔ ہر ماہ ہماری اشیا کی مانگ بڑھتی جا رہی تھی۔ ڈچ پٹرولیم کمپنی کے سارے آرڈرز ہمارے پاس آنے لگے۔ اچانک ایک زبردست تباہی نے، کسی طوفان کی طرح، ہمیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

(مما، غالباً پانی پینے نچلی منزل میں چلی گئیں۔ کمرے میں تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس اوپری کمرے میں، کوئی ہم دونوں کی باتیں نہیں سن رہا تھا۔ لگ رہا تھا کہ مکمل سکوت طاری ہے۔ کھلے دروازے سے، بیٹھک میں لگے دیوار گیر کلاک کی ٹک ٹک کی ہلکی ہلکی آواز ساعت میں اتر رہی تھی۔ مما نے آ کر دروازہ بند کیا تو وہ آواز آنا بند ہو گئی)۔

ماہرین کی اس ٹیم میں ایک نوجوان انجینئر بھی تھا۔ میں نے پہلی دفعہ اخبار میں اس کا نام پڑھا۔ انجینئر مورٹس مے لیما۔ اس کی زندگی کا خاکہ بھی اس میں پیش کیا گیا تھا۔ وہ بڑا انجینئر تھا اور اپنے مختصر سے کیریئر ہی میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکا تھا۔

شاید یہ تمہارے بابا کے خاندان کا کوئی آدمی ہے۔ میں نے سوچا۔ میں اپنے گھرانے کی مطمئن، خوش باش اور ہنستی کھیلتی زندگی میں کسی کی بھی موجودگی بالکل پسند نہیں کرتی تھی اور نہ ہی اپنے کاروبار میں کسی کی دخل اندازی کا سوچ سکتی تھی۔ چنانچہ میں نے اخبار چھپا لیا تاکہ تمہارے پاپا کی نظر سے وہ خبر نہ گزرے۔ انہیں میں نے کہا کہ آج شاید اخبار والا اخبار دے کر ہی نہیں گیا۔ انہوں نے بھی مزید کچھ نہیں پوچھا۔

تین ماہ بعد، جب تم اور رابرٹ سکول گئے تھے، بڑی خوبصورت سی سرکاری بگھی میں سوار، ایک مہمان ہمارے ہاں آیا۔ تمہارے بابا عقبی حصے میں کام میں مصروف تھے اور میں دفتری کاموں میں الجھی ہوئی تھی۔

سرکاری بگھی گھر کے سامنے عین دروازے پر آ کر رکی۔ میں استقبال کے لئے دفتر سے باہر نکلی۔ شاید کسی سرکاری محکمے کو ہماری ڈیری کی اشیا کی ضرورت ہو۔ میں نے ایک نوجوان یورپین کو بگھی سے برآمد ہوتے دیکھا۔ وہ سفید کپڑوں میں تھا۔ بحریہ کے افسر کی وردی میں، سر پر فوجی کیپ پہنے۔ لیکن اس کے کاندھوں یا آستینوں پر اس کے عہدے کے نشانات نہیں تھے۔ وہ طویل قامت تھا۔ سینہ بھی خاصا کشادہ تھا۔ اس نے بلا جھجک دروازے پر دو تین بار دستک دی۔ اس کا چہرہ مسٹر مے لیما سے خاصا مشابہ تھا۔ اس کی قمیص میں موجود چاندی کے بٹنوں پر جہازوں کی

چمکتی تصویریں کندہ تھیں۔

الٹے سیدھے اور خاصے بدتمیزانہ انداز میں، اس نے مالے میں کچھ پوچھا۔ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ یورپین خوش اخلاقی کے سارے قصے ایک لمحے میں ہوا ہو گئے۔۔۔۔۔۔

"توآن مے لیما کہاں ہیں؟ "اس نے غیر استفہامی انداز میں پوچھا۔

" کون توآن؟ "میں نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"میں صرف توآن مے لیما سے ملنا چاہتا ہوں"۔ اس نے اور زیادہ بدتمیز اور درشت انداز اختیار کیا۔

مجھے اس وقت شدید بے بسی کا احساس ہوا کہ کیا ایک نیائے اپنے ہی گھر میں بھی اپنی عزت کرانے کا حق نہیں رکھتی۔ جیسے میں اس عظیم الشان کاروبار کی حصہ دار ہی نہیں تھی۔ شاید وہ مجھے مسٹر مے لیما کے ٹکڑوں پر پلنے والی کوئی مفت خور عورت سمجھا ہو۔ میری امداد اور تعاون کے بغیر، تمہارے پاپا، یہ سب کچھ کبھی بھی نہیں بنا سکتے تھے۔ اس مہمان کو ایسا گستاخانہ رویہ رکھنے کا کوئی حق نہیں تھا۔

میں نے اسے بیٹھنے کو نہیں کہا اور اسی طرح کھڑا چھوڑ کر چلی گئی اور کسی خادم کے ذریعے توآن کو بلوا بھیجا۔ تمہارے پاپا نے مجھے کسی کا خط پڑھنے یا غیر متعلقہ لوگوں کی بات چیت سننے کی عادت ہی نہیں ڈالی تھی۔ لیکن اس دفعہ میں بری طرح مشکوک ہو گئی تھی۔ میں نے دفتر اور ڈرائینگ روم کا درمیانی دروازہ تھوڑا سا کھلا رہنے دیا۔ میں جاننا چاہتی تھی کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟

توآن کے آنے تک وہ نوجوان اسی طرح کھڑا رہا۔ دروازے کی جھری سے میں نے دیکھا، تمہارے پاپا، حیرت سے سکتے میں آ گئے۔ پھر حواس میں آ کر بولے:"مورٹس، تم تو بہت شاندار لگ رہے ہو"۔

میں فوراً سمجھ گئی کہ یہ انجینئر مے لیما تھا۔ تان چنگ بیراک کی تعمیراتی ٹیم کا رکن۔ اس نے تمہارے پاپا سے بھی کوئی شائستہ انداز اختیار نہیں کیا۔ اس کا لہجہ خاصا گستاخانہ تھا۔ "انجینئر مورٹس مے لیما، مسٹر مے لیما!"

تمہارے پاپا اس انداز میں تصحیح کئے جانے پر حیرت سے گنگ ہو گئے۔ مہمان اب بھی وہیں کھڑا تھا۔ تمہارے پاپا نے اسے بیٹھنے کے لئے کہا کہ اس نے بات سنی ان سنی کر دی اور بدستور کھڑا رہا۔

اس کہانی کو ذرا دھیان سے سننا این، اسے بھولنا بھی نہیں۔ بات یہ نہیں کہ تمہارے پوتا پوتی بھی یہ کہانی سنیں بلکہ دراصل اس کی آمد کے ساتھ ہی تمہاری اور میری موجودہ ساری کاروباری مشکلات کا آغاز ہوا۔

نوجوان ڈچ نے کہا: ''میں یہاں اس کرسی پر بیٹھنے نہیں آیا۔ بیٹھنے سے زیادہ اہم ایک اور بات ہے۔ غور سے سنیں مسٹر مے لیما! آپ کے ہالینڈ سے چلے آنے کے بعد، میری والدہ مسز ایمیلیا مے لیما ہیمرز پر کیا کیا قیامت نہیں ٹوٹی۔ میری پرورش، تعلیم و تربیت میں انہیں کیا کچھ نہیں کرنا پڑا۔ جانے کن کن مشکلات سے گزر کر انہوں نے مجھے انجینئرنگ کرائی۔ میں اور مسز مے لیما ہیمرز آپ کی گھر واپسی کی ہر خواہش دفن کر چکے تھے۔ ہمارے نزدیک تو آپ اس طرح غائب ہوئے جیسے زمین آپ کو نگل گئی ہو۔ آپ کے متعلق، ہمیں کبھی کوئی خبر نہیں ملی''۔

دروازے کی اس جھری سے تمہارے پاپا کی ہلکی سی جھلک نظر آ رہی تھی۔ انہوں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے۔ ان کے ہونٹ بھی ہلے ضرور مگر منہ سے کوئی آواز برآمد نہیں ہوئی۔ ان کے رخساروں پر لرزش سی طاری ہوئی، ہاتھ بے اختیار نیچے گر پڑے۔ این، انجینئر مے لیما کچھ اس طرح بولا: ''آپ اپنے پیچھے یہ افسانہ بھی چھوڑ آئے کہ آپ کی بیوی بے وفا تھی۔ میں ان کا بیٹا ہونے کے ناتے، اس بے عزتی کو کبھی نہیں بھلا سکتا۔ آپ اس معاملے کو کبھی عدالت میں نہیں لے گئے۔ میری ماں کو آپ نے کبھی اپنے دفاع کا موقع نہیں دیا۔ پتہ نہیں آپ نے یہ گندے اور غلیظ الزامات کس کس کے سامنے دہرائے ہوں گے۔ یہ اتفاق ہے کہ میں بھی اس وقت سرابیا میں اپنی سروس کے سلسلے میں موجود ہوں اور اتفاقاً ہی نیلامی کے اخبارات میں، میں نے بورڈرج بتین سورگ کی ڈیری اشیا کے اشتہارات دیکھے، جن کے نیچے آپ کا نام درج تھا۔ میں نے ایک سراغ رساں کی مدد سے آپ کا اتہ پتہ معلوم کرایا۔ جی ہاں ایچ مے لیما دراصل ہرمن مے لیما تھا، میری والدہ کے شوہر، میری والدہ بھی دوبارہ شادی کر کے زندگی کی خوشیاں حاصل کر سکتی تھیں مگر آپ نے معاملہ بیچ میں لٹکا کر رکھ دیا''۔

''وہ کسی بھی وقت عدالت میں جا کر طلاق کا مطالبہ کر سکتی تھی''۔ تمہارے پاپا کے لہجے میں بڑی کمزوری تھی۔ وہ اپنے ہی بیٹے کے وحشیانہ انداز سے سخت خوف زدہ تھے۔

''الزام تو آپ نے لگایا تھا، مسز مے لیما طلاق کے لئے عدالت میں کیوں جاتیں؟ اگر آپ کو میری ماں کی بے وفائی کا پورا یقین تھا تو آپ کو عدالت میں جانا چاہیے تھا۔ جناب! آپ

کیوں نہیں عدالت میں طلاق کے کاغذات جمع کرا دیتے؟"

"اگر میں اپنے الزامات کے ساتھ عدالت میں چلا جاتا تو وہ ہالینڈ میں موجود میرے ڈیری کے سارے کاروبار سے محروم ہو جاتی"۔

"ہمیں یہ اگر اور لیکن جیسے الفاظ نہیں چاہئیں۔ مسٹر مے لیما۔ حقیقت یہی ہے کہ آپ کہیں عدالت میں نہیں لے گئے۔ مسز مے لیما ہیمرز آپ کی انہی۔۔۔۔۔۔ اگر اور لیکن۔۔۔۔۔۔ کا بدترین نشانہ بن گئیں"۔

"اگر تمہاری ماں کو ان معاملات بلکہ سکینڈل کے عام ہو جانے پر کوئی اعتراض نہ ہوتا تو میں بہت پہلے یہ سب کچھ کر چکا ہوتا۔ مجھے تمہارے کسی مشورے یا نصیحت کی ہرگز ضرورت نہیں تھی"۔

"اس وقت میری ماں کسی وکیل کی خدمات حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ ہاں البتہ اب اس کا بیٹا، مہنگا ترین وکیل بھی کر سکتا ہے۔ کیس عدالت میں لے جائیں۔ آپ بھی اچھے سے اچھے وکیل کر سکتے ہیں، پیسہ تو آپ کے لئے بھی کوئی مسئلہ نہیں۔

اف اللہ !این۔ وہ انجینئر مے لیما کوئی اور نہیں، تمہارے پاپا کی قانونی بیوی کی واحد جائز اولاد تھا۔ وہ شاید ہماری زندگی کو تباہ و برباد کرنے کے لئے ہی یہاں آیا تھا۔ میں یہ سب سن کر لرز کر رہ گئی۔ ساسترو ڈومو اور اس کی بیوی کو میں نے اپنے بچوں کے قریب تک نہیں پھٹکنے دیا۔ پائمان یا مسٹر مے لیما کے رویئے میں کوئی بھی تبدیلی۔۔۔۔۔۔ اگر رونما ہوتی بھی تو۔۔۔۔۔۔ ہمارے لئے غیر اہم ہوتی۔ گھریلو معاملات اور کاروبار سب اسی طرح چلتے رہے۔ لیکن اب تمہارے سوتیلے بھائی کی آمد، ایک طوفان کا پیش خیمہ لگ رہی تھی۔ وہ زندگیوں میں ہلچل مچانے نہیں، بلکہ ہماری زندگی سمیت، ہر شے کو تباہ و برباد کرنا چاہتا تھا۔

میں نے اس وقت گفتگو میں کوئی مداخلت نہیں کی۔ دماغ خاصا گرم ہو گیا تو میں باہر کھلی فضا میں چلی آئی۔ ظاہر ہے مجھے تو آن کی مدد کرنا تھی۔ "سراغ رساں کی مدد سے مجھے بڑی اہم معلومات حاصل ہوئیں"۔ وہ میری موجودگی کو نظر انداز کرتے ہوئے بولتا رہا۔ "مجھے پتہ ہے کہ اس گھر کے کمروں میں کیا کیا چیزیں ہیں، کتنے کارکن ہیں یہاں۔ مویشیوں کی کیا تعداد ہے؟ کتنے ٹن چاول اور دوسری اجناس کی پیداوار یہاں ہوتی ہے؟ آپ کی سالانہ آمدنی کیا ہے؟ بینک اکاؤنٹ میں کیا رقم موجود ہے؟ اور ان سب سے کمال کی چیز آپ کے رہن سہن کا سٹائل ہے۔

مسٹر مے لیما ! آپ نے میری والدہ پر بے وفائی کا الزام لگایا تھا۔لیکن حقیقت کیا ہے؟ قانونی طور پر، آپ اب بھی میری والدہ کے شوہر ہیں۔لیکن آپ نے ہر حد عبور کر کے، ایک مقامی عورت کو، ایک دو روز کے لئے نہیں بلکہ سالوں تک اپنے بستر کی زینت بنائے رکھا۔رات دن اس کے ساتھ رہے اور بغیر کسی جائز اور قانونی بندھن کے ! دو ناجائز بچوں کی پیدائش کے ذمہ دار بھی آپ ہیں!

یہ الفاظ سنتے ہی میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔اس کے نزدیک میری اہمیت جلانے والی لکڑی سے بھی کم تھی۔میری تمام محنت مشقت، جسمانی اور ذہنی جدوجہد، اپنے گھر کی محبت سے تعمیر، سبھی کچھ وہ خاک میں ملائے جا رہا تھا۔میں نے آہستگی سے اس کی جانب قدم بڑھائے۔انتہائی طیش میں، میرا جی چاہا، اس کا منہ توڑ ڈالوں۔

"اس قسم کی باتیں مے لیما ہمیر زا اور اس کے بیٹے گھر میں ہی کی جائیں تو بہتر ہوگا"۔میں نے غصہ ضبط کرتے ہوئے ڈچ میں کہا۔وہ شاید میری جانب دیکھنے کا بھی روادار نہیں تھا۔اس کے نزدیک میری اہمیت پر کاہ کی سی تھی۔وہ یہ سمجھتا تھا کہ میں اور تمہارے پاپا گناہ آلود زندگی بسر کر رہے ہیں۔شاید یہ کہنا اس کا اور دنیا والوں کا حق ہو!

کتنی عجیب بات ہے کہ میں نے اور تمہارے پاپا نے ایمیلیا نامی عورت کو اور اس کے بیٹے کو دھوکا دیا تھا حالانکہ میں تو ان کے وجود سے ہی ناواقف تھی۔۔۔۔۔کیا غلیظ اور بے ہودہ قانون ہے !اور یہ سب باتیں اس گھر میں کی جا رہی تھیں، جسے ہم نے دن رات خون پسینہ ایک کر کے، شدید مشقت کے بعد بنایا تھا۔۔۔۔۔

"تمہیں میرے گھر میں ایسی باتیں کرنے کا قطعی کوئی حق نہیں"۔میں نے ڈچ میں غراتے ہوئے کہا۔

"نیائے، میں آپ سے کوئی بات نہیں کر رہا"۔اس نے مالے میں جواب دیا۔اس کا انداز حسب سابق بہت کھردرا اور درشت تھا۔وہ میری جانب دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

"یہ میرا گھر ہے، تم باہر گلی میں جا کر جس طرح کی باتیں چاہے کرو لیکن یہاں نہیں"۔میں نے تمہارے والد سے وہاں سے اٹھنے کے لئے کہا مگر وہ میرا اشارہ نہیں سمجھے۔اس خبیث نے مجھ سے کوئی بات کرنا گوارا ہی نہیں کی۔۔۔۔۔تمہارے پاپا ہوش و حواس سے بیگانہ، اپنا منہ کھولے کھڑے رہے۔وہ کیا کہنا چاہتا تھا، یہ پردہ جا کر اب اٹھا۔

''مسٹر مے لیما !''وہ دوبارہ ڈچ میں بولنے لگا۔ مجھے وہ مسلسل نظرانداز کر رہا تھا۔''اگر آپ نے اس نیائے سے، اپنی رکھیل سے قانونی طور پر شادی بھی کر لی ہو، تب بھی وہ مسیحی تو نہیں۔ وہ کافر ہے اور اگر وہ عیسائی ہوتی تو بھی آپ ایمیلیا ہیمرز سے کہیں زیادہ گناہ گار ٹھہرتے ہیں۔ وہ تمام الزامات جو آپ نے میری والدہ پر لگائے، اس گناہ کے آگے ہیچ ہیں۔ آپ نے تو خونی گناہ کیا ہے جناب؟ یورپی مسیحی خون کو رنگ دار مقامی اور کافر خون میں ملا ڈالنے کا گناہ کیا ہے۔ یہ گناہ ناقابل تلافی ہے مسٹر مے لیما!''

''چلے جاؤ یہاں سے''۔ میں نے شدید طیش میں کہا۔ وہ مجھے اب بھی نظرانداز کئے ہوئے تھا۔ ''لوگوں کے گھروں میں آگ لگاتے پھر رہے ہو۔ تم خود کو انجینئر کہتے ہو اور بات کرنے کا سلیقہ تک نہیں تمہیں''۔

وہ میری جانب بالکل متوجہ نہیں ہوا۔ میں ایک قدم آگے بڑھی تو وہ تھوڑا سا پیچھے ہٹ گیا، مقامی لوگوں کے خلاف اظہار نفرت کا یہ بھی ایک انداز تھا۔

''مسٹر مے لیما، سمجھ آ گئی آپ کو، آپ کی کیا حیثیت ہے''۔ وہ ایک دم واپسی کے لئے مڑا اور سامنے کا زینہ اترتا ہوا باہر نکل گیا۔ اپنے عقب کی جانب دیکھے بغیر، وہ بگھی میں سوار ہوا اور چل دیا۔

تمہارے پاپا شدید تحیر کے عالم میں فرش پر دم بخود کھڑے تھے۔

''تو یہ ہے آپ کی قانونی بیوی کا بیٹا''۔ میں بری طرح تو آن پر برس پڑی۔ ''یہ ہے وہ یورپی تہذیب جس کی تعریف آپ برسوں میرے سامنے کرتے رہے اور مجھے سکھاتے رہے؟ آپ تو رات دن اس ماحول کو جنت نظیر بتایا کرتے تھے؟ لوگوں کی گھریلو زندگی کی چھان بین کرنا، گھر میں گھس کر، گھر والوں کی بے عزتی کرنا اور انہیں بلیک میل کرنے کی کوشش کرنا؟ بلیک میل؟ ہاں یہ بلیک میل کرنا ہی تو ہوا۔ کوئی اور کسی کے ذاتی معاملات میں اس طرح دخل اندازی کیوں نہیں کرتا؟''

این، تمہارے پاپا میری چیخ و پکار سن ہی نہیں رہے تھے۔ ان کی ساکت نظریں، بغیر پلکیں جھپکائے، مرکزی سڑک کی جانب مرکوز تھیں۔ میں روتی پیٹتی رہی مگر وہ شاید کچھ بھی نہیں سن پا رہے تھے۔ کچھ خادم بھاگے بھاگے آئے۔ وہ جاننا چاہ رہے تھے کہ کیا واقعہ ہو گیا۔ مجھے تو آن پر آگ بگولا ہوتے دیکھ کر وہ سب فوراً ہی ادھر ادھر ہو گئے۔

میں نے شدید غصے میں تو آن کے سینے پر مکے مارے مگر وہ بے حس وحرکت کھڑے تھے، جیسے انہیں کوئی چوٹ لگ ہی نہ رہی ہو۔ لیکن میرے دل میں تو شدید گھاؤ لگ چکا تھا۔ میں درد سے بلبلا رہی تھی۔ پتہ نہیں وہ کیا سوچ رہے تھے؟ شاید انہیں اپنی بیوی یاد آ رہی ہو۔ میرا دل کس بری طرح زخمی ہوا تھا اور انہیں میرے زخم کی پروا بھی نہیں تھی۔ ایک طوفان تھا جو میرے سینے سے نکلنا چاہتا تھا۔ انہیں نوچتے کھسوٹتے میں تھک گئی تو زور سے رونے لگی اور اسی حالت میں، اپنے ہوش وحواس سے بیگانہ، پرانے کپڑوں کے ڈھیر کی طرح کرسی پر گر پڑی۔ میں نے اپنا چہرہ میز پر ٹکا لیا۔ پورا چہرہ آنسوؤں سے شرابور تھا۔

اس نیائے کی بے عزتی کا یہ سلسلہ آخر کبھی ختم بھی ہوگا؟ کیا ہر شخص کو کھلی چھٹی ہے کہ جب چاہے اس کے زخموں پر نمک چھڑکنا شروع کر دے؟ کیا میں اپنے مرحوم ماں باپ کو لعنتی سمجھوں جنہوں نے مجھے نیائے بنانے کے لئے بیچ ڈالا تھا؟

میں انہیں کبھی لعنت ملامت نہیں کر سکی۔ این، کیا وہ پڑھا لکھا انجینئر یہ نہیں سمجھتا کہ اس نے میری ہی نہیں، میرے بچوں کی بھی بے عزتی کی ہے؟ کیا میرے بچے کچرا گھر ہیں کہ جو چاہے ان پر گند اچھالتا چلا جائے؟ اور یہ میرے آقا، اتنے دراز قد اور تنومند اور جسیم ہونے کے باوجود، اپنی زندگی کی ساتھی کے دفاع میں کچھ بھی نہیں کہہ سکے، جوان کے بچوں کی ماں بھی ہے؟ اس قسم کے آدمی کے ہونے کا بھلا کیا فائدہ؟ وہ میرا مربی اور استاد ہی نہیں، میرے بچوں کا باپ بھی ہے۔ اف خدایا! اس کے علم اور بڑائی کا کیا حاصل؟ تمام مقامی اس یورپین شخص کا احترام کرتے ہیں مگر کیوں؟ وہ میرا آقا بھی ہے اور میرا استاد بھی لیکن میرے لئے تو سب لاحاصل ہی ٹھہرا نا؟ میرے اللہ! کیا کہوں؟ وہ شخص تو خود اپنے دفاع میں بھی کچھ نہیں کہہ سکا؟

بس اس روز سے، این، میرے دل سے اس شخص کا احترام ختم ہوگیا۔ عزت نفس اور اعلی مقام کی تصوراتی تربیت نے میرے اندر ایک سلطنت تشکیل دے ڈالی تھی۔ لیکن یہ شخص بھی ساستر وٹومو اور اس کی جاہل بیوی کی طرح کا ہی آدمی نکلا۔ اگر وہ اتنے چھوٹے سے امتحان میں بھی پورا نہیں اتر سکا تو بہتر ہے کہ میں اپنے بچوں کی تمام تر ذمہ داری خود ہی اٹھاؤں، میں تنہا یہ سب معاملات زیادہ بہتر طریقے سے نمٹا سکتی ہوں۔ مجھے ایسا زبردست زخم لگا ہے این کہ میں ساری زندگی اسے فراموش نہیں کر پاؤں گی۔

میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو اس شخص کو بالکل اسی طرح، پلکیں جھپکائے بغیر، بے وقوفانہ

طریقے سے، بدستور مرکزی سڑک کی طرف تکتے پایا۔ وہ اپنی زندگی کی ساتھی اور سب سے بڑی معاون، خود میری جانب ذرا بھی متوجہ نہیں ہوا، حیرت ہے نا، دیکھا بھی نہیں میری جانب ! وہ ہلکا سا کھانستا، بہت آہستگی سے قدم آگے بڑھایا۔ پھر نہایت نیچی آواز میں بولا، خوف اس کے لہجے سے عیاں تھا، جیسے کہیں شیطانی خبیث روحیں اس کی بات نہ سن لیں۔ "مورٹس !مورٹس!"

وہ سیڑھیوں سے نیچے اترے، سامنے کا برآمدہ عبور کر کے، سڑک پر جا پہنچے پھر دائیں طرف مڑ کر سرابیا کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ کسانوں کے عام سے لباس میں تھے اور بوٹ کے بجائے چپل پہنے ہوئے تھے۔

اس دن تمہارے پاپا گھر نہیں لوٹے۔ میں نے بھی پروا نہیں کی۔ میں تو اپنے ہی دکھوں میں الجھی بیٹھی تھی۔ رات بھی گزر گئی۔ اگلے دن بھی، ان کی واپسی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ تین دن اور تین راتیں بیت گئیں۔ میں روتی رہی، بلاوجہ اپنے آنسوؤں سے اپنے سرہانے کو تر کرتی رہی۔

ڈارسم نے سارے کام سنبھال رکھے تھے۔ تیسرے دن اس نے دروازہ پر دستک دینے کا حوصلہ کیا اور این، یہ تمہیں تو تھیں جو دروازہ کھول کر اسے اوپر لے آئی تھیں۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی، اس میں اتنی جرئات ہو گی۔ میرے دکھ اور زخم گویا انگارے بن گئے۔ "تم نے یہاں آنے کی جرئات کی کیسے؟ " پھر مجھے خیال آیا شاید کوئی بہت ہی اہم ضرورت، شاید میرے دکھوں سے بھی زیادہ اہم، اسے یہاں لے آئی ہو۔ دروازہ لاک نہیں تھا۔ وہ تو دراصل تم نے کھولا تھا۔ اب تو تمہیں یہ بات یاد بھی نہ ہو۔ اس دن، وہ پہلی اور آخری دفعہ اوپر آیا تھا۔

ڈارسم یوں مخاطب ہوا: "نیائے، لکھنے پڑھنے کے کام کے سوا، سبھی امور میں نے انجام دے ڈالے ہیں"۔ وہ مادوری میں بول رہا تھا۔ میں چپ رہی۔ کاروبار اس وقت میری سوچوں میں بھلا کہاں تھا۔ میں تو اپنے سرہانے میں منہ چھپائے، بستر پر لیٹی تھی۔ "آپ بالکل بے فکر رہیں نیائے۔ ہر چیز صحیح چل رہی ہے۔ آپ ڈارسم پر مکمل اعتماد کر سکتی ہیں"۔

بعد میں یہ ثابت بھی ہو گیا کہ وہ انتہائی قابل اعتماد آدمی ہے۔

چوتھے دن میں گھر سے باہر نکلی۔ تمہیں سکول سے ساتھ لیا۔ ہمارا یہ کاروبار، ہماری شبانہ روز محنت کا ثمر، کسی بھی صورت ضائع نہیں ہونا چاہیے۔ اسی پر تو ہماری سب کی زندگیوں کا، ہماری خوشیوں کا انحصار تھا۔ این، یہ میرا سب سے بڑا اور پہلا بچہ تھا، تمہارا سب سے بڑا بھائی، ہاں، یہ کاروبار!

اپنی کہانی ختم کر لینے کے بعد، مما پھر بری طرح رونے لگیں۔ انہیں اپنی بے عزتی کا درد پھر سے تڑپا رہا تھا اور بے عزتی بھی ایسی کہ جس کا نہ کوئی جواب دیا جا سکتا تھا اور نہ ہی انتقام لیا جا سکتا تھا۔ دکھ کی شدت کم ہوئی تو وہ دوبارہ بولنے لگیں: "تم خود بھی جانتی ہو، پندرہ کے قریب کارکن تھے، جنہیں میں نے نوکری سے نکال دیا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے تھوڑے سے پیسوں کے لئے مورٹس کے لئے جاسوسی کی تھی۔ شاید وہ پیسے انہیں ملے بھی نہیں۔ ہاں این، میں تم سے بھی معذرت کی طلب گار ہوں۔ میں نے اور تمہارے پاپا نے تمہیں یورپ کے کسی سکول میں بھیجنے کا طے کیا تھا تا کہ تم وہاں پڑھ کر ایک اچھی استاد بن سکو۔ میرا خیال ہے، تمہیں سکول سے اٹھا لینا، میرا بہت بڑا گناہ تھا۔ اتنی سی کم عمری میں تم پر کام کا بے پناہ بوجھ لاد دیا۔ ہر روز کام اور صرف کام ! نہ کوئی چھٹی، نہ کوئی ساتھی اور دوست کیونکہ کاروباری مفاد میں یہی بہتر تھا کہ کوئی تمہارا دوست نہ ہو۔ میں نے تمہیں ایک اچھا آجر یقیناً بنا دیا ہے اور آجر اپنے کارکنوں کے دوست نہیں بنا کرتے۔ ان میں سے کسی کو بھی تم پر اثر انداز نہیں ہونا چاہیے۔ اور ہو بھی کیا سکتا تھا، این؟

انجینئر ریما کی آمد اپنے جلو میں تبدیلیوں کا ایک زبردست ریلا لائی۔ تمہارے پاپا کے بارے میں مجھے کسی نے نہیں بتایا، پھر بھی میں ان کا ٹھکانا جانتی تھی۔ وہ ساتویں دن لوٹے۔ حیرت یہ تھی کہ وہ صاف ستھرا لباس اور نئے جوتے پہنے ہوئے تھے۔ شام ہو رہی تھی۔ دن کے سارے کام کاج سے فارغ ہو کر مما، میں اور رابرٹ گھر کے سامنے بیٹھے تھے کہ پاپا لوٹ آئے۔ "ان سے بات نہ کرو اور نہ ہی ان کا خیر مقدم کرو"۔ مما نے حکم دیا۔

پاپا قریب آئے تو ان کا کلین شیو مگر زرد چہرہ واضح نظر آنے لگا۔ درمیان سے انہوں نے کنگھی کی ہوئی تھی۔ بالوں کے تیل کی خوشبو ہمیں بہت عجیب لگی۔ وہ پہلے کبھی تیل استعمال نہیں کرتے تھے اور قریب آئے تو منہ سے شراب کا بھبکا بھی محسوس ہوا۔ ہمارے پاس سے گزرتے ہوئے، بات کرنا تو دور کی بات ہے، انہوں نے ہماری جانب دیکھا تک نہیں۔ وہ اوپری منزل میں جا کر غائب ہو گئے۔ اچانک رابرٹ اٹھ کھڑا ہوا۔ مما کو گھورتے ہوئے وہ غصے سے بولا:

"میرے پاپا کوئی مقامی نہیں ہیں !" وہ پاپا کو پکارتا ہوا ان کے پیچھے چلا گیا۔ ہم دونوں

ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ مما نے آہستگی سے کہا۔ "تم چاہو تو تم بھی اپنے بھائی کی طرح جا سکتی ہو"۔

"نہیں ماں"۔ میں نے کہا اور جذباتی ہو کر ان کے گلے سے لپٹ گئی"۔ میں صرف مما کی پیروی کروں گی۔ میں بھی آپ کی طرح مقامی ہوں"۔

"توماس، یہ ہے صحیح اور سچی صورت حال۔ مجھے نہیں پتہ کہ تم بھی رابرٹ اور میرے سوتیلے بھائی مورلس مے لیما کی طرح ہمیں قصوروار سمجھ رہے ہو گے یا نہیں"۔

پاپا نہ جانے گھر میں کیا کچھ کرتے رہے۔ ہم بہرحال لاعلم تھے۔ اوپر اور نیچے کے سارے کمرے ہی بند تھے۔ کوئی پندرہ منٹ بعد وہ دوبارہ باہر نکلے۔ اب انہوں نے مجھے اور مما کو نظر بھر کر دیکھا۔ میری خیریت پوچھی۔ رابرٹ ان کے پیچھے تھا۔ پاپا ایک بار پھر برآمدے سے باہر نکلے، سڑک کی طرف گئے اور پھر کسی جانب غائب ہو گئے۔

رابرٹ غم زدہ چہرہ لئے گھر واپس آ گیا۔ شاید اسے دکھ ہوا کہ پاپا نے اسے سرے سے نظر انداز کر دیا تھا۔ پانچ سال پہلے یہ واقعہ ہوا تھا۔ اس کے بعد شاید ہی میں نے کبھی کبھار پاپا کو دیکھا ہو گا۔ وہ کچھ کہے سنے بغیر، گھر میں آ جاتے ہیں اور پھر اسی طرح، بغیر کچھ کہے، اچانک غائب ہو جاتے ہیں۔ مما نے تو گویا ان سے ناتا ہی توڑ لیا۔ مما نے مجھے بھی ان کا کوئی بھی کام کرنے سے صاف منع کر دیا۔ بلکہ انہوں نے تو ان کا ذکر کرنے تک سے روک دیا۔ مما کے حکم سے ڈارسم نے پاپا کی ساری تصویریں دیوار سے اتار دیں اور گھریلو خادماؤں اور کارکنوں کے سامنے ان سب کو نذر آتش کر دیا گیا۔ شاید اس طرح مما اپنے جذبہ انتقام کو تسکین دے رہی تھیں۔

ابتدا میں رابرٹ خاموش رہا، لیکن تصویروں کے جلائے جانے پر اس نے احتجاج کیا۔ وہ بھاگتا ہوا گھر میں گیا وہاں سے مما کی تصویریں اٹھائیں اور انہیں کچن میں جلانے لگا۔

"وہ اپنے باپ کے ساتھ جا سکتا ہے"۔ مما نے ڈارسم سے کہا۔ ڈارسم نے یہ حکم، اس اضافے کے ساتھ، رابرٹ کو سنا دیا۔ "نیائے یانونی کو ستانے والا کوئی بھی شخص چاہے وہ تم ہی کیوں نہ ہو، بلا جھجک میرے خنجر کا نشانہ بننے کے لئے تیار رہے۔ سینو، تم چاہو تو مجھے آج، کل یا کبھی بھی آزما کر دیکھ لو اور اگر سینو نے تو آن کو تلاش کرنے کی کوشش کی تو۔۔۔۔۔۔"

اس واقعے کے دو ماہ بعد، رابرٹ نے ای۔ ایل۔ ایس سے اپنی تعلیم مکمل کر لی۔ اس نے مما کو اس کی رپورٹ نہیں دی اور مما نے بھی اس کی پروا نہیں کی۔ وہ ادھر ادھر بھٹکتا رہتا ہے۔ اس

دن سے مما اور اس کے درمیان ایک خاموش جنگ جاری ہے۔ پانچ سال گزر گئے اس بات کو۔

شروع میں، رابرٹ کے جو بھی چیز ہاتھ لگ جاتی۔ وہ لے جا کر اسے بیچ ڈالتا۔ گودام، کچن، گھر، دفتر، سبھی جگہیں اس کی پہنچ میں تھیں۔ مما نے پہلے تو رابرٹ کا حکم ماننے والے، ہر نوکر کو نکال باہر کیا اور پھر رابرٹ کی آمد و رفت بھی صرف اس کے کمرے اور کھانے کے کمرے تک محدود کر دی۔ پانچ سال گزر گئے، ماس، پانچ سال۔ اس عرصے میں صرف دو مہمان ہمارے ہاں آئے ایک رابرٹ میرے بھائی کا مہمان اور دوسرا منگی، میرے اور مما کے لئے۔ جی ہاں ماس، صرف آپ اور کوئی دوسرا شخص نہیں۔۔۔۔۔۔"

باب 6

دونو کرمو کے اس عالیشان بنگلے میں، میں کوئی پانچ دن رہا۔ رابرٹ مے لیمانے بھی مجھے اپنے کمرے میں مدعو کیا۔ میں وہاں داخل ہوتے ہوئے خاصا محتاط تھا۔ اس کے کمرے میں، میرے کمرے کی نسبت کہیں زیادہ فرنیچر تھا۔ اندر ایک میز بھی موجود تھی، جس کے اوپری حصے پر شیشہ رکھا ہوا تھا۔ اس کے نیچے، برطانوی پرچم بردار بحری جہاز" کاری بو " کی بڑی سی تصویر رکھی تھی۔

اس کا رویہ دوستانہ لگا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ سرخی اور وحشت البتہ محسوس ہوئی۔ وہ صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے تھا اور کوئی سستی سی پرفیوم بھی لگائے ہوئے تھا۔ بال بھی بنے سنورے لگ رہے تھے۔ وہ خاصا دلکش نوجوان تھا۔ دراز قد، مستعد اور پھرتیلا، تندرست وتوانا اور خوش مزاج، اپنے خیالات میں ڈوبا رہنے والا۔ صرف اس کی براؤن پتھریلی آنکھیں، چبھتی ہوئی نگاہیں اور اس کے سکڑے ہوئے ہونٹ، مجھے محتاط رہنے پر مجبور کر رہے تھے۔ کمرے میں صرف ہم دونوں موجود تھے مگر پھر بھی عجیب سی بے سکونی محسوس ہو رہی تھی۔

" منکی !" اس نے بات شروع کی۔ " لگتا ہے، تمہیں یہاں رہنا پسند ہے؟ تم رابرٹ سرہوف کے سکول کے دوست ہو، ٹھیک ہے نا؟ ایچ بی ایس میں، ایک ہی کلاس میں؟ " میں نے اشتباہی انداز میں سر ہلا دیا۔

ہم آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

" مجھے بھی ایچ بی ایس جانا چاہیے تھا، میں اب تک گریجویشن کر چکا ہوتا"۔

" تم گئے کیوں نہیں؟"

" یہ مما کی ذمہ داری تھی اور انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی"۔

"افسوس ہوا۔تم نے غالباً اپنی خواہش کا اظہار ہی نہیں کیا ہوگا، ان کے سامنے"۔

"پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ ان کی ذمہ داری تھی"۔

"شاید وہ سمجھی ہوں کہ تم آگے پڑھنا ہی نہیں چاہتے"۔

"مقدر کے متعلق الٹی سیدھی باتیں فرض کر لینے کا کیا فائدہ؟ میری حالت یہ ہے کہ تم نے، منکی، ایک مقامی نے مجھ پر فوقیت حاصل کر لی ہے۔ ایچ بی ایس کے ایک طالب علم، بھلا سکول کی بات کا یہ موقع محل کیا ہے؟ "وہ لمحہ بھر چپ رہا۔ اپنی چاکلیٹی پتھریلی آنکھوں سے میرا جائزہ لیتا رہا۔"میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم یہاں کیوں رہ رہے ہو؟ لگتا ہے تمہیں خود بھی یہاں رہنا پسند ہے؟ شاید انالیز کی وجہ سے؟"

"ہاں، راب، چونکہ تمہاری بہن یہاں ہے اور اس لئے بھی کہ مجھے یہاں مدعو کیا گیا ہے"۔

میں نے اس کے چہرے پر نگاہیں گاڑیں تو وہ کھنکار کر رہ گیا۔

"تمہیں غالباً اس پر اعتراض ہے؟ "میں نے پوچھا۔

"میری بہن تمہیں پسند ہے؟ "اس نے الٹا مجھی سے سوال کر ڈالا۔

"ہاں"۔

"افسوس کی بات یہ ہے کہ تم صرف مقامی ہو"۔

"مقامی ہونا کوئی جرم ہے کیا؟"

وہ لمحے بھر کو رکا، شاید وہ مناسب الفاظ تلاش کر رہا تھا۔ اس کی نگاہیں کھڑکی سے باہر بھٹکنے لگیں۔ مجھے اس کے کمرے کو ذرا نظر بھر کر دیکھنے کا موقع مل گیا۔ اس کے بستر پر مچھر دانی نہیں تھی۔ فرش پر مچھر بھگانے والی کوائل کے باقیات ایک بوتل کے اوپر لگے، البتہ نظر آ رہے تھے۔ بوتل کے ارد گرد راکھ بکھری ہوئی تھی۔ کمرے کی ابھی تک صفائی بھی نہیں ہوئی تھی۔

اس کی آواز کانوں سے ٹکرائی تو میں نے کمرے کا جائزہ لینا چھوڑ دیا اور اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"یہ گھر مجھے بہت پر سکوت اور خاموش لگتا ہے"۔ اس نے کہا۔" تمہیں شطرنج کھیلنے سے دلچسپی ہے؟"

"نہیں، راب !بد قسمتی سے مجھے شطرنج سے کوئی دلچسپی نہیں"۔

"ہاں، دکھ کی بات ہے۔ شکار کھیل لیتے ہو؟ چلو شکار کھیلنے چلتے ہیں"۔

"میں معذرت خواہ ہوں راب ! لیکن مجھے پڑھائی کے لئے بھی وقت چاہیے۔ سچ تو یہ ہے کہ شکار کھیلنا مجھے بھی پسند ہے۔ پھر کسی وقت چلیں گے"۔

"چلو، پھر کبھی سہی"۔ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ مجھے ان نظروں میں دھمکی محسوس ہوئی۔ اس نے اپنے کولہوں پر ہاتھ ٹکاتے ہوئے کہا۔ "اس وقت سیر کرنے کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"مجھے پڑھنا ہے راب، اس لئے معذرت"۔

کچھ دیر ہم دونوں خاموش رہے۔ پھر وہ اٹھا اور دروازے کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ باتوں کے دوران، میں کمرے کا مکمل جائزہ لے چکا تھا اور ہر لمحہ میں چوکنا رہ کر، کسی بھی صورت حال کے مقابلے کے لئے تیار تھا۔ کھڑکیاں میری توجہ کا مرکز تھیں۔ حملے کی صورت میں، بھاگنے کا بہترین راستہ وہی تھا۔ وہاں سے چھلانگ لگائی جا سکتی تھی۔ باہر کی سمت ایک کیاری تھی مگر اس میں پھول یا پودے، ابھی نہیں لگائے گئے تھے۔

رابرٹ کے ساتھ والی خالی کرسی پر، فولڈ شدہ رسالہ پڑا تھا۔ شاید میز یا الماری کو سیدھا رکھنے کی ٹیک کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ "تمہارے پاس پڑھنے کے لئے کچھ نہیں ہے؟ "میں نے پوچھا۔ وہ دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ایک بے آواز قہقہ لگایا، اس کے سفید دانت موتی کی طرح چمک رہے تھے۔

"پڑھنے سے تمہاری مراد، اس قسم کا اخبار یا رسالہ ہے؟ "اس کی نظریں اسی مڑے ہوئے رسالے پر جا ٹکیں۔

"میں اسے ذرا دیکھنا چاہوں گا"۔ اس نے رسالہ اٹھایا اور میری طرف بڑھا دیا۔ اس دوران میں عجیب بے یقینی کا شکار رہا کہ کہیں وہ کوئی شرارت نہ کر بیٹھے۔ اس کی نظریں میرے دل میں چبھ رہی تھیں۔ میں کانپ کر رہ گیا، وہ رسالہ ہی تھا۔ اس کا سرورق پھٹا ہوا تھا، پھر بھی اس کا نام دیکھ سکتا تھا۔۔۔۔۔۔ انڈی۔۔۔۔۔۔" کاہل اور سست لوگوں کا رسالہ ہے یہ "اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "لے جاؤ، اگر پڑھنا چاہو تو"۔

کاغذ اور سیاہی کی حالت سے پتہ چل رہا تھا کہ رسالہ بالکل نیا ہے۔ "ایچ بی ایس سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد، تم کیا کرنا چاہتے ہو؟ "اس نے اچانک سوال کیا۔ "سر ہوف کا کہنا ہے

کہ تم بوپاتی بنو گے"۔

"یہ درست نہیں، میں سرکاری افسر نہیں بننا چاہتا۔ میں اسی طرح آزاد رہنا چاہتا ہوں اور پھر۔۔۔۔۔۔ مجھے بوپاتی بنائے گا کون؟ اور تم کیا کرو گے راب؟ "میں نے بھی جواباً سوال داغ دیا۔

"مجھے یہ گھر پسند نہیں اور نہ ہی یہ ملک مجھے اچھا لگتا ہے۔ بہت گرم ہے۔ برف باری اچھی لگتی ہے مجھے۔ یہ علاقہ تو بہت ہی گرم ہے۔ میں اپنے وطن یورپ چلا جاؤں گا۔ سمندری راستے سے، پوری دنیا کا سفر کروں گا۔ پہلے بحری جہاز میں سوار ہوتے ہی، میں اپنے سینے اور بازوؤں پر نشانات گدوالوں گا"۔

"شاندار خیال ہے۔ میں بھی دوسرے ملکوں کی سیر تفریح کرنا چاہوں گا"۔ میں نے کہا۔

"بالکل ٹھیک۔ ہم دونوں دنیا کے گرد بحری سفر کریں گے۔ تم اور میں دونوں ہم ایک پلان بنائیں گے منکی۔ ہا !افسوس یہ ہے کہ تم مقامی ہو۔ بحری جہاز کی یہ تصویر دیکھو۔ کسی دوست نے دی تھی مجھے"۔

وہ جوش میں آ کر کہنے لگا"وہ کاری بو کا جہاز ران تھا۔ اتفاقاً ہی تان جنگ پیراک میں، اس سے ملاقات ہوگئی۔ بہت باتیں ہوئیں۔ خاص طور سے کینیڈا کی۔ میں تو اس کے ساتھ جانے کو تیار تھا، وہ نہیں مانا۔ کہنے لگا:"تم جہاز ران کیوں بننا چاہتے ہو؟ تم ایک امیر باپ کے بیٹے ہو۔ آرام سے گھر میں بیٹھو۔ تم چاہو تو خود اپنا جہاز خرید سکتے ہو"۔

اس کی خوابناک آنکھیں مجھ پر مرکوز تھیں۔"دو سال گزر گئے۔ وہ پھر دوبارہ پیراک میں لنگر انداز ہی نہیں ہوا۔ اس کا کوئی خط وغیرہ بھی نہیں آیا۔ ممکن ہے وہ کہیں سمندر میں ہی غرق نہ ہو گیا ہو"۔

"غالباً مما تمہیں جانے نہیں دیں گی"۔ میں نے کہا۔"اتنے بڑے کاروبار کی دیکھ بھال کون کرے گا"۔

وہ عجیب سی ہنسی ہنسا۔"میں بالغ ہوں، اپنے بارے میں خود فیصلے کرنے کا حق ہے مجھے۔ لیکن پھر بھی مجھے یقین نہیں۔ پتہ نہیں کیوں؟"

"میرا خیال ہے اس بارے میں پہلے مما سے مشورہ کر لو"۔ اس نے اپنا سر ہلایا۔"یا پھر اپنے پاپا سے"۔ میں نے مشورہ دیا۔

"افسوس"۔اس نے ایک گہری رنجیدہ سی سانس لی۔

"میں نے تمہیں کبھی مما سے باتیں کرتے نہیں دیکھا۔تم مناسب سمجھو تو میں انہیں کہوں اس بارے میں؟"

"نہیں شکریہ۔میں نے سرہوف سے سنا ہے کہ تم فطرتاً مگرمچھ کی طرح ہو"۔

میں نے اپنے جسم کا خون اپنے چہرے پر امڈتا محسوس کیا۔مجھے فوراً اندازہ ہو گیا۔میں اس کے دل کے نازک ترین حصے تک جا پہنچا ہوں۔اچھا ہی ہوا کیونکہ اس کے حقیقی ارادوں سے پردہ اٹھ رہا تھا۔

" کسی نہ کسی وقت، ہر شخص کو،کوئی تیسرا آدمی،اچھا یا برا سمجھ رہا ہوتا ہے۔اسی طرح لوگ دوسروں کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار بھی کر رہے ہوتے ہیں۔تمہاری اپنی رائے ہے، سرہوف کی اپنی !"میں نے کہا۔

"میں۔۔۔۔۔۔نہیں، میں نے کبھی بھی دوسروں کے الفاظ یا افعال کی زیادہ پروا نہیں کی"۔اس نے کہا۔"اور خصوصاً تمہارے بارے میں،لوگوں کی رائے کی۔اپنے بارے میں بھی، میں کسی کی پروا نہیں کرتا۔لیکن سرہوف نے کہا تھا:"اس غلیظ مقامی، منگی سے بچ کر رہنا۔بھیڑ کی شکل میں بھیڑیا ہے وہ!"

"وہ ٹھیک کہتا ہے۔ہر شخص کو محتاط رہنا چاہیے۔سرہوف کو بھی، میں بھی تم سے خاصا چوکنا ہوں،راب"۔

"دیکھو، میں نے کسی اور شخص کے گھر میں،صرف کسی عورت کی وجہ سے،سونے کا کبھی خواب بھی نہیں دیکھا۔حالانکہ بارہا مختلف لوگوں نے مجھے اس کی باقاعدہ دعوت بھی دی تھی"۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں۔میں تمہاری بہن کو پسند کرتا ہوں اور مجھے یہاں ٹھہرنے کے لئے مما نے کہا تھا"۔

"اچھا، چلو تم اس سے تو بخوبی آگاہ ہو کہ میں نے تمہیں مدعو نہیں کیا"۔

"میں اچھی طرح سمجھتا ہوں راب، مما کا خط اب بھی میرے پاس ہے"۔

"ذرا مجھے بھی دکھاؤ"۔

"وہ خط میرے لئے تھا راب،تمہارے لئے نہیں"۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، اس کا رویہ اور اس کی آواز، دونوں میں عداوت نمایاں

ہونے لگی۔ اس کی چبھتی نظریں مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ "پتہ نہیں تم بعد میں، میری بہن سے شادی بھی کرو گے یا نہیں۔ لگتا ہے، مما اور انالیز بھی تمہیں پسند کرتے ہیں۔ پھر بھی یہ یاد رکھنا کہ میں گھر کا واحد مرد اور گھر کا سب سے بڑا لڑکا ہوں"۔ اس نے بڑی احتیاط سے اپنے سر کو جنبش دی کہ کہیں اس کے بال بکھر نہ جائیں۔

"ہم دونوں کو معلوم ہے کہ یہاں موجود سب لوگ میرے خلاف ہیں۔ میری طرف کوئی بھی توجہ نہیں دیتا۔ ظاہر ہے اس کی وجوہات بھی ہوں گی۔ اوپر سے اب تم آ گئے ہو۔ یقینی بات ہے کہ تم بھی انہی کے ساتھ ہو۔ میں تو یہاں بالکل تنہا ہوں۔ تم یہ بات کبھی نہ بھولنا کہ اکیلا آدمی کچھ بھی کر سکتا ہے"۔ ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ، اس نے یہ دھمکی دی۔

"ہاں راب، اور تم بھی یاد رکھنا کیونکہ یہ تمہارا اپنا بھی معاملہ ہے"۔ وہ خوابیدہ آنکھوں سے مجھے بغور دیکھنے لگا، جیسے میری قوت کا اندازہ لگانا چاہ رہا ہو۔ میں نے بھی جواباً، اسی کے انداز میں، اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجالی۔ میں اس کی تمام حرکات کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ ذرا سی بھی کوئی مشتبہ حرکت ہوتی مجھے محسوس ہوئی اور میں کھڑکی سے چھلانگ لگا کر باہر۔ وہ بہرحال مجھے کمرے میں نہیں پا سکے گا۔

"اچھا"۔ اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "تم بھی نہ بھولنا کہ تم صرف ایک مقامی ہو"۔

"بے فکر رہو راب، یہ بات میں بھلا بھی نہیں سکتا۔ تم بھی یاد رکھو کہ تمہاری رگوں میں بھی مقامی خون ہے۔ میں انڈو ہوں نہ مخلوط النسل یورپین لیکن یورپین اسکول میں زیرِ تعلیم رہنے کی وجہ سے یورپی تعلیم و تربیت میرے اندر پوری طرح موجود ہے۔ اگر تم یورپین ہونے کو یا یورپی اشیا کو اتنا برتر سمجھتے ہو تو یہ بھی یاد رکھنا"۔

"تم واقعی عقل مند ہو۔ ایچ بی ایس کے طالب علم کو ایسا ہی ہونا چاہیے"۔

یہ مختصر سی گفتگو کا تناؤ اور بے چینی کے عالم میں مجھے گھنٹوں پر محیط لگی، حالانکہ ان باتوں میں دس منٹ بمشکل گزرے ہوں گے۔ خوش قسمتی سے انالیز نے مجھے باہر سے پکار لیا اور میں معذرت کر کے وہاں سے اٹھ گیا۔ رابرٹ نے بیٹھے بیٹھے سادگی سے ایک جملہ کہہ کر مجھے حیرت زدہ کر دیا۔

"جاؤ بھئی، تمہاری نیائے تمہیں ڈھونڈ رہی ہے"۔

میں دروازے میں رک کر، اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر صرف

مسکراہٹ تھی۔

"وہ تمہاری بہن ہے راب، تمہیں اس انداز میں نہیں بولنا چاہیے۔ میرا اپنا بھی ایک مقام ہے، عزت ہے۔۔۔۔۔۔"

انالیز مجھے تیزی سے پکڑ کر دوسرے کمرے کی طرف لے گئی جیسے کوئی خاص واقعہ رونما ہو چکا ہو۔ ہم آرام دہ صوفے پر بیٹھ گئے۔ اس کے کور پر پھولدار نقش کڑھے ہوئے تھے۔ وہ میرے بالکل قریب ہو کر سرگوشی کے سے انداز میں مجھے کہنے لگی: "رابرٹ سے زیادہ میل جول نہ بڑھاؤ، نہ اس کے کمرے میں جاؤ۔ میں پریشان ہو جاتی ہوں۔ وہ روز بروز بدلتا جا رہا ہے۔ مما نے آج دوسری بار، اس کے لئے ہوئے ادھار چکانے سے انکار کر دیا ہے"۔

"تم اپنے ہی بھائی کی دشمنی کیوں چاہتی ہو؟"

"یہ بات نہیں۔ اسے زندگی گزارنے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے، کمانا چاہیے، وہ چاہے تو کام کر سکتا مگر وہ کچھ کرنا ہی نہیں چاہتا"۔

"ٹھیک ہے، لیکن آپ دونوں ہی کیوں اس کے دشمن بنیں؟"

"میری طرف سے تو ایسی کوئی بات نہیں۔ مما ہر کام بالکل صحیح طرح کرتی ہیں۔ وہ مما کو ہی صحیح نہیں سمجھتا۔ اور اس کے ذہن میں اس کی واحد وجہ، ان کا مقامی ہونا ہے۔ کچھ سمجھے؟ بتاؤ، اب میں کیا کروں؟"

میں نے بھی زیادہ زور نہیں دیا۔ لیکن میرے ذہن میں آیا ضرور: اس دلکش نوجوان کو اس گھر سے، اس کی ماں سے یا اس کے باپ سے کیا مل رہا ہے؟ بہن بیچاری کی تو بات ہی چھوڑ دو۔ نہ ہمدردی کا اظہار، نہ پیار کے دو بول۔ میں اس کے گھر میں آیا ہوں تو وہ مجھ سے جلنے لگا ہے۔ یہ ردعمل اتنا غیر فطری بھی نہیں۔

"تم گھر میں امن وسکون پیدا کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں این؟"

"کس لئے؟ وہ بہت دور جا چکا ہے۔ میرے دل میں اس کے لئے کوئی ہمدردی نہیں"۔

"اتنی نفرت؟ تمہیں کیوں اس سے اتنی نفرت ہو گئی؟"

"میں اس کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں۔ پہلے میں اس کی بھلائی چاہتی بھی تھی۔ لیکن اب تو تا زندگی ایسا نہیں سوچ سکتی ماس، کبھی بھی نہیں"۔

مجھے اپنی بے جا مداخلت کا افسوس بھی ہوا۔ اس کے چہرے پر پھیلی سرخی، اس کا غصہ چھپا

نہیں پا رہی تھی۔

نیائے بھی ہمارے پاس آن بیٹھیں۔ سرابیا ڈیلی نیوز کی کاپی ان کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے۔۔۔۔۔۔ ایک غیر معمولی نیائے، جسے میں جانتا تھا۔۔۔۔۔۔ نامی مختصر افسانے کا ذکر کرتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

"وہ کہانی تم نے پڑھی ہے، نیو؟"

"جی، ماں، سکول میں پڑھی تھی"۔

"میرا خیال ہے، کہانی میں مذکورہ کردار کو میں اچھی طرح پہچانتی ہوں"۔

یہ الفاظ سن کر غالبا میرا چہرہ زرد پڑ گیا۔ یہ میری پہلی کہانی تھی جو نیلامی کے اخباروں کے علاوہ کہیں چھپی تھی۔ میں نے اس کا عنوان بھی بدل دیا تھا۔ بعض لفظوں اور فقروں میں ردوبدل ضرور ہوا تھا مگر بہر حال کہانی میری ہی لکھی ہوئی تھی۔ کہانی کا مواد میں نے انالیز کی باتوں سے اخذ کرنے کے بجائے، مما کی روزمرہ کی حقیقتوں کو سامنے رکھ کر جمع کیا تھا۔

"اس کا مصنف کون ہے ماں؟ "میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"میکس ٹولی نار۔ کیا یہ درست ہے کہ تم صرف اشتہارات ہی لکھتے ہو؟ "اس سے پہلے کہ بات بگڑتی، میں نے اعتراف کر لینا مناسب سمجھا۔ "جی مما، میں نے ہی وہ کہانی لکھی تھی"۔

"میرا بھی یہی خیال تھا۔ تم خاصے عقل مند ہو۔ ہزاروں میں کوئی اتنا اچھا لکھ سکتا ہوگا۔ میرے بارے میں لکھا ہے؟"

"اپنے تصورات کی بنیاد میں نے مما کو ہی بنایا تھا"۔ میں نے جارحانہ انداز میں جواب دیا۔

"اچھا یہ بات ہے، میں بھی حیران تھی کہ بہت سی باتیں غلط کیوں ہیں، بہر حال بہت اچھی کہانی تھی۔ خدا کرے تم ایک دن وکٹر ہیوگو جیسے مشہور مصنف بنو"۔ میں بری طرح گھبرا گیا۔ خدا جانے یہ وکٹر ہیوگو کون تھا اور وہ کتنے اطمینان سے کہانی کی ساخت پر بات کر رہی تھیں۔ انہوں نے کہانی لکھنے کے فن پر کہاں سے پڑھ ڈالا؟ یا یہ سب محض نمائشی باتیں ہیں؟

"تم نے فرانز زکو پڑھا ہے؟ جی فرانز زکو؟ "میں شدید شرمندگی محسوس کرنے لگا۔ میں اس کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتا تھا۔۔۔۔۔۔ "لگتا ہے تم مالے زبان میں زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے"۔

"مالے زبان کی کتابیں، ماں؟ کیا مالے میں بھی ایسی کتابیں ہیں؟"

"دکھ کی بات ہے، تمہیں پتہ ہی نہیں۔اس نے مالے میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔میرا خیال ہے وہ کوئی خالص یورپین ہے یا پھر مخلوط النسل۔۔۔۔۔۔۔مقامی بہرحال نہیں ہے۔افسوس ہوا، تمہیں شاید ان سے کوئی دلچسپی نہیں"۔

وہ داستان کی دنیا کے بارے میں اور بہت کچھ کہتی رہیں، جتنا زیادہ وہ بولتیں، اتنا ہی زیادہ میں ان کے بارے میں مشتبہ ہوتا جاتا۔انہوں نے جو کچھ ہرمن مے لیما سے سنا یا سمجھا، وہ سب آج ہی بتانے کے درپے ہیں۔میرے اساتذہ نے ڈچ ادب اور زبان کے بارے میں بہت کچھ سکھایا تھا اور جو چیزیں نیائے بتا رہی ہیں، ان کے متعلق تو انہوں نے کبھی ایک لفظ بھی نہیں کہا۔میری پسندیدہ ٹیچر مس ماجدہ پیٹرز کو تو بہرحال ایک نیائے کے مقابلے میں کہیں زیادہ علم ہونا چاہیے۔یہ نیائے تو ادبی زبان پر بھی بحث کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

"فرانز زنے، نیو،"نیائے داسی ماں "کے نام سے، بالکل یورپی انداز میں ایک ناول لکھا ہے لیکن لکھا مالے میں۔میرے پاس کتاب ہے، اگر تم اسے پڑھنا پسند کرو"۔

میکانکی انداز میں میرے منہ سے "ہاں "نکلا۔وہ ادبی دنیا کے بارے میں جانتی ہی کیا ہیں؟ وہ کہانیاں کیوں پڑھنا چاہتی ہیں؟ مصنفوں کی دنیا کے تصورات کرداروں کے معاملات میں دخل کیوں دیتی ہیں؟ وہ ان مصنفوں کی زبان اور لہجے کو غور سے دیکھ رہی ہیں اور ان کی اپنی آنکھوں کے سامنے ان کا بیٹا نظر انداز ہو رہا ہے۔یہی وجہ ہے میرے شکوک وشبہات پیدا ہونے کی۔

ایسا لگا، نیائے نے میرے چور خیالات پڑھ لئے ہیں۔انہوں نے پوچھا۔"تم رابرٹ کے متعلق بھی لکھنا چاہتے ہو شاید؟"

"کیوں ماں؟"

"اپنی اس نوجوانی کی وجہ سے۔ظاہر ہے تم اپنے اردگرد موجود کرداروں کے بارے میں لکھنا چاہتے ہو گے۔تمہیں یہ اچھا لگتا ہے۔ہمدردی اور جذبات کا زبردست طوفان !میرا خیال ہے، راب تمہیں ضرور متوجہ کرلے گا"۔

خوش قسمتی سے، اس ناخوشگوار گفتگو کے دوران ہی رات کے کھانے کا وقت ہو گیا۔ رابرٹ کھانے کے لئے نہیں آیا۔مما اور انا لیز، دونوں نے ہی کسی استعجاب کا اظہار نہیں کیا اور نہ ہی

اس کے متعلق کسی سے استفسار کیا۔نوکروں نے بھی کوئی بات نہیں کی۔

کھانے کے دوران، میں نے چاہا کہ رابرٹ کے جہاز ران بننے کی خواہش، مما کے گوش گزار کردوں اور یہ بھی کہ وہ یورپ اپنے وطن جانا چاہتا ہے۔اسی لمحے، میرے بجائے نیائے بول پڑیں:" لکھو، نیو، ہمیشہ انسانیت کے بارے میں لکھو، انسانیت کی زندگی کے لئے، انسانیت کی موت کے لئے نہیں۔ہاں، چاہے یہ جانور ہوں، آدم خور درندے ہوں، دیوی دیوتا ہوں یا شیطانی بھوت پریت، کسی پر بھی لکھو لیکن انسانیت کو سمجھنے سے زیادہ کوئی کام مشکل نہیں۔یہی وجہ ہے کہ نہ جانے کب سے، اس دنیا میں، کہانیاں کہی اور لکھی جا رہی ہیں۔ ہر آئے دن ان میں اضافہ ہو رہا ہے۔مجھے اس بارے میں کچھ زیادہ علم نہیں لیکن ایک بار میں نے کوئی چیز پڑھی تھی۔اس کا مفہوم کم و بیش یہی تھا۔بعض اوقات سادہ نظر آنے والے کسی انسان کو چھوٹا نہ سمجھو۔ممکن ہے اس کی نگاہ شاہین جیسی اور ذہن فلائی راکٹ (مصنف سے معذرت کے ساتھ) سے بھی زیادہ تیز رفتار ہو اور اس کی حسیات شاید ان دیوی دیوتاؤں سے بھی زیادہ طاقتور ہوں جو زندگی میں موسیقی کی جھنکار اور رنج اور الم کی پکار، سب کچھ سننے کی طاقت رکھتے ہیں۔انسان کے متعلق تمہارا علم ادھورا ہی رہے گا"۔

مما کھانے کو تقریباً فراموش کر بیٹھی تھیں۔ان کا چمچہ، انکے ہاتھ میں، ان کی تھوڑی کے قریب لہرا رہا تھا۔"یہ صحیح ہے کہ پچھلے دس سال میں، میں نے خاصا افسانوی ادب پڑھا ہے۔لگتا ہے ہر کتاب میں کسی نہ کسی مشکل یا تکلیف کے خلاف لوگوں کی جدوجہد یا پریشانیوں سے بچ نکلنے کی خواہش کا ہی تذکرہ ہوتا ہے۔خوشیوں سے بھری کہانیاں زیادہ دلچسپ نہیں ہوتیں۔ یہ لوگوں کی، ان کی زندگی کی کہانیاں ہی نہیں لگتیں۔ یہ کہانیاں ہماری دنیا کے بجائے کہیں آسمانوں کی کہانیاں لگتی ہیں"۔

مما دوبارہ کھانا کھانے لگیں۔ میں نے اپنی تمام تر توجہ ان کے ایک ایک لفظ کو سمجھنے پر مرتکز کر دی۔

بولنے اور سمجھانے کے معاملے میں انہیں بلا کی قدرت حاصل تھی۔کھانا ختم ہوتے ہی انہوں نے دوبارہ بات شروع کی:"اس وجہ سے بھی تمہیں رابرٹ میں دلچسپی محسوس ہو گی۔وہ اپنے لئے مشکلات ڈھونڈتا ہے اور پھر ان سے نکل نہیں پاتا۔میرا خیال ہے، اگر میں غلطی نہیں کر رہی تو یہ چیز المیہ کہلاتی ہے۔ بالکل اپنے باپ کی طرح۔تمہاری تحریروں کے ذریعے۔۔۔۔۔۔بشرطیکہ

وہ انہیں پڑھنے کے لئے تیار ہو۔۔۔۔۔۔وہ ان میں اپنا عکس دیکھ سکتا ہے۔شاید وہ اپنے اطوار میں تبدیلی لے آئے۔کسی کو کیا پتہ؟ہاں میں یہ ضرور کہوں گی کہ انہیں چھپوانے سے پہلے مجھے دکھا لینا۔تمہیں برا تو نہیں لگے گا۔ممکن ہے تم انجانے میں بعض غلط تاثرات یا مفروضات قائم کر بیٹھو، جن سے اصل مقصد کو نقصان کا خدشہ ہو۔

رابرٹ پر لکھنے کا تہیہ تو میں پہلے ہی کئے بیٹھا تھا۔نیائے کی وارننگ سے میں ذرا پریشان ہو گیا۔ان کی موجودگی اور پھر ان کی عقابی نگاہ، مجھے لگا، افسانہ نگار کی حیثیت سے میرا عمومی تاثر مجروح کر ڈالیں گی۔میری پہلی کہانی شائع ہونے کے بعد، میرا جوش وخروش اپنے عروج پر تھا۔لیکن کامیابی کے نتیجے میں پیدا شدہ وہ جذبہ، اب رابرٹ کی کہانی میں اظہار کی جگہ نہیں پا سکتا تھا۔مما، اپنی عقابی نظروں سمیت، میری کامیابی اور ترقی کے سفر کے درمیان آ کھڑی ہوئی تھیں۔

رات کے کھانے پر، ان کی طویل وعریض عالمانہ گفتگو نے مجھے ان کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا۔ظاہر ہے انہوں نے خاصا مطالعہ کیا ہوا تھا۔مسٹر مے لیما غالباً بہت عقل مند اور مستقل مزاج استاد تھے اور نیائے ایک بہت اچھی شاگرد تھیں۔ان میں کمال کی صلاحیت تھی کہ جو کچھ انہوں نے اپنے آقا سے سیکھا، اسے عملاً اپنا کر خود کو بہتر سے بہتر بنا ڈالا۔جو کچھ میں سکول میں نہیں سیکھ سکا، وہ ان کے درمیان رہ کر سیکھنے کی کوشش کروں گا۔بھلا کون یہ اندازہ لگا سکتا تھا۔غالباً وہ خود بھی رابرٹ مے لیما کو اچھی طرح سمجھتی ہیں۔مقامی لوگوں سے اس کی نفرت کا ذکر کرتے ہوئے، ان کے لہجے میں کس قدر تاسف تھا۔

میں بہرحال، ابھی اس دراز قد نوجوان کے بارے میں قطعی لاعلم تھا۔ممکن ہے، اپنی والدہ کی طرح، اس کا بھی ٹھیک ٹھاک مطالعہ ہو۔اس نے عاریتاً جو رسالہ مجھے دیا تھا، وہ بڑا اہم اور تحقیقی نوعیت کا تھا۔ممکن ہے اس نے وہ اپنے پاپا کی لائبریری میں سے نکالا ہو یا شاید پوسٹ مین سے لے کر، اسے اپنی والدہ کے سپرد نہ کیا ہو۔یہ بھی ممکن ہے کہ ابھی اس نے یہ رسالہ پوری طرح نہ پڑھا ہو۔کوئی بات بھی یقینی نہیں۔اس میں طبع شدہ سارے مضامین ڈچ جزائر کے بارے میں تھے۔ایک مضمون جاپان اور جزائر کے باہمی تعلقات کی وسعت پر لکھا گیا تھا۔جاپان کے متعلق،

اس مضمون سے، مجھے بہت معلومات ملیں۔ پچھلے مہینوں میں جاپان کے متعلق بہت کچھ کہا اور سنا گیا تھا۔ میرے سکول کے دوستوں نے اس سارے مباحثے میں ذرا بھی دلچسپی نہیں لی۔ میرے ساتھی ابھی اس ملک کو ذرا بھی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ وہ جاپانی کو کوئی ترقی پذیر صنعتی ملک سمجھنے کے بجائے ایسی طوائفوں کا اڈہ سمجھتے تھے جو جاپانی باغات، ریستورانوں، قہوہ خانوں اور حجاموں، اخبار فروشوں، غرض ہر جگہ، اپنی مخصوص اداؤں سمیت موجود ہوتی تھیں۔

ایک سکول مباحثے کے دوران ہمارے ٹیچر مسٹر لاسٹن ڈی اینسٹ نے انہیں انتہائی راغب کرنے کی کوشش کی مگر سب بے کار، لڑکے فضول گپ شپ میں لگے رہے۔ انہوں نے بتایا: جاپان بھی سائنسی ترقی کی جانب قدم بڑھا رہا۔ کتاساتو نے طاعون کا جرثومہ دریافت کرلیا۔ شیگا نے اسہال کا جرثومہ معلوم کر ڈالا۔ غرض جاپان بھی کسی طرح، انسانی خدمت میں اوروں سے پیچھے نہیں تھا۔ انہوں نے اس کا تہذیبی ارتقا بھی ڈچ قوم کے ساتھ تقابلی جائزہ بھی پیش کیا۔ جب مسٹر ڈی اینسٹ نے مجھے دلچسپی لیتے دیکھا۔ میں برابر، ان کے اہم نوٹس لکھتا جا رہا تھا۔ تو بڑے معنی خیز انداز میں مجھ سے مخاطب ہوئے: اے منکی، اس کمرے میں جاویوں کے نمائندے ! تمہاری قوم نے انسانیت کی کیا خدمت کی ہے؟ یہ سوال کوئی پہلی بار مجھ سے ہی نہیں کیا گیا، مجھ سے پہلے بھی، کچھ ایسے ہی حالات ہیں۔ کٹھ پتلیوں کے اس علاقے کے آقاؤں کو جواب دینے کی کوشش میں دیوی دیوتاؤں کو، نہ جانے کن صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ چنانچہ جواب دینے سے معذرت کا فوری بہانہ یہی سمجھ آیا۔ جی جناب، اس وقت تو میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ ردعمل، میرے ٹیچر کے چہرے پر بہت ہی میٹھی مسکراہٹ ابھر آئی۔

جاپان کے متعلق، اپنے نوٹس میں سے، یہ میں نے مختصر سا خاکہ پیش کیا ہے۔ رابرٹ کے دیئے ہوئے رسالے میں طبع شدہ مضامین پڑھ کر، مجھے بے پناہ معلومات حاصل ہوئیں۔ جاپان کی حالیہ ترقی اور دفاعی حکمت عملی کے متعلق ان کی مسلسل جدوجہد وغیرہ۔ ان میں بہت سی چیزیں، میں سمجھ ہی نہیں پایا۔ پھر بھی میں نے انہیں ایک مواد کی شکل میں اکٹھا کرلیا۔ کم از کم سکول مباحثے کے لئے تو یہ ایک اعلیٰ پائے کا کام تھا۔

اس مضمون کے مطابق جاپانی زمینی فوج اور بحریہ میں زبردست مقابلہ جاری تھا۔ ساحلی دفاعی حکمت عملی ترتیب دیئے جانے پر صدیوں پرانی سموارئی روایات کی امین زمینی فوج کو نامناسب لگی۔

اور جزائر؟ مضمون کے مطابق، ڈچ جزائر کی کوئی بحری فوج ہے ہی نہیں، صرف زمینی فوج ہے۔ جاپان تو ہے ہی جزائر کا مجموعہ۔ ڈچ جزائر بھی انہی کی طرح ایک جانب پھیلے ہوئے ہیں۔ جاپان بحریہ کی اہمیت پر زور دے رہا ہے اور جزائر زمینی فوج پر قانع ہے۔ کیا خارجی حملے کی صورت میں دفاعی مسئلہ ایک جیسا نہیں ہوگا۔ کیا سو سال پہلے اسی بحری کمزوری کی وجہ سے انگریزوں نے جزائر پر قبضہ نہیں جما لیا تھا؟ اس سے آخر کوئی سبق کیوں نہیں سیکھا گیا؟

اسی رسالے سے مجھے پتہ چلا: ڈچ جزائر کی سرے سے کوئی بحریہ ہے ہی نہیں۔ جزائر کے سمندروں میں سرگرداں جنگی جہاز ڈچ جزائر کے بجائے سلطنت ہالینڈ کی ملکیت ہیں۔ ڈینڈلز نے اس عالم میں سرابیا کو بحری اڈہ بنایا تھا کہ اس کے پاس ایک بھی بحری جہاز نہیں تھا۔ سو سال گزر نے کے بعد بھی اس کمزوری کی جانب کسی کی توجہ نہیں گئی؟ کسی نے اپنی بحریہ بنانے کا سوچا تک نہیں۔ قابل احترام حکمران طبقہ، سنگاپور کی انگلش بحریہ اور فلپائن کی امریکی دفاعی بحری فوج پر تکیہ کیئے، آرام سے بیٹھا تھا۔

مضمون میں جاپان سے جنگ کے خدشات کا بھی تذکرہ تھا۔ غیر محفوظ سمندروں کی صورت میں جزائر کی جنگی پوزیشن کیا ہوگی؟ ڈچ شاہی بحریہ کی بے قاعدہ پٹرولنگ حقیقی بحریہ کا نعم البدل کس طرح ہوگی؟ کیا 1811 کا ہولناک تجربہ دوبارہ دوہرایا جائے گا، جس میں ہالینڈ کو بے پناہ نقصان اٹھانا پڑا تھا؟ میں نہیں کہہ سکتا آیا رابرٹ نے یہ مضمون پڑھا بھی ہوگا یا نہیں۔ بحری جہاز کے ذریعے، دنیا کی سیاحت کے شوق میں، ممکن ہے، اس نے یہ مضمون پڑھ ہی لیا ہو۔ یورپی خون کا زبردست حامی ہونے کی وجہ سے، ظاہر ہے، سفید فاموں کی نسلی برتری میں اس کا یقین تو ہوگا ہی۔ مضمون کے مطابق، جاپان، سمندروں میں انگریز بحریہ کی نقل کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور مضمون نگار نے جاپان کو نقال بندروں کا نام دینے والوں کو خاص طور پر متنبہ کیا تھا کہ وہ جاپان کی بے عزتی کا سلسلہ فی الفور ختم کر ڈالیں۔ ہر ترقی کی ابتدا نقالی سے ہی ہوتی ہے۔ ہم سب، اپنے بچپن میں، نقالی ہی تو کیا کرتے تھے۔ لیکن بچپنا ختم ہوتا ہے اور آدمی بڑا ہو کر خود ہی ترقی کے راستے پر چل نکلتا ہے------

اسی قسم کا نظریہ ایک دفعہ جین میریز اور تلنگا کے درمیان گفتگو میں بھی زیر بحث آیا تھا، اس وقت تو میں نے اسے بغیر کسی خاص توجہ کے، محض لکھ لیا تھا۔ وہ کچھ اس طرح تھا:

جین میریز: ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک قوم سے دوسری قوم تک کردار بدلتے

رہتے ہیں۔ پہلے رنگ دار قوموں نے سفید فاموں پر فتح پائی تھی اوراب سفید فاموں نے رنگ دار قوموں کو مفتوح بنالیا ہے۔

تلنگا: پچھلی تین صدیوں میں سفید فام قوموں نے رنگ دار لوگوں سے کبھی مار نہیں کھائی۔ تین صدیوں تک ! یہ تو ممکن تھا کہ سفید فام قوم کسی اور سفید فام قوم پر فاتح پالے مگر کسی رنگدار قوم نے کبھی کسی سفید فام قوم پر فتح نہیں پائی۔ یہ اگلی پانچ صدیوں میں کیا، کبھی بھی ممکن نہیں۔

رابرٹ بھی، ایک یورپی جہاز ران بننا چاہتا تھا۔ وہ انگلش جہاز، کاری بو، میں سفر کے خواب دیکھا کرتا تھا، انگریز حکومت کے بحری جہاز میں جس کی سرحدوں میں کبھی سورج غروب ہی نہیں ہوتا۔۔۔۔۔۔

باب 7

مجھے یوں لگا جیسے میں عرصے سے سویا ہی نہیں۔ دروازے پر بے تابانہ دستک نے مجھے اٹھا کر بٹھا دیا۔ "منکی، اٹھ بھی جاؤ"۔ نیائے کی آواز آئی۔ مما، ہاتھ میں موم بتی لئے دروازے پر کھڑی تھیں۔ ان کے بال ذرا بے ترتیب سے لگ رہے تھے۔ صبح کی ملگجی سیاہی میں دیوار گیر کلاک کی ٹک ٹک کمرے میں گونج رہی تھی۔

" کیا وقت ہوا ہے ماں؟"

"چار بجے ہیں، کوئی تمہیں ملنے آیا ہے"۔

کوئی شخص، اندھیرے میں، سیٹی پر بیٹھا ہوا تھا۔ مما نے موم بتی کی روشنی آگے کی تو اس شخص کی صورت واضح ہوئی۔ وہ پولیس ایجنٹ تھا۔ وہ احتراما کھڑا ہو گیا۔ پھر وہ جاوی لہجے میں جلدی جلدی مالے میں کہنے لگا۔ "تو آن منکی؟"

"جی ہاں"۔

"مجھے آپ کو اپنے ہمراہ لے جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ بلا حیل و حجت"۔ اس نے ایک خط نکال کر مجھے دکھایا۔ وہ سچ ہی کہہ رہا تھا۔ سرابیا کے پولیس اسٹیشن کے منظور شدہ تھانے B کی جانب سے میرے سمن بھیجے گئے تھے۔ اس میں واضح طور پر میرا نام موجود تھا۔ مما بھی اسے پڑھ چکی تھیں۔

" کیا حرکت کر بیٹھے ہو، نیو؟ "انہوں نے پوچھا۔

" کچھ بھی نہیں"۔ میں نے الجھے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ میں اپنی گزشتہ سرگرمیوں کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ سوچتا رہا، سوچتا رہا۔ پچھلے ہفتے کی ساری کارگزاریوں پر دوبارہ نظر ڈالی۔

" کوئی بھی بات نہیں، کچھ بھی تو نہیں ماں"۔

انالیز بھی آ گئی۔ وہ ایک طویل سیاہ ویلوٹ گاؤن پہنے ہوئے تھی۔ اس کے بال بھی الجھے ہوئے تھے اور آنکھوں میں ابھی تک نیند بھری ہوئی تھی۔ مما میرے قریب آ ئیں۔

"ایجنٹ نے بھی ابھی یہ نہیں بتایا کہ تم پر کیا الزامات لگے ہیں اور سمن میں بھی اس کا ذکر نہیں"۔ پھر پولیس ایجنٹ کی طرف پلٹ کر بولیں۔ "اسے معاملے کے متعلق جاننے کا پورا حق ہے"۔

"مجھے اس بارے میں کوئی حکم نہیں ملا۔ نیائے۔ اور اگر سمن میں بھی اس کا تذکرہ نہیں ہے تو پھر تو کوئی بھی نہیں جانتا ہوگا۔ ظاہر ہے متاثرہ شخص تک اس بارے میں لاعلم ہے"۔

"اس طرح کبھی نہیں ہوتا"۔ میں نے سختی سے کہا۔ "میں راڈن ماس ہوں۔ میرے ساتھ یہ سلوک نہیں کیا جاسکتا"۔ اس کا جواب سننے کے لئے چپ ہوگیا۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ اس کا کوئی جواب دے ہی نہیں پا رہا تو میں نے دوبارہ کہا "مجھے سفید فام عدالت کے سامنے پیش ہونے کا حق ہے"۔

"اس سے کون انکار کر رہا ہے تو آن راڈن ماس منکی"۔

"پھر تم معاملات کو اس انداز میں کیوں لے رہے ہو؟"

"مجھے صرف آپ کو اپنے ہمراہ لے جانے کا حکم ملا ہے۔ مجاز حاکم کو بھی شاید، اتنا ہی معلوم ہوگا۔ تو آن"۔ اس نے مدافعانہ انداز میں کہا۔ "براہ مہربانی تیار ہو جائیں۔ ہمیں فوراً چلنا ہے۔ ہمیں پانچ بجے تک مقررہ جگہ پہنچ جانا چاہیے تو آن منکی"۔

"ماس، یہ آپ کو کیوں لے جانا چاہ رہے ہیں؟ "انالیز نے گھبراہٹ آمیز لہجے میں کہا۔ میں اس کی آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ محسوس کر سکتا تھا۔

"یہ نہیں بتا سکتا"۔ میں نے مختصر جواب دیا۔

"این، منکی کا ضروری سامان اکٹھا کر کے یہاں لے آؤ"۔ نیائے نے حکم دیا۔ "خدا جانے یہ لوگ کب تک اسے حراست میں رکھیں گے۔ یہ پہلے نہا کر ناشتہ سے فارغ ہو لے۔ کیوں بھئی اجازت ہے؟"

"کیوں نہیں، نیائے، اتنا وقت تو بہرحال ہے۔ اس نے آدھ گھنٹے کا وقت دے دیا"۔

رابرٹ، عقبی جانب، اپنے کمرے سے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ اس کے چھینکنے سے ہی

اس کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ میں نے باتھ روم جاتے ہی پھر اپنا ذہن دوڑانا شروع کر دیا۔ رابرٹ ہی اس گڑ بڑ کا ذمہ دار لگتا ہے۔ اس نے کوئی الٹی سیدھی رپورٹ کر دی ہوگی۔ وہ پچھلی دو راتیں، کھانے پر بھی ہمارے ساتھ شریک نہیں تھا۔ اس کی دھمکیاں یکے بعد دیگرے مجھے یاد آنے لگیں۔ ٹھیک ہے رابرٹ، اگر یہ سب گڑ بڑ تمہاری پھیلائی ہوئی ہے تو میں اس کے لئے تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا"۔

میں نہا دھو کر، استقبالئے میں آیا تو کافی اور کیک میرے منتظر تھے۔ پولیس ایجنٹ اپنے حصے پر، ہاتھ صاف بھی کر چکا تھا۔ ناشتے کے بعد وہ خاصا مہذب اور نرم گفتار ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے اس کی ہماری کوئی ذاتی دشمنی تو تھی نہیں۔ اس دوران وہ ہنستے مسکراتے، ہلکی پھلکی گپ شپ لگاتا رہا۔

"نیائے خطرے کی کوئی بات نہیں"۔ بالآخر اس نے کہا۔ "تو آن راڈن ماس منکی زیادہ سے زیادہ دو ہفتے میں لوٹ آئیں گے"۔

"مسئلہ دو ہفتے یا مہینے کا نہیں۔ اسے میرے گھر میں گرفتار کیا جا رہا ہے۔ مجھے معاملے سے جان کاری کا پورا پورا حق ہے"۔ نیائے نے پر زور انداز میں کہا۔

"یقین جانیں، مجھے خود معلوم نہیں، میں معافی چاہتا ہوں۔ اسی لئے تو میں انہیں علی الصبح لے کر جا رہا ہوں کہ کسی اور کے علم میں یہ بات ہی نہ آئے"۔

"سو کسی کو پتہ نہیں چلے گا؟ کیسے؟ مجھے ملنے سے پہلے تم میرے چوکیدار سے ملے ہو گے، ملے یا نہیں؟"

"آپ اپنے چوکیدار کو کوئی بات کرنے سے منع کر دیں"۔

"تم میرے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کر سکتے۔ میں پولیس سٹیشن سے اس معاملے کی وضاحت طلب کروں گی"۔

"یہ اچھا ہے، آپ کو فوراً ہی وضاحت مل جائے گی اور یقین جانیں، وہ درست ہی ہو گی"۔

انالیز میرا سوٹ کیس اٹھائے کھڑی تھی۔ وہ میرے پاس آئی مگر اس کے ہونٹ کپکپا کر رہ گئے۔ اس نے سوٹ کیس اور بیگ کو زمین پر رکھ دیا اور سختی سے میرے بازوؤں کو پکڑ لیا۔ اس کے ہاتھ بھی لرز رہے تھے۔

"پہلے ناشتہ کرلیں تو آن منکی"۔ ایجنٹ نے مجھے یاد دلایا۔ "پتہ نہیں پولیس اسٹیشن پر اتنا اچھا ناشتہ نصیب بھی ہوگا یا نہیں۔ نہیں کر رہے؟ تو پھر چلیں"۔

"میں جلد ہی واپس آ جاؤں گا این، مما، کہیں نہ کہیں کوئی غلطی ہوئی ہے۔ یقین کریں"۔

انالیز میرا بازو ہی نہیں چھوڑ رہی تھی۔ پولیس ایجنٹ نے میری چیزیں اٹھائیں اور باہر چلا گیا۔ انالیز نے مجھے اور مضبوطی سے پکڑ لیا۔ کہیں میں ایجنٹ کے ساتھ ہی فوراً باہر نہ نکل جاؤں۔ میں نے اس کے رخسار پر پیار کیا اور آہستگی سے اپنا بازو اس سے چھڑایا۔ وہ اب بھی بول نہیں پائی۔

"خدا کرے، سب ٹھیک ٹھاک ہی رہے نیو"۔ نیائے نے دعا دی۔ "بس اب جانے دو این اور اس کی سلامتی کے لئے دعا کرو"۔

باہر پولیس کی بگھی کے بجائے، کوئی کرائے کی بگھی ہماری منتظر تھی۔ ہم اس میں سوار ہو کر، سرابیا کی جانب روانہ ہو گئے۔ ایجنٹ مجھے تھانہ بی لے جا رہا تھا۔ صبح کے ملگجے اجالے میں، میں ٹاؤن بی کی وہ ساری عمارات، اپنے تصور میں لانے لگا جو میں نے وہاں دیکھ رکھی تھیں۔ ان میں سے کون سی عمارت ہماری منزل مقصود تھی؟ پولیس سٹیشن؟ جیل؟ کوئی سرائے؟ کسی نجی گھر کا بہر حال میرے ذہن میں کوئی تصور نہیں تھا۔

سڑک پر صرف ہماری بگھی ہی دوڑ رہی تھی، تیل کی ویگنیں، جو عموماً صبح سویرے قطار اندر قطار ڈی پی ایم ریفائنری سے نکل کر راستوں پر دھول اڑایا کرتی تھیں، ابھی کہیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ چند ایک آدمی، اپنی کمر پر سبزیاں لادے، سرابیا بیچنے کے لئے جاتے البتہ ضرور نظر آئے اور وہ ایجنٹ اس طرح منہ سیئے بیٹھا تھا جیسے اس نے زندگی بھر بولنا ہی نہ سیکھا ہو۔ ممکن ہے یہ رابرٹ ہی کی کسی شرارت کا نتیجہ ہو مگر پھر سٹیشن بی کیوں ہماری منزل ہے؟

بگھی کے چھوٹے لیمپوں کی روشنی، صبح کے دھند لکے کو واضح نہیں کر پا رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس سڑک پر صرف میں، ایجنٹ، گاڑی بان اور گھوڑا ہی زندہ موجود تھے۔ میں تصور میں انالیز کی بے چین سسکیاں سن رہا تھا۔ نیائے اس فکر میں پریشان تھیں کہ میری گرفتاری کہیں ان کے کاروبار پر برا اثر نہ ڈال دے اور رابرٹ مے لیما خوشی سے قلابازیاں کھا رہا ہوگا: دیکھا، سرہوف کا کہا صحیح نکلا نا؟

بہر حال ہم بگھی میں سرابیا پولیس اسٹیشن جا پہنچے۔ مجھے استقبالئے میں بٹھا دیا گیا۔ دل

میں شدت سے یہ خواہش ابھری کہ اپنے کیس کے بارے میں معلوم کروں لیکن مجھے جلد ہی محسوس ہو گیا کہ اس سرد، یخ بستہ اور دھندلی صبح میں کوئی بھی میرے سوال کا جواب دینے کے موڈ میں نہیں ہو گا۔ سو میں نے چپ رہنے ہی میں عافیت جانی۔ بگھی بھی باہر کھڑی ہماری منتظر تھی۔ ایجنٹ مزید کچھ کہے بغیر، مجھے اکیلا چھوڑ کر کہیں غائب ہو گیا تھا۔

خاصا وقت گزر گیا۔ سورج بہر حال ابھی نمودار نہیں ہوا تھا اور طلوع ہوا بھی تو شدید دھند میں لپٹا ہوا۔ پانی کے سرمئی قطرے ہر شے پر چمک رہے تھے۔ پولیس اسٹیشن کے سامنے گہما گہمی نظر آنے لگی تھی: بیل گاڑیاں، چھکڑے، پیادہ لوگ، اخبار والے، خوانچہ فروش اور مزدور چلتے پھرتے دکھائی دے رہے تھے اور میں ابھی تک استقبالئے میں بے کار بیٹھا تھا۔ بالآخر پونے نو بجے دوبارہ ایجنٹ کی شکل دکھائی دی۔ یوں لگا جیسے وہ کچھ سونے کے بعد، گرم گرم غسل لے کر آ رہا ہو اور ادھر میں انتظار کرتے کرتے بری طرح شل ہو گیا تھا اور حقیقت حال کے علم کا اب بھی کوئی امکان نہیں تھا۔

"چلیں تو آن راڈن ماس"۔ اس نے بڑے دوستانہ انداز میں مجھے دعوت دی۔ ہم دوبارہ بگھی پر سوار ہو کر، ریلوے اسٹیشن روانہ ہو گئے۔ اسی بیچارے نے میرا سارا سامان سنبھالے رکھا۔ ٹکٹ گھر بھی وہی مجھے لے گیا۔ اس نے ایک خط کلرک کو تھمایا اور دو ٹکٹ لئے۔ درجہ اول کے ٹکٹ۔ کسی ایکسپریس گاڑی کا تو یہ وقت تھا ہی نہیں۔ اور ہم ایک پسنجر ٹرین پر روانہ ہو رہے تھے۔ جی ہاں ہمیں اسی آہستہ رو اور تکلیف دہ ریل کے ایک ڈبے میں بیٹھنا پڑا۔ میں ایسی ٹرین میں پہلے کبھی نہیں بیٹھا تھا۔ میں عموماً صرف ایکسپریس گاڑی پر ہی سوار ہوا کرتا تھا۔ البتہ ٹاؤن بی سے اپنے گاؤں ٹی تک سفر پسنجر ٹرین پر کرنا ایسی مجبوری تھا جس سے فرار ممکن ہی نہیں تھا۔

ایجنٹ پھر ہونٹوں پر خاموشی سجا کر بیٹھ گیا۔ میں نے کھڑکی والی سیٹ سنبھال لی۔ وہ میرے سامنے بیٹھا تھا۔ ڈبے میں مسافر کچھ زیادہ نہیں تھے۔ ہمارے سوا، تین یورپی افراد اور ایک چینی تھا اور بس۔ ان کے چہروں پر شدید اکتاہٹ منجمد تھی۔ اگلے سٹاپ پر چینی سمیت، دو دوسرے یورپی افراد اتر گئے۔ کوئی نیا مسافر ڈبے میں نہیں آیا۔

میں درجنوں مرتبہ یہ فاصلہ طے کر چکا تھا، اس لئے راستے کے نظاروں میں میرے لئے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ٹاؤن بی پہنچ کر میں عموماً رات ایک سرائے میں گزارا کرتا تھا تا کہ اگلی صبح اپنے گاؤں کا سفر جاری رکھ سکوں۔ اس دفعہ میں اپنے معمول کے مطابق اس سرائے میں نہیں ٹھہر سکوں

گا۔ غالباً اس دفعہ پولیس اسٹیشن ہی میرا ٹھکانا ہوگا۔

بنجر، بیابان زمین، کبھی سرمئی اور کبھی زرد رو۔ مسلسل یہی ایک نظارہ تھا، شاید بوریت طاری ہوگئی''۔

میں بھوکا ہی نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ جو ہونا ہے، ہو جائے۔ آہ !انسانوں کی یہ دنیا، کہیں تمباکو کے پودے نظر آنے لگتے اور پھر کم ہوتے ہوئے، سرے سے ہی غائب ہو جاتے۔ جیسے ریل کی تیز رفتاری نے ایک دم ہی جھاڑو پھیر دی ہو۔ کبھی کسی شے کی جھلک، ایک طویل سلسلہ اور پھر اچانک اس کا غائب ہو جانا۔ تاحد نظر پھیلے کھلیان۔۔۔۔۔۔ ویران، بنجر اور پانی کے نام و نشان تک نہیں۔۔۔۔۔۔ ان سب کھیتوں میں چاول اگا ہوتا تھا۔ ریل آہستہ آہستہ گہرا سیاہ دھواں چھوڑتی اپنے راستے پر گامزن تھی۔ یہ برطانیہ کی طرح کیوں نہیں، جہاں ہر مشکل پر قابو پا لیا گیا ہے؟ ہالینڈ کیوں نہیں؟ جاپان کیوں نہیں؟ جاپان کے متعلق کیا؟

ایجنٹ کا ہاتھ مجھ سے مس ہوا اور میری آنکھ کھل گئی۔ میرے پاس ہی وہ اشیا پڑی تھیں جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ ساتھ ہی دستر خوان کھلا رکھا تھا۔ کیلے کے ایک بڑے سے پتے میں پلاؤ کی طرح کے چاول، تلا ہوا انڈا اور مرغی موجود تھے۔ ساتھ ہی چمچ اور کانٹا بھی رکھا تھا۔ شاید یہ سب خاص طور سے میرے لئے تیار کیا گیا تھا۔ ایک عام پولیس ایجنٹ کسی کو اتنا شاندار کھانا کھلانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ ایک سفید بوتل میں چاکلیٹ ملا دودھ بھی رکھا تھا۔ یہ مشروب ابھی مقامی لوگوں کے لئے عنقا چیز تھا۔

شام پانچ بجے کے قریب، بالآخر ہم ٹاؤن بی پہنچ گئے۔ ایجنٹ ابھی تک گونگا بنا بیٹھا تھا۔ بہر حال اترتے ہوئے پھر اس نے میرا سامان سنبھالا۔ میں نے بھی اسے نہیں روکا۔ بھلا ایک عام سے پولیس ایجنٹ کا ایچ بی ایس کے طالب علم سے کیا موازنہ ممکن ہوگا؟ وہ زیادہ سے زیادہ تھوڑی بہت جاوی یا مالے لکھنا پڑھنا جانتا ہوگا اور بس۔

سٹیشن سے پھر بگھی میں سوار ہوئے مگر کہاں کے لئے؟ میں ان سفید پتھریلی سڑکوں کو بخوبی پہچانتا تھا۔ یہ راستہ کسی ہوٹل یا سرائے کا نہیں تھا اور ''بی ''پولیس اسٹیشن بھی اس جانب نہیں تھا۔

ٹاؤن کا سرسبز چوراہا اس وقت بالکل ویران پڑا تھا۔ عجیب اداسی اور خستہ حالی طاری تھی وہاں۔ آخر میں کہاں لے جایا جا رہا ہوں؟ کرایہ کی بگھی بوپاتی کے گھر کے دروازے پر جا رکی۔

میرے معاملے کا ٹاؤن بی کے بو پاتی سے بھلا کیا تعلق؟ میرا ذہن بری طرح الجھ کر رہ گیا۔

ایجنٹ پہلے اترا اور حسب عادت میرا سامان اتارنے لگا۔ "آیئے جناب!" اچانک اس نے بلند آواز میں جاوی میں کہا۔ میں اس کے ہمراہ بو پاتی کے گھر کے عین مقابل واقعی ایجنسی آفس میں داخل ہوا۔ عجیب آفس تھا، بے رنگ اور غیر آراستہ دیواریں۔ نہ کہیں کسی مناسب فرنیچر کا وجود اور نہ ہی کسی انسان کی پرچھائیں۔ غیر آباد اور ویران۔ ایک جانب ٹیک کا بنا کچھ ٹوٹا پھوٹا غیر ضروری فرنیچر، لکڑی کے بیکار کچرے کی صورت میں ضرور بکھرا ہوا تھا۔ شاید یہ سب کبھی کام کا بھی رہا ہو۔ وونو کرومو کے اتنے عالی شان بنگلے سے ایک دم اس ویران کچرا گھر میں آجانا، خود ایک ناقابل بیان تجربہ تھا۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انالیز کے مرغی خانے سے ذرا بہتر رہی ہوگی اس جگہ کی حالت۔ شاید اسی کمرے میں ملزموں سے سوالات کئے جاتے ہوں گے۔ ذرا غور سے دیکھنے پر پتہ چلا کہ ایک دو میزیں، چند کرسیاں اور بنچ بھی وہاں پڑے تھے۔ دوسری جانب الماریوں کے خانوں میں بے تحاشا کاغذات کے انبار نظر آ رہے تھے۔ چند کتابیں بھی رکھی تھیں۔ ٹارچر یا تشدد کے کوئی آلات نظر نہیں آئے، البتہ ہر میز پر سیاہی کی دوات ضرور موجود تھی۔

ایجنٹ ایک بار پھر مجھے اکیلا چھوڑ کر رفو چکر ہو گیا۔ ایک بار پھر وہی طویل، بے ہودہ اور تھکا دینے والا انتظار تھا اور میں۔ سورج بھی غروب ہو گیا مگر اس کا کوئی پتہ نہ تھا۔ مچھروں کی ایک فوج اپنے آلات موسیقی سمیت حملہ آور ہو گئی اور دوسری جانب، باہر سے عشا کی اذان کی آواز سنائی دینے لگی۔ گلی کے لیمپ جلائے جا چکے تھے۔ آفس تاریکی کی لپیٹ میں آ گیا اور مچھروں نے کمرے کے واحد ذی روح پر اپنے شدید حملوں کو آغاز کر دیا۔ حد ہے ذلالت کی! ایک راڈن ماس اور ایچ بی ایس طالب علم کی اس طرح عزت افزائی کی جاتی ہے؟ ایک تعلیم یافتہ آدمی، جس کی رگوں میں جاوا کے شاہوں کا خون دوڑ رہا ہے۔ کی یہ درگت؟ اف خدا!

میرے کپڑے پسینے میں شرابور، میرے جسم سے چپکے جا رہے تھے۔ اس قسم کی بدسلوکی کا تجربہ مجھے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

"میں حد درجہ معافی چاہتا ہوں جناب راڈن ماس"۔ ایجنٹ اچانک نمودار ہوا اور معذرت بھرے لہجے میں مچھروں بھرے اس تاریک کمرے سے باہر لے گیا۔ "اپنے خادم کو اجازت دیں کہ وہ آپ کو پینڈو پو پہنچا دے"۔

ایک بار پھر اس نے میرا بیگ اور سوٹ کیس تھاما۔

اچھا !مجھے بی کے بوپاتی کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے !اف خدایا !یہ کیا ہو رہا ہے؟ اب مجھے ایچ بی ایس کے طالب علم کو اپنا ہر فقرہ مکمل کرنے کے بعد اس کے احترام کے لئے جھکنا پڑے گا۔ میں اس قسم کا بے ہودہ ادب کرنے کا قائل ہی نہیں۔ میں ایجنٹ کے ہمراہ، پینڈوپو کی جانب چل پڑا۔ دونوں جانب کھمبوں پر لیمپ روشن تھے۔ میرا جی بھر آیا۔ یورپی تعلیم وتربیت اور یورپی لوگوں کے ساتھ رہنے سہنے کا کیا فائدہ؟ اگر اس سب کے باوجود بھی ایک چھوٹے سے ان پڑھ اور جاہل حکمران کے آگے سر ہی جھکانا ہے۔اللہ ! کتنی ذلالت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا،ایک بوپاتی کے حضور سر جھکا کر کھڑا ہونا اور اپنے ہی دفاع میں کچھ بھی نہ کہہ سکنا !میں تو کسی کو اپنے حضور بلا کر، اس طرح کے رویئے کے مظاہرے کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا۔ پھر میں کیوں کسی کے سامنے اپنی بے بسی اور عاجزی کا اظہار کروں؟

لیجئے،ایجنٹ مجھے فرما رہا ہے کہ اپنے جوتے اور جرابیں اتار لو۔۔۔۔۔۔ایک ظالمانہ اور احمقانہ ابتدا۔ کسی ماورائی طاقت نے مجھے اس کے حکم کی تعمیل پر مجبور کیا۔ میری ننگی ایڑی کے نیچے موجود فرش کسی برف کی طرح سرد تھا۔ اس نے مجھے اشارہ کیا تو میں قدم بہ قدم اوپر کی جانب چلتا چلا گیا۔ پھر اس نے ایک جگہ کی جانب اشارہ کیا،کرسی کے بالکل سامنے، جہاں مجھے فرش پر نظریں جما کر بیٹھ جانا تھا۔ایک دفعہ، میرے ایک ٹیچر نے کہا تھا:"یہ پتھریلی کرسی ڈچ ایسٹ انڈیز کمپنی کی خوبصورت نشانیوں میں سے ایک ہے۔ وہ خود تو کبھی کی غرق ہو چکی مگر یہ کرسی آج بھی باقی ہے۔ لعنتی پتھریلی کرسی !میری بے بسی اور بے کسی کی گواہ رہنا اور وہ بھی ایک ایسے بوپاتی کے حضور جسے میں جانتا تک نہیں۔لعنت ہے۔ اگر میرے دوست مجھے رکوع کے بل چلتے یا تعظیماً رینگتے دیکھ لیں تو میری کتنی ہنسی اڑے گی۔ کمپنی کا شیرازہ بکھرے عرصے ہو گیا مگر اس کی باقیات چل رہی ہیں؟

"چلیں، جناب راڈن ماس، گھٹنوں کے بل چلنا ہے"۔ایجنٹ ایک مرکھنے بیل کو مٹی کے سوراخ میں گھسانا چاہ رہا تھا۔ میں نے یہ دس میٹر کا فاصلہ، دل ہی دل میں مغلظات سناتے ہوئے، کس طرح طے کیا، میرا خدا جانتا ہے!

میرے دائیں بائیں تشدد میں مستعمل، آہنی زیورات بکھرے ہوئے تھے۔ چار لیمپوں کی روشنی سے پورا فرش جھلملا رہا تھا۔ میرے دوست انسانی غیرت وحمیت کی یہ درگت بنتے دیکھ کر، کس بری طرح مذاق اڑاتے ،اچھا تو انسان اپنی ٹانگوں کے بجائے ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل بھی چل سکتا ہے !یااللہ !تم میرے اجداد، تم نے اپنی ظالمانہ اور جاہلانہ رسموں کے ذریعے، اپنی ہی

آل اولاد کی تذلیل کرانی تھی۔ تمہارے وارث تمہیں بے عزت اور رسوا کئے بغیر، زیادہ محترم بن سکتے تھے۔ تم نے بے سوچے سمجھے کیسی رسموں کی لعنت ہم پر مسلط کر دی۔ ہائے بدقسمتی، بھلا ایسی رسمیں تو ختم کر سکتے تو شروع ہی کیوں کرتے؟

میں اس پتھریلی کرسی کے پاس جا رکا، گھٹنے موڑے موڑے، میں نگاہیں نیچی کئے بیٹھ گیا۔ روایت جو نبا ہی تھی۔ میں کرسی کا نچلا منقش حصہ، جس پر سیاہ مخملی غلاف چڑھا تھا، ہی دیکھ سکتا تھا۔ بالکل اسی طرح کا، جیسا گاؤن اس صبح میں انالیز کو پہنے دیکھ چکا تھا۔

بہرحال، اس پتھریلی کرسی کے سامنے پیر موڑے بیٹھا یہ سوچ رہا تھا کہ ٹاؤن بی کے بو پاتی کو مجھ سے کیا کام ہو سکتا ہے؟ کچھ بھی نہیں، نہ کوئی تعلق، نہ رشتہ اور نہ جان پہچان، دوستی کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نہ جانے اور کتنی دیر یہ رسوائی اور ذلت برداشت کرنی پڑے گی؟ اسی احساس ذلت کے ساتھ صبر آزما انتظار کے لمحے گزر رہے تھے۔ کیا قیامت کے لمحے تھے، گزر ہی نہیں پا رہے تھے؟

کسی دروازے کے کھلنے کی آواز سنائی دی۔ چند لمحوں بعد کسی کے پاؤں کی چاپ سنائی دی۔ مجھے اس وقت، اسی طرح کی ایک خوفناک رات میں مسٹر ے لیما کے جوتوں کی چاپ یاد آ گئی۔ پھر میری جھکی نظروں کے سامنے، کسی کے سلیپر نمودار ہوئے۔ ذرا اوپر صاف ستھرے پاؤں اور ذرا اوپر قیمتی ریشمی تہ بند نظر آ رہا تھا۔

میں نے کورنش کے انداز میں اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے اور اسی تعظیمی حالت میں کھڑا رہا۔ ایسی بہت سے مناظر، میں بارہا اپنے دادا اور دادی کے دربار میں دیکھ چکا تھا، خصوصاً رمضان کے روزوں کے فوراً بعد، عید کے عام دربار کے موقع پر۔ جب تک بو پاتی اپنی نشست پر آرام سے نہ بیٹھ جاتا، مجھے اسی حالت میں کھڑا رہنا تھا۔ مجھے اپنی شدید بکی اور اپنے علم کی رسوائی کا احساس مارے جا رہا تھا۔ سائنسی ترقی کی موعودہ خوبصورتی ------ دنیا کو جلا بخشنے والی ------ مجھے خود سے جیسے چھنتی نظر آ رہی تھی۔ انسانیت کے عظیم مستقبل کی تصویر، جو میرے اساتذہ نے بنائی تھی، مسخ ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ کون جانے، اس رات کتنی دفعہ مجھے اسی رسوا انداز میں، کورنش بجا لانا تھی ------ حکمرانوں اور ان کے اجداد کی تعریف و توصیف اور اپنی عاجزی اور انکساری کی آخری انتہا! زمین پر سجدے کی حالت میں چلا جانا! میں کم از کم اپنے وارثوں کی ایسی تذلیل، دیکھنا تو دور کی بات، سوچ بھی نہیں سکتا۔

ٹاؤن بی کا بو پاتی پہلے ذرا کھنکارا، پھر وہ آہستگی سے پتھریلی کرسی پر بیٹھ گیا اور جوتے کرسی کے نیچے کھسکا کر مخملیں کشن پر پاؤں جما دیئے۔ کرسی تھوڑی سی ڈانواں ڈول ہوئی۔ لعنت ہے، وقت ہے کہ گزر رہی نہیں پا رہا۔ میرے سر کے اوپر سے کوئی لمبی سی چیز مس کرتی محسوس ہوئی اور ہر دفعہ مجھے کورنش بجالانا پڑی۔ پانچ مرتبہ کورنش کی رسم کے بعد، وہ شے مجھ پر سے ہٹالی گئی اور بو پاتی کی کرسی کے برابر میں ٹانگ دی گئی۔ یہ شے بیل کے چمڑا کا بنا ہوا، گھوڑے کا چابک تھا۔

"تم !" اس کی کمزور اور کھردری سی آواز ابھری۔

"جی ہاں۔۔۔۔۔۔ میں، میرے آقا، محترم بو پاتی !" میرے منہ سے مشینی انداز میں الفاظ نکلنے لگے اور ہاتھ ایک بار کورنش بجالانے میں مصروف ہو گئے۔ لعنت ہے اس کورنش پر ختم ہی نہیں ہو پاتی"۔

"تم اس وقت ہی کیوں آئے؟ " اب اس کا لہجہ ذرا بہتر محسوس ہوا۔ اس کی آواز فلو کی وجہ سے خاصی گڑبڑ تھی۔ مجھے اس کی آواز، کہیں سنی ہوئی محسوس ہوئی۔ شاید نزلے کی وجہ سے ہی، میں اس کی آواز آسانی سے نہیں پہچان پایا۔

نہیں، نہیں یہ وہ نہیں ہو سکتے۔ ناممکن ! سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ سو میں خاموش رہا۔

"معزز حکومت نے بلاوجہ ہی پوسٹ آفس نہیں کھول رکھے۔ وہ میرے خطوط بڑی احتیاط اور بحفاظت تمہارے رہائشی پتے تک پہنچا سکتے ہیں۔۔۔۔۔۔"

"ہاں، یہ وہی آواز تھی۔ ناممکن !ایسا ہونے کے امکانات تھے ہی نہیں۔ میں شاید غلط اندازہ لگا رہا تھا۔

"خاموش کیوں ہو؟ کیا تمہاری تعلیم اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ میرے خط پڑھنا بھی تمہارے لئے گوارا نہیں رہے"۔

بلاشبہ یہ وہی آواز تھی !میں ایکبار پھر کورنش بجا لایا۔ ذرا سی آنکھ بچا کر ادھر نظر دوڑائی۔ یااللہ !یہ تو وہی ہیں۔

"ابو، مجھے معاف کر دیجئے"۔ میں چیخ پڑا۔

"جواب دو، تم میرے خطوں کا جواب دینے میں توہین محسوس کرتے ہو؟"

"بے پناہ معذرت، ابو، یہ قطعاً ایسی بات نہیں ہے"۔

"اور تمہاری امی کے خطوط، ان کا جواب کیوں نہیں دیا تم نے؟"

"میں دلی معافی چاہتا ہوں، ابو۔۔۔۔۔۔"

"تمہارے بڑے بھائی نے بھی تو خط لکھا تھا تمہیں؟"

"ابو، مجھے معاف کر دیجئے۔ میں اپنے پتے پر موجود نہیں تھا۔ میں آج کل وہاں نہیں رہتا۔ میں معافی چاہتا ہوں"۔

"تمہیں پڑھا لکھا کر ناریل کے درخت جیسا طویل قامت اس لئے بنایا گیا تھا کہ تم دھوکہ دینے لگو؟"

"میں ہزار بار معافی کا خواستگار ہوں ابو!"

"تمہارا خیال ہے کہ ہماری آنکھیں نہیں ہیں۔ ہمیں پتہ نہیں کہ تم کس تاریخ کو ونوکرومو گئے تھے؟ اور ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ سارے خطوط، تم بغیر پڑھے بند کے بند، اپنے ہمراہ لے گئے تھے؟ بیل کے چمڑے سے بنا ہوا، گھوڑے کا چابک فضا میں لہرانے لگا۔ میں ذہنی طور پر سزا کے لئے تیار ہو گیا، چابک کسی بھی وقت میرے جسم پر نشان ڈال سکتا تھا۔

"کیا تم لوگوں کے سامنے، اس چابک سے مار کھانے کی ذلت برداشت کر لو گے؟"

"لوگوں کے سامنے چابک کے ذریعے سزا پانے کی ذلت"۔ میں نے بغیر رکے جواب دیا۔ یہ اور بات ہے، یہ سوچتے ہی میرا رواں رواں کانپ اٹھا تھا۔ "اگر ایک باپ کے ہاتھوں ملے تو میرے لئے اعزاز ہوگا"۔ میں نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ اور دل میں سوچ رہا تھا، میرا رویہ بھی اسی طرح کا ہوگا جیسا رابرٹ، مسٹر ے لیما، ساسترو ٹوموا اور اس کی بیوی کے ساتھ مما کا ہو گیا ہے۔

" مگر کچھ کہیں گے !" وہ غصے میں غرائے۔ "میں نے تمہیں ای ایل ایس سے نکال کر ٹاؤن ٹی اسی لئے بھیجا تھا۔ اتنی کم سنی میں ! جتنی تعلیم بڑھ رہی ہے، اتنے ہی خطرناک مگر مچھ تم بنتے جا رہے ہو؟ اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ ملنے جلنے کے بجائے، ایک نیائے کے گھونسلے میں سر گھسائے بیٹھے ہو۔ تم آخر کرنا کیا چاہتے ہو؟"

میں خاموش رہا۔ دل البتہ غصے میں چیخ رہا تھا: تم میری توہین کر رہے ہو، شاہی خون کی توہین ! میری ماں کے شوہر ! ٹھیک ہے، میں بھی جواب نہیں دوں گا۔ بولتے رہو، جو چاہو کرو، جاوا کے شاہی خون ! کل تک تم آبپاشی کے محکمے کے ایک عام سے افسر تھے۔ اب اچانک تم

بوپاتی بن گئے ہو، ایک چھوٹے سے بادشاہ !اپنے چابک سے مجھے خوب مارو، بادشاہ، تمہیں کیا معلوم علم وآگہی نے انسانوں کی اس دنیا میں ایک نئے دور کا آغاز کردیا ہے!

"تمہاری دادی تمہیں بوپاتی بنانا چاہتی تھیں تاکہ لوگ تمہارا احترام کریں۔ خاندان کا سب سے سمجھدار اور عقلمند بچہ کہلائے۔۔۔۔۔ٹاؤن کا سب سے ذی شعور بچہ سمجھا جائے۔ ہاں مگر اللہ رحم کرے، پتہ نہیں اس لڑکے نے کیا سوچ رکھا ہے!"

ٹھیک ہے، کہتے رہیں۔ اسی طرح عالی جاہ!

"تمہیں معافی ملنے کی ایک مثبت وجہ البتہ ہے اور وہ یہ کہ تم امتحان پاس کر کے، اگلی جماعت میں چلے گئے ہو"۔ میں اسی طرح گیارہویں جماعت تک جاسکتا ہوں !میں دل ہی دل میں غرایا۔ چلو اچھا ہے، میری ساری جہالت اسی طرح ہوا ہونے دو عالی جاہ"][! کیا تمہیں احساس نہیں کہ کسی نیائے کے ساتھ میل جول کتنا خطرناک ہے؟ اگر اس کے آقا کا دماغ خراب ہو گیا اور اس نے غصے میں تمہیں گولی ماردی یا خنجر اور تلوار سے تمہاری جان لے لی یا پھانسی دے ڈالی تو کیا ہوگا؟ لوگ تمہارے خاندان کا اور تمہارا تمسخر اڑائیں گے۔ تمہارے والدین کو کس شرمندگی اور رسوائی کا سامنا ہوگا، تمہیں کچھ اندازہ ہے اس کا؟

مما کی طرح میں بھی اپنے خاندان کو چھوڑنے کے لئے ذہنی طور پر تیار تھا۔ میں غصے میں پاگل ہو رہا تھا۔ اس خاندان نے مجھے غلامانہ ذہنیت کے سوا اور دینے کی کوشش بھی کیا کی ہے؟ بولتے رہیں، نکالیں اپنے دل کی بھڑاس !آخر جاوا کا شاہی گھرانہ ہے !میں بھی بری طرح پھٹ سکتا ہوں۔"تم نے اخبارات میں پڑھا نہیں کہ کل تمہارے والد کی بوپاتی بنائے جانے کی تقریب ہوگی؟ ٹاؤن کا بوپاتی !یہاں کے اسسٹنٹ ریزیڈنٹ، سراییا کے ریزیڈنٹ، مسٹر کنٹرولر اور اردگرد کے علاقوں کے بہت سے بوپاتی بھی شریک ہو رہے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایچ بی ایس کے طالب علم کو اس سارے معاملے کی ہوا ہی نہ لگی ہو؟ اگر خود اخبار نہیں پڑھا تو کوئی اور بھی بتانے والا نہیں تھا؟ کیا تمہاری نیائے بھی تمہیں اخبار پڑھ کر نہیں سنا سکتی؟

دراصل سول سروس کی اس قسم کی رپورٹوں کی جانب میری توجہ ہی نہیں جاتی تھی، دلچسپی جو نہیں تھی۔ تقرری، برطرفی، ٹرانسفر، پنشن۔ ان میں سے کسی معاملے سے بھی میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ نوکرشاہی کی دنیا میری دنیا تھی ہی نہیں۔ میری بلا سے، کوئی خبیث چیچک کے محکمے کا افسر لگ رہا ہے یا کوئی اپنی خباثتوں کی وجہ سے بےعزت کر کے نوکری سے برطرف ہو رہا ہے۔ مراتب اور مقام،

تنخواہ یا تنزلی میری نظر میں کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتے۔ انسانوں کی زمین اور اس کے مسائل دراصل میری دنیا ہیں۔

''سنو، خبیث کہیں کے !'' انہوں نے ایک نئے افسر کے سے رعب اور دبدبے سے حکم دیا۔ ''تم نہ جانے کس کی نیائے کے چکر میں ذہنی غیر حاضری کے شکار ہو گئے ہو تم ایک اچھی اولاد کی حیثیت سے اپنے والدین کے حقوق بھلا بیٹھے ہو۔ شادی وغیرہ کے چکر میں ہو تم شاید ! چلو یہ مسئلہ پھر کسی وقت طے کر لیں گے۔ فی الحال ایک اور بات ہے، ذرا غور سے سنو۔ کل شام کو تم مترجم کے فرائض سنبھالو گے۔ لوگوں میں مجھے یا خاندان کو شرمسار نہ کرا دینا۔ ریزیڈنٹ، اسسٹنٹ ریزیڈنٹ، کنٹرولر اور پڑوسی علاقوں کے کئی بوپاتی بھی موجوں ہوں گے''۔

''ٹھیک ہے ابو!''

'' کوئی مشکل تو نہیں ہوگی، کر لو گے نا یہ ذمہ داری؟''

''بالکل ابو، کوئی مشکل نہیں۔ میں بہ آسانی یہ کام کر لوں گا''۔

''اچھا ہے، کبھی کبھار والدین کا دل بھی خوش کر دینا چاہیے۔ اب تمہی سوچو کہ مسٹر کنٹرولر میرے مترجم بنے ہوتے اور تم غائب ہوتے۔ کتنا عجیب لگتا۔ بڑے بڑے لوگوں سے ملنا ملانا، اسی طرح شروع ہوتا ہے۔ یہ تقریبات میل جول کا بہانہ بن جاتی ہیں لیکن تم تو ہو ہی ایک خبیث ! تمہیں اندازہ ہی نہیں کہ تمہارے والدین تمہارے لئے بلند تر حیثیت چاہتے ہیں، اس کے لئے راستہ صاف کر رہے ہیں۔ تاکہ آنے والے وقت میں کامیابی و کامرانی تمہارے قدم چومے لیکن شاید تم بلند حیثیت یا کامیابیوں سے زیادہ اہمیت نیائے کو دیتے ہو؟''

''جی۔ ابو، آپ نے درست کہا''۔

''اسی طرح اعلی مقامات کے راستے تمہارے لئے کھلتے جائیں گے''۔

''ٹھیک ہے ابو''۔

''اب اپنی والدہ کے پاس جاؤ، تمہارا تو شاید گھر واپسی کا کوئی ارادہ تھا ہی نہیں۔ اسسٹنٹ ریزیڈنٹ کے معاون سے کہتے ہوئے مجھے کتنی شرمندگی ہوئی ہوگی، تم شاید نہیں سمجھ سکتے؟ اب تم خوش ہو، کسی ناتجربہ کار چور کی طرح پکڑ کر لائے گئے ہو۔ پتہ نہیں شرمندگی کا کوئی احساس بھی تم میں ہے کہ نہیں۔ جاؤ اپنی والدہ کے پاؤں چھوؤ۔ مجھے پتہ ہے تم نے انہیں بھلا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تم اس نودولتی نیائے سے اپنی رشتہ داری پکی کرنے کے چکر میں ہو اور بس !'' ظاہر ہے، میں

نے کوئی جواب نہیں دیا، صرف تعظیماً سر جھکائے کھڑا رہا۔ پھر اسی طرح چاروں ہاتھ پاؤں کے بل رینگتے ہوئے، نفرتوں کا بوجھ ذہن پر لئے، میں واپس اسی جگہ آیا جہاں میں نے جوتے اور موزے اتارے تھے اور جہاں سے یہ توہین آمیز غیر انسانی تجربہ شروع ہوا تھا۔ بوپاتی کے محل میں کوئی مقامی جوتے پہن کر داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ میں اپنے جوتے، ہاتھ میں تھامے، پینیڈ وپو کی ایک جانب سے، اس کے اندرونی حصے کی طرف چل پڑا۔ مدھم روشنی میں کچن کا راستہ نظر آ رہا تھا۔ راستے میں رکھی ایک ٹوٹی پھوٹی کرسی نظر آتے ہی، میں دھڑام سے اس پر گر پڑا۔ میرے ہاتھوں میں موجود چیزیں، نہ جانے کہاں کہاں گئیں۔ کوئی فوراً مجھے دیکھنے آیا۔ میں نے ظاہر کیا جیسے مجھے پتہ ہی نہیں۔ مجھے بلیک کافی کا کپ دیا گیا جو میں بغیر سانس لئے پی گیا۔

میرا بڑا بھائی نہ آ گیا ہوتا تو شاید میں کبھی کا سو بھی گیا ہوتا۔ وہ بولا تو اس کے لہجے میں بھی عجیب خباثت نظر آئی: "لگتا ہے تمہارے لہجے کی شگفتگی اور نرمی بھی غائب ہوگئی ہے اور ہاں، تم فوراً اماں کی قدم بوسی کے لئے کیوں نہیں گئے؟"

میں ایچ بی ایس کا طالب علم اور ڈچ جزائر کے مستقبل کا ایک اعلیٰ افسر، چپ چاپ اٹھا اور اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ وہ کسی بڑے بوڑھے کی طرح ادھر ادھر کی ہانکتا رہا اور اپنی اہمیت جتاتا رہا جیسے وہ نہ ہوتا تو آسمان زمین سے ٹکرا کر، اسے ریزہ ریزہ کر چکا ہوتا۔ اپنی محدود ڈچ کی وجہ سے پھر وہ جاوی میں شروع ہوگیا۔ مجھے اپنی ہی روایات سے لاعلم ہونے پر جھاڑ پلانے لگا۔ میں بھی چپ چاپ سنے گیا۔ چند دروازے عبور کرنے کے بعد ہم رہائشی حصے میں داخل ہو گئے۔ بالآخر ایک دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے کہا" ;یہاں جانا ہے تمہیں!"

میں نے آہستگی سے دروازے پر دستک دی۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ یہ کس کا کمرہ ہے۔ بہر حال میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ امی سنگھار میز کے سامنے بیٹھی، بالوں میں کنگھی کر رہی تھیں۔ ان کے برابر میں ایک اونچا لیمپ ایستادہ تھا۔

"امی، مجھے معاف کر دیں"۔ میں ان کے قدموں میں بیٹھ گیا اور ان کے گھٹنے چومنے لگا۔ پتہ نہیں کیوں ایک دم میرے دل میں والدہ کی محبت مچل اٹھی تھی۔ "سو بالآخر تم اپنی شکل دکھانے آ ہی گئے گھر !شکر ہے تم صحیح سلامت ہو !"انہوں نے میری ٹھوڑی اٹھا کر، میرا چہرہ بغور دیکھا۔ بالکل ایسے ہی جیسے میں کوئی چار سالہ بچہ ہوں۔ ان کی نرم اور محبت بھری آواز نے مجھے جذباتی کر دیا۔ میری آنکھوں میں آنسوؤں کا ایک سیلاب آ گیا۔ یہ میری ماں تھیں، ہمیشہ جیسی ماں، کہیں

کوئی تبدیلی نہیں تھی۔

"آپ کالاڈلا اور منہ چڑھا بیٹا ہوں ناماں"۔ میں نے پیار سے کہا۔

"تم اب لڑکے نہیں رہے، یہ مونچھیں بھی آ رہی ہیں تمہاری۔ میں نے سنا ہے کہ تم کسی دولت منداور خوبصورت نیائے کے چکر میں پڑ گئے ہو"۔ مجھے انکار کی مہلت دیئے بغیر ہی، وہ بولتی چلی گئیں۔

"یہ تو تم پر ہے۔ اگر تم دونوں ایک دوسرے کو واقعی پسند کرتے ہو۔ اب تم بالغ ہو گئے ہو، تمہیں ذمہ دار بننا چاہیے، نتائج برداشت کرنے کا حوصلہ ہونا چاہیے۔ ذمہ داری سے کترانے سے بات نہیں بنے گی"۔ انہوں نے لمبی سانس لی اور ایک ننھے منے بچے کی طرح، میرے رخسار پر ہلکی سی چپت ماری۔ "لوگ کہتے ہیں کہ تم نے سکول میں بہت اچھی کارکردگی دکھائی ہے۔ خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ مجھے تو بعض اوقات حیرانی ہوتی ہے کہ اس نیائے کے دام میں گرفتار ہونے کے باوجود، تمہاری تعلیم اتنی اچھی کس طرح جا رہی ہے یا شاید تم بہت ہی ہوشیار اور ذہین ہو؟ تمہارے اندر بھی تو ایک مرد چھپا ہے: تم مرد ہوتے تو بلوں کی طرح ہو اور ظاہر خود کو خرگوش جیسا معصوم جانور ظاہر کرتے ہو۔ خرگوش بن کر، وہ تمام پتے کھا جاتے ہیں اور بلے بنے، سارا گوشت چٹ کر جاتے ہیں۔ تم ٹھیک سے پڑھ لکھ رہے ہو، یہ تو اچھا ہی ہے"۔

دیکھیں، امی نے کہیں میری غلطی یا کوتاہی کا ذکر نہیں کیا۔ مجھے ان کی کسی بات کو رد نہیں کرنا پڑا۔

"مرد کھانے کے شوقین ہوتے ہیں۔ کون جانے وہ پتے کھاتے ہیں یا گوشت؟ بالکل ٹھیک۔ یہ سمجھانے کی کوشش: سکول میں بہتر کارکردگی کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ تم دوسرے لوگوں کی غذا پر ہاتھ بھی زیادہ صاف کرنا شروع کر دو۔ تمہیں حدوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ یہ سمجھنا کوئی اتنا مشکل بھی نہیں یا ہے؟ اگر لوگ ان حدوں کو پار کرنے لگتے ہیں تو خدا، اپنے انداز میں، انہیں محسوس کرا دیتا ہے"۔

واہ ماں ! کتنے پیارے، ہیروں جیسے جگمگاتے الفاظ، آپ نے میرے وجود میں پرو ڈالے ہیں اس وقت۔

"تم اب تک چپ ہو، کچھ تو بتاؤ اپنی ماں کو؟ بیٹا، کیا میرا سارا انتظار یونہی بے کار چلا جائے گا؟"

"اگلے سال میں گریجوئیشن کرلوں گا ماں"۔

"شکر خدا کا ! ماں باپ تو صرف دعائیں ہی کر سکتے ہیں۔تم یہاں کیوں آ گئے؟ تمہارے ابوتمہارے لئے بہت پریشان تھے اورتم سے ناراض بھی۔تمہارے ابوکواچانک ہی بوپاتی بنادیا گیا۔کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اتنی جلدی آ گے آ جائیں گے۔تم بھی ایک دن اسی طرح بلندیوں کوچھولوگے۔تم تو قابل بھی بہت ہو۔تمہارے ابوکوتو صرف جاوی آتی ہے۔تمہیں ڈچ پر عبور ہے۔تم ایچ بی ایس کے طالب علم ہو۔تمہارے ابوتو صرف عام سے پرائمری سکول میں ہی پڑھے تھے۔ڈچ لوگوں سے تمہارا ملنا جلنا ہے۔تمہارے ابو کے تو ان سے کوئی خاص تعلقات ہی نہیں۔تم ایک دن ضرور بوپاتی بنوگے"۔

"نہیں امی، میں بوپاتی قطعی نہیں بننا چاہتا"۔

"نہیں؟ حیرت ہے۔چلو جیسے تمہاری مرضی۔لیکن تم بننا کیا چاہتے ہو؟ گریجوئیشن کے بعد،تم جوبھی بننا چاہو، بن سکتے ہو"۔

"میں ایک آزادانسان بننا چاہتا ہوں، جو نہ کسی کوحکم دیتا ہواور نہ کسی کے احکام کی تعمیل کرتا ہو"۔

"بیٹا،کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے، میں تو پہلی دفعہ یہ بات سن رہی ہوں"۔

جب میں بہت چھوٹا تھا تو امی کواپنے ٹیچرز کی کہی ہوئی باتیں سنایا کرتا تھا۔اس دفعہ بھی میں نے انہیں مس ماجدہ پیٹرز کے خیالات کے بارے میں بتایا۔انقلاب فرانس کے متعلق ان کی دلچسپ کہانیاں، انقلاب کے معنی، اس کے بنیادی اصول اور پتہ نہیں کیا کیا۔۔۔۔۔۔سنا تا رہا۔ امی میری باتیں سنتی رہیں، ہنستی رہیں۔جیسے ان کا چھوٹا سا بچہ، ان کا دل بہلا رہا ہے۔انہیں میری کوئی بات بری نہیں لگی۔ میری کوئی بات نہیں کاٹی انہوں نے۔ "ارے، تم اتنے گندے ہو، پسینوں کی سڑی بوآ رہی ہے۔فوراجاؤ، گرم گرم پانی سے نہاؤ، پہلے ہی کافی دیر ہوگئی ہے۔کل تمہیں خاصا کام کرنا پڑے گا۔ پتہ ہے ناتمہیں اپنی کل ذمہ داری؟"

میں ابھی عمارت سے اچھی طرح واقف نہیں ہوا تھا۔ مجھے میرے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔اندر لالٹین جل رہی تھی۔ میرا بھائی بھی وہیں بیٹھا کچھ پڑھ رہا تھا۔شاید وہ بھی اسی کمرے میں رہائش پذیر تھا۔ میں اپنی چیزیں سمیٹتے اس کے پاس سے گزرا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا تک

نہیں۔ بالکل اس طرح، جیسے دنیا میں میرو جود ہی نہ ہو۔ یا ممکن ہے وہ مجھ پر، اپنے محنتی طالب علم ہونے کا رعب جھاڑنا چاہتا ہو۔

میں کھنکارا۔ اس نے پھر بھی کوئی توجہ نہیں دی۔ میں نے اس کی طرف نظر ڈالی: آخر وہ پڑھ کیا رہا ہے؟ وہ چھپی ہوئی نہیں بلکہ قلمی نسخہ لگی !اور کتاب کا کور دیکھ کر میں ذرا مشتبہ ہو گیا۔ صرف میرے پاس ہی جین میریز کا بنایا ہوا ایک قلمی نسخہ تھا، جس کا بہت خوبصورت کور تھا۔ میں انتہائی آہستگی سے اس کے پیچھے گیا۔ میں غلطی پر نہیں تھا۔ وہ میری اپنی ڈائری تھی۔ میں نے انتہائی غصے سے اس سے اپنی ڈائری چھین لی۔

"اسے ہاتھ نہ لگانا !اسے کھولنے کا حق تمہیں آخر کس نے دیا؟ تم ! کیا تمہارے سکول میں یہی سکھایا جاتا ہے؟"

وہ حیرت زدہ اٹھ کھڑا ہوا اور میرا منہ تکنے لگا: "تم اب جاوی تو کسی طرح لگتے ہی نہیں"۔

"جاوی ہونے کا فائدہ؟ اگر آدمی کے حقوق کا اس طرح مذاق اڑایا جائے۔ شاید تمہیں پتہ نہیں اس طرح کی تحریریں بہت ذاتی نوعیت کی ہوتی ہیں؟ کیا تمہارے اساتذہ نے تمہیں اخلاق اور انفرادی حقوق کے متعلق کچھ نہیں بتایا؟"

میرا بھائی شدید غصے کی حالت میں خاموش کھڑا مجھے گھور رہا تھا۔

"یا شاید تربیتی افسروں کو اس طرح کی باتیں سکھائی جاتی ہیں؟ جس کے معاملے میں چاہیں ٹانگ اڑا دیں، جس کے حقوق چاہیں پامال کر ڈالیں۔ کیا نئی تہذیب سے ذرا بھی آشنا نہیں کرایا گیا تمہیں؟ تم تو ایسے بادشاہ بننا چاہتے ہو، جسے من مانی کی آزادی ہو، اپنے اجداد بادشاہوں کی طرح؟"

میری مزاحمت اور غصے کی آگ، دونوں ہی، ٹھنڈے پڑ گئے۔ تو اس کی باری آئی:

"نئی تہذیب تمہیں یہ سکھا رہی ہے کہ لوگوں کی بے عزتی کرتے پھرو؟ سرکاری افسروں کی توہین کرو، جو کل تمہیں بھی بننا ہے!"

"سرکاری افسر؟ تم اپنے سامنے جس شخص کو دیکھ رہے ہو وہ کبھی سرکاری افسر بننا پسند نہیں کرے گا"۔

"اچھا، چلو ابو کے پاس چلتے ہیں، انہیں اپنے ان ارادوں کے بارے میں بتانا"۔

"میں تمہارے سامنے اور تمہارے پیچھے بھی انہیں یہ بتا سکتا ہوں۔ لیکن یہ صلاحیت مجھ

میں ہے کہ میں پورے خاندان کو پیچھے چھوڑ دوں اور تم ! تم میری چیزوں میں گھس کر، میرے حقوق پامال کر رہے ہو، تمہیں پتہ نہیں، ایسی حرکت پر معذرت کر لینی چاہیے۔ کیا تم کبھی سکول گئے ہی نہیں؟ یا تمہیں اخلاقی رویوں کے متعلق کبھی کسی نے کچھ سکھایا نہیں؟"

"شٹ اپ ! اگر میں سکول نہ گیا ہوتا تو میں تمہیں ہاتھ پیروں کے بل رینگنے اور کورنش بجا لانے کا حکم دے چکا ہوتا"۔

" کوئی کوڑھ مغز ہی میرے متعلق اس طرح سوچ سکتا ہے۔ جاہلیت کا مارا"۔

امی نے آ کر مداخلت کی۔"دو سال بعد پہلی دفعہ مل رہے ہو۔۔۔۔۔۔ یہ کیا دیہاتی بچوں کی طرح جھگڑا ڈال رکھا ہے؟"

"امی، جو بھی میرے حقوق کی خلاف ورزی کرے گا۔ میں اس سے لڑوں گا۔ چاہے وہ میرا بھائی کیوں نہ ہو"۔

"امی، اس ڈائری میں، اس نے اپنی تمام خباثتوں کا ذکر کیا ہے۔ میں اسے ابو کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا۔ اس نے خوف کے مارے وہ ڈائری مجھ سے چھین لی"۔

" تمہیں ابھی وہ افسرانہ اختیارات نہیں ملے کہ جس میں تعریف کے چند جملوں کے بدلے، تم اپنے بھائی کو بیچ سکو"۔

مما نے بھائی سے کہا" یہ بات بھی واضح نہیں کہ تم کسی بھی طرح اپنے بھائی سے بہتر ہو"۔

میں نے اپنی چیزیں اٹھا لیں۔"اس سے بہتر تو ہے امی کہ میں واپس سرابیا لوٹ جاؤں"۔

" نہیں، تمہارے ابو نے تمہارے ذمے ایک کام لگایا ہے"۔

" یہ بھی وہ کام کر سکتا ہے"۔ میں نے بڑے بھائی کی طرف اشارہ کیا۔

" تمہارا بھائی ایچ بی ایس کا طالب علم نہیں ہے۔"

"اگر میری ضرورت ہے تو مجھے اس طرح رگیدا کیوں جا رہا ہے؟"

امی نے بھائی کو دوسرے کمرے میں جانے کا حکم سنا دیا۔ اس کے جانے کے بعد وہ میری طرف مڑیں اور کہنے لگیں:"تم واقعی اب جاوی نہیں رہے۔ ڈچ تربیت نے تمہیں بالکل ڈچ بنا دیا ہے۔ گندمی ڈچ، جو بالکل انھی کی سی حرکات کرتا ہے۔ شاید تم عیسائی بھی ہو گئے ہو"۔

"ارے مما، کہاں جا پہنچیں۔ یہ آپ کا وہی پہلے والا بالکل پہلے کی طرح کا بیٹا ہے"۔

"ماضی والا، میرا بیٹا اتنا بے ادب اور گستاخ نہیں تھا"۔

"اس وقت آپ کے بیٹے کو صحیح اور غلط کی پہچان ہی نہیں تھی۔ میں صرف غلط چیز سے بھڑک اٹھتا ہوں، امی"۔

"یہی تو تمہارے جاوی نہ ہونے کی نشانی ہے۔ اپنے بڑوں کی باتوں پر کان نہ دھرنا، وہ بڑے جو زیادہ قابل احترام ہیں، زیادہ بااختیار ہیں"۔

"امی ! مجھے اس طرح سزا نہ دیں۔ میں ہر صحیح چیز کی عزت کرنا، خود پر فرض سمجھتا ہوں"۔

"جاوی اپنے بزرگوں اور بااختیار لوگوں کے زبان نہیں چلاتے، سر نہیں اٹھاتے۔ یہ طریقہ ہے کردار کی بلندی حاصل کرنے کا۔ لوگوں میں خوئے تسلیم کا حوصلہ ہونا چاہیے۔ شاید تمہیں اب وہ گیت بھی یاد نہ ہو۔۔۔۔۔۔"]["مجھے یاد ہے امی، میں جاوی کتابیں پڑھتا رہتا ہوں۔ لیکن ان گمراہ کن جاوی کتابوں کے گیت بھی بس بہکاوا ہی ہیں۔ سر جھکا لینے والے لوگوں کو ذلت ورسوائی کے سوا کچھ نہیں ملتا"۔

"اچھا!"

"امی، یہ سبھی کچھ جاننے اور پہچاننے کے لئے میں دس سال سے ڈچ سکول میں پڑھ رہا ہوں۔ کیا آپ مجھے اس حقیقت کو اچھی طرح پہچان لینے کی سزا دینا پسند کریں گی؟"

"تم ڈچ لوگوں میں بہت ہی زیادہ گھل مل گئے ہو۔ اب تمہیں اپنے ہی لوگوں سے، اپنے گھرانے سے، یہاں تک اپنے والد کی قربت بھی اچھی نہیں لگتی۔ تم ہمارے خطوں تک کا جواب نہیں دیتے۔ شاید میری محبت بھی نہیں رہی تمہارے دل میں؟"

"نہیں امی، مجھے معاف کر دیں"۔ ان کے الفاظ تیر کی طرح میرے دل میں ترازو ہو گئے تھے۔ میں نے زمین پر گر کر، ان کے پاؤں پکڑ لئے: "امی اس طرح کی باتیں نہ کریں۔ میری غلطیوں کی اتنی زبردست سزا نہ دیں۔ میں صرف جاوی لوگوں کی جہالت سے آشنا ہوا ہوں کیونکہ علم یورپی لوگوں کے پاس ہے اور میں نے سیکھا بھی انہی سے ہے"۔ انہوں نے میرے کان مروڑے۔ پھر نیچے جھک کر سرگوشی میں کہنے لگیں: "ماں تمہیں سزا نہیں دے رہی۔ تم اپنا راستہ خود بنا رہے ہو۔ میں نہ تمہارے راستے میں رکاوٹ بنوں گی اور نہ واپس آنے کو کہوں گی۔ بس جس راستے کو بہترین سمجھتے ہو، اس پر چلتے جاؤ۔ لیکن اپنے والدین کا اور ان لوگوں کا، جنہیں تم جاہل سمجھتے ہو، دل نہ توڑو"۔

"امی، میں نے کسی کا دل توڑنے کا کبھی سوچا بھی نہیں"۔

"شاید عورت کی قسمت میں یہی ہوتا ہے۔ اولاد پیدا کرنے کی تکلیف برداشت کرتی ہے اور پھر ان کی حرکتوں کی وجہ سے رنج وغم!"

"امی، براہ مہربانی میری وجہ سے، یہ ذہنی اذیتیں نہ لیا کریں۔ آپ کو یاد نہیں، آپ ہی تو کہتی تھیں کہ خوب دل لگا کر اور محنت سے علم حاصل کرو؟ میں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اب آپ کو مجھ میں گڑبڑ نظر آ رہی ہے"۔ وہ کسی ننھے بچے کی طرح، میرے بالوں اور چہرے پر اپنا ممتا بھرا ہاتھ پھیرنے لگیں۔

"جب تم پیدا ہونے والے تھے، میں نے خواب میں کسی نامعلوم بزرگ کو دیکھا۔ انہوں نے مجھے ایک پیش قبض دیا۔ اس دن سے مجھے پتہ تھا کہ میرے اس بچے کے پاس کوئی بہت تیز دھار ہتھیار ہوگا۔ اس کے استعمال میں بہت محتاط رہنا۔ کہیں اس سے خود کو ہی نقصان نہ پہنچا لینا۔۔۔۔۔

میرے والد کی تعیناتی کی تقریب کے سلسلے میں صبح سویرے ہی سے تیاریاں شروع ہو گئی تھیں، علاقے کی سب سے اچھی رقاصاؤں کو اس موقع پر بلایا گیا تھا۔ والد نے ٹاؤن ٹی سے گیملن نامی خالص تانبے کا بنا ہوا آرکسٹرا منگوایا تھا۔ یہ میری دادی اماں کی ملکیت تھا اور عام حالت میں مخملیں غلاف میں لپیٹ کر انتہائی احتیاط سے رکھا جاتا تھا۔ ہر سال اس کے ساز باقاعدہ چیک کئے جاتے اور گلاب کے عرق سے انہیں غسل دیا جاتا۔ گیملن کے ساتھ ایک ماہر موسیقار کو بھی بلایا گیا تھا۔ میرے والد کی خواہش تھی کہ آرکسٹرا کے ساتھ ساتھ، اس کا ساز و آہنگ بھی خالص مشرقی جاوی نظر آئے۔ سو صبح سے ہی پینڈوپو میں فنکاروں کا ایک ہجوم آلات موسیقی سے دست بہ گریباں تھا۔

بوپاتی آفس کا انتظامی کام بالکل روک دیا گیا تھا۔ ہر شخص سرابیا کے معروف ڈیکوریٹر نکولو مورینو کی مدد میں لگا ہوا تھا۔ وہ اپنے ساتھ بہت سی نت نئی اشیا کا پورا ایک صندوق لائے تھے تاکہ انہیں سجاوٹ کے لئے استعمال کیا جا سکے۔ اس دن میں نے آرائش و زیبائش کے فن کی اہمیت،

پہلی دفعہ محسوس کی۔ مسٹر نکولو موریتو کو اسسٹنٹ ریزیڈنٹ بی کی تجویز پر بلایا گیا تھا۔ سرابیا کے ریزیڈنٹ کو خود بھی یہ ڈیکوریٹر بہت پسند تھے۔

اس صبح میری بھی مسٹر نکولو سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے غالباً میرے کسی باس کے لئے، فوراً میری پیمائش لے ڈالی۔ انہوں نے پینڈوپو کو آراستہ کرنے میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ سرابیا سے لائی گئی، ملکہ ول ہیلمنا کی تصویر کو، جی ہاں وہی ملکہ جو کبھی میرے خوابوں میں بستی تھی، ایک مرکزی جگہ پر، بہت شاندار طریقے سے آویزاں کیا گیا تھا۔ یہ پورٹریٹ ایک جرمن فنکار ہوسن فیلڈ کا شاہکار فن پارہ تھی۔ میں آج بھی اس شاہکار کا معترف ہوں۔

سہ رنگی جھنڈیاں، ہر جگہ قطار کی شکل میں لگی ہوئی تھیں۔ ملکہ کا پورٹریٹ ان کا منبع تھا اور وہاں سے نکل کر وہ تمام سامعین کو اپنی لپیٹ میں لیتی ہوئی گویا ملکہ کی حاکمیت کا اعلان کر رہی تھیں۔ پینڈوپو کے مختلف حصوں کو آٹے سے بنائے گئے کسی خاص رنگ سے پینٹ کیا گیا تھا۔ یہ رنگ دو گھنٹوں میں خشک بھی ہو گیا۔ درختوں کی سرسبز شاخوں اور ناریل کے زردی مائل سبز پتوں کی رنگ آمیزی نے بے رنگ اور اجاڑ دیواروں کو نیا حسن اور دلکشی دے دیا تھا۔ یہ رنگین مصوری یقیناً لوگوں کو بھلی محسوس ہوتی۔ عام دنوں میں، پودوں پر کھلے مختلف پھول، اپنے درمیانی فاصلوں کی وجہ سے، اتنے خوبصورت شاید نہ لگتے ہوں جتنے اپنے رنگوں کے تنوع اور قربت کی وجہ سے، ان دیواروں پر ابھرے محسوس ہو رہے تھے۔

میرے والد کی زندگی کی وہ اہم رات تھی۔ کچھ دیر پہلے گیملن آرکسٹرا دھیمے سروں میں، اپنے سازوں سے کھیلنے لگا تھا۔ مسٹر نکولو موریتو، میرے کمرے میں موجود، مجھے بنانے سنوارنے میں مصروف تھے۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھ سے عاقل و بالغ شخص کو، کوئی اور۔۔۔۔۔۔ اور وہ بھی سفید فام ماہر۔۔۔۔۔۔ کپڑے پہننے اور سنوارنے میں مدد دے گا! بالکل نئی نویلی دلہن کی طرح، جس کا نکاح ہونا ہو!

میری آرائش کے دوران، وہ منہ ہی منہ میں، کسی انجانی زبان میں، خود کلامی کرتے رہے۔ وہ ڈچ یقیناً نہیں تھے۔ خود ان کے بقول وہ عموماً بوپاتیوں کی تقریبات آراستہ کیا کرتے تھے۔ سماٹرا اور بورینو کے سلاطین کی شاہی تقریبات کا انتظام بھی انہی کے ذمے تھا۔ انہوں نے ان کے لئے نئے شاہی لباس ڈیزائن کئے تھے اور ایسے کاموں کے لئے، انہیں اب بھی بلا لیا جاتا تھا۔ ان کے کہنے کے مطابق جاوا کے شاہی محافظوں کی یونیفارم بھی انہی کی تیار کردہ تھی۔

میں خاموشی سے ان کی باتیں سنتا رہا، نہ واہ واہ کی اور نہ ان کا مذاق اڑایا حالانکہ ان کی ہر بات قابل یقین نہیں تھی۔ انہوں نے مجھے ایک زریں اور منقش واسکٹ پہنائی، جو سختی اور ڈیزائن میں کچھوے کے خول سے ملتی جلتی تھی۔ اسے پہننے کے بعد میں جھکنے سے معذور ہو گیا۔ اس کا سخت کالر میری گردن کے ادھر ادھر ہونے میں مزاحم ہو رہا تھا۔ میرے خیال میں اس لباس کا مقصد بھی شاید یہی تھا کہ میرا بدن سیدھا اور فولادی نظر آئے۔ کسی شریف آدمی کی طرح، آنکھیں صرف سامنے دیکھ سکیں۔ بدن میں کوئی خم یا جھکاؤ محسوس نہ ہو۔ نیچے روایتی تہبند پر چاندی کی بنی بیلٹ تھی۔ لباس اپنے انداز میں خاصا شاہانہ اور پروقار لگ رہا تھا۔ مشرقی جاوا کا حقیقی نمائندہ ! اور والد کی خواہش بھی یہی تھی۔ میں نئی نویلی دلہن کی طرح، اسے برداشت کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ مشرقی جاوا اور مادری تمدن کا حسین امتزاج، ایک مخملیں ٹوپی، میرے سر پر منڈھ دی گئی۔ بقول مسٹر مورینو کے، یہ ٹوپی ان کی اپنی تخلیق تھی۔ پھر ایک مرصع اور جڑاؤ خنجر کمر میں لگا دیا گیا۔ اور پھر ایک بیش قیمت کوٹ پہنایا گیا۔ خنجر کی نیام کی جگہ، وہاں ایک خصوصی کٹاؤ دیا گیا تھا تاکہ لوگوں کی نظر مرصع خنجر پر بھی پڑتی رہے۔ میرے گلے میں ایک نکٹائی باندھی گئی تاکہ میری نگاہیں مستعدی سے سامنے کا جائزہ لیتی رہیں اور خود بے سکونی کے عالم میں رہوں۔ گرمی کی شدت سے میرا سینہ اور کمر پسینے میں تربتر ہو گئے۔ شیشے پر نظر ڈالی تو خود کو صدیوں پرانے روایتی فاتحہ سالار کے روپ میں پایا۔ میری قمیص کے سامنے کے حصے پر مخملیں کپڑے پر سونے کے دھاگے سے کشیدہ کاری کی گئی تھی۔

میں تو واقعتاً جاوا کے سپہ سالاروں کے وارثوں میں سے تھا اور اس حیثیت میں، خود بھی، جاوا کا ایک جنگ جو سالار ہوتا لیکن حیرت یہ ہے کہ ایک غیر جاوی مجھے اتنا زبردست کردار کیوں بنا رہا تھا؟ اتنا خوبصورت اور دلکش ! اور بنانے والا بھی کون ایک یورپی؟ شاید اطالوی؟ غالباً امنگ کرات کے دور سے ہی، جاوا کے شاہی سالاروں کے کپڑے یورپی ڈیزائنر تیار کرتے رہے ہیں۔ مسٹر نکولو مورینو نے کہا۔ میں معذرت خواہ ہوں مگر ہمارے آنے سے پہلے آپ لوگ عموماً لبادہ اوڑھا کرتے تھے۔ اوپر، نیچے، سر پر، ہر جگہ صرف ایک لبادہ ! مجھے واقعی چوٹ سی محسوس ہوئی۔

اس کی کہانی غلط ہو یا صحیح، میں بہرحال آئینے میں بہت دلکش اور وجیہہ لگ رہا تھا۔ ممکن ہے بعد میں لوگ تعریف بھی کریں کہ کتنا حقیقی جاوی لباس تھا ! اس میں شامل یورپی

عنصر۔۔۔۔۔۔زیر جامہ، کالر، ٹائی اور جگمگاتا ہوا برطانوی مخمل۔۔۔۔۔۔ان میں سے شاید کسی کے بھی ذہن میں نہ آئے۔

میں نے بہرحال، ان کپڑوں کو اور ظاہری وجاہت کو انیسویں صدی جدید دور کے ابتدا کی انسانی دنیا کی دین سمجھا۔ مجھے سچ مچ یہ محسوس ہوا کہ جاوا اور اس کے لوگوں، موجودہ دنیا کا کوئی بہت اہم حصہ نہیں ہیں۔ ہالینڈ کا ٹیکسٹائل مرکز ٹوئنٹی جاوی عوام کا کپڑا اور اس کا ضروری میٹریل خود ہی تیار کرتا ہے۔ دیہاتی کھڈی کا کپڑا صرف دیہاتیوں کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔ جاوی صرف خصوصی روایتی کپڑے بنانے میں لگا دیئے گئے ہیں مگر میرا یہ جسم، بہرحال اصلی ہے۔

مسٹر موریتو کے چلے جانے کے بعد میں بیٹھ گیا۔ جاوی گیملن آرکسٹرا کی دھنوں کی آواز میرے کانوں میں آئی تو میں اٹھ کھڑا ہوا اور دوبارہ خود کو آئینے میں دیکھنے لگا۔ ایک طمانیت بھری مسکراہٹ میرے چہرے پر ابھر آئی۔ روایت کے مطابق، مجھے ابو اور امی کے محافظ کی حیثیت سے، ان کے ساتھ استقبالیئے کی تقریب میں جانا تھا۔ میرے بھائی نے راستے میں آگے آگے جانا تھا البتہ میری بہنوں کا وہاں کوئی کام نہیں تھا۔ وہ عقبی جانب، اپنے کاموں میں مصروف ہوں گی۔

تمام مہمان پہنچ چکے تھے۔ ابو اور امی بھی آگے بڑھنے لگے۔ میرا بھائی ان کے آگے تھا اور میں ان کی پشت پر۔ جونہی ہم پینڈوپو میں استقبالی تقریب میں پہنچے۔ بی ٹاؤن کے اسسٹنٹ ریزیڈنٹ، پروگرام کے مطابق آگے آ گئے۔ تمام لوگ احتراما کھڑے ہو گئے۔ مسٹر اسسٹنٹ ریزیڈنٹ سیدھے ابو کے پاس گئے۔ احتراما ان کے اور امی کے سامنے جھکے، پھر مجھ سے اور میرے بھائی سے انہوں نے ہاتھ ملایا۔ اور پھر وہ ابو کے برابر میں بیٹھ گئے۔ گیملن آرکسٹرا پر مشہور خیر مقدمی دھن کیبو گیرو ابھرنے لگی اور آہستہ آہستہ پورے پنڈال میں موجود لوگوں کو اپنے جادو بھرے ساز سے متاثر کرنے لگی۔ پینڈوپو لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، ان کے چہرے خوشی اور روشنی سے تمتما رہے تھے۔ ان کے عقبی کمپاؤنڈ میں دیہاتی زمیندار اور دیہاتی افسران براجمان تھے۔

استقبالی افسر، بی کے پاتح نے پروگرام شروع کیا۔ چند لمحوں بعد، کسی غیر مرئی طاقت کے زیر اثر، گیملن کا ساز خاموش ہو گیا۔ ڈچ قومی ترانہ "ول ہیلمس " گایا گیا۔ لوگ احتراما کھڑے ہو گئے۔ ترانے گانے میں زیادہ آوازیں شامل نہیں تھیں۔ زیادہ تر لوگ گا ہی نہیں سکتے تھے۔ شاید ایک یا دو مقامی ہی اس اہلیت کے حامل ہوں۔ دوسرے لوگ خاموش کھڑے تکتے رہے۔ جیسے

اس عجیب وغریب اور شیریں نغمے کے سروں پر حلف لے رہے ہوں۔

مسٹر اسسٹنٹ ریزیڈنٹ نے سرابیا کے ریزیڈنٹ کے نمائندے کے طور پر کہنا شروع کیا، مسٹر کنٹرولر ولیم اینڈی فوراً اٹھ کر جاوی ترجمے کے لئے آگے آئے۔ مسٹر اسسٹنٹ ریزیڈنٹ نے سر کے اشارے سے انہیں روکا اور میری جانب اشارہ کر کے کہا کہ آج مترجم مجھے بننا ہے۔

ایک لمحے کو میں نروس ہو گیا مگر میں نے فوراً ہی خود پر قابو پالیا۔ ان میں کون تم سے زیادہ پڑھا لکھا اور بہتر ہے۔ اس آواز نے مجھے نیا حوصلہ بخشا۔ اس مشکل سے بھی اسی طرح نمٹو جیسے تم اپنے امتحانات کا سامنا کرتے ہو! میں سامنے آتے ہوئے جاوی رسم کے مطابق جھکنا اور اپنے ہاتھ سینے پر باندھنا بھول گیا۔ میں نے خود کو گویا اپنی جماعت کے سامنے کھڑا محسوس کیا۔ جہاں تک میری نظر جاتی، اردگرد بوپاتی ہی بوپاتی بیٹھے نظر آرہے تھے۔ وہ شاید مجھ میں نظر آتے۔ آدھے جاوی اور آدھے یورپی۔۔۔۔۔جنگجو سالار کی تعریف کررہے تھے یا ممکن ہے اس بات پر چراغ پا تھے کہ میں نے روایتی ادب واحترام کا مظاہرہ کیوں نہیں کیا۔

مسٹر اسسٹنٹ ریزیڈنٹ نے اپنی تقریر ختم کی، میں نے بھی اپنا کام ختم کر لیا۔ انہوں نے ابو سے ہاتھ ملایا۔ اب ابو کو بولنا تھا۔ انہیں ڈچ نہیں آتی تھی۔ پھر بھی وہ دوسرے جاہل بوپاتیوں سے بہت بہتر تھے۔ وہ جاوی میں مخاطب ہوئے۔ میں نے ڈچ میں اس کا ترجمہ کرنا شروع کر دیا۔ میں نے اپنا انداز تخاطب بالکل یورپی بنالیا۔ میں نے اسسٹنٹ ریزیڈنٹ کو اس طرح سر ہلاتے اور خوش ہوتے دیکھا جیسے میں ہی اصل تقریر کر رہا ہوں یا ممکن ہے وہ میری بندر جیسی حرکات کا لطف اٹھا رہے ہوں۔ ابو کی تقریر ختم ہوئی اور ساتھ ہی میرا ترجمے کا کام بھی۔ اعلیٰ افسر کھڑے ہو کر ابو کو مبارک دینے لگے۔ امی، بھائی اور میں بھی مبارکیں وصول کر رہے تھے۔

مسٹر اسسٹنٹ ریزیڈنٹ کو مجھے مبارک دیتے ہوئے خیال آیا کہ انہیں میری ڈچ کی تعریف بھی کرنی چاہیے۔ "بہت اچھے"۔ پھر مالے میں بولے۔ "تو آن بوپاتی! آپ کو تو ایسے بیٹے پر فخر ہونا چاہیے۔ نہ صرف اس کا ڈچ پر عبور بلکہ اس کے انداز واطوار بھی قابل تعریف ہیں"۔ پھر دوبارہ ڈچ میں گویا ہوئے۔ "تم ایچ بی ایس کے طالب علم ہو نا؟ کل شام کو پانچ بجے، تم میرے گھر آسکتے ہو؟"

"بصد خوشی جناب"۔

"تمہیں بگھی لینے آجائے گی"۔

مبارک سلامت کا شور جلد ہی ختم ہو گیا۔ بو پاتی عموماً دیہاتی معززین سے ہاتھ نہیں ملایا کرتے۔ چنانچہ ابو کی بچت ہو گئی ورنہ انہیں ہزار بارہ سولوگوں سے اور ہاتھ ملانا پڑتے۔ وہ سب لوگ باہر کمپاؤنڈ میں چٹائیوں پر بیٹھے رہے۔ گیملن کی دل لبھانے والی دھنیں دوبارہ شروع ہو گئیں۔ ایک رقاصہ پھولوں بھری ٹرے لئے، تیزی سے رقص کرتی مسٹر اسسٹنٹ ریزیڈنٹ کے پاس پہنچی۔ انہوں نے ٹرے لی اور اسے ابو کے کاندھوں پر اچھال دیا۔ لوگ خوشی سے تالیاں بجانے لگے۔ انہوں نے اشارے سے ابو سے، طیب رقص کے آغاز کی اجازت چاہی۔ پھر انہوں نے ہجوم کی طرف دیکھا اور رقاصہ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے آگے آئے۔ رقاصہ کو ساتھ لیا اور ہجوم کے اندر آ کر رقص کرنے لگے۔ لوگ خوشی کے مارے چیخنے اور تالیاں بجانے لگے۔ وہ آرکسٹرا کی دل میں اتر جانے والی دھنوں پر رقص کرتے رہے اور ان کی ساتھی، وہ خوش اندام رقاصہ، وحشیانہ انداز میں لوگوں کے جذبات ابھارنے والی حرکات کرتی رہی۔ چند لمحوں بعد ایک اور نازک اندام حسینہ بھاگتی ہوئی درمیان میں آئی۔ وہ لہراتی، رقص کرتی، ایک روپہلی ٹرے میں شراب کے جام بھرے، اسسٹنٹ ریزیڈنٹ کے عقب میں آ کر شریک رقص ہو گئی۔ صاحب نے رقص کرنا چھوڑ کر اس رقاصہ کے سامنے سیدھے کھڑے ہو کر، اس جگمگاتے گلاس کو تھام لیا اور دوسرے ہی لمحے اس کا تین چوتھائی حصہ چڑھا گئے۔ باقی انہوں نے اپنی ہم رقص کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ اس نے رقص کرتے کرتے شدید گھبراہٹ کے عالم میں جام زمین پر چھلکا دیا۔ مجمع میں شور مچ اٹھا۔ جاگیردار اور دیہاتی افسر بھی کھڑے ہو کر شور مچانے لگے:

"پی بھی لو، شیریں، پی جاؤ"۔ اس خوش اندام اور شیریں دہن رقاصہ نے بصد احترام اس گلاس کو روپہلی ٹرے میں واپس رکھ دیا۔ اسسٹنٹ ریزیڈنٹ نے مسکراتے ہوئے اپنی خوشی کا اظہار کیا اور اپنی نشست پر جا بیٹھے۔

اب ایک اور رقاصہ نمودار ہوئی اور اس نے ابو کو پھولوں کا گلدستہ پیش کیا۔ وہ بھی اس کے ہم رقص بنے اور رقص بھی انہوں نے کمال کا کیا۔ بعد میں انہیں بھی روپہلی ٹرے میں جام شراب پیش کیا گیا۔ بعد ازاں اسسٹنٹ ریزیڈنٹ اپنے گھر چلے گئے۔ سب بو پاتی بھی اپنی لحیم شحیم بگھیوں میں سوار ہو کر رخصت ہونے لگے۔ ان کے بعد دیہاتی زمینداروں، افسروں، سپاہیوں نے پینڈ وپو پر قبضہ جما لیا اور رقص و سرود کا یہ سلسلہ صبح دم تک، اسی طرح جاری رہا۔

مجھے اگلی صبح یہ پتہ چلا کہ میرے بیگ میں چاندی کے سکوں کا ایک چھوٹا سا بنڈل بھی موجود ہے۔ انالیز کا لکھا ہوا خط اس پر لپٹا ہوا تھا۔ ''زیادہ دیر تک، اپنے بارے میں ہمیں بے خبر نہ رکھنا۔۔۔۔۔۔انالیز''۔

تقریباً پندرہ گلڈرز تھے۔ کسی دیہاتی گھرانے کے دس ماہ کے خرچ کے لئے کافی ! بلکہ اگر خرچے کو کنٹرول میں رکھا جاسکے تو بیس ماہ بھی اسی رقم میں گزارا ہو سکتا تھا۔

چنانچہ میں صبح سویرے، ہی پوسٹ آفس چلا گیا۔ وہاں پر موجود انڈو پوسٹ ماسٹر نے، رات کی تقریب میں میری عمدہ اور رواں ڈچ کی دل کھول کر تعریف کی۔ تمام سرکاری ملازموں نے ہماری باتیں سننے کے لئے کام کاج چھوڑ دیا اور کان ہماری جانب لگا دیئے۔

''اگر آپ یہاں کام کرنا شروع کر دیں تو یہ ہم سب کے لئے باعث فخر ہوگا۔ آپ ایچ بی ایس کے طالب علم ہیں نا؟''

''میں ایک ٹیلی گرام بھیجنا چاہتا ہوں''۔ میں نے جواب دیا۔

''امید ہے کوئی بری خبر تو نہیں ہوگی؟''

''نہیں''۔

پوسٹ ماسٹر نے خود اٹھ کر مجھے فارم لا کر دیا اور میز پر بیٹھنے کو کہا۔ میں بیٹھ کر ٹیلی گرام لکھنے لگا۔ مکمل کر کے اسے واپس پوسٹ ماسٹر کے حوالے کیا، اس نے مجھے ذاتی توجہ دی اور کہا:

''اگر آپ کے پاس وقت ہو تو ہم آپ کو عشائیے پر مدعو کرنا چاہیں گے''۔

لگتا ہے کہ اسسٹنٹ ریذیڈنٹ کی دعوت کی خبر، پورے گاؤں میں پھیل چکی تھی۔ یہ پیش گوئی کی جاسکتی تھی کہ سارے سرکاری افسر باری باری مجھے دعوت کے لئے بلا رہے ہوں گے۔ چنانچہ میں اچانک ہی نواب بے ملک بن گیا تھا۔ حیرت انگیز ہے نا کہ ایچ بی ایس کے آخری سال کا طالب علم جاہلانہ معاشرے کے عین بیچوں بیچ کھڑا ہے۔ سب لوگ مجھے کہیں نہ کہیں پھنسانے کی کوشش کریں گے۔ آخر اسسٹنٹ ریذیڈنٹ نے تمہیں مدعو کیا ہے، یہ معمولی بات نہیں۔ اب تو تمہاری ہر بات ہی صحیح ہوگی۔ تمہارا ہر عمل جاوی روایات کا امین ٹھہرے گا۔ اس پیش گوئی کو پورا ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ میں نے اس چھوٹے سے آفس سے نکلتے ہوئے اردگرد نظر دوڑائی تو ہر شخص کا سر احترام سے جھکا ہوا تھا۔ ممکن ہے ان میں سے بعض لوگ مجھے اپنے ہونے والے داماد یا بہنوئی کے روپ میں دیکھنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ اندازہ کریں ایچ بی ایس کے طالب علم کو یہ

قدر ! بات بھی صحیح تھی۔ گھر واپس آیا تو جاوی زبان میں لکھے گئے بہت سے دعوت نامے میرے منتظر تھے۔

میں دعوت دینے والوں میں سے کسی کو بھی نہیں جانتا تھا۔ میرے انداز ے میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔ ان میں سے اکثر لوگ مجھ سے مستقبل رشتہ داری کی توقعات باندھے بیٹھے تھے"۔ ذرا سوچئے، ایک بوپاتی کے بیٹے کے بارے میں، وہ بھی مستقبل کا بوپاتی ہی سمجھا جاتا ہے۔ ایچ بی ایس کے آخری سال کا طالب علم اور اسسٹنٹ ریذیڈنٹ کی نگاہ کا مرکز بن گیا ہے۔ کنٹرولر کو تو اس نے ویسے ہی شکست دے دی" ! ٹاؤن بی ! آہ انسانوں کی دنیا کا ایک سرمئی کونا! وہ ساری صبح میں نے معذرت نامے لکھتے ہوئے گزار دی: میں دعوت میں شریک نہیں ہوسکوں گا کیونکہ مجھے فی الفور سرابیا لوٹنا ہے۔

اور اس سہ پہر، موعودہ بگھی مجھے لینے آن پہنچی۔ میں نے معمول کے مطابق یورپی لباس زیب تن کیا۔ والدہ کو میری یہ مغربیت بالکل پسند نہیں تھی۔

غالباً پورے ٹاؤن بی میں یہ خبر پھیل چکی تھی اور یوں لگا جیسے ہر شخص مجھے بوپاتی کی عمارت سے اسسٹنٹ ریذیڈنٹ کے گھر کا درمیانی فاصلہ طے کرتے دیکھنا چاہتا تھا۔ صاف ستھرے لباس پہنے انجان چہرے مگر پاؤں سے ننگے، احتراماً سر جھکائے کھڑے تھے۔ ہیٹ پہنے لوگ، تعظیماً سر سے ہیٹ اتار کر ہاتھ لہرا رہے تھے۔ بگھی نے مجھے اسسٹنٹ کنٹرولر کی رہائش گاہ میں سیدھے عقبی برآمدے میں جا اتارا۔

اسسٹنٹ ریذیڈنٹ اپنی گارڈن چیئر سے اٹھے۔ ان کے ساتھ بیٹھی دو اور دوشیزائیں بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ انہوں نے استقبالی جملہ کہنے میں پہل کی۔ پھر انہوں نے ان کا تعارف کرایا: "یہ میری بڑی بیٹی ہے سارہ اور یہ چھوٹی بیٹی مریم۔ دونوں ایچ بی ایس گریجوئیٹ ہیں۔ یہ چھوٹی، تم سے ذرا پہلے تمہارے سکول میں ہی پڑھتی رہی ہے۔ اچھا مجھے اجازت دو مجھے ایک غیر متوقع کام آ پڑا ہے"۔ اور وہ اٹھ کر چل دیئے۔

یہ تھا وہ عظیم دعوت نامہ، جس نے پورے ٹاؤن بی میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ انہوں نے اپنی بیٹیوں سے میرا تعارف کرایا اور چلے گئے۔ غالباً سارہ اور مریم دونوں ہی عمر میں مجھ سے بڑی تھیں اور ایچ بی ایس کے ہر طالب علم کو اچھی طرح پتہ تھا کہ سینئر طلبہ اپنے جونیئرز کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کرتے۔ ان کا مذاق اڑانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، انہیں ذلیل کر

کے خوشی محسوس کرتے ہیں۔ بس ایک دفعہ کوئی ان کے ہتھے چڑھ جائے۔

"تمہیں ذرا ہوشیار رہنا ہے منکی، دیکھو سارہ کچھ کرنے جا رہی ہے"۔

"کیا مریم کے ڈچ زبان وادب کا استاد مسٹر ماہلراب بھی پڑھا رہے ہیں؟ وہ بہت بدتمیز اور باتونی تھے"۔

"نہیں، ان کی جگہ مس ماجدہ پیٹرز نے لے لی ہے"۔ میں نے جواب دیا۔

"وہ اور بھی زیادہ باتونی ہیں حالانکہ ان کا ذخیرہ الفاظ معمولی سا ہے"۔ اس نے مزید بات کی۔

"تمہیں یقین ہے کہ وہ مس ہی ہیں"۔ مریم نے پوچھا۔

"سبھی انہیں مس کہتے ہیں"۔

مریم کی ہنسی چھوٹ گئی اور سارہ بھی ہنس پڑی۔ سچ مانیں، میں ان کی ہنسی کا سبب نہیں سمجھ سکا۔ میں نے ذرا غصیلے انداز میں کہا: "میرا خیال ہے ان کا زبان پر عبور اتنا معمولی بھی نہیں۔ وہ ہمارے اچھے ٹیچرز میں سے ایک ہیں۔ میں انہیں بہت پسند کرتا ہوں"۔

دوبارہ ان کی ہنسی چھوٹ گئی۔ ہنسی دبانے کے لئے انہوں نے اپنے رومال منہ پر رکھ لئے۔ میں کنفیوژ ہو گیا کہ آخر اس میں مذاق کی کیا بات ہے۔ لمحے بھر کے لئے میری نظر، اپنے دائیں بائیں جگمگاتی مسکراہٹوں پر ضرور پڑی۔

"پسندیدہ ٹیچر؟ "مریم نے طنزاً کہا۔ "ڈچ زبان وادب کا کوئی ایسا ٹیچر ہوا ہی نہیں جسے لوگ پسند کر سکیں۔ اپنی فطرت میں یہ سب نیم حکیم ہیں۔ تمہیں ماجدہ سے کیا حاصل ہوا؟"

"وہ بہت اچھے انداز میں نہ صرف آٹھویں عشرے کے سٹائل کی وضاحت کر سکتی ہے بلکہ موجودہ طرز نگارش سے اس کا موازنہ بھی انہیں کرنا آتا ہے"۔

"واہ، واہ"۔ سارہ نے زور سے کہا۔ اگر یہ بات ہے تو کلو (Kloo) کی نظموں میں سے کسی ایک کا صحیح مفہوم بتانے کی کوشش کرو، ہم بھی تو دیکھیں تمہاری ٹیچر کتنی عظیم ہے"۔

"وہ آٹھویں عشرے میں کیے گئے ادبی کام کے سماجی اور نفسیاتی پس منظر کی توضیح وتشریح میں کمال رکھتی ہے"۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی۔

"بہت خوب"۔

"نفسیاتی اور سماجی پس منظر سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

سارہ اور مریم پر ایک بار پھر بری طرح ہنسنے کا دورہ پڑ گیا۔ مجھے اب ان کے موقع بے موقع ہنسنے پر غصہ آنے لگا تھا۔ میں ان کی چبھتی نظروں سے بچنے کے لئے اسسٹنٹ ریزیڈنٹ کی کرسی کے دوسری طرف چلا گیا۔ اب میں تقریباً ان کے بالمقابل آن بیٹھا تھا۔ لیکن وہ شوخ و چنچل، خالص یوپی خون، اپنی دلکشی سمیت، نچلا بیٹھنا کہاں جانتا تھا اور بیچارہ جونیئر بھی ان کی نظروں سے کہاں تک اپنی جان بچاتا۔

"اگر تم لوگ واقعی اس کی وضاحت چاہتے ہو"۔ میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بات شروع کی۔ "تو ہمیں حقیقی ادبی فن پاروں پر ناقدانہ نظر ڈالنا ہوگی"۔

مجھے مسلسل کارنر ہوتے دیکھ کر، ان کی ہنسی ایکبار پھر چھوٹ پڑی۔ وہ شرارت بھری نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں:

" کیا بات کرتے ہو، کبھی علم و ادب کا کوئی ٹیچر سماجی اور نفسیاتی پس منظر کی بات بھی کرتا ہے؟ بہت ہی بے ہودہ بات ہوئی یہ تو ! وہ آخر بننا کیا چاہتی ہے؟ زیادہ سے زیادہ وہ آٹھویں عشرے کے ادیبوں کی وہ نسل سامنے لاسکتی ہے جو گلے پھاڑ پھاڑ کر فضائی آلودگی، ٹریفک کے شور اور ریلوے اور سڑکوں کی تعمیر کے لئے زمین کی بے عزتی جیسے مسائل پر چیختے چلاتے رہے"۔ مریم کا انداز خاصا جارحانہ تھا۔ وہ یوں گویا ہوئی: "سماجی پس منظر پر اسے بات کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو اسے اس جذباتی نسل کی بجائے ملتا تولی جیسے ادیبوں کے متعلق بات کرنی چاہیے۔۔۔۔۔۔اور جزائر کے متعلق!"

"اور کیا۔ عظیم ادب کے بارے میں بات ہونی چاہیے جبکہ گلاب کے پودوں کی نشو و نما کے بجائے ہر طرف گرد و غبار چھایا ہوا ہے، اوٹ پٹانگ منہ مارا جا رہا ہے"۔

"انہوں نے ملتا تولی کے بارے میں بھی کافی کچھ بتایا ہے"۔ میں نے فوراً ہی جواب دیا۔

"ارے واہ ! ملتا تولی سکول کے لیول پر کس طرح زیر بحث آ سکتا ہے؟ سچ سچ بتانا، ہماری کتابوں میں تو اس کا ذکر کہیں نہیں تھا"۔ مریم کا حملہ بدستور جاری تھا۔

"مریم صحیح کہہ رہی ہے"۔ سارہ نے اس کی حمایت کی۔ "اگر کوئی سماجی پس منظر پر بات کرنا چاہے تو ملتا تولی اسکے لئے ایک اہم مثال ثابت ہوسکتا ہے"۔ پھر اس نے اپنی بہن کی طرف دیکھا۔

"مس ماجدہ پیٹرز نے ملتا تولی کو صرف غیر معمولی مثال ہی قرار نہیں دیا بلکہ انہوں نے اس کی تحریروں کو بڑے شاندار طریقے سے واضح بھی کیا ہے"۔

"ان کی تشریح و توضیح بھی کی ہے"۔ سارہ کو یقین نہیں آیا۔ "جزائر میں ایچ بی ایس کی ایک ٹیچر ملتا تولی کی تحریروں کی تنقیدی اور تجزیاتی تشریح بھی کر رہی ہے ! کیا اگلے دس سال میں بھی یہ ممکن ہے، مریم؟"

مریم نے بھی بے یقینی میں اپنا سر ہلا دیا۔ " کہیں تمہاری درسی کتابیں تبدیل تو نہیں ہو گئیں؟"

"نہیں"۔

"تمہاری ٹیچر بہت ہی خود پسند نظر آتی ہے۔ تم بھی آخر اسی کے شاگرد ہو"۔ سارہ نے مجھے غصہ دلایا۔

"ہرگز نہیں"۔

"تمہاری ٹیچر واقعی بڑی جرات مند ہے۔ تم جو کچھ کہہ رہے ہو، اگر یہ سچ ہے تو وہ کسی مشکل میں پڑ سکتی ہے"۔ مریم کے لہجے میں سنجیدگی آ گئی۔

" کیوں؟"

"تم بالکل ہی سیدھے ہو اسی لئے تمہیں پتہ نہیں۔ تمہیں لازماً یہ سب کچھ پتہ ہونا چاہیے"۔ مریم کہتی گئی۔

" کیوں کہ تم اپنی ٹیچر کے بارے میں جو کچھ کہہ رہے ہو اگر یہ سچ ہے تو ممکن ہے اس کا تعلق کسی انقلابی گروپ سے ہو"۔

"انقلابیوں میں کیا خرابی ہے؟ وہ بھی جزائر میں ترقی چاہتے ہیں"۔ اس وقت تک میں خود کو چغد محسوس کرنے لگا تھا۔

"لیکن اچھائی کا مطلب لازماً صحیح ہونا بھی نہیں ہوتا۔ ممکن ہے ابھی یہ مناسب نہ ہو۔ غلط مقام اور غلط جگہ پر بھی اس کا اطلاق ممکن ہے !" مریم نے زور دے کر کہا۔ سارہ چپ چاپ سنتی رہی۔

"اچھا بتاؤ، وہ بھلا کن تحریروں کے بارے میں زیادہ پر جوش ہے؟"

وہ مسلسل مجھے اشتعال دلائے جا رہے تھے اور قاعدے کے مطابق ایک جونیئر کو، بہر حال

ان کا احترام ملحوظ رکھنا تھا۔

"زیادہ تر کام تو میکس ہیولا ریا ڈچ تجارتی کمپنی کے کافی آ کشنز کا ہی ہے"۔

"اور تمہارے خیال میں ملتا تولی کون ہے؟ "اس بار سارہ نے میری جانب اپنے پنجے بڑھائے۔

" کون؟ ایڈورڈ ڈویس ڈیکر"۔

" کمال ہے، تم دوسرے ڈویس ڈیکر کو بھی جانتے ہو گے، وہ بھی اتنا ہی اہم ہے"۔ سارہ کا حملہ جاری رہا۔ یہ پاگل سینئر تو بہت ہی تنگ کرنے لگی تھی۔ چوری چھپے اپنی بہن کی جانب دیکھتی، متواتر مجھ پر حملے کئے جا رہی ہے۔ لگتا ہے اپنی ہنسی روکنے کے لئے، دانت کچکچا رہی ہے۔ یہ شاید ڈرامہ بازی کر رہے ہیں۔ مقامی غلام سمجھ کر، میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔ بہت ہو گئی۔ تاریخ میں ڈویس دیکر کے نام سے ایک شخص مشہور ہے۔ "اچھا تو تمہیں پتہ نہیں"۔ سارہ کا لہجہ خاصا توہین آمیز تھا۔ "یا تم شبہے میں پڑ گئے؟"

مریم کو قہقہہ روکنا دوبھر ہو گیا اور وہ بے ساختہ پھٹ پڑی۔

ٹھیک ہے میں تمہاری اس شیطانی سازش کو یوں کھولے دیتا ہوں۔ یہ تھی وہ باعزت دعوت، جو اسسٹنٹ ریذیڈنٹ کی طرف سے عطا کی گئی تھی۔ چونکہ میں واقعی لاعلم تھا، اس لئے میں نے بڑے رکھ رکھاؤ سے جواب دیا۔ "میں صرف ایک ہی ایڈورڈ ڈویس ڈیکر کو جانتا ہوں، جس کا قلمی نام ملتا تولی ہے۔ میں کسی دوسرے ڈیکر کو نہیں جانتا"۔

"دوسری شخصیت تو بہرحال ہے"۔ سارہ نے پھر بات بڑھائی۔ مریم اپنی ہنسی کو ضبط کرنے کے لئے اپنے چہرے پر رومال لئے بیٹھی تھی۔ "لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ وہ ہے کون؟ کنفیوژ نہ ہو اور نہ ہی پریشان"۔ اس نے چبھتے انداز میں کہا" تمہیں پتہ ہے، اصل میں تم صرف نہ جاننے کی اداکاری کر رہے ہو"۔

"میں واقعتاً لاعلم ہوں"۔ میں نے بے چینی سے جواب دیا۔

"تب تو تمہاری محبوب ٹیچر کا علم ناکافی ہے۔ سنو اور یاد رکھو اپنے سینئرز سے شرمندہ نہیں ہوا کرتے۔ یہ بات کبھی نہ بھولنا۔ دوسرا ڈویس ڈیکر ایک نوجوان ہے اور اہمیت میں ملتا تولی سے کہیں زیادہ ہے"۔

" کیا وہ ابھی تک نوجوان ہے؟"

"شک کی کیا بات ہے، وہ واقعی نوجوان ہے۔ وہ کسی بحری جہاز میں سفر کر رہا ہے یا شاید جنوبی افریقہ میں ڈچ افواج کے ساتھ انگریزوں سے برسرِ پیکار ہے۔ کبھی سنا اس کے بارے میں؟"

"نہیں مگر اس نے کیا لکھا ہے؟ "میں نے انکساری سے پوچھا۔

"وہ ابھی کم عمر ہے، اس لئے اسے ابھی تک کچھ نہ لکھنے پر معاف کیا جا سکتا ہے"۔ سارہ نے بمشکل جواب دیا۔ اور پھر اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"پھر میں اس کے بارے میں کیوں جانتا پھروں؟ "میں نے احتجاج کیا۔ "لوگ اپنے کام سے ہی جانے پہچانے جاتے ہیں"۔ اب مجھے اپنے دفاع کا موقع مل رہا تھا۔ "لاکھوں لوگ کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دے سکے۔ اگر وہ کارنامہ انجام دے پاتے تو وہ بھی مشہور ہو جاتے"۔

"دراصل، اس نے لکھا تو بہت کچھ ہے، لیکن اسے قاری صرف ایک ملا۔ اور وہ ہے یہ مریم، سب سے مخلص قاری، اور وہ لکھاری اس کا بوائے فرینڈ ہے۔ سمجھے؟"

" کیا بے ہودگی ہے"۔ مجھے بہت غصہ آیا۔ میری بلا سے، ہو گا مریم کا کوئی بھی بوائے فرینڈ؟ ان دونوں لڑکیوں کو بھلا انالیز مے لیما کے بارے میں علم ہے۔ میں شرط لگا سکتا ہوں انہیں اس کا قطعی علم نہیں!

"یہ باتیں چھوڑو مریم، اپنے بوائے فرینڈ کے متعلق بتاؤ"۔ سارہ نے بڑے موڈ میں مریم سے کہا۔

" نہیں، بھلا اس کا ہمارے مہمان سے کیا تعلق، کسی اور چیز کے بارے میں بات کرو"۔ مریم نے صاف انکار کر دیا۔ "تم خالص مقامی ہومنکی، ہے نا؟ "میں چپ رہا۔ کوئی جواب نہیں دیا۔

مجھے لگا جیسے وہ لاشعوری طور پر میری توہین کرنے کے درپے ہیں۔ "ایک مقامی یورپین تعلیم وتربیت سے آراستہ ہے، بہت خوب اور یورپ کے متعلق تمہاری معلومات بھی خاصی ہیں۔ غالباً اتنا کچھ تم اپنے ملک کے بارے میں بھی نہیں جانتے۔ شاید یہ بات ٹھیک ہی ہے۔ میں غلطی تو نہیں کر رہی؟"

"یہ ہے توہین کا نیا راستہ"۔ میں نے دل ہی دل میں کہا۔

"تمہارے اجداد"۔ میریم ڈی لا کروکس نے بات آگے بڑھائی۔ "معافی چاہتی ہوں۔

میں تمہارے اجداد کی کسی بھی نسل کی۔ کسی بھی شخص کی توہین ہرگز کرنا نہیں چاہتی۔ ہاں تو تمہارے اجداد کا عقیدہ تھا کہ فرشتے شیطان کو پکڑنے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں اور یہ گرج چمک اسی کشمکش کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یہی بات ہے نا؟ تم خاموش کیوں ہو؟ کیا تم اپنے ہی اجداد کے عقیدے پر شرمندگی محسوس کر رہے ہو؟ "سارہ کی ہنسی رک چکی تھی۔ سنجیدگی اس کے چہرے پر طاری تھی اور وہ مجھے یوں دیکھ رہی تھی جیسے میں کوئی عجیب الخلقت جانور ہوں۔

"خاص طور سے میری اجداد کی بات ہی کیوں"۔ میں نے جواب دیا۔" قبل از تاریخ کے تمہارے یورپی اور ڈچ اجداد بھی کچھ کم جاہل نہیں تھے"۔

"ارے"۔ سارہ نے مداخلت کی۔" مجھے پہلے ہی خدشہ تھا، تم دونوں تو اپنے اجداد پر ہی لڑنے بھڑنے لگے"۔

"ہاں، منکی ہم بھی جانوروں کی طرح ہیں"۔ مریم بولتی رہی۔" پہلی ملاقات میں جھگڑا ضرور ہوا ہے لیکن آئندہ کے لئے دوست بن جاؤ بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ ٹھیک ہے نا؟"

بڑی ذہین اور تیز لڑکی ہے یہ۔ میرے شبہات دھندلے پڑنے لگے۔

"میرے اجداد، تمہارے اجداد سے بھی زیادہ کند ذہن اور بے وقوف رہے ہوں گے منکی۔ تمہارے لوگ فصلیں اگا رہے تھے، آبپاشی کا نظام قائم کر رہے تھے جبکہ میرے اجداد ابھی غاروں میں رہ رہے تھے۔ لیکن ہمارا موضوع بحث یہ ہے ہی نہیں۔ ذرا سوچو، سکول میں پڑھایا جاتا ہے کہ بادلوں کے باہم ٹکرانے سے گرج چمک پیدا ہوتی ہے۔ بنجامن فرینکلن نے تو روشنی کا بلب بھی ایجاد کر لیا ہے۔ ہے نا؟ اور تمہارے اجداد کی اپنی ایک خوبصورتی افسانوی کہاوت ہے۔۔۔۔۔۔ میں نے جو کہانی سنی ہے۔۔۔۔۔۔ کیا جنگ سیلا کی کہانی کہ وہ اس گرج چمک کو پکڑ کر مرغیوں کے پنجرے میں بند کر دیا کرتا تھا"۔

سارہ قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔ میرے چہرے پر پھیلی طمانیت دیکھ کر، مریم اور سنجیدہ ہوگئی۔ لمحاتی گھبراہٹ کو اس نے جھٹک دیا۔" میرا خیال ہے کہ تم منفی اور مثبت بادلوں کی بات قبول کر سکتے ہو، کیونکہ تمہیں امتحان بھی پاس کرنا ہے۔ لیکن ایمانداری سے بتاؤ کیا تم اس کی توضیح کو صحیح مانتے ہو؟"

میں سمجھ گیا اب وہ میرے اندرونی کردار کا امتحان لے رہی تھی۔ ایک کٹھن امتحان۔ سچ تو یہ ہے میں نے کبھی خود سے ایسا سوال نہیں کیا تھا۔ ہر چیز اپنی رو میں چلتی، ٹھیک ہی محسوس ہوتی

تھی۔

اب سارہ دخل انداز ہوئی: "مجھے پتہ ہے تم قدرتی سائنس کے اس سبق کو اچھی طرح سمجھتے ہو۔لیکن اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ تم اسے مانتے بھی ہو یا نہیں"۔

"مجھے اسے ماننا چاہیے"۔میرا جواب تھا۔

"یقیناً مانو کیونکہ تمہیں امتحان بھی پاس کرنا ہے۔اس کا مطلب ہوا تم اسے تسلیم نہیں کرتے"۔

"میری ٹیچر مس ماجدہ پیٹرز۔۔۔۔۔۔"

"یہ ماجدہ پیٹرز دوبارہ کہاں آ گئی"۔سارہ نے میری بات بیچ میں ہی اچک لی۔

"وہ میری ٹیچر ہیں اوران کا کہنا ہے، ہر چیز سیکھنے سے آتی ہے"۔میں نے جواب دیا۔

"اوراس پرعمل کرنے سے۔عقیدے بھی اسی طرح ہیں۔حضرت عیسی پر یقین بھی، اپنی تعلیم کے ذریعے اوراس پرعمل پیرا ہونے سے ہی آیا ہوگا تم دونوں کو!"

"ہاں ہاں،شاید تمہاری ٹیچر کا کہنا ٹھیک ہی ہے"۔سارہ خاصی کنفیوژ ہوگئی۔

مریم البتہ اس طرح تکے جارہی تھی جیسے اپنے محبوب کے پورٹریٹ کو آنکھوں میں سجا لینے کی کوشش میں ہو۔

"اس سال ہم نے ایک نیا لفظ "ماڈرن "سننا شروع کیا ہے۔تمہیں اس کا مفہوم معلوم ہے؟ " گرج چمک کے مسئلے کو ایک طرف رکھتے ہوئے مریم نے دوبارہ جارحانہ انداز اختیار کیا۔

"مجھے پتہ تو ہے مگر مس ماجدہ پیٹرز کی تشریح کی حد تک"۔

" لگتا ہے اور کوئی ٹیچرز تمہیں پڑھاتے ہی نہیں"۔سارہ نے پھر بات اچک لی۔

" کیا کیا جائے؟ تمہارے سوال کا جواب دے،ہی وہی سکتی ہیں"۔

"اچھا تو پھر تمہاری باکمال ٹیچر "ماڈرن " کے بارے میں کیا رائے رکھتی ہے؟ "مریم نے بات کاٹی۔

"یہ لفظ لغت میں تو کہیں ہے نہیں۔لیکن میری باکمال ٹیچر کے مطابق: یہ نام ہے اس جذبے، رویئے اور چیزوں کا مشاہدہ کرنے کے طریقے کا جو علمیت، جمالیاتی اور کارکردگی کی خصوصیات پر زیادہ زور دیتا ہے۔کسی اور وضاحت کا مجھے پتہ نہیں۔ان کا کیتھولک چرچ کے اس بدعتی فرقے سے تعلق ہے جسے پوپ نے خارج از عقیدہ قرار دیا ہے۔شاید اس کی کوئی اور

وضاحت بھی ہو؟ "میں نے بالآخر پوچھ ہی لیا۔

سارہ اور مریم نے ایک دوسرے سے نگاہیں چار کیں۔ مجھے ان کے چہرے واضح نظر نہیں آئے۔ شام کا ملگجا اندھیرا پھیلا جا رہا تھا لیکن یوں لگا جیسے شام نے آنے میں صدیاں لگا دیں۔ وہ خاموش بیٹھی نظروں کا تبادلہ کرنے لگیں یا شاید ان مچھروں سے بچنے کے طریقہ سوچ رہی تھیں، جو ان کی جلد سے زیادہ ہی قربت چاہنے لگے تھے۔

"یہ مچھر "سارہ غصے میں بڑبڑائی۔" سمجھتے ہیں شاید میں کوئی ریستوران ہوں"۔

اب قہقہہ مارنے کی باری میری تھی۔

"ارے، ہم تو شربت پینا ہی بھول گئے۔ لو بھئی!"

تناؤ کی بوجھل فضا غائب ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے چین کا سانس لیا۔ یاد آیا تھوڑی دیر پہلے بیرا مشروبات اور کیک گارڈن ٹیبل پر رکھ گیا تھا۔ مسکراہٹ خود بخود میرے ہونٹوں پر آ گئی۔ وجہ یہ نہیں تھی کہ تناؤ کی کیفیت ختم ہو گئی تھی بلکہ یہ تھی کہ ان کا علم بھی مجھ سے کچھ زیادہ نہیں تھا۔

"تمہیں ڈاکٹر سناؤک ہرگرونی کے بارے میں کچھ پتہ ہے؟ "مریم دوبارہ حملہ آور ہوئی۔

خدا کرے اسسٹنٹ ریذیڈنٹ آ جائیں تاکہ یہ مصیبت تو ختم ہو۔ کہاں ہیں آپ؟ میرے ناخدا! آپ آ کیوں نہیں جاتے؟ آپ کی یہ لڑکیاں، توبہ ہے، ملگجی شام کے ساتھ پیوست مچھروں سے کسی بھی طرح کم خوفناک نہیں، کہیں آپ نے جان بوجھ کے تو مجھے یہاں نہیں بلایا تھا تاکہ آپ کی لڑکیاں مجھے جی بھر کے الو بنا سکیں؟ یہ خیال آیا اور میں سمجھ گیا کہ مسٹر اسسٹنٹ ریذیڈنٹ نے جان بوجھ کر مجھے اپنی بیٹیوں سے ٹکرا دیا تھا۔ یہ میرا امتحان تھا۔ ان کے ذہن میں اس کا کوئی بنیادی مقصد رہا ہوگا۔

"کیسا رہے گا کہ اگر اب میں سوال کرنا شروع کر دوں؟"

سارہ اور مریم، دونوں ہی بے ساختہ ہنس پڑیں۔

"ایک منٹ"۔ مریم نے مجھے روکا۔" پہلے جواب دو۔ تمہاری محبوب ٹیچر واقعی غیر معمولی شخصیت ہے۔ اسے پسند کرنا فطری بات ہے۔ شاید میں بھی اسے تمہاری طرح پسند کرنے لگوں اور اب وہی میرا آخری سوال، شاید تمہاری دل پسند ٹیچر نے اس کے بارے میں بھی کچھ کہا ہو"۔

"افسوس، انہوں نے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا"۔ میں نے مختصر جواب دیا۔ "تم بتاؤ"۔

مجھے یوں لگا جیسے وہ ٹیچر بننے کا یہ موقع حاصل کرنے کے لئے بے حد انتظار کر چکی تھی۔ انتہائی ماہرانہ انداز میں اس نے مجھے یہ کہانی سنائی:

"ڈالرسناؤک ہرگرونی ایک تابناک سکالر تھا۔ جرئات مندانہ سوچ اور عمل کا حامل۔ علم کی ترقی کے لئے ہر مصیبت گلے لگا لینے والا۔ آسہ کی جنگ میں ہالینڈ کی فتح کو یقینی بنانے میں اس کے مشوروں کا بڑا دخل تھا۔ دکھ اس بات کا ہے کہ اسے وان ہیوٹنز کے ساتھ بلاوجہ الجھا دیا گیا ہے، جنگ آسہ کے مسئلے پر۔ اس ساری بحث اور تکرار کا کیا مطلب ہے؟ سب بے معنی ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ اس نے تین مقامی نوجوانوں کو ایک بہت اہم تجربے کے لئے، اپنی تحویل میں لے لیا ہے۔ وہ صرف یہ جاننا چاہتا ہے کہ آیا مقامی لوگ مغربی علم اور سائنس کو واقعتاً سمجھ کر، اسے اپنی زندگیوں میں سمو سکتے ہیں یا نہیں۔ ہر ہفتے وہ ان سے گفتگو کر کے مغربی تعلیم کے ذریعے پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا مشاہدہ کرتا ہے اور کیا وہ مغربی علم وتہذیب کو اپنے اندرونی رویوں میں جذب کرنے کی صلاحیت بڑھا رہے ہیں یا نہیں۔۔۔۔۔۔ اس کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتا ہے۔ آیا ان لڑکوں کا سائنسی علم۔۔۔۔۔۔ مغربی سکول میں حاصل کردہ علم۔۔۔۔۔۔۔ بے جان، خشک اور آسانی سے بکھر جانے والی نوعیت کا ہے یا اس نے ان کے اندر اپنی جڑیں بنالی ہیں۔ یہ سکالر ابھی تک گومگو کی کیفیت میں ہے۔

ایکبار پھر میں بے ساختہ ہنس پڑا۔ دونوں لڑکیاں اسی سکالر کی نقل کرنے کی کوشش کر رہی تھیں اور میں سڑک سے پکڑ کر لایا گیا وہ جنگلی سور تھا، جو ان کا تختہ مشق بن رہا تھا۔ اوہو، ناقابل یقین ! لیکن وہ تو یہ سب اپنے والد کے حکم کی تعمیل میں کر رہی ہوں گی اور اس میں شائد کوئی بدنیتی نہ ہو۔ چنانچہ میں نے جوابی حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور مریم کی کہانی سنتا رہا۔ میں اس وقت کوئی جونیئر نہیں تھا، نہ ہی طالب علم بلکہ میرا رویہ مشاہدہ کرنے والے کا سا تھا۔

مکمل سکوت طاری تھا۔ سارہ خاموش بیٹھی تھی پھر مریم بولی: "باہمی اشتراک کے نظریے کے متعلق سنا ہے؟"

"مس مریم ! تم اب میری ٹیچر ہو"۔ میں نے سوال سے بچتے ہوئے فوراً ہی جواب دیا۔

"نہیں، ٹیچر نہیں"۔ اس نے بھی فوری انکساری سے کام لیا۔ "آج کل تعلیم یافتہ لوگوں کے درمیان تبادلہ خیالات عام سی بات ہے۔ کیوں؟ کیا یہ غلط ہے؟ تو تم نے اس نظریے کے متعلق

کچھ نہیں سنا؟"

"ابھی تک تو نہیں سنا"۔

"ٹھیک ہے۔ یہ نظریہ بھی اسی سکالر کا پیش کردہ ہے۔ بالکل نیا نظریہ۔ اس کا خیال ہے کہ یہ تجربہ کامیاب ہونے کی صورت میں، ڈچ انڈیز کی حکومت اسے روبہ عمل لاسکتی ہے۔ ایسا ہی ہے نا سارہ؟"

"خود ہی بتاؤ"۔ سارہ نے سوال سے پہلوتہی کرنے کی کوشش کی۔

"باہمی اشتراک کا مطلب ہے یورپی انداز میں یورپی افسروں اور تعلیم یافتہ مقامی کے درمیان باہمی تعاون۔ تم میں سے تعلیم یافتہ اور متمدن افراد کو دعوت دی جائے کہ ہم سب مل جل کر جزائر کی حکومت چلائیں۔ اس طرح ذمہ داری کا بوجھ صرف سفید ناموں پر ہی نہیں رہے گا اور سفید فاموں اور مقامیوں کے درمیان رابطہ افسروں کی ضرورت بھی باقی نہیں رہے گی۔ بوپاتی براہ راست سفید فام حکومت کے ساتھ معاونت کر رہے ہوں گے۔ سمجھ رہے ہو نا؟"

"بولتی رہو"۔ میں نے کہا۔

"تمہاری کیا رائے ہے؟"

"سیدھی سی بات ہے"۔ میں نے جواب دیا۔ "ہم مقامیوں نے جو کچھ پڑھا ہے، وہ تم لوگوں نے نہیں پڑھا۔

ہمارا اخبار بابادتانہ جاوی۔ ہمارے گھرانوں میں جاوی کی لکھائی پڑھائی کا خاص اہتمام ہوتا ہے۔ اب دیکھو ای ایل ایس اور ایچ بی ایس میں ہمارے اپنے جزائر کی افواج کے شاندار کارناموں کا ذکر ہوتا ہے جو انہوں نے ہم مقامیوں ہی کی سرکوبی کے سلسلے میں انجام دیئے تھے۔

"جزائر کی افواج واقعی غیر معمولی ہیں۔ یہ اپنی جگہ حقیقت ہے"۔ مریم نے اپنی قوم کا دفاع کیا۔

"ہاں، یہ بہرحال حقیقت ہے۔ تمہیں پتہ ہے کہ مقامیوں کی تحریروں کے مطابق، ہم نے صدیوں تک تمہارے جارحانہ حملوں کو روکے رکھا تھا؟"

"لیکن تم لوگ ہمیشہ شکست ہی کھاتے رہے"۔ مریم نے الزام لگایا۔

"ہاں، یہ بھی سچ ہے کہ ہم ہمیشہ شکست کھاتے رہے"۔ اچانک میرا سارا حوصلہ پانی کی طرح بہ گیا۔ اور میں نے یہ سوال کر دیا کہ "یہ نظریہ تین صدی پہلے کیوں سامنے نہیں آیا تھا اور اسی

وقت عمل کیوں نہیں ہوا؟ اس وقت تو شاید کوئی مقامی، یورپی اشتراک پر اعتراض بھی نہ کرتا"۔

"مجھے بالکل تمہاری بات کی سمجھ نہیں آ رہی"۔ سارہ نے مداخلت کی۔

"میرا مطلب ہے یہ باکمال سکالر ڈاکٹر۔۔۔۔۔۔کیا نام بتایا تھا اس کا؟۔۔۔۔۔۔وہ اس عہد کے مقامیوں سے پوری تین صدی تاخیر سے ظاہر ہوا ہے"۔ میں نے ذرا فخریہ لہجے میں کہا۔

اور اس کے ساتھ ہی، ان دو ناراض سینیئرز کو وہیں بیٹھا چھوڑ کر، میں نے واپسی کی راہ لی۔

باب 8

اسسٹنٹ ریذیڈنٹ کی دعوت پر ابو اور امی کی خوشی کی انتہا نہ رہی تھی۔ مقامی معززین کے دعوت نامے، بے ہنگم انداز میں، گھر میں جمع ہو رہے تھے۔

یہ بہتر ہی ہوا کہ میرے والدین اس حقیقت سے لاعلم رہے کہ جس بیٹے پر انہیں بہت ناز تھا، وہ کس طرح احمق بنا دیا گیا تھا۔ انہوں نے دعوت کی تفصیلات پوچھنے پر اپنا سارا زور لگا دیا مگر میں نے بھی کوئی مناسب جواب نہیں دیا بلکہ جلد ہی سرابیا واپسی کی خبر ان کے کانوں میں ڈال دی۔

میں تمام دعوت ناموں کا جواب دینے میں لگا رہا۔ میرے والد کی ناراضگی کافور ہو چکی تھی۔ اسسٹنٹ ریذیڈنٹ کے ایک دعوت نامے نے میرے سارے گناہ دھو ڈالے تھے۔ میں نے ٹیلی گرام کے ذریعے وونو کرمو اپنے پہنچنے کے دن اور وقت سے مطلع کر دیا تھا تاکہ اسٹیشن پر بگھی میرے لئے موجود ہو۔

ابو اور امی نے چاہنے کے باوجود مجھے واپسی سے روکا نہیں۔ نیائے اونتو سارو سے متعلقہ سارے الزامات حرف غلط کی طرح مٹ گئے تھے۔ اسسٹنٹ ریذیڈنٹ کا مہمان کسی غلطی کا پتلا ہو، یہ ممکن ہی نہیں۔ غلطی تو اس سے سرزد ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کے برعکس، اس دعوت نامے کی بدولت، مستقبل میں ترقی اور اعلیٰ مدارج کے سارے دروازے اس پر کھلتے جانا تھے۔ لیکن انہوں نے بااصرار کہا کہ میں یور پی افسر سے ملوں اور انہیں خدا حافظ کہہ کر جاؤں۔ جی تو نہیں چاہتا تھا مگر میں اسسٹنٹ ریذیڈنٹ کے گھر چلا ہی گیا۔ ایک دفعہ پھر مجھے سارہ اور مریم ڈی لا کروکس سے ملنا پڑا۔ اس دن پتہ چلا کہ والد کے سامنے ان کی ساری تیزی طراری غائب ہو جاتی تھی اور وہ مجسم

فرماں بردار اور شائستہ نظر آتی تھیں۔

"تمہارے سکول کا ڈائریکٹر کسی زمانے میں میرا اسکول فیلو ہوا کرتا تھا"۔ رابرٹ ڈی لاکروکس، اسسٹنٹ ریذیڈنٹ نے مجھے بتایا۔ "سکول جاؤ تو انہیں میری طرف سے سلام کہنا"۔ پھر وہ بتانے لگے کہ ان کے بچے ہالینڈ اپنے گھر جانا چاہتے تھے۔ وہ دس سال سے اپنی ماں کے بغیر یہاں تھے، اب اگر وہ چلے گئے تو ان کے بغیر وہ خود کو بہت تنہا محسوس کریں گے۔

"اپنی سرگرمیوں کے متعلق مجھے خط لکھنا، بہت سے خط۔ میں انہیں پڑھ کر بہت خوش ہوں گا۔ مریم اور سارہ سے بھی خط و کتابت رکھنا"۔ انہوں نے درخواست کی۔ "نوجوان تعلیم یافتہ لوگوں کے مابین تبادلہ خیالات اچھی بات ہے۔ ہے نا؟ کیا پتہ، ایسے ہی مباحث کے ذریعے، مستقبل میں ایک بہتر زندگی کی بنیادیں فراہم ہو جائیں؟ خصوصاً اگر تم سب لوگ کل کے اہم لوگ بن جاؤ"۔

میں نے ان سے لکھتے رہنے کا وعدہ کیا۔

"منکی اگر تم اپنا موجودہ رویہ برقرار رکھو، میرا مطلب یورپی رویئے سے ہے۔ دوسرے بہت سے جاوی لوگوں کے غلامانہ رویئے کی طرح نہیں، تو غالباً تم ایک دن بہت اہم آدمی بن جاؤ گے۔ تم قائد بن سکتے ہو، رہنما ہو سکتے ہو، اپنی نسل کے لئے عظیم مثال بن سکتے ہو۔ ایک تعلیم یافتہ آدمی ہونے کے ناطے، تمہیں اچھی طرح پتہ ہونا چاہیے کہ تمہاری قوم پستیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں گر پڑی ہے۔ یورپین ان کی مزید اور کچھ مدد کر نہیں سکتے۔ مقامی لوگوں کو خود ہی آگے بڑھ کر کچھ کرنا ہوگا"۔

ان کے الفاظ میرے سینے میں ترازو ہو گئے۔ ہر دفعہ جاوا کی اصلیت پر ضرب پڑتی ہے۔ بیرونی لوگ اس کا تمسخر اڑا ڈالتے ہیں۔ میرے محسوسات بھی زخمی ہوئے۔ میں خود کو مجسم جاوا محسوس کر رہا تھا۔

لیکن جب جاوی لوگوں کی جہالت اور حماقت کا ذکر ہوتا ہے۔ میرے محسوسات یورپی ہوتے ہیں۔ سو، ان پیغامات کے نتیجے میں، میرے ذہن میں جو بھی خیالات ابھرے، میں نے بحفاظت انہیں دل میں محفوظ کر لیا۔ سرابیا واپس جاتے ہوئے یہی سوچیں، ٹرین میں، میرے ساتھ ساتھ ہم سفر تھیں۔

اگر مسٹر ڈی لاکروکس جاوی ہوتے تو ان کے ارادوں کا اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں تھا۔

مجھے اپنا داماد بنانا چاہتے ،لیکن وہ یورپین تھے،اس لئے یہ ناممکن تھا، خاص طور سے اس لئے بھی کہ سارہ اور مریم دونوں ہی مجھ سے کافی بڑی تھیں ۔ایک نو آبادیاتی افسر میرے بارے میں پر امید تھا کہ میں اپنے لوگوں کی قیادت یا رہنمائی کے قابل ہوں جاؤں گا بلکہ شاید ان کے لئے مشعل راہ ثابت ہوں گا۔ پریوں کی کہانی کی طرح ! لیکن میرے اجداد کی کہانیوں میں کہیں اس قسم کا تذکرہ نہیں تھا۔کیا اتنی اچھی خواہش رکھنے والا بھی واقعی کوئی یورپین ہوسکتا ہے؟ جزائر کی پوری تاریخ میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا۔ پچھلے تین سو سالوں میں، ڈچ فوج نے ایک لمحے کے لئے بھی اپنی بندوقوں اور توپوں کو، جزائر میں خاموش نہیں ہونے دیا تھا۔اب اچانک ایک یورپی فرد یہ کیوں چاہنے لگا کہ میں اپنی قوم کا قائد اور رہنما بنوں، ان کے لئے عظیم مثال بنوں۔ یہ پریوں کی داستان تو بہت ہی غیر دلچسپ ہے، انتہائی بے ہودہ مذاق ہے۔لگتا ہے وہ بھی ڈاکٹر سناؤک ہرگرونی کے نظریہ اشتراک کو جانچنے کے لئے۔ مجھے تجرباتی جنگلی سور بنانا چاہتا ہے۔لعنت بھیجو جی، میرا ان باتوں سے واسطہ؟ خوش قسمتی سے مجھے نوٹس بنانے کی عادت ہے۔ چنانچہ میرے پاس ہمیشہ اپنی رہنمائی کے لئے مکمل خزانہ موجود ہوتا ہے۔اسی سوچ میں الجھے ہوئے میں نے وہ خط نکال کر پڑھنا شروع کر دیئے۔ جو کافی دنوں سے یونہی پڑے تھے۔واقعی ان میں ابو کی تعیناتی کی تقریب کے متعلق سب کچھ لکھا تھا۔ مجھے فوراً گھر آنے کا حکم دیا گیا تھا۔ بھائی کے لکھے ہوئے خط میں تو اسکول ڈائریکٹر کے نام رخصت کی درخواست تک موجود تھی۔اوہ !ہر چیز فاتحانہ انداز میں میرے بالکل قریب سے گزر گئی تھی۔

وہ، وہ !یہ موٹا آدمی، فالسٹو کیوں ہے یہاں، ترچھی آنکھوں سے صرف مجھے دیکھے جارہا ہے؟ اس کے کپڑے براؤن رنگ کے تھے، جوتے بھی اسی رنگ کے تھے۔ درجہ اول کے مسافروں والے جوتے۔سر پر اس نے ایک مخصوص ہیٹ پہنا ہوا تھا۔ جسے ذرا سا جھکا کر رکھنے سے، وہ دوسروں کی نظروں سے بچ کر بہ آسانی گردوپیش پر نظر رکھ سکتا تھا۔اس کا سارا سامان ایک بیگ تھا جو اس کے عین اوپر، سامان کی جگہ پر رکھا تھا۔ وہ بالکل سامنے کی نشست پر براجمان تھا۔ ٹکٹ چیکر ٹکٹ دیکھنے آیا تو اس نے اپنا ٹکٹ اسے تھماتے ہوئے بھی اپنی نظریں مجھی پر جمائے رکھیں۔

ٹاؤن بی اور سرابیا کے درمیان ایکسپریس ٹرین چند ایک جگہوں پر ہی رکتی تھی۔ فاٹسو کہیں بھی نیچے نہیں اترا اور نہ ہی اس کے اترنے کے کوئی آثار نظر آئے۔ظاہر ہے وہ بھی آخری اسٹیشن

تک کا مسافر تھا۔" ٹھہرو !" میں قطعاً اس کی جانب توجہ نہیں دوں گا۔ میں تو اس سفر کو، اپنی چھٹی کی طرح، خوشگوار رکھنا چاہتا ہوں۔ میرا جی چاہا میں گہری نیند لے لوں۔ مجھے اپنی صحت اور توانائی کا خیال بھی تو رکھنا تھا۔

ریل گاڑی تیزی سے سرابیا کی جانب رواں دواں تھی۔ شام کے پانچ بجنے تک ریل سرابیا کی حدود میں داخل ہو چکی تھی اور بالآخر وہ طویل سفر اپنے اختتام کو پہنچا اور اسٹیشن آ گیا۔ پلیٹ فارم بالکل ویران لگ رہا تھا چند ایک لوگ ہی ادھر ادھر بیٹھے، کھڑے یا ٹہلتے نظر آئے۔

"این !انالیز !" میں نے کھڑکی میں سے ہی آواز دی۔ وہ مجھے ملنے کے لئے وہاں موجود تھی۔ وہ میرے ڈبے کی طرف لپکی، نیچے پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر، اس نے اپنا ہاتھ زور سے لہرایا:

"سب ٹھیک ٹھاک رہا ناماس؟ "اس نے پوچھا۔

فاٹسو اپنا چھوٹا سا سوٹ کیس اپنے ہاتھ میں لئے میرے پاس سے گزرا۔ وہ گاڑی سے پہلے اتر گیا، ایک ہلکی سی نظر انالیز پر ڈالی اور آہستگی سے اسٹیشن کے خارجی راستے کی جانب بڑھ گیا۔ میری آنکھوں نے اس کا پیچھا کیا، وہ باہر نہیں گیا بلکہ وہیں رک گیا اور پیچھے مڑ کر ہمیں دیکھنے لگا۔

"ارے بھئی، چلو نا، اب اور کس کا انتظار ہے؟ "انالیز نے بڑے پیار سے کہا۔

میں بھی ڈبے سے نیچے اتر آیا۔ قلی میرا سامان لئے، ساتھ ساتھ نیچے اترا۔

"چلو بھئی، ڈارسم کافی دیر سے ہمارا منتظر ہے"۔

فاٹسو ابھی تک گیٹ سے باہر نہیں نکلا تھا۔ سو ہم دونوں اس کے برابر سے نکلتے باہر آ گئے۔ اس کی جلد کا رنگ آبنوسی تھا اور چہرہ گہرا سرخ۔ ہر چند لمحے بعد وہ نیلے رنگ کے رومال سے اپنی ناک پونچھنے لگتا۔ سارے سفر کے دوران، اس کا یہی حال رہا تھا۔ ہمارے باہر نکلتے ہی وہ بھی باہر آ گیا۔ گویا وہ ہمارا تعاقب کرنا چاہتا تھا۔ "تسلیم، چھوٹے آقا !" بگھی کی ایک جانب سے ڈارسم نے آواز دی۔ (مما نے اسے، مجھے سینو کہہ کر بلانے سے منع کر دیا تھا) فاٹسو، بگھی میں سوار ہونے تک ہماری نگرانی کرتا رہا۔ اب تو واقعی مجھے اس پر شبہ ہونے لگا تھا۔ وہ آخر ہے کون؟ وہ ابھی تک گیا کیوں نہیں؟ وہاں ہماری نگرانی کیوں کر رہا ہے؟ ہماری بگھی حرکت میں آتے ہی، اس نے بھی ایک تانگہ کرائے پر لیا اور ہمارے تعاقب میں چل پڑا۔ ان حرکات سے اس کے مخصوص ارادوں کی

نشان دہی ہو رہی تھی۔

میں نے پیچھے مڑ کر تانگے کی جانب دیکھا تو وہ بدستور اپنی ناک پونچھے جا رہا تھا۔ اس کی توجہ ہماری جانب بالکل نہیں تھی۔ دوسری دفعہ میں نے دیکھا تو اس کی نظریں ہم پر بھی جمی ہوئی تھیں۔

"ارے ڈارسم! تم سیدھے کیوں نہیں جا رہے؟ "میں نے احتجاج کیا۔

"بائیں جانب کیوں ڈارسم؟ "انالیز نے مادوری میں پوچھا۔

"ایک چھوٹا سا کام ہے مجھے"۔ اس نے مختصر سا جواب دیا۔

بگھی اسٹیشن سے بائیں جانب مڑی اور پھر دائیں جانب ریذیڈنسی کی عمارت کے سامنے پھیلے سرسبز باغات کی طرف مڑ گئی۔ آخر ڈارسم کہاں جانا چاہتا ہے؟ اور یہ اتنا سنجیدہ کیوں ہے؟

"تم دائیں جانب دوبارہ کیوں نہیں جا رہے؟ "انالیز نے احتجاجاً کہا۔ "شام خاصی ڈھل چکی ہے"۔

"صبر، نونی! ابھی تاریکی نہیں چھائی۔ لالٹین بھی جل رہی ہے۔ پریشان نہ ہوں"۔

یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ فاٹسو کا تانگہ مسلسل ہماری بگھی کے تعاقب میں تھا۔ جب میں نے متواتر پیچھے دیکھنا شروع کیا تو اس نے کوچوان کے پیچھے منہ چھپا لیا اور دبک کر بیٹھ گیا۔

"ذرا رفتار کم کرو، ڈارسم"۔ میں نے حکم دیا۔

بگھی ایک گندی سی گلی میں مڑ کر آہستہ رو ہو گئی۔ ہمارے پیچھے، تانگے کی رفتار بھی کم ہو گئی۔ اسے مجبوراً آہستہ ہونا پڑا کیونکہ گلی بہت تنگ تھی۔ تانگے نے اپنی گھنٹی بھی نہیں بجائی کہ ہم اسے راستہ دینے کے لئے آگے پیچھے ہو جائیں اور نہ ہی آگے نکلنے کی کوئی اور کوشش کی۔

اچانک ہماری بگھی رک گئی۔

"یہاں کیوں رک گئے؟ "انالیز پھر چیخی۔

"بس ایک منٹ نونی، ایک معمولی سا کام ہے"۔ جواب دیتے دیتے ڈارسم بگھی سے نیچے اتر گیا اور گھوڑے کو ایک سمت لے جا کر کھمبے سے باندھنے لگا۔

فاٹسو کا تانگہ گزرنا نہیں چاہتا تھا مگر اسے آگے جانا پڑا۔ مسافر نے، ناک پر بدستور اپنا رومال رکھا ہوا تھا اور اب تو اس نے اپنا چہرہ بھی دوسری طرف کر لیا تھا۔ وہ کوئی چینی، دوغلا چینی یا

کوئی تاجر بہر حال نہیں لگتا تھا۔ اگر وہ کوئی دوغلا چینی تھا بھی تو پڑھا لکھا رہا ہوگا۔ ممکن ہے مقامی چینی برادری کے دفتر کا کوئی کارکن ہو؟ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ چھٹیاں گزار کر واپس سرابیا لوٹنے والا کوئی یورو چینی شخص ہو؟ وہ واضح طور پر کوئی تاجر لگتا نہیں تھا۔ اس کے کپڑے بھی تاجروں والے نہیں تھے۔ ممکن ہے وہ کسی بڑی ڈچ تجارتی کمپنی کا کیشیئر رہا ہو؟ لیکن مقامی چینی برادری کے لوگ خود کو یورپی لوگوں سے کسی طرح کم نہیں سمجھتے تھے، سوانہیں تو میری طرف توجہ دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ ممکن ہے اسے انالیز سے کوئی دلچسپی ہو؟ مگر نہیں تو معاملہ تو میرے ساتھ ٹاؤن بی سے ہی شروع ہو گیا تھا۔

"نون، ایک لمحے یہاں ٹھہریں۔ مجھے یہاں کھانے کے سٹال پر تھوڑا سا کام ہے"۔ ڈارسم نے کہا، پھر اپنی نگاہیں میری طرف گھما کر اس نے کہا" چھوٹے آقا، آپ ایک لمحے کے لئے نیچے آئیں گے؟"

میں نیچے اتر آیا اور انتہائی چابکدستی کے ساتھ کیفے میں داخل ہو گئے۔ یہ بانسوں کا بنا ہوا تھا اور اس کی چھت خوبصورت ٹائلوں سے مزین تھی۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ "انالیز نے اشتباہی انداز میں پوچھا۔ وہ بگھی ہی میں بیٹھی تھی۔ ڈارسم نے پیچھے کی طرف دیکھا اور کہا۔"نونی، کب سے ڈارسم پر اعتبار نہیں رہا؟"

میں بھی مشتبہ ہو رہا تھا۔ فاٹسو اور اس کا تانگہ تھوڑی دور جا کر رک گئے تھے۔ اب یہ ڈارسم نہ جانے کس چکر میں تھا۔

"این !وہیں ٹھہری رہو"۔ میں نے اسے مطمئن کرنے کے لئے کہا۔لیکن میری آنکھیں ڈارسم کے ہاتھوں اور اس کے خنجر کی حرکات وسکنات پر مرتکز تھیں۔ کیفے میں صرف ایک گاہک، کافی پینے میں مصروف تھا۔ ہمارے اندر داخل ہونے پر اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ کھلی آنکھوں خواب دیکھنے والے لوگوں میں سے ایک تھا۔ یہ بھی ممکن ہے وہ لاتعلقی کی محض اداکاری کر رہا ہو یا شاید ڈارسم کی طرح وہ بھی فاٹسو کا کوئی ساتھی رہا ہو؟

عین حاکمانہ انداز میں، اس نے مجھے دوسرے بنچ پر بیٹھنے کی دعوت دی۔ دوسرے گاہک کے بالکل سامنے۔ وہ میرے اتنا نزدیک بیٹھا تھا کہ میں اس کے سانس کی آواز اور اس کے پسینے کی بو، دونوں ہی محسوس کر سکتا تھا۔

" کچھ چائے اور کیک باہر بگھی میں بھی بھجوا دو"۔ ڈارسم نے سٹال پر موجود عورت سے کہا۔

لکڑی کی ٹرے میں رکھی ہوئی چائے، باہر جانے تک، اس کی چوکنی نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لیتی رہیں۔

آنکھوں میں وحشیانہ چمک لئے، ڈارسم اپنی گھنگھریالی مونچھوں سمیت میرے قریب ہو کر سرگوشی میں کہنے لگا۔ جاوی اسے بس واجبی ہی آتی تھی: "چھوٹے آقا ! گھر میں کوئی واقعہ ہو گیا ہے۔ صرف مجھے پتہ ہے۔ نونی اور نیائے بھی ابھی بے خبر ہیں۔ چھوٹے آقا پریشان نہ ہوں۔ فی الحال آپ کو وونوکرومو نہیں جانا چاہیے۔ وہاں آپ کے لئے خطرہ ہے"۔

"معاملہ کیا ہے آخر، ڈارسم؟"

اب اس کی آواز میں ارتعاش ختم ہو گیا تھا۔ "ڈارسم صرف نیائے کا وفادار ہے۔ چھوٹے آقا، جسے نیائے اپنا سمجھتی ہیں، ڈارسم بھی اسے اپنا سمجھتا ہے۔ ان کا ہر حکم بجالانا میرا فرض ہے۔ حکم کی نوعیت سے مجھے کبھی غرض نہیں رہی۔ نیائے نے مجھے آپ کی دیکھ بھال کا حکم دیا ہے جو چھوٹے آقا، مجھے ہر صورت بجالانا ہے۔ آپ کا تحفظ کرنا میری ذمہ داری ہے۔ مجھ پر یقین بے شک نہ کریں لیکن میرا مشورہ ضرور سن لیں"۔

"میں تمہارے کام کی نزاکت سمجھتا ہوں۔ اتنا محتاط ہونے کا بہت بہت شکریہ مگر بتاؤ تو ہوا کیا ہے؟"

"نیائے میری آجر ہیں، نونی بھی میری آجر ہے، لیکن وہ نمبر ۲ پر ہے۔ اب نونی آپ سے محبت کرنے لگی ہے۔ ڈارسم کو آپ کا مکمل تحفظ کرنا ہے۔ اسی لئے میں آپ کو یہ مشورہ دینا چاہ رہا ہوں۔ وجہ یہ نہیں کہ ڈارسم آپ کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ ڈارسم کے ذہن میں ایک اور بات واضح نہیں ہو پا رہی"۔

"ٹھیک ہے، لیکن مسئلہ کیا ہے؟"

"مختصراً یہ کہ میں آپ کو کرینگن میں واپس آپ کے کمرے تک لے جاؤں گا، وونوکرومو نہیں لے جاؤں گا"۔

"مجھے اس کی وجہ بھی پتہ چلنی چاہیے؟"

وہ چپ ہو گیا اور اس کی نظریں پاس سے گزرتی ویٹرس میں اٹک گئیں۔

"ڈارسم، معاملہ ختم نہیں ہوا ابھی؟" انالیز کی آواز سنائی دی۔

"ذرا سا صبر اور نونی !" اس نے باہر دیکھے بغیر جواب دیا۔ ویٹرس کے گزر جانے کے بعد

اس نے بات دوبارہ شروع کی۔ "رابرٹ، چھوٹے آقا، بڑے لمبے چوڑے وعدے کر رہا ہے۔ اس نے مجھے آپ کو مار ڈالنے کا حکم دیا ہے"۔ میں اس پر ذرا حیران نہیں ہوا۔ مجھے رابرٹ کی نظروں سے اس کے برے ارادے جھلکتے محسوس ہو چکے تھے۔ پھر بھی میں نے کہا۔ "میں نے اس کا کیا بگاڑا ہے؟"

"صرف حسد، جلن۔ میرا خیال ہے۔ نیائے آپ کو بہت پسند کرتی ہیں، چھوٹے آقا۔ اسے گھر میں کسی اور مرد کی موجودگی شاید بہت ناگوار لگتی ہے"۔

"وہ یہ بات میرے منہ پر بھی کہہ سکتا ہے۔ وہ دوسرا راستہ کیوں اپنا رہا ہے؟"

"اس کی سوچ بہت محدود ہے چھوٹے آقا، اسی لئے وہ بہت خطرناک ہو گیا ہے۔ اب سب کچھ آپ کو معلوم ہو گیا۔ میرا مشورہ بھی سمجھ گئے ہوں گے مگر نیائے اور نونی کو کچھ نہ بتائیے گا۔ کبھی نہ بتائیے گا۔ چلیں اب"۔ اس نے ہمارے کھانے پینے کا بل ادا کیا۔ اس مسئلے پر اس نے میری رائے لینے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ فاٹسو کا تانگہ غائب ہو چکا تھا۔ ہماری بگھی بھی حرکت میں آ گئی۔ اگر ڈارسم کی بات درست تھی تو وونوکرومو میں کوئی شخص میری اکلوتی جان کے درپے تھا۔ فاٹسو ٹاؤن ہی سے ہی میری جاسوسی پر مامور تھا۔ شاید میرے والد کا مجھ پر اتنا شدید غصہ، بے جا نہیں تھا پھر میری والدہ کی وارننگ بھی یاد آئی کہ ہر طرح کے نتائج بھگتنے کے لئے تیار رہو۔

ہاں، ٹھیک ہے۔ رابرٹ مے لیما کو یقیناً یہ حق ہے کہ وہ مجھے اپنی بادشاہت میں مداخلت کار کی حیثیت سے دیکھے۔ کم از کم میں اس کے ذہن کا ایک اور اضافی بوجھ تو بن ہی گیا تھا۔ وہ اس انداز میں میرے متعلق سوچنے میں بالکل حق بجانب تھا۔ انالیز میرا ہاتھ مضبوطی سے تھامے بیٹھی تھی، جیسے اسے خوف ہو کہ گرفت ڈھیلی پڑتے ہی چکنی مچھلی، بگھی سے باہر سڑک پر جا پڑے گی۔ وہ خاموش تھی البتہ اس کی آنکھیں اس کی وسیع و عریض سوچوں کا پتہ دے رہی تھیں۔

"این، تمہاری کچھ رقم مجھے سوٹ کیس میں رکھی ملی تھی"۔ میں نے کہا۔

"ہاں، میں نے ہی رکھی تھی۔ تمہیں اس کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ تم ایک نامعلوم سفر کے لئے نکلے تھے اور میری خواہش تھی کہ تم جلد از جلد واپس لوٹ آؤ"۔

"شکریہ این، مگر میں نے وہ رقم استعمال نہیں کی"۔

وہ پہلی دفعہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ لیکن اس کی ہنسی مجھے پھیکی سی لگی۔ بگھی کی لالٹین کی روشنی بگھی کے اندر صحیح نہیں آ رہی تھی۔ تاریکی، گہری تاریکی انالیز کی خوبصورتی کو چھپائے ہوئے تھی۔

یہ بات نہ بھی ہوتی، تب بھی اس ہنسی میں بے کیفی سی تھی۔ میرے ذہن میں عجیب اوٹ پٹانگ خیالات پیدا ہونے لگے۔ دنیا کی ہر چیز، لذیذ اور پرلطف اور پرآسائش کہلانے والی ہر شے کو چوری کرلیا جائے۔ میری یہ دنیا، انسانوں کی دنیا تو اپنا اعتبار ہی کھو بیٹھی ہے۔ وہ ساری تعلیم و تربیت، جس نے مجھے میری یہ تجسیم بخشی، بھاپ کی طرح اڑا کر، خود کو فنا کی بھینٹ چڑھا رہا ہوں۔ کوئی بھی چیز قابل اعتبار نہیں رابرٹ؟ ہاں میں فاٹسو کو بھی سمجھ رہا ہوں؟ میرا خیال ہے میں اس کے قد و قامت کو اندھیرے میں بھی پہچان سکتا ہوں۔ لیکن پس پردہ کون ہے، میں نہیں جانتا۔ میرے پیچھے یہ شیطانی چکر چلانے والا کون ہے، اس کا اندازہ لگانا بھی میرے بس میں نہیں۔ سرابیا کرائے کے قاتلوں کے لئے خاص بدنام ہے۔ بس ایک دو روپے دو اور معاملہ طے۔۔۔۔۔۔
ہر ہفتے، کبھی ساحل پر، کبھی جنگل میں اور کبھی سڑک کے کنارے یا مارکیٹ کے عین درمیان ایسی لاشیں پڑی نظر آ جاتی تھیں، عموماً اپنر چاقوؤں کے وار کئے جاتے تھے۔ بگھی کرینگن کی طرف جا رہی تھی۔

"ہم اس راستے سے کیوں جا رہے ہیں؟ "انالیز نے پوچھا۔

میں انالیز سے کیا کہہ سکتا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی توضیحی جواز سوچتا۔ ہم تلنگا کے گھر کے سامنے کھڑے تھے۔ ڈارسم نے چپ چاپ میرا سامان اتارنا شروع کر دیا۔

"یہ سامان یہاں کیوں اتر رہا ہے؟ "انالیز نے دوبارہ احتجاج کیا۔

"این"۔ میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "اس ہفتے سکول کا خاصا کام مجھے کرنا ہوگا۔ سو، مجھے افسوس ہے۔ فی الحال میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکوں گا۔ تمہارا مجھ سے ملنے کے لئے آنا، مجھے اچھا لگا۔ مما سے بھی میری جانب سے معذرت کر لینا۔ ٹھیک ہے نا؟ میں واقعی وونوکرمو نہیں جا سکتا۔ یہاں میرا رہنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ میں ٹیچرز سے زیادہ دور نہ ہوں۔ میرا مما سے بہت بہت سلام کہنا۔ فارغ ہوتے ہی میں دوبارہ آ جاؤں گا تمہارے پاس"۔

"وونوکرمو میں رہتے ہوئے تمہاری پڑھائی ٹھیک طرح نہیں ہوئی کیا؟ تمہیں پریشان تو کسی نے نہیں کیا۔ ہاں البتہ، معاف کرنا، میں ضرور پریشان کرتی رہی"۔ اس کی آواز میں رنج کا شدید احساس تھا۔

"نہیں۔ این، تمہاری وجہ سے نہیں"۔ اس سے پیچھا چھڑانا محال ہو گیا۔ وہ ننھے بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگی۔ "ارے تم کیوں رو رہی ہو؟ ایک ہفتے کی تو بات ہے این، پھر میں

تمہارے پاس آ جاؤں گا۔ایسا ہی ہے ناڈارسم؟"

"ہاں،نونی،اس طرح نہ چیخو، یہ کسی اور کا گھر ہے"۔

اس لمحے، میرا اندر چھپا ہوا عظیم المرتبت جاوی جنگو سالار، نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ میں صرف ایک بزدل آدمی رہ گیا جو محض ایک رپورٹ پر، جو غلط بھی ہو سکتی تھی، اپنی زندگی کو لاحق خطرات سے بچانے کی فکر میں تھا۔"نیچے نہ اتروا ین، بگھی میں ہی بیٹھی رہو"۔بگھی کے اندر موجود تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے اس کے رخساروں کا بوسہ لیا۔اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

"تم جتنی جلدی ممکن ہو، وونو کرومو ہمارے گھر آ ؤ گے"۔روتے پیٹتے اس نے بالآخر ہار مان لی۔

"سمجھ رہی ہونا میری بات"۔اس نے اثبات میں سر ہلایا۔"جیسے ہی میں کام سے فارغ ہوا،فوراا واپس تمہارے پاس آ جاؤں گا۔ فی الحال تم میری بات مان لو اور حالات سے سمجھوتہ کرو"۔

"میں تمہاری بات سے قطعی اختلاف نہیں کر رہی"۔اس نے ہچکیوں کو روکتے ہوئے جواب دیا۔

"جلدی ہی دوبارہ ملیں گے میری دیوی!"

"ماس"۔

میں بگھی سے نیچے اتر آیا۔ڈارسم دروازے کے سامنے کھڑا منتظر تھا۔رات پوری طرح چھا چکی تھی لیمپوں کی روشنی ہر جگہ نظر آ رہی تھی۔میرے خیالات البتہ دھندآلود تھے۔

"تم مما کو سب کچھ بتا کیوں نہیں دیتے؟ "میں نے سرگوشی میں ڈارسم سے پوچھا۔

"نیائے پہلے ہی اپنے بچوں اور اپنے تو آن کی وجہ سے مشکلات میں گھری ہوئی ہیں۔یہ مسئلہ تو خود مجھے ہی دیکھنا ہوگا۔چھوٹے آقا،آپ بھی ذرا ضبط سے کام لیں"۔

مسٹر اینڈ مسز تلنگا،صوفے پر بیٹھے،میرے حالات سے باخبر ہونے کے لئے، بے چینی

سے منتظر تھے۔ کیا اچھا اور ہنس مکھ جوڑا تھا ! پتہ نہیں میرے بارے میں ان کے خیالات کیا رہے ہوں گے۔ میں نے باہر نکلنے کے بجائے، اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ کپڑے بدلے اور بستر میں گھس گیا۔ مجھے کھانے کا بھی ہوش نہیں تھا۔ لیکن ٹیبل لیمپ میں نے پہلے ہی نکال کر رکھ دیا تھا تا کہ جب چاہوں، اس کی روشنی میں ملکہ دل ہیلمنا کی پورٹریٹ پر نظر ڈال سکوں۔ انسان کی یہ عجیب وغریب دنیا ! خدا کرے وہ اپنے محل میں ہر طرح کے مسائل اور مشکلات سے محفوظ رہے۔ البتہ اس کے ذہنی اور دلی مسائل کی بات اور ہے !اور میں؟ اس کا ایک غلام !جس کی قسمت علم کے نجوم کے مطابق، بالکل ملکہ معظّمہ جیسی ہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہر لمحہ مجھے، کمرے کے کسی کونے سے، رابرٹ مے لیما کی بھیجی ہوئی، موت کے جھپٹ پڑنے کا خدشہ بھی ہے۔

کمرے میں مکمل تاریکی طاری تھی۔ برابر کے کمرے میں ہونے والی گفتگو سیدھی میرے کانوں میں آ رہی تھی۔ بے معنی۔ اوہ !اتنا کم عمر اور ابھی سے کوئی اس کی جان کے در پے ہے۔ میرے ٹیچرز کے بیان کردہ جدید دور کے، روشن اور تابناک دور کے خوش آیند وعدوں کا کہیں دور دور تک پتہ نہیں۔ رابرٹ !تم اتنے پاگل کیوں ہو رہے ہو؟ عشق میں جلن اور حسد کا تو دنیا میں سنا تھا۔ انسانوں کے ابتدائی وحشیانہ دور کی باقیات۔ ایک نئی بات یہ ہوئی کہ انسان نے دولت کے حصول کے لئے وحشیانہ قتل شروع کر دیا۔ یہ بھی نری درندگی ہے، ہے نا؟ لیکن تم بالکل ہی مختلف چیز ہو۔ تم اپنی ماں سے، اپنے مبدا سے نفرت کرتے ہو اور نتیجے میں ان سے کوئی محبت نہیں لے سکتے۔ تم اپنے باپ کی محبت میں چیختے پھرتے ہو اور وہ تمہاری طرف ذرا سی توجہ بھی نہیں دیتا۔ تمہیں حسد ہو رہا ہے کہ تمہاری ماں کی محبت، تمہاری بجائے، میری جانب منتقل ہو گئی ہے۔ ظاہر ہے میرا اس محبت پر کوئی حق تو نہیں تھا۔ بالکل یورپی کہانیوں کے کسی کردار کی طرح، غالباً تمہاری نگاہوں میں میری حیثیت کسی مجرم کی سی ہے اور بس۔

میں کبھی خود فریبی کا شکار نہیں ہوا اور دنیا کے ساتھ بھی میں نے کبھی کوئی بد دیانتی نہیں کی۔ دیکھیں میں اتنا آرام و آسائش ہی چاہتا ہوں، جو میری خون پسینے کی کمائی سے مجھے حاصل ہو، اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتا۔ میری رائے میں خوشی خیرات میں نہیں ملتی بلکہ سخت کوشی اور جدوجہد سے حاصل ہوتی ہے۔ اپنے گھر والوں سے دوری نے مجھے یہ بات اچھی طرح سمجھا دی۔ اوہو، میرے سکول کی ساری پڑھائی سے کہیں زیادہ پیچیدہ اور مشکل یہ مسئلہ نکل آیا۔

اور تم ڈارسم !خدا کرے تمہاری بات غلط ہو جائے اور رابرٹ اتنا بڑا شیطان ثابت نہ

ہو۔لیکن لگتا ہے تم بھی کوئی اور شیطانی چکر چلائے بیٹھے ہو۔اور تم فاٹسو، آبنوسی جلد اور آگ اگلتی، ترچھی آنکھوں کے مالک ! تمہارا میرا کیا تعلق بنتا ہے؟ اتنے صاف ستھرے اور اچھے کپڑے پہنے،تم کرائے کے قاتل لگتے تو نہیں،شاید تم کسی مے لیما بچے یا ان کی خاندانی دولت کے چکر میں ہو؟

اور مریم اور سارہ ڈی لا کروکس اور ٹاؤن بی کے اسسٹنٹ ریذیڈنٹ۔۔۔۔۔اور باہمی اشتراک۔۔۔۔۔میرا دل کانپ اٹھا۔میں اتنا بزدل کیوں ہوں؟

باب 9

اپنی کہانی کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے، پہلے یہ بتا تا چلوں کہ پولیس کے ایجنٹ کے ساتھ، وونوکروموسے میری روانگی کے بعد رابرٹ پر کیا گزری۔ نیچے بیان کردہ واقعات کی تفصیل مجھے انالیز، نیایے، ڈارسم اور دوسرے لوگوں کی زبانی معلوم ہوئی۔ تفصیل کچھ اس طرح تھی۔

میں بگھی میں سوار ہوا اور وہ صبح کی ملگجی تاریکی میں تیزی سے دوڑتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہوگئی تو انالیز مما سے لپٹ کر بری طرح رونے لگی۔ (پتہ نہیں وہ ذرا ذرا سی بات پر بسورنے کیوں لگ جاتی ہے، بالکل کسی ننھی بچی کی طرح !شاید بہت لاڈلی ہے)۔

"چپ ہو جاؤ این، وہ محفوظ ہی ہوگا"۔ نیایے نے کہا۔

"مما نے اسے جانے کیوں دیا؟ "انالیز نے احتجاج کیا۔

"وہ قانون کا غلام ہے این، ہم اس سے کس طرح لڑ سکتے ہیں"۔

"ہمیں اس کے پیچھے جانا چاہیے۔ ماں"۔

" کوئی فائدہ نہیں۔ ویسے بھی یہ قبل از وقت ہوگا۔ یہ تو صاف ہے کہ اسے ٹاؤن بی لے جایا جا رہا ہے"۔

"مما، آہ مما"۔

" تمہیں اس سے واقعی محبت ہے؟"

"مما، مجھے یہ کہہ کر اذیت تو نہ دیں"۔

"تو میں کیا کروں این؟ فی الحال انتظار کے سوا کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ ہم ہر وقت اپنی ہی

مرضی تو نہیں چلا سکتے"۔

"مما کچھ نہ کچھ کریں، کچھ تو کریں"۔

"تمہارا خیال ہے کہ منکی کوئی تمہاری گڑیا ہے۔ این۔ وہ کوئی کھیل کی گڑیا نہیں۔ کچھ کرو، کچھ کرو۔ بے شک میں کچھ نہ کچھ کروں گی۔ صبر کرو۔ ابھی تو صبح بھی صحیح طرح سے نہیں ہوئی"۔

"آپ مجھے اس طرح ہی چھوڑے رکھیں گی ماں؟ کیا آپ مجھے مارنا چاہتی ہیں؟"

نیائے بری طرح کنفیوژ ہوگئیں۔ انہوں نے بھلا اس طرح کی آہ وزاری کہاں سنی ہوگی۔ انالیز تو شکوہ کرنے کی بھی عادی نہیں تھی۔ وہ انالیز کی ذہنی اور دلی کشمکش کو اچھی طرح سمجھ رہی تھیں۔ انالیز، کاروبار میں بھی ان کی انتہائی بااعتماد ساتھی تھی۔ انالیز کی خواہش پوری کرنے کے لئے، اس کا حق دلانے کے لئے وہ ہر جتن کر سکتی تھیں۔ وہ اپنی بیٹی کو فوری آرام دینے کے لئے کمرے میں لے گئیں۔ وہ مسلسل ضد کر رہی تھی۔ وہ منکی کی واپسی تک اس کا انتظار کرنا چاہتی تھی۔

"یہ ناممکن ہے این، ناممکن۔ دو تین دن بعد، البتہ، اس کی واپسی کی امید ہوسکتی ہے"۔ اور انالیز نے خاموشی اختیار کر لی۔ مما اور زیادہ کنفیوژ ہوگئیں۔ انہیں انالیز کی عادت کا پتہ تھا، وہ کبھی کچھ نہیں مانگتی تھی۔ اور پچھلے کچھ ہفتوں سے وہ منکی کے بارے میں سوال کر رہی تھی، سوال ہی نہیں بلکہ دل کی گہرائی سے منکی اور اس سے متعلقہ ہر چیز کو بری طرح چاہ رہی تھی۔ وہ دن میں بھی اسی کے خواب دیکھتی تھی۔ وہ ہمیشہ ہی فرماں بردار اور خوش گفتار رہی تھی، سب کی آنکھوں کا تارہ تھی مگر اب اس میں بغاوت کی چنگاریاں جھلکنے لگی تھیں۔

انالیز اپنی گڑیا واپس مانگ رہی تھی اور جانتی وہ صرف اپنی ماں کو تھی۔ نیائے گھبرا گئیں کہ کہیں ان کی بیٹی بیمار نہ پڑ جائے۔ انہیں بیٹی میں ہر بیماری کی کوئی نہ کوئی علامت نظر آنے لگی۔ خدا نہ کرے اسے بھی، اپنے والد کی طرح، کوئی غلط سلط چوٹ لگ جائے اور وہ کھڑی ہونے کے ہی قابل نہ رہے۔

سورج آہستہ آہستہ افق پر نمودار ہونے لگا۔ ڈارسم دروازے اور کھڑکیاں کھولنے آیا۔ وہ اپنی نونی کی حالت زار دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ وہ ایک ایسے مسئلے سے نبرد آزما کس طرح ہوسکتا تھا جہاں اس کا خنجر اور اس کی جسمانی طاقت دونوں ہی بے کار تھے۔

"ہاں بھئی، یہ حکومتی معاملات ہیں"۔ مما نے بڑے مشفقانہ لہجے میں کہا۔ "دل کے معاملات تو نہ محسوس کئے جاسکتے ہیں اور نہ دیکھے جاسکتے ہیں۔ دل کی اپنی دنیا ہوتی ہے"۔

ایک لمحے کو مما کے ذہن میں اپنے بڑے بیٹے رابرٹ کا خیال آیا اور انہیں پولیس کو لکھے گئے گمنام خط کے سلسلے میں اسی پر شبہ بھی ہوا۔ شبہ ہوتے ہی انہوں نے اگلی صبح اس کی تفتیش کا بھی سوچ لیا۔

"رابرٹ کو بلاؤ یہاں"۔ مما نے ڈارسم کو حکم دیا۔

رابرٹ آنکھیں ملتا ہوا آ گیا۔ وہ خاموش کھڑا ہو گیا۔ ڈارسم کی وجہ سے وہ آ بھی گیا۔ ورنہ وہ شاید آتا ہی نہیں۔ یہ سب کو پتہ تھا۔ وہ بغیر کوئی لفظ بولے، کھڑا رہا۔ اس کی آنکھوں میں اکتاہٹ کی چمک تھی۔

"تم نے کس کس کو اور کتنی دفعہ اپنے زہریلے خطوط بھیجے ہیں؟"

اس نے جواب نہیں دیا۔ ڈارسم اس کے نزدیک چلا گیا۔

"جواب دو، نیو"۔ لڑاکا ڈارسم نے اسے حوصلہ دینے کی کوشش کی۔

انالیزا ابھی تک نیائے کا سہارا لئے کھڑی تھی۔

"میرا کسی گمنام خطوط سے بھلا کیا تعلق؟ "اس نے ڈارسم کی جانب منہ کر کے انتہائی مکارانہ جواب دیا۔

" کیا میں زہریلے خطوط لکھنے والا لگتا ہوں؟"

"مجھے نہیں، نیائے کو جواب دو"۔ ڈارسم نے اسے ڈانٹا۔

بھیجنا تو ایک طرف رہا۔ میں نے تو کوئی خط لکھا ہی نہیں"۔ اس دفعہ اس نے مما کو جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، میں ہمیشہ تمہاری بات پر یقین کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ تم منکی سے نفرت کیوں کرتے ہو؟ شاید اس لئے کہ وہ مزاجاً اور تعلیم کے اعتبار سے بھی تم سے بہتر ہے؟"

"میرا منکی سے کیا تعلق؟ وہ محض ایک مقامی ہی تو ہے"۔

"تم، مقامی ہونے کی وجہ سے ہی تو اس سے متنفر ہو"۔

"پھر، یورپین خون ہونے کا فائدہ؟ "اس نے نیائے کو ہی چیلنج کر دیا۔

"اچھا، منکی سے تم اسی لئے نفرت کرتے ہو کہ وہ مقامی ہے اور تم میں یورپی خون دوڑ رہا ہے، ٹھیک ہے۔ مجھ میں تو تمہیں سمجھانے سکھانے کی ہمت نہیں۔ کوئی یورپین ہی تمہیں سمجھا سکتا ہے۔ اچھا اب، مجھے، تمہاری ماں کو، ایک مقامی عورت کو اچھی طرح سمجھ آ گئی ہے کہ یورپی خون

والے لوگ زیادہ عقل مند ہوتے ہیں۔ مقامیوں سے زیادہ تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا۔اب میں تم میں موجود مقامی خون سے سرابیا پولیس سٹیشن جانے کے لئے کہہ رہی ہوں۔ یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ منکی پر کیا گزری؟ ڈارسم یہ کام نہیں کرسکتا۔ یہ میرے بس کی بات بھی نہیں۔ یہاں میری مصروفیت مجھے نکلنے ہی نہیں دے گی۔تم اچھی ڈچ جانتے ہو،لکھنا پڑھنا بھی تمہیں آتا ہے۔ڈارسم ان پڑھ ہے۔ میں تمہاری صلاحیت آزمانا چاہتی ہوں۔ جلدی کے لئے ،گھوڑا ساتھ لے جاؤ"۔رابرٹ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"جاؤ بیٹھ "۔ڈارسم نے حکم دیا۔بغیر جواب دیئے،رابرٹ مڑا اور باہر نکل گیا۔وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

دن کی روشنی پھیل چکی تھی۔مادوری جنگجو نے زبردستی رابرٹ کو اس کے کمرے سے نکالا۔ وہ عقبی جانب اصطبل کی سمت چلا گیا۔ وہ گھوڑ سواری کا لباس پہنے اور ہاتھ میں چابک تھامے ہوئے تھا۔

"این،تم اب سو جاؤ"۔نیائے نے انالیز کو تسلی دی۔

"نہیں"۔

نیائے نے انالیز کا ٹمپریچر دیکھا۔بخار بڑھتا جارہا تھا۔بچی واقعی بیمار ہو رہی تھی۔اس کی والدہ کی پریشانی اور بڑھ گئی۔

"صوفہ آفس میں ہی لے آؤ ڈارسم تاکہ کام کرتے ہوئے بھی،وہ میرے سامنے رہے اور ہاں کمبل لانا نہ بھول جانا۔ پھر ڈاکٹر مارٹی نیٹ کو جاکر لے آنا"۔انہوں نے اپنی بچی کو کرسی پر بٹھایا۔"ہمت پکڑو این،تمہیں اس سے پیار ہے نا؟"

"مما،میری مما"۔انالیز نے سرگوشی کی۔

"تمہیں اس طرح بیمار نہیں پڑنا چاہیے۔این۔مما تمہیں اس سے پیار کرنے سے ہرگز نہیں روکتیں۔ پیاری بیٹی،تم جب چاہو،اس سے شادی کرلو،اگر وہ بھی مان جائے تو۔لیکن خدا کے لئے بے صبری نہ کرو۔

"مما"۔انالیز نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔"آپ کے رخسار کہاں ہیں؟ ماں، میرے قریب آئیں، میں آپ کو پیار کرنا چاہتی ہوں"۔پھر اس نے مما کو پیار کیا۔

"لیکن خدا کے لئے بیمار نہ پڑو،میری مدد کون کرے گا؟ کیا تم اپنی مما کو گدھوں کی طرح

کام کرتے دیکھ سکتی ہو؟"

"مما، میں ہمیشہ آپ کی مدد کروں گی"۔

"پھر تمہیں اس طرح بیمار نہیں پڑنا چاہیے، ڈارلنگ"۔

"میں بیمار نہیں پڑنا چاہتی ماں"۔

"تمہارا بدن گرم سے گرم ہوتا جارہا ہے، این۔ عقل کے ناخن لو۔ ایسے معاملوں میں لوگ حتی الامکان کوشش ہی کرسکتے ہیں اور ہاں بہتر نتائج کے لئے ذرا صبر سے کام لینا چاہیے"۔

ڈارسم خود ہی صوفہ اٹھا کر آفس میں لے آیا۔ انالیز نے کرسی سے ہلنے سے بھی انکار کر دیا۔ وہ رابرٹ کو گھوڑے پر سوار جاتے دیکھنا چاہتی تھی اور اس کا بھائی تھا کہ کہیں نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔

"رابرٹ کو دیکھو، ڈارسم"۔ مما حیرت سے بولیں۔ ڈارسم بھاگتا ہوا عقبی حصے میں چلا گیا۔ دس منٹ کے بعد، وہ دراز قامت، وجیہہ نوجوان، سرپٹ گھوڑا دوڑاتے ہوئے آیا اور بغیر دیکھے سیدھا نکل گیا اور کوئی آدھے گھنٹے بعد، ڈارسم ڈاکٹر مارٹی نیٹ کو لینے، بگھی میں رخصت ہو گیا۔

تب کہیں جا کر انالیز آفس میں بیٹھنے کے لئے تیار ہوئی۔ نیائے نے پیاز اور سرکے کا کوئی عرق اس کے ماتھے پر ملا۔ "معاف کرنا این۔ میں ذرا تھک گئی ہوں۔ سو جاؤ۔ ڈاکٹر بس آتا ہی ہوگا اور رابرٹ بھی کوئی نہ کوئی خبر لے کر آئے گا"۔

نیائے نے دفتر کے ایک کونے میں لگے نلکے پر منہ ہاتھ دھویا اور پھر کنگھی کرنے لگیں۔

کمبل کے اندر سے ہی، انالیز نے سرگوشی میں پوچھا۔ "ماں، وہ آپ کو بھی پسند ہے نا؟"

"ہاں این، وہ بہت اچھا لڑکا ہے"۔ مما نے کنگھی کرتے کرتے جواب دیا۔ "جب تم اسے پسند کرتی ہو تو مما اسے کیوں پسند نہیں کریں گی۔ ایسا لڑکا تو کسی بھی والدین کے لئے باعث فخر ہوتا ہے۔ کون سی ایسی عورت ہوگی جو اس کی بیوی بننا نہیں چاہے گی؟ اس کی قانونی بیوی؟ مما کو اسے اپنا داماد بنا کر یقیناً بہت خوشی ہوگی"۔

"مما، میری اپنی مما"۔

"سو تمہیں ان چیزوں کے لئے بالکل پریشان نہیں ہونا چاہیے"۔

"مما، وہ مجھے پسند بھی کرتا ہے؟"

"تمہارے لئے تو ہر کوئی پاگل ہونے کو تیار ہوگا۔ این! خواہ وہ نسلا یورپی ہو، انڈو ہو یا

مقامی۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔تم جتنی خوبصورت لڑکی بھلا کہاں ہوگی؟ بلاوجہ پریشان نہ ہو۔ چلوسو جاؤ"۔آنکھیں تو وہ کافی دیر سے بند کئے پڑی تھی۔اسی طرح اس نے پوچھا۔"اگر اس کے ماں باپ نے انکار کر دیا تو؟"

"کہہ تو رہی ہوں، بلاوجہ پریشان نہ ہو۔تمہاری مما سب ٹھیک کر لے گی۔اب مجھے کچھ کام بھی کرنے دو۔ذہن میں یہ رکھو کہ تمہیں تندرست رہنا ہے۔اگر اسی طرح تم غمزدہ رہیں اور تمہاری دلکشی قائم نہ رہی تو منگی کیا سوچے گا؟ لڑکی کتنی ہی خوبصورت ہو، بیماری میں اس کی دلکشی قائم نہیں رہتی"۔

نیائے نے آفس میں بیٹھے بیٹھے، کچن سے کسی کو بلایا۔تھوڑی ہی دیر میں گرم گرم دودھ آ گیا۔

"چلواب دودھ پی لو۔میں پہلے نہاؤں گی اور پھر سونے کی کوشش کروں گی"۔

نیائے نہانے چلی گئیں۔واپسی پر وہ اپنے ساتھ گرم پانی اور ایک تولیہ لے آئیں اور اپنی بیٹی کی دیکھ بھال میں لگ گئیں۔انالیز چپ چاپ لیٹی رہی۔

ڈاکٹر مارٹی نیٹ نے آ کر انالیز کا معائنہ کیا اور اسے کچھ دوائیں دیں۔وہ چالیس کے پیٹے میں تھے اور نہایت نرم خو، خاموش طبع اور مہربان آدمی تھے۔سرمئی فلیٹ ہیٹ کے سوا، ان کے سارا لباس سفید تھا۔دائیں آنکھ پر مونوکل لگی تھی، جو ایک سنہری چین کے ذریعے سب سے اوپر بٹن سے منسلک تھی۔

ڈارسم نے جلدی جلدی ڈاکٹر صاحب کے لئے دفتر ہی میں ناشتے کا انتظام کیا۔انہوں نے ناشتہ نیائے کے ہمراہ کیا۔"میں سہ پہر کو دوبارہ آؤں گا۔سونے سے پہلے، اسے ہلکا سا ناشتہ ضرور کرا دیں۔شورشرابہ بالکل نہ ہونے دیں۔مکمل سکوت اور سکون ہونا چاہیے، مکمل نیند ہی اس کی دوا ہے۔اسے اس کے کمرے میں ہی منتقل کر دیں۔آفس میں اس طرح ہرگز نہیں چھوڑیں یا صوفے کو درمیانی کمرے میں منتقل کر دیں۔دروازے اور کھڑکیاں بند رکھیں۔

اور اب رابرٹ مے لیما کے بارے میں: بوردری میں موجود لوگوں اور عینی گواہوں اور مقدمے کے ملزم نے واقعات کے متعلق جو کچھ بعد میں مجھے بتایا، وہ کچھ اس طرح ہے:

اصطبل سے نکلتے ہی رابرٹ نے سڑک پر گھوڑے کو سرپٹ دوڑانا شروع کر دیا، پھر وہ

بائیں جانب مڑ کر سرابیا کی جانب جاتا نظر آیا۔ مرکزی سڑک پر پہنچ کر اس نے گھوڑے کی باگ کھینچی۔ اردگرد دیکھا اور پھر آہستگی سے، صبح کی سیر کا مزا لیتا ہوا، دوبارہ چل پڑا۔ اسے شاید تاؤ آ گیا تھا۔ ایک مہم جو منگی کے مفاد کی خاطر اسے صبح سویرے اس طرح اٹھا دیا گیا تھا اور پھر اسے سرابیا پولیس اسٹیشن جانے کے لئے مجبور کر دیا گیا۔ بھلا کیوں؟ منگی بے شک ہمیشہ کے لئے غائب ہو جائے، دنیا میں کیا کمی آ جائے گی، اس کے نہ ہونے سے کیا مصیبتیں نازل ہو جائیں گی۔ آندھی کے ذریعے آنے والے گرد کا بگولہ، نہ جانے کہاں سے آ گیا اور نہ جانے کب تک ہمارے سروں پر مسلط رہے گا۔ گھوڑا ابھی بے دلی سے چلا جا رہا تھا۔ اس بیچارے نے بھی صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا اور کام میں جوت دیا گیا۔ صبح کی خنکی ابھی فضا میں موجود تھی۔ وونو کرومو سے آئل ڈرموں سے لدے چھکڑوں کی قطاریں ابھی سڑک پر نظر آنا شروع نہیں ہوئی تھیں۔ چند ایک دیہاتی، البتہ، اپنی دستکاری کی چیزیں کمر پر لادے، سرابیا کی مارکیٹ کی جانب پیدل ہی جاتے نظر آ رہے تھے۔

گھوڑا آہستہ آہستہ بمشکل پچاس میٹر ہی گیا ہوگا۔ رابرٹ اپنے خیالات میں الجھا ہوا تھا۔ ایک جھاڑی کے پیچھے کسی کی آواز سنائی دی۔ "تسلیم سینور ابرٹ"۔

اس نے گھوڑے کو روکا اور جھاڑی کے اردگرد نظر دوڑانے لگا۔ ایک چینی لکیر دار پاجامہ قمیص پہنے، اسے مسکراتا دکھائی دیا۔ اس کے سر پر بال زیادہ نہیں تھے اسی لئے شاید اس کی چوٹی بھی زیادہ بڑی نہیں تھی۔ ہنستے ہوئے اس کے گالوں میں گڑھے پڑ جاتے تھے اور آنکھیں زیادہ تنگ اور ترچھی لگنے لگتی تھیں۔ اس کی ہلکی اور پتلی مونچھیں بھی کناروں سے لٹکی ہوئی تھیں۔ اس کی ڈاڑھی بھی خشخشی تھی تاہم ایک جانب، غالباً پیدائشی نشان کے طور پر، کالے بالوں کا جھالر سا بھی لٹکا ہوا تھا۔

"آداب، نیو"۔ اس نے دوبارہ متوجہ کیا۔ وہ سمجھا کہ رابرٹ نے اسے شاید دیکھا نہیں۔

"آداب، باباہ آہ تیانگ !" رابرٹ نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے، نرم لہجے میں جواب دیا۔

"آداب ! آداب ! نیائے کے حالات کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہیں باباہ ! بہت عرصے بعد تمہیں دیکھا ہے، کہاں رہے اتنا عرصہ؟"

"حسب معمول، کاروباری سلسلے تھے اور تو آن کی طبیعت کیسی ہے؟"

"وہ بھی ٹھیک ہے باباہ"۔

"عرصے سے وہ نظر ہی نہیں آ رہے؟"

"حسب معمول، وہ بھی اپنے کاموں میں پھنسے رہتے ہیں۔ بہت کاروباری مصروفیات ہیں ان کی۔ آج باباہ کے گھر کے دروازے، کھڑکیاں سب کھلے نظر آ رہے تھے۔ آج کیا ہو رہا ہے، کوئی خاص بات؟"

"بہت اچھا دن ہے نیو، یوم عیش ونشاط ہے آج، تم بھی آؤ"۔ باباہ کی مسکراہٹ کے آگے رابرٹ کی رہی سہی مزاحمت بھی دم توڑ گئی۔ ورنہ وہ چینیوں سے بہت متنفر تھا۔ عام حالات میں کسی چینی کے گھر میں داخل ہونا تو دور کی بات، وہ اس کے سلام کا بھی جواب نہ دیتا، لیکن اب اسے کچھ شغل میلے کے آثار نظر آ رہے تھے"۔ٹھیک ہے باہ، ایک دو لمحے کو چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔" یہ کہتے ہوئے رابرٹ پڑوس کے احاطے میں داخل ہو گیا۔

اس نے باباہ آہ تیانگ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ رابرٹ نے صرف اندازہ لگایا تھا کہ وہ کسی سے مخاطب ہے۔ باباہ اس کے استقبال کو نہ جانے کہاں سے نکل آیا تھا۔ ایک خالص چینی مہاجر، غالباً باباہ کا مالی، کسی جانب سے دوڑتا ہوا آیا اور رابرٹ سے گھوڑا لے کر، گھر کے عقبی حصے کی طرف چلا گیا۔ رابرٹ اور آہ تیانگ آہستہ آہستہ اس گھر کی جانب بڑھنے لگے، جس کے دروازے اور کھڑکیاں عموماً بند رہتے تھے۔ وہ اندر داخل ہوئے۔ سامنے کی سیڑھیاں ناریل کی چھال سے بنے پردے کے پیچھے غائب ہو رہی تھیں۔ سامنے برآمدہ تو نہیں تھا مگر خاصا بڑا احاطہ کھلا پڑا تھا، جس میں منقش ٹیک کی کرسیاں ادھر ادھر رکھی ہوئی تھی۔ ایک جانب براؤن رنگ کی، بانس کی بنی سیٹی رکھی تھی۔ دیواروں پر مختلف سائز کے آئینے آویزاں تھے جن پر چینی تحریریں کندہ تھیں۔ عمارت کے درمیان موجودہ کوریڈور کے سامنے ایک منقش پارٹیشن نظر آ رہا تھا۔ اندر کمرے میں بڑے بڑے خالی چینی ظروف سجے ہوئے تھے۔ ان کے قدمچوں میں ضخیم اژدھا لپٹا ہوا دکھایا گیا تھا۔ فرش پر کوئی مینا کاری نہیں کی گئی تھی۔ دیوار پر کہیں ملکہ ول ہیلمنا کی کوئی تصویر بھی نہیں تھی۔ سامنے کے کمرے میں، کہیں بھی پھول نظر نہیں آئے۔

آہ تیانگ اسے احاطے کے بالکل سامنے رکھی ہوئی بانس کی بنی سیٹی پر لے گیا۔ جو تین کرسیوں اور ایک طویل بنچ پر مشتمل تھی۔ میزبان وہاں جا بیٹھا اور رابرٹ اس کے بالمقابل۔

"نیو، ہم اتنے عرصے سے ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں اور تم کبھی ہم سے ملنے نہیں آئے؟"

"میں آتا کیسے، یہاں کے دروازے اور کھڑکیاں ہمیشہ ہی بند رہے تھے"۔

"چھوڑو نیو، بھلا ہر وقت بھی کبھی گھر بند رکھا جا سکتا ہے؟"

"میں آج پہلی دفعہ اسے کھلا دیکھ رہا ہوں"۔

"یہ اسی طرح کھلا رہتا ہے۔ نیو، اس کا مطلب بہر حال یہ ہوتا ہے کہ میں گھر پر ہوں"۔

"اور اگر یہ بند ہو تو پھر تم کسی اور گھر میں ہوتے ہو؟"

"دوسرے اور کس گھر میں؟ "اس کا قہقہہ خوشی سے بھرپور تھا۔

"کیا پینا پسند کرو گے نیو؟"

"عموماً کیا لیتے ہو؟ وہسکی، برانڈی، کاگ نیک، بورش یا چینی یا پھر جزائری شراب شاید؟ سفید یا زرد، گرم یا ٹھنڈی۔۔۔۔۔ یا پھر ملنگا وائن یا ڈرائی؟"

"ٹھیک ہے باباہ مگر جلدی کرو"۔

"یہ کیا بات ہوئی؟ تلی ہوئی مونگ پھلیاں تو چلیں گی۔ ہوں؟"

"ٹھیک ہے باہ، یہ بھی مانے لیتا ہوں"۔

"یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسا خوبصورت، وجیہہ، ہنس مکھ اور دلیر نوجوان آج میرا مہمان ہے۔ سب کچھ ہے آپ کے پاس !دولت بھی۔۔۔۔۔ واہ"۔ اس نے بغیر ہلے اور گردن گھمائے، بالکل کسی سلطان کی طرح تالی بجائی۔ عقبی حصے سے ایک نوخیز چینی لڑکی، بے آستین گاؤن پہنے نمودار ہوئی۔ گاؤن میں دونوں اطراف میں خاصا بڑا چاک تھا، جس سے اس کی ٹانگوں کا اوپری حصہ نظر آ رہا تھا۔ بالوں میں روایتی چٹیا موجود تھی۔ رابرٹ نے اسے دیکھا تو اس کے دودھیا رنگ کی دلکشی سے، اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس کی نظریں گاؤن کے چاک سے نظر آتی ٹانگوں میں ہی اٹک کر رہ گئیں۔ وہ ہاتھ میں وہسکی کی بوتل اور مونگ پھلی کی ٹرے لئے آئی اور ان کے گلاس بھرنے لگی۔

آہ تیانگ نے جلدی جلدی چینی زبان میں لڑکی سے کچھ کہا۔ وہ رابرٹ کے سامنے آ کر سیدھی کھڑی ہوگئی۔

"ارے نیو، اس لڑکی کو ذرا اچھی طرح دیکھو"۔

رابرٹ گھبرا گیا۔ لفظ اس کے منہ میں پھنس کر رہ گئے۔ اس نے اپنی نگاہیں اور چہرہ دوسری جانب موڑنا چاہا۔ جیسے شیطانی جال سے خود کو بچا رہا ہو۔

"یہ مس من ہوا ہے، پسند نہیں آئی آپ کو؟ ابھی ابھی ہانگ کانگ سے آئی ہے"۔

من ہوا کورنش کے انداز میں جھکی اور رابرٹ کے قریب کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔

دکھ اس بات کا ہے من ہوا مالے، ڈچ یا جاوی کوئی زبان بھی نہیں بول سکتی۔ اسے صرف چینی آتی ہے۔ بھلا اس کا کیا کیا جائے۔ آپ چپ کیوں ہیں سی نو؟ کیوں؟ وہ آپ کے بالکل پاس ہے۔ ارے چھوڑیں سینو، اب نا تجربہ کاری کی اداکاری نہ کریں۔ باباہ سے شرمانے کی ضرورت نہیں"۔

من ہوا نے وہسکی کا گلاس رابرٹ کے ہونٹوں سے لگا دیا اور وہ بے یقینی کی سی کیفیت میں پورا گلاس چڑھا گیا۔ آہ تیا نگ کی میٹھی مسکراہٹ اسے شہ دے رہی تھی۔ من ہوا بات بے بات قہقہے لگا رہی تھی۔ عجیب نخرے اور عشوے تھے۔ کبھی سر کو جھٹکا دیتی۔ کبھی چہرے کے عضلات کو سخت کر ڈالتی اور کبھی نرم۔ اس کا منہ کھلتا تو اس کے سفید موتیوں کی مانند دانت جگمگا اٹھتے۔ البتہ اندر کی طرف، ایک دانت سونے کا بھی تھا۔ چینی لڑکی نے ایک دم، بغیر رکے، تیزی سے کچھ کہنا شروع کر دیا۔ رابرٹ کے ایک لفظ بھی پلے نہیں پڑا بلکہ لڑکی کے مزید نزدیک آنے سے وہ اور ہونق بن کر رہ گیا۔

رابرٹ کا رنگ زرد پڑتے اور ہاتھ کپکپاتے دیکھ کر، من ہوا نے، گلاس دوبارہ لبریز کر کے، اس کے منہ سے لگا دیا۔ اور رابرٹ بغیر ہچکچاہٹ کے، اسے غٹا غٹ پی گیا۔ اچانک اسے بری طرح کھانسی آنے لگی۔ اس نے پہلے کبھی بھی شراب نہیں چکھی تھی۔ بری طرح سے ہلنے سے باقی وہسکی آہ تیا نگ اور من ہوا پر جا گری، ان دونوں نے برا ماننے کے بجائے، خوب ہنسنا شروع کر دیا۔

"ایک اور گلاس لیں نیو"۔ میزبان نے مشورہ دیا۔ من ہوا نے دوسرا گلاس بھرا اور نوعمر مہمان کو پیش کر دیا۔ اس نے منع کر دیا اور رومال سے منہ پونچھنے لگا۔ وہ اب بری طرح گھبراہٹ کا شکار ہو گیا تھا۔

"چھوڑو بھی سینو، یہ اداکاری نہ کرو کہ تم نے کبھی پی ہی نہیں"۔ پھر چبھتے لہجے میں کہنے لگا۔ "تمہیں وسکی اچھی نہیں لگ رہی اور شاید من ہوا بھی تمہیں پسند نہیں آئی؟ "اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہ لڑکی عقبی حصے کی جانب جا کر غائب ہو گئی۔ ایک بار پھر اس نے تالی بجائی۔

اب ایک اور چینی لڑکی ریشمی قمیص اور کھلتے رنگ کا غرارہ پہنے نمودار ہوئی۔ وہ بڑے نخروں سے چلتی سیٹی کی جانب بڑھی۔ اس کے ہاتھ میں موجود ٹرے میں کھانے پینے کی کچھ چیزیں تھیں۔

وہ چیزیں اس نے میز پر رکھ دیں۔ پھر انتہائی شہوت انگیز انداز میں کورنش بجا لائی۔ پہلی لڑکی کی طرح اس نے بھی لپ سٹک لگا رکھی تھی۔ اسی دوران من ہوا، دوبارہ اندر آ گئی۔ اس کے ہاتھوں میں پانی گلاس تھا، وہ دوبارہ آ کر رابرٹ کے پاس بیٹھ گئی اور گلاس میز پر رکھ دیا۔

"واہ نیو، ان دونوں کو دیکھو، زیادہ اچھی کون لگ رہی ہے؟ ارے چھوڑو بھئی، شرمانے کی ضرورت نہیں۔ یہ دوسری لڑکی سی سی ہے"۔

گھر کے باہر احاطے میں چند اور بگھیاں آ کر رکیں اور مہمان اتر کر اندر آنا شروع ہو گئے۔ ان میں سے کچھ چینی لباس پہنے ہوئے تھے اور کچھ مقامی قمیص پاجامہ۔ تمام مرد ہی تھے اور ان کے سروں پر لمبی چٹیا واضح نظر آ رہی تھی۔ میزبان کی پروا کئے بغیر جس کا جہاں جی چاہا بیٹھ گیا۔ لوگ ہنسی مذاق کرنے لگے اور پھر جوا شروع ہو گیا۔ "ایسا لگتا ہے سینو، تمہیں کوئی پسند ہی نہیں آ رہی"۔ آہ تیا نگ نے ایک گہرا سانس لیا اور انہیں دوسرے مہمانوں کی جانب متوجہ ہونے کے لئے کہا۔ پھر بولا: "سینو کو سی سی بھی اچھی نہیں لگی"۔ اس نے کھڑے ہو کر سی سی کو آواز دی۔ جونہی وہ لڑکی واپس آئی۔ آہ تیا نگ نے اسے رابرٹ کے ساتھ ہی بٹھا دیا۔ "کیا پتہ، سینو کو یہ لڑکی پسند آ جائے؟"

اور رابرٹ، وہ ابھی تک سنبھل نہیں پایا تھا۔ خاصا کنفیوژ تھا۔ اپنی چاہت کا اظہار نہیں کر پا رہا تھا۔ ایک خوف اور گھبراہٹ کی کیفیت اس پر طاری تھی۔ باباہ اس کی گھبراہٹ پر قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ اردگرد پھیلے لوگوں نے کونے میں بیٹھے ان تینوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔

سی سی زور شور سے گپیں لگانے لگی۔ اس کے ہاتھ رابرٹ کی قمیص اور بیلٹ کے گرد پھرنے لگے۔ وہ رابرٹ کو پوری طرح اپنے جال میں پھنسانا چاہ رہی تھی۔ باباہ اس کی حرکتیں دیکھ کر ہنسے جا رہا تھا۔ رابرٹ کچھ اور سکڑ کر بیٹھ گیا۔ پھر دونوں چینیوں میں خاصی زوردار بحث ہوئی اور رابرٹ بے وقوفانہ انداز میں انہیں دیکھتا رہا۔

"ٹھیک ہے نیو، شاید آپ کو دونوں میں سے کوئی بھی اچھی نہیں لگی"۔

سی سی اپنی جگہ سے اٹھی اور عقبی دروازے کے پیچھے جا کر غائب ہو گئی۔ باباہ آہ تیا نگ نے ایک بار پھر تالی بجائی۔ رابرٹ کو اس لڑکی کے چلے جانے کا افسوس ہو رہا تھا۔ اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ اسی پارٹیشن کے پیچھے سے ایک جاپانی لڑکی نمودار ہوئی۔ پھولوں کی تصاویر سے آراستہ، خوبصورت فراک پہنے ہوئے۔ اس کے چہرے کا رنگ گلابی تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی آئی۔

گول چہرہ، لپ سٹک لگے ہونٹ اور اس پر سجی دائمی مسکراہٹ، بالوں میں جوڑا۔ وہ سیدھی رابرٹ کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ وہ ہنسی تو دانتوں کی قطار میں ایک سونے کا دانت بھی نظر آیا۔ "یہ دیکھو، ایک اور شاندار دوشیزہ !نیو"۔

شاید اس لئے کہ رابرٹ مزید کف افسوس ملنا نہیں چاہتا تھا، اس نے حوصلہ مجتمع کیا اور جاپانی عورت کو دیکھنے کے لئے نگاہیں اوپر کیں۔ "یہ میکو ہے، دو ہی مہینے پہلے جاپان سے آئی ہے"۔

اس کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ میکو نے خاصی اونچی آواز میں جاپانی میں کچھ کہنا شروع کر دیا۔ رابرٹ کے پلے کچھ نہیں پڑا تاہم اتنا حوصلہ اس میں ضرور آ گیا کہ وہ اسے اپنی آنکھوں میں اتار سکے۔

آہ تیا نگ نے اس دوشیزہ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہنے لگا۔ "یہ صرف میرے لئے ہے لیکن اگر تم پسند کرو تو اس سے لطف اندوز ہو سکتے ہو۔ ارے بیٹھو نا اس کے ساتھ ہی"۔

اپنے آقا کے ڈنڈے سے سہمے ہوئے کسی کتے کی طرح، وہاں سے اٹھا اور دیوان کی طرف جا کر میکو کی ایک جانب بیٹھ گیا۔ میکو ان دونوں کے بیچ میں تھی اور دوسری جانب آہ تیا نگ تھا۔

"چلیں، سنیو کو یہ پسند آ گئی؟ میکو؟ ٹھیک ہے"۔ وہ پھر ہنس پڑا۔ "اس صورت میں مجھے تو چلے جانا چاہیے۔ میں اسے تمہارے لئے چھوڑے جاتا ہوں"۔ مہمان کی آنکھیں دور تک میزبان کا تعاقب کرتی رہیں اور آہ تیا نگ ہنسی مذاق کرتے اور مختلف کھیل کھیلتے مہمانوں میں جا کر بیٹھ گیا۔ پھر اٹھا اور کچھ دیر مختلف میزوں پر بیٹھے لوگوں سے ہیلو ہیلو کہتا گھومتا رہا۔ پھر نہ جانے کیا خیال آیا، وہ دوبارہ رابرٹ کی جانب چلا آیا۔ وہ ایک بامعنی فقرہ بھی ایک دوسرے سے نہیں کہہ پائے تھے۔

"ہاں، نیو یہ تو مشکل مرحلہ ہے، میکو کو تو مالے ہی نہیں آتی۔ ڈچ تو دور کی بات ہے۔ کیا کبھی جاپانی خواتین سے میل جول نہیں رہا تمہارا؟ جاپانی باغ میں جانے کا بھی اتفاق نہیں ہوا شاید؟"

"میں نے تو اس سے پہلے کسی جاپانی لڑکی کو دیکھا تک نہیں"۔ بالآخر رابرٹ نے یہ کہنے کا حوصلہ کر ہی ڈالا۔

بڑا ظلم ہے نیو، ایک دولت مند نوجوان پر بڑا ظلم ہے۔ ہر چینی محفل نشاط میں ایسی ایک جاپانی دوشیزہ ضرور ہوتی ہے۔تم کبھی شہر سے باہر قائم ہیرا منڈی کے علاقے میں گئے ہی نہیں؟ جاپانی باغوں میں؟ بٹا دیا میں؟ تم نے پھر دیکھا کیا؟ ہر جگہ جاپانی دوشیزائیں ملتی ہیں۔ بڑا ظلم ہے یہ تو۔ چھوڑو یار۔۔۔۔ "اس نے بڑے شاہانہ انداز میں کہا۔

وہ وہاں سے اٹھے۔ باباہ آگے آگے تھا۔ رابرٹ اس کے پیچھے اور میکو سب سے اخیر میں۔ آہ تیا نگ کے سر پر موجود چوٹی، ہلکے بالوں کی وجہ سے، ادھر ادھر ہلتی جا رہی تھی۔ وہ منقش پارٹیشن سے گزرے۔ میکو، چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی، اپنی سریلی آواز میں باتیں کرتی اور ہوا میں خوشبو بکھیرتی چلی جا رہی تھی۔ پھر وہ ایک کوریڈور میں داخل ہوئے جس کے دونوں جانب کمرے ہی کمرے تھے۔ دیواریں پھر تصویریں لگی ہوئی تھیں، مگر برآمدے میں کوئی فرنیچر نظر نہیں آیا۔ ادھر ادھر کچھ چینی لڑکیاں کھڑی آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ وہ صاف ستھرے کپڑے پہنے اور بنی سنوری دکھائی دیں۔ انہوں نے آہ تیا نگ اور رابرٹ کو بڑے ادب سے سلام کیا، تاہم میکو کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ رابرٹ نے البتہ اپنی نظریں خوب گرم کیں۔ چھوٹی، بڑی، موٹی، نازک بدن، توانا اور کمزور۔ سب کی سب ہونٹوں پر لپ سٹک کے ساتھ جنسی مسکراہٹ سجائے، خوب قہقہے لگا رہی تھیں۔

"یہ خوبصورت تتلیاں ہی تو زندگی کا اصل مزہ ہیں۔ نیو، افسوس، آپ کو چینی لڑکیاں پسند ہی نہیں"۔ اس کی مسکراہٹ میں چبھن سی تھی۔ "سارے کمرے ایک دوسرے کے سامنے ہیں۔ کوئی بھی کھلا ہوا کمرہ، جسے بھی تم چاہو، اپنے ساتھ لے جاؤ"۔ اس نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر سجی چیزوں کے بارے میں بتانے لگا۔ فرنیچر ویسا ہی تھا۔ جیسا اس کے اپنے کمرے میں تھا۔ صاف ستھرا، البتہ کچھ چھوٹا کمرہ تھا، بیڈ بہت خوبصورت تھا۔

"تمہارے لئے سینو، یہ شاہانہ کمرہ آراستہ کیا گیا ہے۔ تمہاری پسند ہماری عزت افزائی کا باعث ہوگی"۔ وہ ذرا آگے بڑھا اور برابر کے کمرے کا دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔ "یہ کمرہ صرف تو آن میجر استعمال کرتے ہیں۔ اتفاقاً اس وقت وہ ہانگ کانگ میں ہیں"۔

کمرے کا فرنیچر بالکل نئے انداز کا تھا۔ اس کا سٹائل رابرٹ نہیں پہچان سکا، وہ پہلی دفعہ ایسا فرنیچر دیکھ رہا تھا۔ دروازے پر کھڑے آہ تیا نگ نے اس کی رائے پوچھی تو وہ اس سے اختلاف نہ کر سکا۔ کمرے کی آرائش کمال کی تھی۔ آہ تیا نگ اندر داخل ہوا، رابرٹ اور میکو اس کے

پیچھے پیچھے تھے۔

"بہترین فرنیچر ہے۔ٹیک لکڑی سے فرانسیسی سٹائل میں کسی مشہور فرانسیسی ماہر صناع نے خوب محنت سے بنایا ہے۔تو آن میجر کو ہر چیز فرانس کی ہی پسند آتی ہے۔اس عمارت میں سب سے مہنگا فرنیچر ہے یہ۔سینو۔ وہ کونے میں چھوٹی سی وارڈ روب ہے۔اس کے اوپر وہسکی اور دوسرے مشروبات کا ریک ہے، آپ کی پسند کی چیزیں۔یہ سیٹی ہے، یہ الماری ہے اور یہ صوفہ اور دیوان"۔اس نے باری باری ہر چیز کو الگ الگ دکھانے کی کوشش کی۔

"اور یہ منقش بیڈ، کیا شاندار اور مزے کی نیند آتی ہے اس پر، کیوں میکو؟"

میکو نے ہلکا سا سر جھکایا ورنرم مگر تیز اور میٹھی آواز میں مینا کی طرح بولی۔"مزے کریں نیو!"

آہ تیانگ اپنی لمبی چوٹی کو ہلاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔رابرٹ کی نگاہیں اخیر تک اس کا تعاقب کرتی رہیں۔

باب 10

میں چونکہ واقعات کے تسلسل کو بہت اہمیت دیتا ہوں۔ اس لئے میں نے یہ مواد عدالتی مصدقہ کاغذات سے حاصل کیا ہے۔ یہ زیادہ تر میکو کے بیانات کی بنیاد پر (بلکہ ان کے مصدقہ ترجموں پر) مشتمل ہے البتہ لکھا میں نے اپنے الفاظ اور انداز میں ہے۔

جاپان میں نگویا شہر میری جائے پیدائش تھا۔ میں طوائف کی حیثیت سے نکلی تو ہانگ کانگ جا پہنچی۔ میرا آقا بھی جاپانی تھا۔ جس نے مجھے ہانگ کانگ میں ایک چینی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ مجھے اپنے دوسرے مالک کا نام تک یاد نہیں۔ کیونکہ اس کا میرا ساتھ چند ہفتوں سے زیادہ نہیں رہا۔ خاصا مشکل سا نام تھا اس کا۔ اس نے مجھے آگے ایک اور چینی کو بیچ دیا۔ وہ مجھے بحری جہاز کے ذریعے سنگاپور لے آیا۔ میں اس تیسرے مالک کو منگ کے نام سے جانتی تھی۔ اس سے زیادہ اس کا بھی مجھے علم نہیں۔ وہ مجھ سے، میرے جسم فروشی سے حاصل شدہ منافع سے بہت خوش اور مطمئن تھا۔ میرا چوتھا آقا سنگاپور کا ہی ایک جاپانی تھا۔ وہ مجھے بہت شدت سے اپنانا چاہتا تھا۔ کافی عرصہ اس کے ساتھ سودے بازی چلتی رہی۔ بالآخر اس نے مجھے پچھتر سنگاپور ڈالرز میں خرید لیا۔ سنگاپور میں کبھی کسی جاپانی عورت کے اتنے پیسے نہیں لگے تھے۔ مجھے اپنے جسم کے اس قدر قیمتی ہونے پر فخر ہونے لگا۔ اس قدر اہمیت تو ان سندانی طوائفوں کو بھی نہیں ملی تھی جو اس کاروبار میں پورے جنوب مشرقی ایشیا میں چھائی ہوئی تھیں۔

لیکن میرا یہ فخر زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکا۔ پانچ ماہ بعد ہی، میرے آقا کو مجھ سے شدید نفرت ہوگئی۔ وہ مجھے مارنے پیٹنے لگا۔ اس نے جلتے سگریٹ میرے بدن پر لگا لگا کر، مجھے ایذائیں دینی شروع کر دیں۔ وجہ شاید یہ تھی کہ میرے گاہک آہستہ آہستہ کم ہونے لگے۔ یہ تو قسمت کی بات تھی، مشہور سے مشہور طوائف پر یہ وقت آ جاتا ہے۔ مجھے سوزاک ہوگئی اور وہ بھی انتہائی غیر

معمولی قسم کی۔ طوائفوں کی لعنتی دنیا میں اسے بری سوزاک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، مجھے خبر نہیں، اس کا یہ نام کیوں پڑا۔ یہ بیماری نا قابل علاج مشہور تھی۔ مردوں کو یہ بیماری بہت جلدی لگ جاتی تھی اور انہیں تباہ کر کے ہی دم لیتی تھی۔ عورتوں کو تو عرصے تک اس کا پتہ بھی نہیں چلتا تھا۔ چنانچہ میرے آقا نے مجھے پچیس ڈالر میں ایک چینی کو بیچ کر جان چھڑائی۔ یہ میرا پانچواں مالک تھا۔ وہ مجھے بٹاوی لے گیا۔ مجھے بیچنے سے پہلے میرا پرانا مالک مجھے ایک کمرے میں لے گیا اور وہاں اس نے مجھے اتنی بری طرح مارا کہ میں ہوش وحواس کھو بیٹھی۔ جب ہوش میں آئی تو پتہ لگا کہ میرے ساتھ وحشیانہ انداز میں جنسی تلذذ حاصل کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس کا نام ناکاگاوا تھا۔ اگلے دن مجھے اپنے نئے مالک کے حوالے کر دیا گیا۔ پہلے ہی دن میرے نئے مالک نے مجھے دیکھنا چاہا۔ میں نے انکار کر دیا۔ اگر اسے میری بیماری کا پتہ چل جاتا تو مجھے شدید تشدد کا سامنا کرنا پڑتا۔ طوائفوں کا اپنے مالکوں کے ہاتھوں قتل ہو جانا اور ان کی لاشوں کا غائب ہو جانا ایک عام سی بات تھی۔ ایک محافظ کے بغیر طوائف بہت ہی کمزور مخلوق ہے اور مجھے تو یہ بھی پتہ تھا کہ کمزوری کی علامات سب سے پہلے میری جنسی خواہش پر حملہ آور ہوئی تھیں۔ میں نے اپنے مالک سے کسی اچھے آکوپنکچر ماہر کی خدمات حاصل کرنے کو کہا۔ تین دفعہ کے علاج کے بعد، میری جنسی خواہشات دوبارہ بیدار ہونے لگیں۔ لیکن ابھی بھی میں نے اپنے مالک کو اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ وہ خوش قسمت تھا کہ میری بات مان گیا۔ تقریباً تین ماہ بعد اسے میری بیماری کا پتہ چل گیا۔ وہ بہت ناراض ہوا۔ میں اس کے غصے کا اندازہ اس کے چہرے کے تاثرات اور لہجے سے ہی لگا سکتی تھی کیونکہ چینی زبان تو مجھے آتی ہی نہیں۔ میرے گاہک تتر بتر ہونے لگے۔ وہ میرے بدن کی قربت سے بچنا چاہتے تھے۔ میرے اس مالک کو اور زیادہ غصہ آنے لگا۔ میں دن رات، اس کے تشدد سے بچنے کی دعائیں کیا کرتی۔ لیکن اس نے میری ساری بچتیں چوری کرنے سے پہلے مجھے کوئی ایذا نہیں دی، کوئی تکلیف نہیں دی۔ میں اگلے سال جاپان واپس جانا چاہتی تھی، جہاں ناکاتانی، مجھ سے شادی کرنے کے لئے، میرا منتظر تھا۔ میں کچھ سرمایہ اکٹھا کر کے گھر واپس لوٹتی تو ہم اپنا گھر بسا لیتے۔

اتفاقاً میری آہ تیانگ سے ملاقات ہوگئی اور اس نے مجھے دس سنگاپور ڈالر میں پرانے مالک سے خرید لیا۔ اس طرح میں اس کے تشدد اور اپنی بچت کے چوری ہو جانے کے خطرے سے بھی بچ گئی، اس نے آخری دفعہ ٹوٹی پھوٹی جاپانی میں مجھے کہا بھی۔ "درحقیقت میں تمہیں اپنی

داشتہ بنانا چاہتا تھا"۔

یہ لفظ سن کر مجھے بڑا دکھ ہوا۔ طوائف کے مقابلے میں داشتہ کی زندگی اتنی سخت اور مشکل نہیں تھی۔ اچھے بھلے انداز میں رہا جا سکتا تھا اور اس جاپانی کی بیوی ہونے سے بہر حال کہیں بہتر تھا۔ جو شادی سے پہلے ہی اپنی بیوی سے پیسے اکٹھے کر کے لانے کی امیدیں لگائے بیٹھا تھا۔ لیکن کیا کیا جا سکتا تھا؟ یہ بیماری میرے اندر جڑیں پکڑ چکی تھی۔

باباہ آہ تیانگ میرے پیچھے پنجے جھاڑ کر پڑ گیا۔ میں اسے پیچھے ہٹانے کی کوشش کرتی رہی، کسی اور تباہی کا خوف میرے سر پر سوار تھا۔ اگر دوبارہ یہ راز کھل گیا تو میرے بدن کی قیمت شاید پانچ ڈالر بھی نہ رہے اور میں دیارِ غیر میں محض کسی سڑک کے کنارے پڑا کوڑا کرکٹ بن کر رہ جاؤں گی۔ میں نے آہ تیانگ سے بھی کسی ماہر آکوپنکچر کو بلانے کا کہا۔ اس نے کہا کہ ایک مہینے میں دس پنکچر لگیں گے اور میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گی۔ آہ تیانگ کو طویل وقت علاج پر اعتراض تھا اور ساتھ ہی اخراجات پر بھی۔ اس نے صرف ایک آزمائشی پنکچر کی اجازت دی۔

سرابیا آنے سے پہلے میں اپنے مالک کے سامنے نت نئے بہانے بنا بنا کر تھک چکی تھی۔ میں وونوکروموکے کوٹھے میں جانے سے پہلے صرف آہ تیانگ کے لئے مخصوص تھی !اور میرا کمرہ سب سے بہترین سجا ہوا تھا۔

وہ اگر وہاں ہوتا تو میرے ہی کمرے میں ٹھہرتا تھا۔ چودہ کمرے اور بھی تھے مگر وہ کبھی ادھر ادھر نہیں گیا۔ باباہ پر بظاہر میری بیماری کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا چنانچہ میں خاصی مطمئن اور خوش رہنے لگی۔ دراصل بعض لوگ قدرتی طور پر جنسی بیماریوں سے متاثر ہی نہیں ہوتے۔ شاید اس ماہر آکوپنکچر کے علاج سے میرے مرض کی شدت بھی اتنی کم ہو گئی تھی کہ اس نے ان دنوں کسی کو متاثر نہیں کیا۔ خدا جانے میرے جسم کی قدر پھر پہلے کی طرح بڑھ جائے؟ ایسی ہی سوچیں تھیں، کیا پتہ آہ تیانگ مجھے اپنی داشتہ بنا لے؟ میں اس کی اتنی خدمت کروں گی کہ کیا کسی اور رکھیل نے کی ہو گی، زندگی بھر اس کی ممنون رہوں گی اور اگر ایسا نہ ہو سکا، تب بھی گیارہ مہینے کی مدت کافی ہے، میں اپنے گھر واپس چلی جاؤں گی۔ کم از کم میں اپنے آخری آقا سے تو پیچھا چھڑا ہی لوں گی۔

وہ مہینہ بھی گزر گیا۔ یوں لگا جیسے برمی سوزاک نے آہ تیانگ کو بھی اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ اسے پتہ بھی نہیں چلا۔ دراصل اسے اس بیماری کا علم ہی نہیں تھا، اس نے براہ راست مجھے موردِ الزام بھی نہیں ٹھہرایا کیونکہ پچھلے طویل عرصے میں وہ بہت سی عورتوں کے ساتھ رہ چکا تھا اور

ویسے بھی ہم دونوں ایک دوسرے سے بات کرہی نہیں سکتے تھے۔

مجھے اس کی بیماری کا اندازہ اس دن ہوا، جب اس نے سارے چودہ کمروں کی لڑکیوں کو الف ننگا کر کے اپنے سامنے کھڑا کرلیا اوران کی بیماریوں کے متعلق پوچھنے لگا۔ ہرایک سے انفرادی طور پر وہ پوچھ گچھ کرتا رہا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں چابک تھما تھا اور بائیں ہاتھ سے غریب مشتبہ عورتوں کے نازک اعضا کا ٹمپریچر دیکھ رہا تھا۔ جاپانی عورت ہونے کے ناطے، میں اکیلی ہی غیر مشتبہ قرار پائی تھی۔ دنیا بھر کی ہیرامنڈیوں میں ہر جگہ جاپانی طوائفوں کے سب سے صاف ستھری اور اپنی صحت کی دیکھ بھال میں سب سے عقلمند سمجھا جاتا ہے۔ اور انہیں ہر بیماری سے مبرا خیال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ میرا معائنہ ہی نہیں کیا گیا۔

قطار میں سے تین لڑکیوں کو باہر نکال لیا گیا۔ آہ تیانگ نے باقی عورتوں سے انہیں کس کر باندھ دینے کا حکم دیا۔ ان کے منہ سختی سے بند کردیئے گئے، پھر آہ تیانگ نے اپنے چابک سے انہیں بری طرح زدوکوب کیا۔ منہ بند ہونے کی وجہ سے وہ بیچاریاں چیخنے چلانے تک سے معذور ہو گئیں۔ وہ میری جگہ تشدد کا شکار ہورہی تھیں اور میں خاموش تھی۔

طوائف ہونا بہت مشکل کام ہے۔ اگر کسی کو کوئی بیماری لگ جائے تو اسے فوراً اپنے مالک کو مطلع کرنا پڑتا ہے اور جواب میں اسے مزید تذلیل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ چپ سادھ لی جائے، اسے خود ہی معلوم ہو جائے گا، ظلم اور تشدد تو بہر حال سہنا ہی ہوگا۔

وہ تینوں عورتیں، ایک غیر مناسب سے علاج کے بعد، سنگاپور کے کسی دلال کے ہاتھوں فروخت کردی گئیں، جو انہیں مدین لے گیا۔ میں آہ تیانگ کے کوٹھے پر بڑے مزے سے رہتی رہی۔ جب تک میں صرف آہ تیانگ تک محدود رہی، میں زیادہ تھکتی نہیں تھی۔ میری صحت، خوبصورتی اور دلکشی بھی اپنی جگہ قائم رہی۔ ہر دولت مند چینی کا عموماً اپنا عشرت کدہ ہوا کرتا تھا۔ ہانگ کانگ، سنگاپور، بٹاوی اور سرابیا، غرض ہر جگہ ان کی یہی رسم تھی کہ وہ ایک دوسرے کے عشرت کدوں میں آیا جایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ باباہ آہ تیانگ کی باری آ گئی۔

باباہ نے صبح سویرے ہی مجھے بلا بھیجا۔ میں باہر گئی۔ اس صبح جوئے کا پروگرام تھا۔ دوپہر اور شام کا وقت عیش وعشرت کے لئے رکھا گیا تھا۔ بعض مہمان آچکے تھے اور اس وقت سامنے والے کمرے میں تاش، ماہ یانگ اور کیرمبل کھیلنے میں مصروف تھے۔ میں پہلے ہی ذہنی خلجان میں مبتلا تھی کہ کہیں آہ تیانگ، جاپانی لڑکیوں کے کسی رسیا کی فرمائش پر، مجھے اس کے حوالے نہ کر

دے۔ پھر پتہ نہیں کتنے ایسے شوقین نکل آئیں اور باباہ کے حکم پر مجھے اب کی خواہشات پوری کرنا پڑیں۔

پتہ یہ چلا کہ باباہ نے مجھے ایک نوعمر، دراز قامت، خوبصورت اور وجیہہ مہمان کی تواضع کے لئے بلایا ہے۔ اس کی کم عمری اور خوبصورتی پر مجھے بہت ترس آیا۔ وہ یورپی نسل سے تھا اور اب، اس کا مستقبل، میرے ہی ہاتھوں تباہ ہونے والا تھا۔ رابرٹ کو میں نے ایک نظر میں ہی پہچان لیا۔ وہ اس میدان میں بالکل نووارد تھا۔ وہ اگر میری طلب میں آگے آیا تو اتنی کم عمری میں ایک خوفناک مرض کا شکار ہو جائے گا، یہ سوچ خود میرے لئے بھی خاصی اذیت انگیز تھی۔ ممکن ہے اس بیماری کے ہاتھوں اس کی خوبصورتی اور وجاہت ختم ہو جائے یا شاید اسے اوائل جوانی میں ہی موت کے ظالم پنجے جکڑ لیں۔

میں نے آہ تیا نگ کا موڈ دیکھنے کی کوشش کی کہ کیا وہ محض مذاق کر رہا ہے یا سنجیدہ ہے۔ یوں لگا جیسے وہ بخوشی مجھے رابرٹ کے حوالے کر رہا ہے۔ مجھے اب سمجھ آئی کہ وہ میری بیماری کا راز جان چکا ہے۔ اب وہ مجھے کسی نہ کسی کو بیچنے کی کوشش کرے گا یا میری رہائی کے عوض مجھی سے نہ جانے کتنا معاوضہ طلب کرے گا۔ انہی سوچوں نے مجھے شدید غمزدہ کر دیا۔

باباہ نے مجھے اور رابرٹ کو ایک کمرے میں لے جا کر، باہر سے لاک کر دیا۔ مجھے پتہ تھا کہ مجھے اس نوخیز نوجوان کو پوری طرح خوش کرنا ہے اور اس کے لئے حتی الامکان جان لڑانا ہے۔ چنانچہ میں نے ذہنی تفکرات کو ایک طرف جھٹک دیا۔

رابرٹ دیوان پر بیٹھ گیا۔ میں نے فوراً نیچے بیٹھ کر اس کے جوتے اتارے۔ اس کی جرابیں بہت گندی تھیں۔ شاید عرصے سے نہیں دھلی تھیں۔ میں نے وارڈروب سے سلیپر نکالے۔ اس کے سائز کا کوئی بھی نہیں تھا۔ اس کے پاؤں خاصے بڑے تھے۔ اب کیا کریں۔ بہرحال اس کی جرابیں پیروں میں سے اتاریں۔ میں نے سلیپر اس کے آگے رکھ دیئے۔ انہیں پہنایا نہیں۔ چاول کے ریشے سے بنے جوتے تو اس کے پیروں میں آ کر لمحوں میں ٹوٹ پھوٹ جاتے۔ اس نے خود بھی وہ نہیں پہنے۔ وہ سوچوں میں گم رہنے والا شخص لگتا تھا۔ رابرٹ بالکل نہیں بولا۔ صرف اس کی نظریں مجھ پر جمی رہیں اور میں، حیرت بھرے انداز میں اس کا کام کرتی رہی۔ میں نے اس کی قمیص اتاری۔ اس میں دو جیبیں تھیں اور دونوں ہی خالی تھیں۔ پھر میں نے اسے کھڑا کر کے اس کا گھڑسواری کا ٹراؤزر اتارا۔ انہیں تہ کر کے وارڈروب میں رکھ دیا، وہ بھی خاصے میلے اور خراب

تھے مگر میں نے جان بوجھ کر انہیں الماری میں رکھا۔ اس کا بنیان اور زیر جامہ بھی، لگتا ہے، ہفتے سے تبدیل نہیں کئے گئے تھے۔ وہ بھی خاصا گھبرایا ہوا لگ رہا تھا۔ یہ تھا رابرٹ۔ اپنی جوانی، توانائی، خوبصورتی اور شہوت کے ساتھ، اور کچھ اس کے پاس تھا ہی نہیں۔ میں پھر سوچنے لگی، باباہ مجھے اس کنگال کے حوالے کیوں کر رہا ہے، وہ مجھے بیچ تو نہیں رہا تھا اور نہ ہی مجھ سے پیسہ حاصل کر کے مجھے آزاد کرنا چاہ رہا تھا۔ یا شاید وہ ابھی میرے مرض سے آگاہ ہی نہ ہو۔ خیالات کی اس کروٹ نے مجھے دوبارہ خوش اور مطمئن کر دیا۔

میں نے ماجورو کی نائٹی الماری سے نکالی، اس کے زیر جامے اتارے اور رابرٹ کو نائٹی پہنا دی۔ وہ اب بھی خاموش بیٹھا تھا۔

میں نے پھر اسے ایک مقوی وائن کا گلاس بھر کر دیا تا کہ آئندہ کبھی، اس لعنتی مرض میں گرفتار ہونے کے بعد، اسے کم از کم یہ خوبصورت وائن نہ پینے کا دکھ تو نہ ہو۔ یہ لمحات اور یہ یادیں اتنی خوبصورت اور لافانی ہو جائیں کہ مرض لاعلاج میں مبتلا ہونے کے بعد، آنے والے دکھ۔۔۔۔۔۔ یہی اس کا نصیب رہ جائیں گے۔۔۔۔۔۔ اسے بہت تکلیف دہ نہ لگیں۔ خوبصورتی اور عیش پر اس لئے بھی اس کا حق تھا۔

شراب پیتے ہوئے بھی، اس کی آنکھیں، حیرت زدگی سے مجھی پر مرتکز تھیں۔ میں اس کا موڈ بنانے کے لئے، میٹھی میٹھی باتیں کرتی رہی۔ طوائف کی حیثیت سے مرد کے موڈ کا خیال رکھنا، اور اسے بحال کرنا بھی میرا فرض تھا۔

اسے بے شک میری کوئی بات بھی سمجھ نہیں آئی ہوگی۔ اس کے باوجود بھی میں نے کوئی بے ہودہ لفظ منہ سے نہیں نکالا۔

کون ایسا مرد ہوگا جو کسی جاپانی عورت کو بات کرتے اور چہچہاتے نہیں دیکھنا چاہے گا؟ اس کی حرکات وسکنات اور چال ڈھال پر غور نہیں کرے گا اور دن ہو یا رات اندر ہو یا باہر اس کی خدمات سے آسودہ ہونا نہیں چاہے گا؟

ساڑھے آٹھ بجے کے قریب، ہم بستر میں جا لیٹے۔ رابرٹ نے لنچ کرنے سے انکار کر دیا۔ جسمانی طور پر وہ بہت مضبوط تھا۔ پسینے میں نہا جانے کی وجہ سے اس کا بدن تانبے سے تراشا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ پہلی بار میں زیادہ مطمئن نہیں ہوا۔ اس کی حرکات وسکنات سے اس کی ناتجربہ کاری جھلک رہی تھی۔ شاید کچھ پریشان بھی تھا۔ اگر وہ خصوصی مقوی وائن، میں نے اسے نہ پلا دی

ہوتی تو شاید، اسے خون آنا شروع ہو جاتا۔ اور وہ کسی کام کا نہ رہتا۔ کیا فرق پڑتا ہے، جلد ہی اس کا شاندار بدن کھوکھلا ہو کر ختم ہو ہی جانا ہے۔ اس کی جوانی، خوبصورتی، طاقت، جو کچھ بھی اس کا اثاثہ ہے، سب ضائع ہو جائے گا۔ آہ ! آہ ! یہ نعمتیں ہر کسی کو تھوڑا ہی نصیب ہوتی ہیں۔ میں نے اس کے بدن کے مختلف اعضا پر پیار کے بالکل ویسے ہی نشان ثبت کر ڈالے جیسے آکوپنکچر کے ماہر نے دوران علاج ڈالے تھے۔ وہ میری حرکتوں کا مطلب شاید سمجھ بھی نہیں پا رہا تھا پھر بھی کسی بچے کی طرح وہ لطف اندوز ہوتا رہا اور میں، میں اس کی توانا آغوش میں سمائی اسے پیار سے سرشار کرتی رہی۔

کوئی شام چار بجے، اس نے مجھے خود سے علیحدہ ہونے کی اجازت دی اور خود بھی بستر سے اتر گیا۔ میں نے تولیوں سے اس کا پسینوں میں نہایا بدن خشک کیا اور پھر گلاب کے پانی سے اسے نہلایا۔ پانچ تولئے ! اور اس کی ساری توانائی نچڑ چکی تھی۔ اس کی طاقت اور دلکشی سب ختم ہو گئی۔ وہ کرسی میں، پرانے کپڑوں کے ڈھیر کی طرح، نڈھال پڑا تھا۔ اس نے کپڑے مانگے۔ میں کپڑے لے آئی اور ایک ایک کر کے، اسے پہنانے لگی۔ یہاں تک کہ اس کے گندے اور بدبودار موزے اور بوٹ بھی اسے پہنا دیئے۔ پھر میں نے اس کے سر کی مالش کی تا کہ اس کا ذہنی کھنچاؤ دور ہو جائے اور پھر کنگھی بھی کی۔ اس کے بعد میں نے اپنی صفائی کی طرف دھیان دیا اور نہائی دھوئی۔

وہ بہت مطمئن نظر آ رہا تھا۔ اس نے موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور ایکبار پھر مجھے اپنی رانوں پر بٹھالیا۔ اور آہستہ آہستہ مجھ سے کچھ کہنے لگا۔ اس کی باتیں میری سمجھ سے باہر تھیں، پھر بھی اس کا لہجہ مجھے اچھا لگ رہا تھا۔ اس خوف سے کہ کہیں اس کا حیوانی جذبہ دوبارہ بیدار نہ ہو جائے، میں نے خود کو آزاد کرانے کی کوشش کی۔ صبح کا ناشتہ یا لنچ، میں نے بھی نہیں کیا تھا۔ میں اگر دوبارہ اس کے جذبوں میں الجھ جاتی تو مجھے بھی خاصا نقصان پہنچ سکتا تھا۔ شاید اس کا معدہ بھی بالکل خالی تھا۔

اس کا رنگ اتنا زرد پڑ گیا تھا جیسے وہ برسوں کا بیمار ہو۔ اسے دیکھنا میرے لئے دوبھر ہو رہا تھا۔ میں نے دوبارہ اسے وہ خصوصی وائن پیش کی تا کہ اس کے چہرے پر کچھ تو سرخی آئے۔ پھر میں اسے کمرے سے باہر لے آئی۔

لیکن وہ ہچکچاہٹ کے عالم میں، راہداری ہی میں رک گیا۔ اچانک وہ کمرے میں واپس چلا آیا۔ مجھے اس نے اپنے گلے لگا لیا اور شہوت انگیز بوسے لینے لگا۔ بڑی نرمی اور پیار سے میں

نے اسے خود سے جدا کیا اور کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ میں بہت تھک چکی تھی۔۔۔۔۔۔

نیچے دیئے گئے بیانات بابا ہ آہ تیا نگ کے ہیں جو اس نے مالے میں، عدالت کے سامنے دیئے۔ اس کا مصدقہ ترجمہ، میں اپنے الفاظ میں پیش کر رہا ہوں۔

میں اس وقت اپنے عشرت کدے کے آفس میں بیٹھا تھا۔ کوئی چار بجے سہ پہر، شاہی کمرے کی گھنٹی بجی۔ اس کا مطلب تھا کہ باہر سے کمرے کا دروازہ کھولا جائے۔ میں معاملے کی دیکھ بھال کے لئے خود اٹھ کر گیا۔ سینور ابرٹ واقعی میرا خاص مہمان تھا۔ اس کی وجہ پوچھنا، مجھے عجیب لگتا ہے۔ وہ میرے پڑوسی کا بیٹا تھا اور ہم لوگوں کی روایت ہے کہ ہم اپنے پڑوسیوں سے بہت دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں۔ آج وہ میرے پڑوسی کا بیٹا ہے اور کل وہ میرا مکمل پڑوسی ہوگا۔

وہ باہر آیا تو اس کا رنگ زرد پڑا ہوا تھا، اس میں موجود دلکشی، لگتا ہے، غائب ہوگئی تھی۔ وہ اپنا سر بھی اٹھانے سے قاصر تھا۔ وہ ایک نوجوان تھا جسے شاید اپنی حدود کا علم ہی نہیں تھا، ایک دن اپنے اسی شہوانہ جذبے کی آگ میں وہ اپنا آپ جلا کر راکھ کر دے گا۔ پھر بھی وہ مطمئن نظر آ رہا تھا۔ اس حالت میں بھی اس کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ ظاہر ہے مجھے اس کے اطمینان پر خوشی ہوئی ہوگی۔

''نیو ہم نے اچھی ہمسائیگی کا آغاز کیا ہے''۔ میں نے اسے مخاطب کیا۔ ''اور یہ ہمیشہ قائم رہے گی''۔

اچانک اس نے مجھ پر حیرت اور شبہ سے بھری نظر ڈالی۔ ڈر کے مارے اس کے بدن میں کپکپاہٹ ہونے لگی۔

مجھ جیسا تجربہ کار آدمی اس کے خوف کا سبب فوراً سمجھ گیا۔ اس عیش ونشاط کی قیمت، بہت زیادہ قیمت جو بہر حال اسے چکانا تھی، رقم کی صورت میں۔

''بل پر میرے دستخط لے لیں''۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں بھئی، ہم پڑوسی ہیں۔ تمہیں اس کی کوئی قیمت نہیں دینی۔ پریشان نہ ہو۔ کیا پتہ کبھی ہم دونوں کاروباری شریک بن جائیں؟ مختصراً تم جب چاہو، یہاں آ سکتے ہو، جو کمرہ چاہو، جتنی دیر چاہو، استعمال کر سکتے ہو۔ وقت کی بھی کوئی حد نہیں، دن ہو یا رات، اور جس لڑکی کو چاہو اپنے لئے لے سکتے ہو۔ اگر سامنے کے دروازے اور کھڑکیاں بند ہوں تو تم عقبی دروازے سے اندر آ سکتے ہو۔ میں مالی اور نگران دونوں کو ہدایت دے دوں گا''۔

اس کی ہچکچاہٹ ختم ہوگئی۔ پھر اس نے جواب دیا۔ "شکریہ باباہ۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم مجھ پر اتنے مہربان ہو گے"۔

"تمہیں تو بہت پہلے یہاں آنا چاہیے تھا، بڑی دیر کی مہربان"۔

"میں دوبارہ ضرور آؤں گا"۔

"ہاں، ہاں، کیوں نہیں"۔ میں ایک اچھا پڑوسی ہونے کے ناتے، اسے کیسے روک سکتا تھا۔ خصوصاً عین اس کے عالم شباب میں۔ سو میں نے ہر طرح کے خیالات اپنے ذہن سے جھٹک دیئے۔ اسے وحشیانہ جذبات کی رو سے نکالنا تو دور کی بات، مجھے تو بالآخر میکو سے بھی دست بردار ہونا پڑا، اس کے لئے، رابرٹ ہی اس سے کھیلتا رہا جب تک اس کی نظروں میں میکو کی دلکشی باقی رہی۔

اس نے گھر جانے کی اجازت چاہی۔ "شام ہوگئی ہے"۔ اس نے کہا۔

میں نے اسے روکا نہیں۔ میں پہلے اسے اپنے آفس میں لے گیا۔ دوسری عورتوں کو دیکھ کر، اس کی آنکھوں میں وحشیانہ چمک پھر سے ابھری۔ وہ دن دن میں بہت بدل گیا تھا۔ اب وہ صبح والا گھبرایا ہوا نوجوان نہیں تھا۔ میں نے اسے نظر انداز کرنے کی اداکاری کی۔۔۔۔۔۔ اگر میں نے اسے ذرا اور چھوٹ دی تو یہ قواعد کے خلاف ہوگا۔ چنانچہ میں نے بال کاٹنے والی ایک عورت کو بلایا اور اسے، ایک خاص سٹائل سے، رابرٹ کے بال کاٹنے کو کہا۔ رابرٹ نے منع نہیں کیا۔ اس عورت نے اس کے بال اسپینی انداز کے بنائے جس کی مانگ بیچ میں سے نکلتی تھی۔ بالوں پر خاصے مہنگے تیل کی مالش بھی کی گئی تھی۔ پھر میں نے اپنے ذاتی سٹاک میں سے کھجور کی اعلیٰ شراب بھی اسے پلائی۔

"اب تم بالکل تر و تازہ لگ رہے ہو"۔ میں نے کہا۔ یہی نہیں بلکہ میں نے اسے ایک ڈالر بھی دیا۔ خالص سفید ڈالر، سورج کی طرح چمکدار، کہیں کوئی داغ دھبا نہیں۔ اس نے شرماتے ہوئے لیا اور اشارے سے شکریہ ادا کیا۔ پھر صرف یہ کہا: "باباہ! ہمسایہ ہو تو تم جیسا، جواب نہیں تمہارا"۔

میں اسے مہمانوں کے ہجوم میں سے گزار کر باہر تک چھوڑنے گیا۔ بہت سے لوگوں نے مجھے روک کر باقاعدہ میکو کی فرمائش کی۔ رابرٹ کو برا سا لگا اور میں سب سے انکار کرتا گیا۔ باہر احاطے میں اس کا گھوڑا موجود تھا، وہ اس پر بیٹھا اور چل دیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے اندر

واپس آ کر میکو کی تلاش شروع کی۔ اور اس کے بعد، رابرٹ پر کیا بیتی، مجھے نہیں معلوم۔

اور یہ واقعات وہ ہیں جو رابرٹ کے بارے میں مجھے نیائے اور انالیز کی زبانی معلوم ہوئے: کوئی دو بجے انالیز بیدار ہوئی۔ اس کا بخار اتر گیا تھا۔ اس نے فوراً رابرٹ کی واپسی کے متعلق استفسار کیا۔

"ابھی تو نہیں آیا وہ، این، نہ جانے کہاں رہ گیا؟" نیائے پہلے ہی اپنے بیٹے پر بھری بیٹھی تھی۔ انہوں نے ڈارسم سے اپنی جگہ پر ہی رہنے کے لئے کہا۔ دودھ، مکھن، اور پنیر کو شہر پہنچانے کا کام دوسرے کو چوانوں کے سپرد کر دیا گیا۔ کام کی نگرانی کا کام بھی ایسے لوگوں کے حوالے کر دیا گیا جو فورمین بننے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہی نہیں تھے۔

"مجھے اس کا باہر جا کر انتظار کرنا چاہیے ماں"۔ انالیز نے خواہش ظاہر کی۔

"نہیں، اندر یا باہر انتظار کرنا ایک جیسا ہی ہے۔ بہتر ہوگا کہ تم سامنے کے کمرے میں، میرے ساتھ رہو"۔ نیائے نے انالیز کو اٹھنے میں مدد دی اور وہ دونوں کرسی پر بیٹھ گئے۔

رابرٹ پھر بھی نہیں آیا۔ دیوار گیر گھڑی کا پنڈولم توقعات کی فضا کو خراب کئے جا رہا تھا۔ نیائے بار بار، باہر احاطے میں جھانکتیں۔ ان کا بڑا بیٹا تھا کہ آ کر ہی نہیں دیتا تھا۔

"یہ کیسے ممکن ہے این کہ تم دو چار دن میں ہی اس کی اتنی گرویدہ ہو گئیں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ وہ تمہارے پیار میں پاگل ہو رہا ہوتا"۔

انالیز نے جواب نہیں دیا۔ شاید اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچی تھی۔

"کھانے کو کچھ لاؤں این؟"

"نہیں ماں، بھوک نہیں"۔ لیکن مما اٹھیں اور کچن سے چاول، گوشت اور سبزی، دو پلیٹوں میں ڈال کر لے آئیں اور ساتھ ہی مشروبات بھی۔ نیائے نے انالیز کو کھانا کھلاتے کھلاتے، خود بھی کھانے لگیں۔

"اگر چبایا نہیں جا رہا تو بس نگلے جاؤ"۔ انہوں نے سختی سے حکم دیا۔

چنانچہ انالیز نے کھانا نگلنا ہی شروع کر دیا۔ رابرٹ اب بھی نہیں آیا تھا۔

گاہکوں سے نمٹنے کے لئے دو مرتبہ مما نے ڈارسم کو بلایا۔ اس دوران انالیز کی آنکھیں کہیں دور، بہت دور کے فاصلے پر جمی ہوئی تھیں۔ دو گھنٹے گزر گئے۔

"آخر آ ہی گیا یہ خبیث لڑکا"۔ مما نے اچانک کہا۔ تب انالیز نے اپنی نگاہیں مرکزی سڑک کی جانب مرکوز کیں۔ "ڈارسم"۔ مما نے ڈارسم کو آواز دی۔ اس کے آنے پر وہ کہنے لگیں:
"آفس کا دروازہ بند کر دو اور تم یہیں ٹھہرو"۔ انہوں نے آفس اور سامنے کے کمرے کے درمیانی دروازے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

رابرٹ بڑے اطمینان اور آہستگی سے گھوڑا اچلاتا ہوا آیا اور گھر کے سامنے کے زینے پر آن رکا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو آزاد رہنے دیا۔ اوپر آیا اور نیائے اور انالیز کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

نیائے نے نگاہ اٹھا کر اوپر دیکھا۔ انہیں اپنے بیٹے کے خاص انداز میں کٹے ہوئے بال نظر آئے۔ اس کے جسم پر پسینے کا نام ونشان تک نہیں تھا اور نہ ہی کپڑے گرد آلود تھے۔ گھوڑے کا چابک بھی اس کے ہاتھوں میں نہیں تھا۔ اس کے سر پر ہیٹ بھی موجود نہیں تھا۔ نہ جانے وہ یہ سب چیزیں کہاں چھوڑ آیا تھا؟

"بالوں کی درمیان میں سے مانگ"۔ نیائے نے سرگوشی کی۔ "یہ زرد رنگ۔۔۔۔۔۔"
انہوں نے حیرت سے اپنا منہ ہاتھوں سے چھپالیا۔ "این دیکھو، یہ کیسا بھائی ہے تمہارا؟ بالکل تمہارے پاپا کی طرح، وہ بھی جب آوارہ گردی کر کے لوٹتے تھے تو ایسے ہی لگتے تھے۔ خوشبو، بالکل وہی پرفیوم اور اگر یہ بولا تو اس کے منہ سے کھجور کی وائن کی خوشبو بھی اسی طرح آئے گی جس طرح پانچ سال پہلے۔۔۔۔۔"

اور نیائے نے رابرٹ سے بات ہی نہیں کی۔ انالیز خوابیدہ آنکھوں سے اپنے بھائی کو تکتی رہی۔ ڈارسم بھی خاموش کھڑا رہا۔ جب مادوری جنگجو نے دیکھا کہ کوئی بھی نہیں بول رہا تو وہ کھنکارا اور رابرٹ نے فوراً اس کی جانب دیکھا، جیسے اسے کوئی حکم ملا ہو، پھر مما کی جانب دیکھنے لگا۔

"پولیس کو منکی کے لے جائے جانے کی کوئی خبر نہیں۔ وہ تو یہ نام جانتے تک نہیں"۔
نیائے شدید غصے میں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ انہوں نے انگلی سے اپنے بڑے بیٹے کی طرف اشارہ کیا۔

"جھوٹا کہیں کا!"

"میں حقیقت کا پتہ لگانے جگہ جگہ پھرا ہوں"۔

"ٹھیک ہے۔ اب مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے منہ سے نکلتی بو، تمہارے

کپڑوں کی خوشبو اور بالوں کا یہ انداز۔۔۔۔۔۔پانچ سال پہلے تمہارے پاپا بھی اسی طرح آئے تھے این، تمہارے پاپا کے حواس کھونے کی ابتدا بالکل اسی طرح ہوئی تھی۔

چلو، چھوڑو۔تم جھوٹے ،فریبی۔تم میرے بیٹے ہو ہی نہیں۔دھوکے باز، جھوٹا''۔

آفس کے دروازے پر موجود ڈارسم ایک بار پھر کھنکارا۔

''این یہ دن کبھی نہ بھولنا۔اسی طرح ایک دن تمہارے پاپا گھر آئے تھے اور میں نے یہ جان لیا تھا کہ وہ میری زندگی سے نکل گئے ہیں۔یہی کچھ تمہارے بھائی کا معاملہ ہے۔وہ آقا کے نقش قدم پر چل رہا ہے۔انالیز نے کوئی جواب نہیں دیا۔جانے دو۔اسی وجہ سے این، تمہیں مضبوط اور توانا ہونا چاہیے۔اور اگر ایسا نہ ہوا تو انسان بہ آسانی دوسروں کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاتا ہے۔رونا دھونا بند کرو۔کیا تم بھی اپنے باپ اور بھائی کے نقش قدم پر چلنا چاہتی ہو؟''

''مما، میں آپ کا ساتھ چاہتی ہوں۔مما''۔

''تو اس طرح جذباتی نہ بنو۔اپنے دل کو مضبوط بناؤ''۔انالیز کی خاموشی دیکھ کر نیائے کی مایوسی شدت اختیار کر گئی۔گھر کے آگے کھڑا گھوڑا ہنہنایا۔۔رابرٹ اپنے کمرے سے دوسرے صاف ستھرے کپڑے پہن کر برآمد ہوا۔وہ فوراً ہی گھر سے نکل گیا۔اپنی ماں، بہن یا ڈارسم کی طرف توجہ دیئے بغیر۔گھوڑے پر بیٹھا اور ہوا ہو گیا۔

اس دن سے نیائے کے بڑے بیٹے نے کبھی کبھار ہی شاید اپنے خاندانی گھر میں قدم رکھا ہو۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔

باب 11

میں صبح نو بجے بیدار ہوا تو میرا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ میری آنکھوں کے اوپر کوئی چیز مسلسل ضرب لگا رہی تھی۔ پالک کا سخت بیج میرے سر کے اندر گھس گیا تھا اور اب اس کی جڑیں میرے پورے سر میں پھیلتی جا رہی تھیں۔ گویا ایک درخت تھا جو اندر ہی اندر بڑھتا جا رہا تھا۔

مجھے ایک اخباری رپورٹ یاد آ گئی جس میں درد دور کرنے کی ایک عظیم الشان تاریخی دوائی کی دریافت کا ذکر تھا۔ جس کے استعمال سے سر درد ہمیشہ کے لئے غائب ہو جاتا تھا۔ یہ دوا جرمنوں کی ایجاد تھی اور اس کا نام اسپرین تھا۔ لیکن ہمارے لئے تو ابھی یہ خبر ہی تھی کیونکہ جزائر میں یہ گولی ابھی ملنا شروع نہیں ہوئی تھی۔ کتنی بے بسی اور بے بضاعتی ہے کہ یورپ کی چیزوں کا انتظار کرتے رہو، انہی پر تکیہ کرتے رہو!

مسز تلنگا پیاز کا عرق کئی بار میرے سر پر مل چکی تھیں۔ تمام کمرے میں سرکے کی بو پھیلی ہوئی تھی۔

"میرا کوئی خط وغیرہ تو نہیں آیا مام؟"

"تمہیں خط کا اب خیال آ رہا ہے۔ پہلے تو تمہیں خط پڑھنے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ تم واقعی تبدیل ہو گئے ہو۔ ہاں، شاید ابھی تھوڑی دیر پہلے تک کوی آدمی انتظار کر رہا تھا۔ میں نے تمہارے سونے کا بتا دیا۔ اس کا نام پتہ مجھے نہیں معلوم۔ ممکن ہے چلا گیا ہو۔ میں نے اسے کہا تھا: "چھوٹے آقا منگی آج کل دونوں وونو کرومو میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ یہی بات ہے نا؟ اس نے کوئی خاص توجہ نہیں دی بلکہ اجازت لے کر اگلے دروازے کی سمت بڑھ گیا۔ میریز کے گھر"۔

ہوسٹل پر سکوت تھا۔ دوسرے لڑکے سکول جا چکے تھے۔ اس نیک دل خاتون نے میز کو میرے بیڈ کے قریب کھینچا۔ اس پر گرم چاکلیٹ اور کیک رکھے۔ کیک سے میری مراد ہے ناریل کے تلے

ہوئے پیٹیز۔

"آج کیا کھانا پسند کرو گے؟"

"مام کے پاس کچھ خریدنے کے لئے پیسے ہیں؟"

"اگر میرے پاس پیسے ختم ہو جائیں تو میں تم سے مانگ سکتی ہوں، ہیں نا؟"

"شاید کوئی پولیس ایجنٹ میرے بارے میں پوچھتا پھر رہا ہوگا؟"

"کوئی تھا، تمہارا ہم عمر۔ پولیس ایجنٹ بہر حال نہیں تھا۔ میں اسے تمہارا دوست سمجھی تھی، سو میں نے سارے واقعات اسے بتا دیئے"۔

"انڈو تھا یا خالص یورپی؟ یا پھر مقامی؟"

"مقامی ہی تھا!"

میں نے ان سے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ وہی پولیس ایجنٹ تھا۔

"تو پھر، آج رات کیا کھانا ہے؟"

"میکرونی سوپ مام"۔

"ٹھیک ہے۔ آج تم نے پہلی بار میکرونی سوپ مانگا ہے۔ تمہیں پتہ ہے، ایک پیکٹ کتنے کا آتا ہے؟ پانچ سینٹ کا"۔

"دو پیکٹ کافی رہیں گے"۔ جب انہیں خرچ کے لئے پندرہ سینٹ مل گئے تو ایک اطمینان بھرا قہقہہ ان کے منہ سے برآمد ہوا اور وہ تیزی سے اپنی چھوٹی سی مملکت " کچن " کی طرف چلی گئی۔

اس صبح ہر چیز ہی ساکت محسوس ہو رہی تھی۔ عموماً کسی بگھی کے آنے جانے یا اس کی گھنٹی کی آواز کانوں میں پڑ جاتی تھی۔ البتہ میرے ذہن میں زبردست کھد بد ہو رہی تھی: قاتلوں کے مختلف چہرے، رنگا رنگ حلیے، عجیب وغریب وضع قطع میں قطار اندر قطار کھڑے نظر آئے۔ ماجدہ پیٹرز تک ۔۔۔۔۔۔ میری پسندیدہ ٹیچر ۔۔۔۔۔۔ بھی ہاتھ میں خنجر لئے، ڈراتی، دھمکاتی میری جانب بڑھتی نظر آئیں۔ شاید صرف ایک رپورٹ کے ہاتھوں میں پاگل ہو گیا تھا۔ میرے ذہن کی چولیں ہل گئی تھیں۔ صرف ایک رپورٹ کے خوف سے !ارے چھوڑو بھی۔ اتنے بزدل اور کم ہمت بنے بیٹھے ہو، ایک غیر یقینی اور فضول رپورٹ پر۔ بھلا ایسے بے ہودہ خوف سے بھی ہمت ہارتے ہیں؟ اگر یہ رپورٹ سچی ہے منگی تو تمہیں دوہرا نقصان ہوگا۔ ایک تو تمہارے سر پر بری طرح

خوف طاری ہو گیا ہے اور دوسرے موت کا سامنا کرنا ہی کرنا ہے۔ ایک نقصان ہی بہت ہے منکی۔ کوئی ایک نقصان برداشت کر لو۔ چلو اٹھو۔ تم دونوں نقصانات کیوں بہ یک وقت اٹھاؤ؟ تمہیں تو تعلیم یافتہ سمجھنا ہی جہالت ہے۔

یہ سوچیں تھیں اور میں۔ مجھے اپنے آپ پر ہنسی آ گئی۔ چنانچہ میں ہمت کر کے اٹھا اور گھر کے عقبی حصے میں ٹہلنے کے لئے جانے لگا۔ میری آنکھوں کے آگے تارے جھلملا رہے تھے۔ میں نے ایک کرسی کا سہارا لیا، خود کو اکٹھا کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ عقبی جانب جانے کے بجائے میں کمرے کے سامنے بیٹھ کر، اخبار پڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ سر کا درد تو خاصی حد تک ٹھیک ہو گیا مگر پیاز کے سر کے کی بو مجھے تنگ کرتی رہی۔

نخرا لو کہیں کے۔ میں نے خود کو مخاطب کیا۔ آخر کار، مسز تلنگا کے منع کرنے کے باوجود میں غسل خانے میں چلا گیا اور خوب گرم پانی سے نہاتا رہا۔ وہ بے اولاد خاتون کتنا چاہتی تھیں مجھے !وہ انڈو تھیں مگر یورپین سے زیادہ مقامی لگتی تھیں۔ خوبصورتی انہیں چھو کر نہیں گزری تھی۔ گول تکیے کی طرح موٹی تھیں۔ ڈچ انہیں واجبی سی آتی تھی مگر ان کی روزمرہ کی بولی بھی یہی تھی۔ انہوں نے کبھی سکول کا منہ نہیں دیکھا تھا۔ جاہل مطلق تھیں۔ ایک مانگرل کتا انہوں نے پال رکھا تھا، جسے بچوں کی طرح چاہتی تھیں۔ وہ منڈی سے مچھلی چرالانے کا ماہر تھا۔ وہ دن میں دو تین دفعہ مچھلی چرالاتا اور وہ اسے تل کر کتے کو دے دیتیں۔ باقی ماندہ وقت، وہ دروازے کے عین درمیان پڑا سوتا رہتا۔ یہ لے پالک بچہ اجنبیوں پر کبھی نہیں بھونکتا تھا۔ لیکن انہیں لگتا یہی کہ وہ کسی بھی وقت ان پر جھپٹ پڑے گا۔

میں نے کپڑے پہنے، کنگھی کی اور جین میریز کے گھر چلا گیا۔ مے کی ماں کی تصویر۔۔۔۔۔۔اس جنگی منظر میں۔۔۔۔۔۔ابھی تک مکمل نہیں ہوئی تھی۔ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنا تمام کمال اس میں سمو دینا چاہتا ہے۔ وہ اسے اپنا بہترین شاہکار بنانا چاہتا تھا۔

مے اس کی گود میں بیٹھی لاڈ بھری باتیں کر رہی تھی۔ وہ پچھلے کئی دنوں سے مجھے نہیں ملی تھی۔ عموماً میں اس کے لئے مٹھائی وغیرہ لے جایا کرتا تھا۔ اس دفعہ میں اس کے لئے کچھ بھی لے کر نہیں گیا۔

"انکل سیر کے لئے چلیں گے نا؟"

"میری طبعیت ٹھیک نہیں ہے مے"۔

"منکی،تم پیلے پیلے کیوں لگ رہے ہو؟ "جین نے ذرا غصیلے انداز میں پوچھا۔

"میں نے غور نہیں کیا تھا"۔ مے نے فرنچ میں کہا اور اپنے والد کی گود سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ مجھے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔"ہاں انکل، آپ پیلے لگ رہے ہیں"۔

"نیند پوری نہیں ہوئی نا"۔ میں نے جواب دیا۔

"جب سے وونوکروموآ نا جانا شروع ہوا ہے تو یہ ساری باتیں ہونے لگی ہیں"۔جین کے لہجے میں سرزنش تھی۔

"اور لوگوں سے نئے آرڈرز لینے کے سلسلے میں، ملنا جلنا بھی تم نے ختم کر دیا ہے"۔

"اگر تمہیں پتہ ہوتا جین کہ پچھلے دنوں مجھ پر کیا گزری ہے تو تم اس طرح کی باتیں نہ کر رہے ہوتے۔سچ کہہ رہا ہوں"۔

"دوبارہ کسی مشکل میں گھر گئے ہو۔تمہاری آنکھوں میں نظر آنے والا اطمینان، نظر نہیں آ رہا"۔

"چھوڑو یار۔تمہیں پتہ ہے ان آنکھوں کے ہاتھوں کسی پر کیا بیت رہی ہے"۔

"میرے لئے، مے، کچھ سگریٹ خرید لاؤ"۔اور ننھی بچی سگریٹ لینے باہر چلی گئی۔

"اب بتاؤ، منکی تمہیں کیا پریشانی ہے؟"

"میں نے فاٹسو سے متعلق اپنے شکوک وشبہات کا صاف صاف اظہار کر دیا: کوئی مجھے مار ڈالنا چاہتا ہے (میں ٹھہرا اکیلی جان) لوگ میری جاسوسی کرتے پھر رہے ہیں۔ میری نگرانی ہو رہی ہے، موقع ملے تو اپنا خنجر میرے جسم کے پار کر ڈالیں۔

"مجھے یہی توقع تھی۔ نیائے کی قسم کی عورتوں کے گھر جانے والوں کو ایسے خطرات کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے۔تم تو پہلے نیائے اور ان کی اخلاقی حیثیت کے خلاف رائے عامہ کے زبردست حامی تھے۔ میں نے پہلے کیا کہا تھا؟ جس کی حقیقت کا پتہ نہ ہو، اس کے بارے میں فیصلہ نہ کرنے بیٹھ جاؤ۔ میں نے ہی تمہیں وہاں دو تین دفعہ جانے کے لئے کہا تھا تا کہ ایک تعلیم یافتہ شخص کی حیثیت سے چیزوں کا مشاہدہ کر سکو"۔

"مجھے سب یاد ہے جین!"

"تم واقعی وہاں گئے۔لیکن وہاں تم نے صرف مشاہدہ نہیں کیا، تم تو وہاں ٹک ہی گئے"۔

"ہاں"۔

"تم داشتاؤں یا غیر قانونی بیویوں کی حقیقت کا رائے عامہ سے موازنہ کرنے گئے تھے، مگر تم بھی اسی عمومی تصور کا شکار ہو گئے، جو اخلاقی طور پر انتہائی نیچ اور ناخوشگوار نوعیت کا ہے۔ پھر نہ جانے کہاں کہاں سے تمہیں دھمکیاں ملنا شروع ہو گئیں۔ ان معاملات میں یہ خطرات تو بہر حال ہوتے ہیں اور اب تم پتہ نہیں کسے چیلنج کرتے پھر رہے ہو۔ تمہارے محسوسات یہ ہیں کہ تمہیں شکار کیا جا رہا ہے۔ منکی، دراصل تم اپنے ہی احساس ندامت کا شکار ہو رہے ہو"۔

"اور کچھ، جین"۔

"کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"ممکن ہے تم ٹھیک سمجھ رہے ہو"۔

"صرف ممکن کیوں؟"

"اس لئے کہ اگر تمہاری یہ بات صحیح ہے اور میں واقعی، تمہارے کہنے کے مطابق غیر اخلاقی حرکات کا مرتکب ہوا ہوں۔

"تو تم نے ایسا نہیں کیا؟"

"نہیں، بالکل نہیں"۔

"مجھے، کم از کم یہ سن کر، منکی، خوشی ہو رہی ہے"۔

"اور یہ بھی واضح رہے کہ نیائے کوئی معمولی خاتون نہیں۔ وہ پڑھی لکھی ہیں جین۔ میرا خیال ہے میں نے پہلی مقامی پڑھی لکھی خاتون دیکھی ہے اپنی زندگی میں۔ حیرت انگیز جین۔ میں کسی دن تمہیں ان سے ملانے لے چلوں گا۔ مے بھی ہمارے ساتھ ہو گی۔ اسے بھی وہاں جا کر خوشی ہو گی، سچ"۔

"اگر یہ تمہارے برے کرتوت کا نتیجہ نہیں ہے تو پھر یہ کسی کے ہاتھوں مارے جانے کا خوف کہاں سے آ گیا؟ تم تعلیم یافتہ ہو، اپنے دل کی آواز کو سنجیدگی سے لو۔ تم بھی اولین پڑھے لکھے مقامی لوگوں میں سے ہو۔ تم سے اچھے افعال کی توقع ہے۔ اور اگر تم ان توقعات پر پورے نہ اترے تو تعلیم یافتہ مقامیوں کی اگلی نسل تم سے بھی زیادہ خراب ہو گی"۔

"چپ ہو جاؤ جین۔ نان سنس باتیں نہ کرو، میں واقعی مصیبت میں پڑ گیا ہوں۔

"یہ صرف تمہارے تصورات کا کمال ہے"۔

"مے، کارن لیف نامی سگریٹ کا پیکٹ لئے واپس آ گئی تو جین نے فوراً سگریٹ سلگا

لیا۔

"تم بہت سگریٹ پیتے ہو جین"۔

وہ صرف ہنس دیا۔ اس نے میرے، فرانسیسی دوست نے مجھے بدمزہ کر دیا۔ وہ غلطی پر تھا اور مجھ پر الٹے سیدھے الزامات لگا رہا تھا۔ ابو نے بھی ملاقات کی ابتدا میں اسی طرح کے خدشات کا اظہار کیا تھا۔ اب جین میریز میری کسی بات کو درخور اعتنا نہیں سمجھ رہا تھا۔ آخر میں اس نے بھی عوامی رائے عامہ کا سہارا لے لیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ میں ہار مان کر خود بھی انہی غیر اخلاقی رویوں کا شکار ہو گیا ہوں۔ یوں لگا جیسے گفتگو جاری رکھنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ میں نے مے کو ساتھ لیا اور گھر آ گیا۔ پورچ میں ہی ہم ایک بنچ پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

"تم سکول کیوں نہیں جاتیں مے؟"

"پاپا چاہتے ہیں کہ جب وہ پینٹنگ کر رہے ہوں تو میں ان کے پاس رہوں"۔

"پھر تم کیا کرتی رہتی ہو؟"

"بس، پاپا کو مصوری کرتے دیکھتی رہتی ہوں"۔

"وہ تم سے باتیں نہیں کرتے؟"

"ہاں، باتیں تو کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ بانسوں کے اس جھنڈ کے نیچے ٹھنڈک ہونی چاہیے کیونکہ یہاں ہر وقت ہوا چلتی رہتی ہے۔ لیکن وہ بیچارہ آدمی، جو فوجی کے تشدد کا نشانہ بن رہا ہے، انکل؟"

اس بچی کو کیا پتہ کہ وہ بیچاری عورت، ظلم و بربریت کا شکار عورت، کوئی اور نہیں، اس کی اپنی ماں ہے!

"چلو مے، گانا گاؤ!" اور بچی نے سیدھے سبھاؤ اپنا پسندیدہ گانا گنگنانا شروع کر دیا۔

"ارے، آپ سن نہیں رہے، انکل، سنیں نا!"

میری آنکھیں مقامی دھوتی پہنے ایک موٹے شخص کا جائزہ لے رہی تھیں جو بچوں کے باغ سے ذرا آگے، سڑک کی دوسری جانب املی کے درخت تلے بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک پھل فروش بھی موجود تھا۔ اس کے سر پر مخصوص مقامی ٹوپی بھی تھی مگر پاؤں میں جوتے تو کیا سلیپر بھی نہیں تھے۔ وہ سوتی کپڑے کی قمیص اور کالی پینٹ پہنے ہوئے تھا اور اس کے کمر کے گرد ایک زبردست بیلٹ بھی تھی جس میں کئی موٹی تازی جیبیں بھی موجود تھیں۔ اس کی قمیص کا گلا کھلا ہوا تھا۔ اس کی

چال ڈھال سے میری ہمت بندھی کہ کم از کم وہ مجھے بے وقوف نہیں بنا سکے گا۔ممکن ہے وہ ہی میرا متوقع قاتل ہو۔فاٹسو !رابرٹ کا زرخرید، کیونکہ ڈارسم کو خریدنے میں تو وہ ناکام ہو گیا تھا۔

فروٹ چاٹ کھاتے ہوئے ، وہ وقفے وقفے سے ہم دونوں کی جانب وہ نظر اٹھا کر دیکھتا بھی جاتا تھا۔"پاپا کو بلاؤ مے"۔

ننھی بچھی بھاگی بھاگی گئی اور تھوڑی ہی دیر بعد اپنے دراز قد مگر پتلے دبلے پاپا کے ساتھ واپس آ گئی۔ وہ اپنی بے ساکھی کے سہارے، لنگڑاتا ہوا، آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ وہ بھی وہیں میرے ساتھ بیٹھ گیا۔

"میرا خیال کچھ غلط نہیں تھا جین، وہ رہا ایک آدمی۔ یہ بھی ٹاؤن بی سے میرا پیچھا کرتا ہوا آیا ہے۔البتہ اب اس کے کپڑے بدلے ہوئے ہیں"۔

"محض تمہارا تصور ہے منکی"۔اس نے الٹا میرا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔

اسی لمحے نہ جانے کہاں سے مسٹر تلنگا آن ٹپکے۔ان کے ایک ہاتھ میں ٹوکری تھی۔خدا جانے اس میں کیا الا بلا بھرا ہوا تھا۔۔۔۔۔۔اور دوسرے ہاتھ میں کوئی گز بھر کا لوہے کا پائپ تھا۔ نہ جانے وہ یہ پائپ کہاں سے اٹھا لائے تھے۔"جین، منکی۔کیا ہو رہا ہے؟ آج صبح صبح دونوں ہی یہاں باہر بیٹھے ہو؟ "انہوں نے مالے میں ہماری خیریت پوچھی۔

"ہوا یہ ہے"۔جین نے میرے حالیہ خدشات کی کہانی سنانی شروع کر دی۔ پھر اس آدمی کی طرف اشارہ کرنے لگا جسے میں نے فاٹسو کی حیثیت سے پہچانا تھا۔نو وارد نے اپنی پھولوں سے بھری ٹوکری زمین پر رکھ دی۔لوہے کا پائپ بدستور ان کے ہاتھ میں رہا اور انہوں نے اپنی نگاہیں سڑک کے پار اس آدمی پر مرکوز کر دیں۔

"میں ذرا قریب سے جا کر اسے دیکھتا ہوں۔ منکی !تم تو اسے اچھی طرح پہچانتے ہونا۔ شاید یہ وہ شخص ہو۔ اگر ضرورت پڑی تو میں اس کے سر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔ بے فکر رہو"۔میں ان کے پیچھے ہو لیا اور جین میریز بھی لنگڑاتا ہوا اسی سمت چل پڑا۔

قریب پہنچنے پر پتہ چلا کہ وہ واقعی فاٹسو تھا۔اس وقت بھی وہ میری ہی نگرانی پر مامور تھا۔ اس نے ہمیں قریب آتے دیکھ کر، ہمیں نظر انداز کرنے کی کوشش کی۔ وہ بظاہر مزے لے لے کر، اپنے کھانے میں مصروف تھا مگر اس کی نگاہیں انتہائی چوکنا انداز میں چاروں طرف دیکھ رہی تھیں۔اس کے اس فریبی انداز نے میرے شبہات کو اور تقویت دی۔

"ہاں، یہ وہی ہے"۔ میں بلا ہچکچاہٹ بول پڑا۔ مسٹر تلنگا اسے دہشت زدہ کرنے کے لئے، لوہے کا پائپ ہاتھ میں لئے، اس کی جانب بڑھے۔ مجھے خود معلوم نہیں تھا کہ اب کیا کیا جائے۔ جین میریز لنگڑاتا ہوا، مسلسل ہمارے پیچھے چلا آ رہا تھا۔

"اوخدا کے بندے !" مسٹر تلنگا نے جاوی میں اسے مخاطب کیا۔ "میرے گھر کی نگرانی کر رہے ہو؟"

فاٹسو نے ان کی بات سنی ان سنی کر دی اور بدستور کھانے میں لگا رہا۔

"اچھا، تو گویا تمہیں سنائی ہی نہیں دے رہا؟ "اس دفعہ وہ سابقہ فوجی سپاہی مالے میں چنگھاڑا۔ انہوں نے اس کی ہیٹ اٹھائی اور گھما کر زمین پر دے ماری۔ یوں لگا جیسے فاٹسو انڈو باشندوں سے خوف نہیں کھاتا تھا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک میلے سے کپڑے کے ساتھ اس نے اپنا ہاتھ صاف کیا۔ باقی ماندہ پھل اپنے منہ میں زبردستی گھسیڑ لیا۔ پھر اس نے جھک کر پھل فروش کی بالٹی میں اپنے ہاتھ دھوئے۔ اس کے بعد، بہت اطمینان سے اعلی جاوی لہجے میں مخاطب ہوا: "میں کسی شخص یا کسی جگہ کی نگرانی نہیں کر رہا"۔ اس نے مجھ پر ایک نظر ڈالی اور مسکرا دیا۔

اس کا کیا خیال ہے، وہ کیا کرتا پھر رہا ہے؟ کیا خباثت ہے، ابھی مجھ پر مسکرا رہا تھا۔ میرا متوقع قاتل !مجھ پر ہنس رہا تھا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے"۔ مسٹر تلنگا نے غصے سے چیخ کر کہا۔

پھل فروش بوڑھی عورت خوفزدہ ہو کر، وہاں سے چلتی بنی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر لوگ حیرت سے کھڑے دیکھ رہے تھے: ایک مقامی آدمی ایک انڈو یورپین سے جھگڑا کرنے کی جرأت کیسے کر بیٹھا ہے۔

"جناب من !میں روزانہ یہاں کھانا کھاتا ہوں"۔

"میں نے تمہیں یہاں کبھی نہیں دیکھا۔ اب جاؤ۔ اب جاؤ اور نہ گئے تو۔۔۔۔۔۔" انہوں نے لوہے کا پائپ گھمایا۔

فاٹسو اب بھی خوفزدہ نہیں ہوا، نہ ہی اس نے اپنا سر اٹھایا۔ "اس جگہ کھانے پینے کی، میرے خیال میں، کبھی کوئی پابندی نہیں رہی تو آن"۔ اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"تم کج حجتی کر رہے ہو؟ "پتہ نہیں میں ڈچ ہوں اور جزائری فوج میں رہ چکا ہوں؟"

فاٹسو بلاشبہ بہادر آدمی تھا۔ وہ ڈچ فوجی کے حوالے سے بھی ذرا نہیں سہا۔ شاید وہ مقامی

مارشل آرٹ یا کنٹو کا ماہر بھی تھا۔" تو کیا ہوا؟ یہاں پولیس کی طرف سے بھی کوئی رکاوٹ نہیں لگ رہی۔ براہ مہربانی مجھے یہاں بیٹھ کر آرام سے کھا پی لینے دیجئے۔ مجھے تو ابھی اس کی ادائیگی بھی کرنا ہے"۔ یہ کہہ کر وہ دوبارہ نیچے بیٹھنے لگا۔

اس کی زبان سے بین (BAN) کی بات سن کر میرے شبہات میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ وہ قاعدے قانون سے واقف تھا۔ مسٹر تلنگا کو ذرا احتیاط ہو جانا چاہیے۔ لیکن مسٹر تلنگا، سابقہ فوجی ہونے کے ناطے، شاید کسی کی بات سننے کے عادی ہی نہیں تھے۔ انہوں نے غصے میں پائپ والا ہاتھ اٹھایا اور اس کے سر کے ایک جانب مارنے کی کوشش کی۔ فاٹسو نے، کچھ بچ کر، اس چوٹ کو برداشت کر لیا اور جوابی حملہ نہیں کیا۔

"بس، بس، کافی ہو گیا"۔ جین میریز نے مداخلت کرنی چاہی۔

"اس طرح کی حرکت نہ کریں تو آن"۔ فاٹسو نے اپیل کی۔

تلنگا غصے سے بھر گیا۔ اس شخص نے اس کی اور اس کے احکام کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔ وہ بھول گیا کہ جھگڑا کس بات پر تھا۔ اب تو صرف ایک انڈو فوجی کی عزت اور غیرت کا معاملہ درپیش تھا۔ انہوں نے اس کے سر کو پاش پاش کرنے کے لئے بھرپور ضرب ماری۔ فاٹسو، اطمینان سے ایک جانب ہٹ گیا۔ وار خالی جانے پر مسٹر تلنگا، اپنے ہی زور میں آگے کی طرف جا گرے۔ فاٹسو چاہتا تو ان کی پسلیوں پر پنچ مار سکتا تھا مگر اس نے ہر بار خود کو ان کے حملے سے بچایا۔ مسٹر تلنگا کا غصہ اور بڑھتا چلا گیا اور وہ مزید بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے۔ فاٹسو پیچھے ہٹتا رہا اور بالآخر وہاں سے بھاگ گیا۔ انہوں نے اس کا پیچھا کرنے کی کوشش کی مگر وہ گندگی کے ایک بڑے ڈھیر کے پیچھے جا کر اچانک غائب ہو گیا۔

"تلنگا بھی پاگل ہے"۔ جین نے تبصرہ کیا۔ "وہ اب بھی خود کو جزائری فوج کا افسر سمجھتا ہے"۔ مسٹر تلنگا شاید، بدستور، اپنے شکار کا پیچھا کر رہے تھے۔ "یہ سب کس کے لئے ہو رہا ہے؟ چلو، گھر چلتے ہیں۔ منکی، یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے"۔ جین نے مجھے مورد الزام ٹھہرا دیا۔

وہ مجھے ان کی مدد سے باز رکھ رہا تھا۔ مے اور مسز تلنگا بھاگی بھاگی پوچھنے آئیں کہ کیا بات ہو گئی ہے۔ اب انہیں کیا بتایا جاتا۔ ہم دونوں خاموشی سے بیٹھ کر اس گرم دماغ فوجی کا انتظار کرنے لگے۔ ظاہر ہے ہم فکر مند تھے۔ کوئی دس منٹ بعد مسٹر تلنگا، سرخ چہرہ، پھولی سانسیں لئے اور پسینوں میں نہائے واپس لوٹے۔ وہ فوراً ہی آرام کرسی پر ڈھے گئے۔

"جان "ان کی بیوی نے شکایت کی۔" کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کیا تمہیں یاد نہیں کہ اب تم بے کار ہو گئے ہو؟ دشمن بناتے پھر رہے ہو؟ تم اپنے آپ کو بھی جوان سمجھتے ہو؟ "انہوں نے آتے ہی اپنے شوہر کے ہاتھ سے لوہے کا پائپ چھین لیا اور اندر لے گئیں۔ مسٹر تلنگا بالکل نہیں بولے۔ ایسا لگا جیسے ہمارے درمیان کوئی خفیہ معاہدہ طے پا گیا ہے۔ گزرے ہوئے واقعے پر شاید میرے سوا کسی اور کو دکھ بھی نہیں تھا۔ دل ہی دل میں، میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ کوئی خطرناک صورت حال پیدا نہیں ہوئی۔ خوش قسمتی سے میں نے ڈارسم کی سنائی ہوئی کہانی تو انہیں بتائی ہی نہیں تھی، ورنہ مزید نہ جانے کیا کیا پیچیدگیاں ہو جاتیں۔

"منکی، تمہاری طبعیت ابھی بھی ٹھیک نہیں"۔ مسز تلنگا کی اندر سے آواز آئی۔" باہر ٹھنڈی ہوا میں نہ بیٹھو۔ بہتر ہے کچھ مزید آرام کر لو۔ کھانا بھی تھوڑی دیر میں تیار ہو جائے گا"۔

"مے، تم گھر جاؤ"۔ جین نے بچی سے کہا اور وہ گھر چلی گئی۔ ہم تینوں خاموشی سے بیٹھے ایک دوسرے کو تکتے رہے یہاں تک مسٹر تلنگا کی سانس نارمل ہو گئی۔

"جو کچھ ہوا ہے، اسے بھول جانا چاہیے"۔ میں نے مشورہ دیا۔ اگر یہ پولیس کیس بن جاتا تو میں ہی اس جھگڑے کا سبب تھا۔ کتنی شرمندگی ہوتی مجھے؟ "میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے جین۔ معافی چاہتا ہوں مسٹر تلنگا اور جین۔۔۔۔۔۔"

اپنے کمرے میں آ کر، میرا یہ شبہ اور پختہ ہو گیا کہ وہ وہی فاٹسو تھا، جو میری نگرانی کر رہا تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ رابرٹ کا آدمی تھا۔ ڈارسم کی کہانی بے بنیاد نہیں تھی۔ اس لئے مجھے محتاط ہی رہنا چاہیے۔

زندگی میں پہلی دفعہ، دن کی روشنی میں بھی میں نے اپنے کمرے کو اندر سے لاک رکھا۔ کھڑکیاں بند کیں اور جھاڑو کے اوپر کا لکڑی کا موٹا دستہ، احتیاطاً کمرے کے کونے میں رکھ لیا، تا کہ بوقت ضرورت اسے کام میں لا سکوں۔ میں نے ذاتی حفاظت کے بارے میں اپنے گاؤں میں ہی کافی کچھ سیکھ رکھا تھا۔

تعلیم یافتہ ہونے کے ناتے، یہ حقیقت مجھے ماننا ہی تھی: کوئی شخص میری جان کے درپے ہے اور میں یہ بات پولیس کو بتا بھی نہیں سکتا۔ اس مسئلے میں پولیس کی مداخلت، گو یا نیائے اور انالیز کو مشکلات میں دھکیلنے کی دعوت دینا تھا۔ حال ہی میں بو پاتی بننے والے، میرے ابو، میری امی بھی ان چکروں میں بلاوجہ الجھ جاتے۔ خاموشی سے صورت حال کا مقابلہ کرنا چاہیے، لیکن انتہائی چوکسی

کے ساتھ۔

چار دن گزر گئے، میرے سر کا درد ختم ہی نہیں ہو پا رہا تھا۔ شاید میں صحیح نیند نہیں لے رہا تھا۔ وونو کرومو سے دودھ باقاعدگی سے آ رہا تھا مگر ڈارسم کی کوئی خبر نہیں تھی۔

مجھے یوں لگا جیسے میں سکول سے خاصا عرصہ غیر حاضر رہا ہوں۔ ڈاکٹر نے مجھے تین ہفتے کی رخصت کا کہا تھا۔ اپنے تن تنہا مالک، یعنی میری اجازت کے بغیر پالیکا پھل کا پودا میرے سر کے اندر نشوونما پا کر پورا درخت بن چکا تھا۔ میرے سر میں موجود پالیکا درخت ! تم بالکل صحیح کہتے ہو، مجھے نیائے اور انالیز کو بھلا دینا چاہیے۔ ان سے قطع تعلق کر لینا چاہیے۔ ان سلسلوں کو قائم رکھنا محض مشکلیں پیدا کرنا ہے۔ ان کے بغیر، مجھے کوئی خاص نقصان نہیں ہوگا۔ اس عجیب وغریب گھرانے کو نہ جاننے سے جذام جیسا کوئی مرض مجھے لاحق نہیں ہوگا۔ مجھے اپنی صحت کا خیال رکھنا چاہیے۔ پہلے کی طرح اپنے گاہکوں سے ملوں جلوں۔ اخباروں میں لکھوں۔ سکول کا امتحان لوگوں کی توقعات کے مطابق شاندار طریقے سے پاس کروں اور کیا۔ سکول میری پسندیدہ جگہ ہے۔ مجھے دوستوں سے ملنا جلنا اچھا لگتا ہے۔ آزادی سے اور بلا روک ٹوک۔ نئے اور لامحدود علم و آگہی کے حصول کی کوشش ماضی، حال اور مستقبل کے سارے زمانوں کے انسانوں کی اس دنیا کی معلومات کو خود میں جذب کروں۔ اگلے مہینے کی شروع میں مس ماجدہ پیٹرز، انسانی دنیا کے موضوع پر ہر زاویئے سے بحث و تمحیص کریں گی، اس پر روشنی ڈالیں گے اور اگر میں اسی طرح بیمار رہا تو؟

یہ ساری ہنگامی چھٹیاں یونہی غارت ہو گئیں۔ ہر لمحہ الجھن اور پریشانی سے بھرا تھا۔ بعض اوقات میں سوچتا: اتنی شدید پریشانیوں کا شکار ہونے کی، اس کم عمری میں مجھے ضرورت ہی کیا ہے؟ پھر خود کو جواب دیتا: ہاں قطعی ضرورت نہیں۔ مس ماجدہ نے ایک دفعہ ملتا تولی اور اس کے صحافی اور شاعر دوست رورڈاوان آئی سنگا کی کہانی سنائی تھی: جزائر کے لوگوں کا مقدر سنوارنے کے لئے، اپنی شبانہ روز جدوجہد اور اپنے عقیدوں کی وجہ سے، ان دونوں کو بے پناہ ذہنی تناؤ اور الجھنوں کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ نہ صرف یورپی جارحیت بلکہ مقامی ظلم وتشدد کے بھی خلاف تھے۔ اپنی قوم کو ذلت سے نکالنے کے لئے، وہ پوری دنیا کو بھلا بیٹھے اور نتیجہ ان کی جلاوطنی کی صورت میں نکلا۔ نہ کوئی دوست، نہ شناسا، نہ کوئی مدد کے لئے ہاتھ بڑھانے والا منکی۔۔۔۔۔۔ رورڈاوان آئی سنگا کی نظم "جاوا میں ہالینڈ والوں کے آخری دن" پڑھو جو اس نے فرضی نام "سین ٹاٹ" کے تحت لکھی تھی۔ اس کے ہر لفظ میں اس کے ذاتی دکھ درد کی تڑپ محسوس ہوتی ہے۔

ملتا تولی اور وان آئی سنگا نے تو یہ ساری تکلیفیں اپنے عظیم مقصد کے لئے کام کرتے ہوئے برداشت کیں اور مجھے آج کونسی پریشانی اذیت دے رہی ہے؟ محض اپنی شہوت پسندی اور مردانہ کج روی کے سوا اور الجھن ہے کیا؟ مجھے انالیز کو اپنے ذہن سے کھرچ دینا چاہیے۔ لازماً اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ لیکن میرا دل تھا کہ مان کر نہیں دے رہا تھا۔ دنیا کی حسین ترین دوشیزہ اور نیائے۔ دل میں اتر جانے والی اور متاثر کن خاتون شاہانہ کروفر اور ساحرانہ خصوصیات کی حامل۔ جی ہاں۔ "اگر کوئی پسند ہو تو اس کو آسمان پر چڑھا دیا جاتا ہے اور اگر نفرت ہو تو پاتال میں گرا دیا جاتا ہے"۔

آہستہ آہستہ لیکن بہرحال مجھے سمجھ آنے لگی: عیش وعشرت کی دنیا میں داخلے کی، جہاں خواب حقیقت کا روپ دھارتے ہیں، قیمت ادا کرنے میں میری ہچکچاہٹ۔۔۔۔۔۔ ان سب واقعات کا سبب تھی۔ ملتا تولی اور وان آئی سنگا نے محض ٹکٹ کی قیمت ادا کی تھی۔ اپنے لئے تو وہ کچھ بھی نہیں چاہتے تھے۔ ان کی تحریروں سے بھلا میرا مضامین کا کیا مقابلہ ! میں صرف اور صرف اپنی خواہشات کے پیچھے بھاگتا ہوں۔ مجھے یہ سوچ کر شرمندگی ہوئی۔

ہاں، مجھے انالیز کا خیال دل سے نکال دینا چاہیے۔ خوشی خوشی راستے جدا کر لینے چاہئیں۔ آہ، میں یہ دلکش خواب پھر کبھی، کہیں نہیں دیکھ سکوں گا۔ دنیا میں بہت سی چیزیں ایک دوشیزہ کے حسن و جمال اور نیائے کی سحر انگیزی سے زیادہ اہم ہیں۔ بے معنی موت کا سامنا بھلا کیوں کیا جائے؟ میری زندگی اور میرا جسم میرا بنیادی سرمایہ ہیں اور غالباً یہ دوبارہ کسی کو بھی نصیب نہیں ہوتے۔

یہ فیصلہ کرتے ہی میرا درد سر آہستہ آہستہ غائب ہونے لگا۔ یہ شاید بیماری کا قانون ہے کہ آتی اچانک ہے لیکن جاتی بڑے آرام سے ہے۔ پالیکا درخت کی شاخیں اور جڑیں پھلنا پھولنا بند ہوگئیں۔ پھر وہ بھی مٹی مٹی ہوگئیں مگر ایک خط ملنے کے بعد۔

یہ خط مریم ڈی لاکروکس نے لکھا تھا۔ اس کی لکھائی چھوٹی مگر صاف اور دلکش تھی۔ اس نے لکھا تھا:

"میرے دوست ! مجھے یقین ہے کہ تم بخیریت سرابیا پہنچ گئے ہو گے۔ میں تمہارے خط کی منتظر تھی مگر کہاں کا خط ! سو میں ہی ہار مان کر لکھ رہی ہوں۔

حیران نہ ہونا مگر پاپا تم میں بہت دلچسپی لے رہے ہیں۔ وہ تمہارے خط کے بارے میں دو بار پوچھ چکے ہیں۔ پاپا تمہاری علمی پیش رفت کے متعلق جاننے کے لئے بے چین ہیں۔ تمہارے رویئے سے وہ بہت متاثر ہوئے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ تم مختلف مٹی کے بنے ہوئے جاوی ہو۔ بیک وقت تم اس قوم کے پیش رو بھی ہو اور جدت پسند بھی۔

میں یہ خط بڑی خوشی سے لکھ رہی ہوں۔ یہ میری عزت افزائی ہے کہ میں پاپا کی رائے تم تک پہنچا رہی ہوں۔ ایک دفعہ انہوں نے ہم دونوں بہنوں کو مخاطب کر کے کہا تھا: وہ جاوا کے مستقبل کا چہرہ ہے۔ ہماری تہذیب سے متاثر جاوا کا۔۔۔۔۔۔ یہ جاوا سورج سے ٹکرا کر جل جانے والے کیڑے کی طرح نہیں ہوگا۔ اگر تمہیں پاپا کی استعمال کردہ یہ کھردری مثال بری لگی ہو تو اس کے لئے معذرت منگی۔ اس میں توہین، ان کا بہرحال مقصد نہیں۔ تمہیں برا تو نہیں لگا؟ غصہ تھوک دو منگی۔ اور یقین مانو کہ پاپا یا ہم دونوں بہنوں کے دل میں کسی بھی مقامی کے لئے اور خصوصاً تمہارے لئے کوئی غلط اور گمراہ سوچیں ہیں ہی نہیں۔

جاوی قوم کی پستی پر پاپا کو بہت دکھ ہوتا ہے۔ پاپا کا کہنا ہے، اگرچہ انہوں نے وہی سابقہ کھردری ضرب المثال استعمال کی ہے: تمہیں پتہ ہے، ان کیڑوں مکوڑوں کی قوم کی ضرورت کیا ہے؟ ایک ایسا رہنما جو انہیں ایک دفعہ پھر عزت و وقار دے سکے۔ سمجھ رہے ہو نا میرے دوست؟ میری بات کا مفہوم سمجھنے سے پہلے ناراض نہ ہو جانا۔

تمہاری قوم کے زوال میں نہ تو سارے یورپی لوگ شریک ہیں اور نہ ہی اس کا سبب۔ مثلاً: میرے اپنے پاپا، اسسٹنٹ کنٹرولر ہونے کے باوجود، نو آبادیاتی رویوں کے خلاف ہیں۔ وہ اس طرح سوچ ہی نہیں سکتے۔ لیکن پاپا، میں یا سارہ کر ہی کیا سکتے ہیں حالانکہ ہم سب کی خواہش ہے کہ مقامی لوگوں کی مدد کے لئے کچھ نہ کچھ کیا جائے۔ ہم اپنے فرائض کے بارے میں صرف اندازہ لگا سکتے ہیں۔ تم خود بھی ملتاتولی کے مداح ہو۔ اس نے انقلابیوں کے ساتھ مل کر تمہاری قوم کی بے پناہ خدمت کی ہے۔ ملتاتولی کے ساتھ ڈومین بیرن وان ہوویل اور ایک اور شخص روروڈا وان آئی سنگا ہے۔ (سنگا کا نام شاید تمہاری ٹیچر تمہیں بتانا بھول گئی)۔ ان لوگوں نے تمہاری قوم کو کبھی مخاطب نہیں کیا بلکہ ان کا خطاب، خود اپنی ہی ڈچ قوم سے تھا۔ وہ ان سے تمہاری قوم کے ساتھ، مناسب سلوک کے طالب تھے۔ میرے دوست! ان لوگوں نے جاوی قوم کے لئے جو کچھ کہا، انیسویں صدی کے خاتمے کے ساتھ ہی بقول پاپا کے ناکارہ ہو چکا ہے۔ اب جو کچھ کرنا ہے،

وہ یہاں کے مقامی لوگوں کو ہی کرنا ہے۔ اس دن یہ محض اتفاق نہیں تھا کہ ہم ڈاکٹر سناؤک ہرگرونی کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ وہ سکالر، ہمارے گھرانے کی سوچ کے مطابق، انتہائی قابل احترام شخص ہے۔ تم اس کے نظریہ اشتراک پر اس دن ہنس رہے تھے۔ ہم اس کے اس نظریے کے معترف ہیں۔ سمجھنے کی کوشش کرو میرے دوست کہ پاپا تم میں اتنی زیادہ دلچسپی کیوں لے رہے ہیں۔ پاپا اور ہم دونوں بہنیں پہلے کبھی، تمہارے جیسے جاوی سے نہیں ملے۔ تمہارا رویہ بالکل یورپیوں کا سا ہے۔ دور شکست سے پیدا شدہ غلام جاوی اثرات سے بالکل آزاد۔

اس بڑی اور خالی عمارت میں گزرتی پر سکوت راتوں میں، اگر پاپا تھکے ہوئے نہ ہوں تو ہم ان سے تمہاری قوم کے متعلق باتیں کرنا اور سننا پسند کرتے ہیں۔ یورپی جارحیت کو ختم کرنے کی جنگ میں اس قوم نے ہزاروں لاکھوں جی دار سپوت کیسے پیدا کر لئے۔ کوئی شکست کھا جاتا ہے، مارا جاتا ہے، ہتھیار ڈال دیتا ہے، پاگل ہو جاتا ہے، رسوائی کی موت کو گلے لگا لیتا ہے یا جلاوطنی میں گمنامی کو مقدر جان لیتا ہے۔ کوئی شخص کبھی بھی فتح حاصل نہیں کر سکا۔ کامیاب نہیں ہو سکا۔ ہمیں سن کر دکھ ہوتا ہے کہ تمہارے حکمران اتنے عاقبت نا اندیش تھے کہ انہوں نے کمپنی کو رعایتیں دیتے ہوئے اپنے لوگوں کے مفاد کا ذرا بھی خیال نہیں رکھا۔ یہ ان کے مادی اور روحانی زوال کی علامت تھی۔ پاپا کے قصوں کے مطابق، تمہارے لیڈروں نے صدیوں تک کمپنی کو اپنے ذاتی مفاد اور صرف ذاتی غرض کے لئے رعایتیں دیں۔ اس سارے عمل میں قوم پر کیا گزر رہی تھی، انہیں اس کی کبھی پروا نہیں رہی۔ ماضی میں حماقتوں کا نتیجہ، وہ بہت جلدی بھلا دیتے اور پھر انہی حماقتوں میں مصروف ہو جاتے۔ ظاہر ہے ایسی قومیں جو جسم اور روح اور دولت، غرض ہر چیز کو ایک خیالی نظریئے "عزت ووقار" کے لئے داؤ پر لگا دیں، ان کے مقدر میں ذلت اور رسوائی کے سوا رہ گا کیا۔

پاپا کی رائے میں انسانیت کی بقا اور ترقی سائنس کے جن کو قابو کر لینے میں ہے۔ جہالت انسان کی انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں میں زبردست دشمن ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی مخالفت کرنا یا ترقی یافتہ لوگوں سے ٹکرانا گویا ذلت و رسوائی اور موت کے آگے ہتھیار ڈالنا ہے۔ اسی لئے پاپا نظریہ اشتراک کے حامی ہیں۔ قوموں کے لئے اور کوئی راستہ ہے ہی نہیں۔ پاپا کو یقین ہے اور ہم بھی اس یقین میں شریک ہیں کہ ایک دن تم یورپین لوگوں کے ساتھ، برابری کا احساس لئے بیٹھے ہو گے اور اس ملک و قوم کی ترقی میں اپنا کردار ادا کر رہے ہو گے۔ تم اس سمت میں قدم بڑھا رہے ہو۔ تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا۔ ہم اپنے پاپا سے بہت محبت کرتے ہیں۔ وہ ہمارے

پاپا ہی نہیں، ہمارے استاد بھی ہیں جو ہمیں دنیا کو سمجھنے اور دیکھنے کی کوشش میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ وہ دوستانہ، دوراندیشیانہ صفات کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ، جبلی طور پر، ایسے منتظم ہیں جو نہ دشمن کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتا ہے اور نہ اپنے ماتحتوں کو تکلیف دیتا ہے۔

میں تمہیں بتاؤں کہ تم سے پہلی ملاقات کے بعد انہوں نے کیا کہا تھا۔ تم تو غالباً بڑے غصے اور تناؤ کے عالم میں یہاں سے رخصت ہوئے تھے، یہی بات ہے نا؟ ہم اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ تمہاری یہ کیفیت ہم سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔ پاپا نے ہمیں جان بوجھ کے تنہا چھوڑا تھا تا کہ تم ہم سے آزادانہ تبادلہ خیالات کر سکو۔ لیکن افسوس، تم تکلف میں رہے اور جاتے ہوئے بھی تم واضح نہیں تھے۔ پاپا نے تمہارے بارے میں ہماری رائے پوچھی۔ سارہ کی رائے یہ تھی: منکی اخیر میں ناراض لگ رہا تھا۔ ڈاکٹر سناؤک ہرگرونی کا نظریہ اشتراک وقت سے کم از کم تین سو سال پیچھے رہ گیا ہے۔ (اس نے تمہارے ہی الفاظ دھرا دیئے) پاپا حیرت زدہ رہ گئے۔ انہوں نے مجھے ذرا وضاحت کرنے کو کہا، پھر پاپا نے کہا: وہ جاوی ہونے پر فخر کرتا ہے۔ انفرادی طور پر اور اس نسل کا بیٹا ہونے کی حیثیت میں بھی عزت نفس کا احساس بہت اچھی بات ہے۔ اسے اپنی قوم کے عام لوگوں کی طرح نہیں ہونا چاہیے۔ وہ جب آپس میں مل بیٹھتے ہیں تو ان کی شیخیاں، انہیں دنیا کی اعلیٰ ترین قوم بنا دیتی ہیں لیکن جونہی ان کا کسی یورپی فرد سے سامنا ہوتا ہے تو ان پر ایسی لرزش طاری ہو جاتی ہے کہ وہ اپنا سر بھی اٹھانے کا حوصلہ نہیں کر پاتے۔ میں تمہارے متعلق اس تعریف سے متفق ہوں، میرے دوست۔ خدا کرے ماحول تمہارے لئے ہمیشہ سازگار رہے۔

پھر عمارت میں روایتی جاوی بیلے رقص کے ساتھ گیملن موسیقی بکھرنا شروع ہوگئی۔ دو سال پہلے پاپا نے ہمیں مقامی انداز کا میوزک سیکھنے اور سمجھنے کا حکم دیا تھا۔ تم تو عرصے سے گیملن کو سننے اور سمجھنے کے عادی ہو۔ انہوں نے ہم سے کہا، غالباً اسے سننے میں اب تمہیں لطف بھی آتا ہے۔ ذرا غور کرو، تمام ٹولز گانگ کی آواز کی کس طرح منتظر رہتی ہیں۔ جاوی موسیقی میں یہ بات بھرپور انداز میں آشکارا ہوتی ہے۔ مگر ان کی حقیقی زندگی میں یہ مقصود ہے۔ کیونکہ یہ دکھیاری قوم ابھی تک اپنا گانگ، اپنا رہنما، مفکر تلاش نہیں کر پائی۔ جو انہیں جرأت اور حوصلہ دینے کے لئے آگے آسکے۔ میرے دوست ! میری دلی خواہش ہے کہ تم ان لفظوں کو اچھی طرح سمجھو، یہ باتیں صرف تمہیں پاپا سے ہی ملیں گی اور کہیں سے نہیں، عظیم ڈاکٹر سناؤک ہرگرونی سے بھی نہیں۔ اسی لئے، ہمیں اپنے پاپا پر بے پناہ فخر ہے۔ پاپا کو پورا یقین ہے کہ تم یورپی موسیقی کے مقابلے میں جاوی گیملن کو زیادہ پسند

کرتے ہو، کیونکہ عظیم گیملن کو موسیقی کی لہروں کے درمیان ہی تم پل بڑھ کر جوان ہوئے ہو۔

منکی، میرے دوست ! حقیقی زندگی میں گیملن سے باہر گا نگ کا امکان کہاں ہے؟ شاید تمہیں وہ فرد ہو؟ عظیم گا نگ؟ دعا نہیں کرو گے تم اپنے لئے؟"

ذرا گیملن کو دوبارہ غور سے سنو، پاپا نے کہا۔ گا نگ اس میں صدیوں سے موجود ہے مگر جاویوں کی عملی زندگی میں ابھی تک گا نگ کی آمد نہیں ہو سکی۔ گیملن اپنے گیتوں میں مسیحا کی آمد کی خواہش ظاہر کرتی ہے۔ وہ صرف خواہش کر رہی ہے، اسے تلاش نہیں کر پا رہی، اسے جنم نہیں دے رہی۔ گیملن جاوی زندگی کو اپنی زبان میں بیان کر رہی ہے، ایک ایسی قوم کی زندگی کو جو تلاش و جستجو کے خواہاں ہی نہیں، محض ایک دائرے میں گھوم رہے ہیں: دعاؤں اور منتروں کے دائرے میں، دکھ تکلیف، روح کو کچل دینے والے خیالات اور نا امیدی کے گرداب میں، جہاں صرف تباہی و بربادی ہے، انسانی بہتری کا کوئی راستہ ہے ہی نہیں۔ یہ خیالات و نظریات یورپی لوگوں کے ہیں میرے دوست ! کسی ایک جاوی نے بھی اس انداز میں کبھی نہیں سوچا۔ پاپا کا کہنا ہے: اگر اگلے بیس سال بھی یہی صورت حال رہی اور کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ قوم کبھی بھی اپنا نجات دہندہ تلاش نہیں کر پائے گی۔

میرے دوست ! تمہاری اس غمزدہ قوم کا آج سے بیس سال بعد کیا حال ہوگا؟ ہم تو ایک نہ ایک دن، اپنے گھر ہالینڈ واپس چلے جائیں گے۔ میں وہاں سیاست میں حصہ لوں گی۔ منکی ہے تو یہ بھی دکھ کی بات کہ ہالینڈ میں کوئی عورت ایوان زیریں کی رکن نہیں بن سکتی۔ لیکن میرا یہ خواب ہے، حالات بدلیں گے اور میں ایوان زیرین کی معزز رکن ضرور بنوں گی اور وہاں میں تمہاری قوم اور تمہارے ملک کی حمایت میں بول رہی ہوں گی اور اگر پھر کبھی میرا جاوا آنا ہوا، تو میں سب سے پہلے تمہاری گیملن موسیقی سننا چاہوں گی۔ اس کی خوبصورت اور یکتا موسیقی، جس کا پوری دنیا میں کوئی جواب نہیں۔ اگر اس کا بنیادی تصور نہیں بدلا: بغیر کوشش کے، کسی شے کی خواہش۔۔۔۔۔۔ اس کا مطلب ہوگا کہ تمہارا کوئی مسیحا نہیں آیا یا ابھی پیدا نہیں ہوا۔ اس کا یہ مطلب بھی ہوگا ! تم ابھی تک وہ مرکزی حیثیت حاصل نہیں کر سکے اور شاید کوئی اور جاوی بھی ایسا نہ کر سکے۔ تب تمہاری قوم کے مقدر میں ایک شیطانی دائرے کے اندر گونجتے صرف بے رنگ ساز اور بے معنی آوازیں رہ جائیں گی۔ اور اگر تبدیلی آ گئی تو میں تمہیں ڈھونڈ نکالوں گی اور تمہاری بڑائی کو سلام کروں گی۔

دوست ! بیس سال کا عرصہ، اس بھاگتے دوڑتے زمانے میں بہت طویل لگتا ہے۔ کسی

انفرادی زندگی کے حصے کے طور پر تو بہت ہی طویل ہے۔ اچھا میرے دوست منکی، یہ میرا۔۔۔۔۔۔ایک مخلص اور باوفا دوست کا۔۔۔۔۔۔پہلا خط ہے تمہارے لئے

مریم ڈی لاکروکس

خط کو بند کرتے ہوئے مجھے اچھی طرح پتہ تھا کہ اس کاغذ پر پھیلی ہوئی نیلی سیاہی کے دھبے دراصل اس کی آنکھوں سے گرے آنسوؤں کا شاخسانہ ہیں۔ میں ایسی لڑکی کا خط پڑھتے ہوئے خود بھی کیوں سسک پڑا، جس سے میری محض ایک دو ملاقاتیں رہی ہیں؟ نہ کوئی قربت، نہ رشتہ داری، میری نسل تک سے اس کا کوئی واسطہ نہیں؟ اسے مجھ سے ایسی امیدیں ہیں اور میں اپنے ہی غلط رویئے کی وجہ سے کنفیوژن کا شکار رہا۔ اس کی خواہش ہے کہ میں اس کی قوم کے لئے نہیں، بلکہ اپنی قوم کے لئے کچھ کر کے دکھاؤں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ یہ ملتا تولی اور وان آئی سنگا کا نیا روپ ہوں؟

اتنے خوبصورت خط کا جواب کس طرح دیا جائے؟ میں نے ایک ایسے لکھاری کی حیثیت سے سوچنا شروع کیا، جس کی سرایا نیوز کے چیف ایڈیٹر مارٹن نیامن نے بے حد تعریف کی تھی۔ مریم کے خیالات تک رسائی کے لئے، میں نے خود کو بہت چھوٹا محسوس کیا۔ پھر بھی، میں جواب دینے کے لئے خود کو تیار کرتا رہا۔ تمہارا شکریہ، یہی جذبہ مختلف الفاظ کی شکل میں ڈھل کر سامنے آتا رہا اور کچھ سوجھا ہی نہیں جیسے جاوی موسیقی کی جدا جدا دھنیں پھوٹ کر، فضا میں بکھرنے کے لئے کسی گانگ کی منتظر ہوں۔ میں نے خط میں حیرانی کا اظہار کیا کہ ملتا تولی اور آئی سنگا، جو اس وقت میری سوچ کا محور تھے، اس کے خط میں کس طرح آن وارد ہوئے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو، میں نے لکھا، ہم ایک ہی آزاد خیال عہد کے باسی ہیں اور خط، میں نے اس طرح ختم کیا۔

میری اچھی دوست مریم ! تمہاری جیسی دوست کا مل جانا میری خوش قسمتی ہے۔ اگلے بیس سال میں کیا ہونے والا ہے، مجھے نہیں معلوم۔ میں نے خود اپنے گانگ بننے کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں۔ میں نے تو ڈھولک بننے کا خواب بھی نہیں دیکھا۔ ایسی سوچیں تو میرے قریب آئی ہی نہیں اور اگر تمہارا یہ دلکش اور دل میں اتر جانے والا خط نہ ملتا تو شاید آئندہ بھی کبھی نہ سوچتا۔ ایک ایسی شخصیت کا خط، جو میری نسل سے بھی نہیں۔ میری مخلص دوست مریم، تم ہمیشہ خوش وخرم رہو اور خدا کرے تم ایک دن ایوان زیریں کی معزز رکن بنو۔

میں نے اپنا چہرہ میز پر ٹکا دیا اور مریم کے خط کے مندرجات ذہن نشین کرنے لگا۔ میری

خواہش تھی کہ اس کی باتیں میں تا زندگی یاد رکھوں گا۔ دوستی بہت خوبصورت چیز ہے۔ یہی سوچتے سوچتے میرے سر کا درد غائب ہونے لگا۔

مریم، تم نے ایک خط ہی نہیں بھیجا بلکہ بہت بڑا تحفہ بھیجا ہے، ایسا تحفہ جس نے میرا ذہنی تناؤ ختم کر دیا ہے۔ شاید تم ہی یہ راز جانتی تھیں۔ میں نے جونہی خود میں جرأت و ہمت محسوس کی، ہر چیز زیادہ واضح اور روشن لگنے لگی۔ کاش میں گانگ بنوں تاکہ ہر جگہ تمہاری آواز پھیلتی جائے۔

"چھوٹے آقا!" سر اٹھاتے ہی مجھے اپنے سامنے ڈارسم کھڑا نظر آیا اور ایک بار پھر میرے دماغ میں وسوسوں کا خوفناک درخت اپنی نکیلی جڑوں سمیت گھس آیا۔ "معاف کیجئے گا۔ میری آمد سے آپ یقیناً حیران ہوں گے، اتنے زرد کیوں لگ رہے ہیں؟" میں نے چہرے پر مسکراہٹ لانے کی کوشش کی۔ میری نظریں اس کے خنجر اور اس کے ہاتھوں پر مرکوز تھیں۔ اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے، اس نے ایک دوستانہ قہقہہ لگایا۔ "چھوٹے آقا! مجھ پر شبہ کر رہے ہیں آپ"۔ اس نے کہا۔

"جبکہ میں آپ کا سچا خیر خواہ ہوں"۔

"کیا بات ہے ڈارسم؟" میں نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"نیائے کا خط لایا ہوں، نونی بہت بیمار ہے"۔

میں نے خط پڑھنا شروع کیا۔ وہ میرے سامنے کھڑا رہا۔ خط پڑھتے ہوئے ایک دوبار میں نے اس کے خنجر پر اچٹتی ہوئی نظر بھی ڈالی۔ ہاں، یہ بات درست تھی کہ انالیز بہت بیمار تھی اور ڈاکٹر مارٹی نیٹ کے زیر علاج تھی۔ نیائے نے ڈاکٹر کو اس کی بیماری کی وجہ بتا دی تھی اور ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق انہوں نے مجھ سے فوراً آ جانے کی درخواست کی تھی۔ ڈاکٹر مارٹی نیٹ کا کہنا تھا کہ میری موجودگی کے بغیر اس کی صحت یابی کی امید نہیں کی جا سکتی بلکہ اس طرح اس کی بیماری میں مزید پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

"چھوٹے آقا! ابھی چلیں، وونو کرومو"۔

میرے سر میں شدید درد ہونے لگا۔ یوں لگا کہ کسی لمحے بھی یہ پھٹ جائے گا۔ میں سیدھا کھڑا نہیں ہو سکا۔ میرا جسم گرنے کو ہوا۔ میں نے فوراً ہی میز کا کونا پکڑ لیا۔ دھندلائی نظروں سے میں نے لڑاکا ڈارسم کو دیکھا۔ اس نے مجھے شانوں سے تھام لیا۔

"اتنے پریشان نہ ہو، سینور رابرٹ آپ کو تنگ نہیں کر سکے گا۔ ڈارسم جو ہے آپ کے

ساتھ۔چلیں"۔

مریم ڈی لاکروکس تصور سے کسی ہیولے کی طرح غائب ہوگئی۔ وونوکروموکا جادودوبارہ سر پر چڑھ کر بولنے لگا۔ ڈارسم مجھے سہارا دے کر بگھی تک لے گیا۔ "یہاں کے لوگوں کو بتا تو دیں"۔

میں ایک دم رک گیا اور مسز تلنگا کو آواز دینے لگا۔ ان کے آنے پر میں نے انہیں اپنے جانے کے بارے میں بتایا۔ وہ دروازے پر کھڑی ناخوش نظر آ رہی تھیں۔ "زیادہ دیر نہ لگانا، تمہاری طبعیت ٹھیک نہیں ہے"۔

"چھوٹے آقا وونوکرومو میں بالکل ٹھیک ہوجائیں گے"۔ ڈارسم نے جواب دیا۔

ڈارسم کی خوفناک شخصیت کی وجہ سے، غالباوہ مزید کچھ بھی نہ کہہ سکیں۔

"آپ کا سامان کہاں ہے چھوٹے آقا؟"

میں نے جواب نہیں دیا۔ شاید میں بے ہوشی یا نیم بے ہوشی کے عالم میں سفر کر رہا تھا۔ البتہ یہ میرے ذہن میں ضرور تھا کہ یہ سب کچھ مجھے رابرٹ سرہوف کی دعوت کے نتیجے میں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ اسی خبیث کی وجہ سے میں اتنی ساری ذہنی الجھنوں اور پریشانیوں کا شکار ہوا تھا۔ صرف ایک آواز، ایک فقرہ البتہ میرے کانوں میں گونج رہا تھا، جو ڈارسم کے منہ سے نکلا تھا: "یہ بگھی اور یہ گھوڑا آج سے چھوٹے آقا کی ملکیت ہیں"۔

باب 12

جونہی ڈارسم، مجھے زینے سے لے کر اوپری منزل پر پہنچا۔ نیائے فوری طور پر میرے خیر مقدم کو باہر آ گئیں۔

"بہت دور چلے گئے تھے نیو؟ ہم اتنے عرصے سے تمہارا انتظار کئے جا رہے ہیں۔ انالیز تمہاری چاہت میں بستر سے لگ گئی!"

"چھوٹے آقا بھی بیمار تھے نیائے۔ میں بمشکل سنبھال کر یہاں لا سکا ہوں"۔

"چلو کوئی بات نہیں۔ اب دونوں اکٹھے ہوں گے تو سب ٹھیک ہو جائے گا، سب بیماری غائب ہو جائے گی"۔ یہ الفاظ خاصے پریشان کن تھے مگر اس کے باوجود، ان کے سحر انگیز اثرات فوراً محسوس ہوئے۔ دماغ میں موجود پالیکا (وسوسوں اور اندیشوں) کا درخت غائب ہونے لگا۔ نیائے نے میرا شانہ پکڑ کر ہنستے ہوئے میرے کانوں میں سرگوشی کی: ہاں، تمہیں کچھ بخار ہے۔ لیکن کوئی بات نہیں۔ چلو بیٹا اوپر چلے چلتے ہیں، وہاں تمہاری چھوٹی بہن بہت دیر سے انتظار کر رہی ہے۔ تم نے اپنی خبر تک نہیں دی"۔

ان کی نرم اور شیریں آواز سیدھی میرے دل سے جا ٹکرائی۔ جیسے میری اپنی ماں، پیاری ماں مجھ سے کچھ کہہ رہی ہے اور میں صرف ایک چھوٹا سا بچہ ہوں، ان کی ممتا بھری گود میں۔ تاہم میری آنکھیں اب بھی ادھر ادھر کا محتاط جائزہ لے رہی تھیں۔ کسی بھی لمحے تاریکی سے رابرٹ نمودار ہوگا اور اپنے طاقت ور ہاتھوں سے میرا ابھر کس نکال دے گا۔

"رابرٹ کہاں ہے ماں؟ "سیڑھیاں چڑھتے ہوئے میں نے پوچھا۔

"سی۔ سی۔ اس کے بارے میں بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ بالکل اپنے باپ پر گیا ہے"۔

میں اس خاتون کے ہاتھوں میں اتنا نرم اور ملائم کیوں ہو جاتا ہوں؟ مٹی کے کسی گیلے ٹکڑے کی طرح، جسے وہ اپنی مرضی سے جو شکل چاہے دے ڈالیں؟ میرے اندر مزاحمت کیوں

نہیں ہے؟ مزاحمت کی خواہش بھی نہیں ہے؟ شاید وہ مجھے اچھی طرح سمجھ گئی ہیں اور مجھے چلاتی ہی، میری مرضی کی جانب ہیں؟

اوپری منزل بہت شاندار طریقے سے سجی ہوئی تھی۔ برآمدے کی ساری دیواریں قالین سے ڈھکی تھیں۔ میں نے خود کو بالکل کسی بلی کی طرح محسوس کیا۔ جو بغیر سرسراہٹ کے، جہاں چاہے چلتی پھرتی رہتی ہے۔ کھلی کھڑکیوں سے دور دور تک نظارہ، بڑے آرام سے کیا جا سکتا تھا۔ چاول کے وسیع و عریض کھیت، میدان، جنگلات تاحد نظر، ایک دوسرے سے جڑے دکھائی دے رہے تھے۔ چندلوگ فصل کی کٹائی کے آخری مراحل میں مصروف تھے۔ دھان کی کچھ فصل ابھی کاٹی نہیں گئی تھی، اسے خزاں کے اخیر تک تیار ہونا تھا۔ اس سال اخبارات نے زبردست فصل ہونے کی رپورٹ دی تھی چنانچہ ادنیٰ قسم کا چاول، سیام سے برآمد کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ حالانکہ اس دفعہ بھی مشرقی اور مرکزی جاوا کی زرخیز ترین زمین پر، مخصوص مفادات کے تحفظ کے لئے صرف گنا ہی اگایا گیا تھا۔ بقول کسی مبصر کے، یہ تاریخ کی نوعمر ترین ملکہ ول ہیلمنا پر خدا کی خاص عنایات کی علامت تھی۔

ہم بیڈ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ نیائے نے انالیز کا کمبل تھوڑا سا ہٹایا۔ اس کا سینہ کھل گیا۔ نیائے نے انالیز کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا۔ "انالیز ڈارلنگ"۔

بڑی مشکل سے اس نے اپنی آنکھیں وا کیں، لیکن نہ وہ مڑی اور نہ ہی اس نے مجھے دیکھا۔ اس کی کھلی آنکھیں چھت کی جانب تک رہی تھیں، پھر اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

"منکی بیٹا، تم میری پیاری بیٹی کا یہیں دھیان رکھو"۔ نیائے نے سرگوشی کی۔ "اگر تم بھی بیمار ہو تو اب ٹھیک ہو جاؤ اور ساتھ ساتھ اسے بھی تندرستی کی جانب لوٹاؤ"۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ دعا مانگ رہی ہیں۔ انہوں نے انتہائی التجا بھری نظروں سے میری جانب دیکھا۔ "یہ اب تم پر منحصر ہے بیٹا، جب تک میری بیٹی ٹھیک نہ ہو۔۔۔۔۔۔ تم پڑھے لکھے ہو، میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا؟" انہوں نے نظریں جھکا لیں جیسے مجھے دیکھنے سے سٹپٹا رہی ہوں۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے میرا بازو پکڑ لیا۔ اچانک وہ مڑیں اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔

میں نے کمبل کے اندر انالیز کا ہاتھ پکڑا۔ برف کی طرح ٹھنڈا۔ میں نے اپنا منہ اس کے کانوں کے قریب کیا اور آہستگی سے اسے آوازیں دینے لگا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی مگر آنکھیں بدستور بند رہیں۔ اسے بخار زیادہ نہیں تھا اور مجھے یوں لگا جیسے وسوسوں کا درخت، میرے

سر کے اندر سے، کسی نے اس کی جڑوں اور شاخوں سمیت اکھاڑ کر باہر پھینک دیا ہے، کسی نامعلوم جگہ پر۔

وہ اس وقت میرے کتنی قریب تھی۔ میرے دل کی دھڑکن اور بدن میں خون کی گردش تیز ہونے لگی اور میرے منہ سے یہ لفظ نکلنے لگے: ''اٹھو بھی، کیا تم منکی کے آنے کا انتظار نہیں کر رہی تھیں؟''

پتہ نہیں یہ صرف میرا تصور تھا یا واقعی ایسا ہوا لیکن میں نے اس کا ہلکا سا اثباتی اشارہ ضرور محسوس کیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور منہ بھی۔ ''تمہیں بہت یاد آ رہا تھا این؟ یقیناً تم نے یاد کیا ہوگا۔ میں بھی سچ مچ تمہیں بہت یاد کرتا رہا۔ کاش تم جان سکو، تم سے ہمیشہ قریب رہنے کی کتنی زبردست خواہش ہے مجھ میں۔ این۔ تم میری زندگی کا حسن ہو، دلکشی ہو۔ تم مل گئیں تو گویا پورا جہان مل گیا۔ تمھی تو میری خوشی ہو۔ آنکھیں کھولو این۔ یہ میں ہوں تمہارے سامنے، تمہارے پاس''۔ میں نے انالیز کی سسکی سنی، حالانکہ اس کی آنکھیں مسلسل بند تھیں اور ہونٹ، ہاں ہونٹ بھی۔

'' کیا یہ لڑکی میری آواز نہیں پہچان پا رہی''۔ میں نے اس کے چہرے کو، رخساروں کو، بالوں کو چھوا۔ اس نے اپنا سر ترچھا کیا اور اس کے منہ سے ایکبار پھر بے چین سی آہ نکلی۔ کہیں یہ لڑکی موت کے منہ میں تو نہیں جا رہی؟ اتنی حسین و جمیل لڑکی؟ میں اس سے لپٹ گیا اور اسے پیار کرنے لگا۔ اس کے سینے میں دل کی دھڑکن بہت آہستہ تھی۔ اس کی انگلیاں معمولی سی ہلیں۔

''این، انالیز''۔ بالآخر میں اس کے کانوں میں چیخ پڑا۔ ''جاگ بھی جاؤ این''۔ میں نے اس کے شانے ہلائے۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی نگاہ نہ جانے کہاں ٹکی ہوئی تھی۔ میرے چہرے تک پہنچ نہیں پا رہی تھی۔

'' کیا تم مجھے بالکل بھول گئی ہو این؟ مجھے؟ اپنے منکی کو؟''

مسکراہٹ اس کے لبوں پر آئی۔ لیکن آنکھیں اب بھی نہ جانے کہاں تک رہی تھیں۔

''این، این، ایسے نہ کرو۔ تم میرے یہاں آنے سے خوش نہیں ہوئیں؟ میں آ گیا ہوں۔ کیا تمہیں چھوڑ کر واپس چلا جاؤں؟ این، این، میری انالیز!''

میری آغوش میں اسے مرنا ہرگز نہیں چاہیے۔ میں اس کے بیڈ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اپنے ماتھے سے پسینہ پونچھا۔ ''شاباش، کوشش کرتے رہو''۔ نیائے نے دروازے سے میری

ہمت بندھائی۔ "اس سے بات کرنے کی کوشش کرتے رہو، اسے بلاؤ، ڈاکٹر مارٹی نیٹ نے یہی مشورہ دیا تھا"۔

میں نے مڑ کر دیکھا۔ نیائے نے باہر سے دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔ ان کی باتوں نے مجھے حوصلہ دیا۔ ظاہر ہے انالیز موت سے نبرد آزما نہیں تھی، اسے صرف ہوش نہیں آ رہا تھا۔ میں بیڈ کے ایک کونے پر بیٹھ گیا۔ کھلی آنکھوں کے باوجود وہ کچھ نہیں دیکھ رہی تھی۔

"ایسے کب تک چلے گا این؟ "میں نے گویا خود کو بھی یقین دلاتے ہوئے کہا۔ میں نے اس پر سے کمبل کھینچا اور اسے دونوں ہاتھوں سے اٹھایا۔ میں نے زبردستی اسے بٹھانا چاہا مگر اپنی کمزوری کی وجہ سے، میرے ہاتھ چھوڑتے ہی وہ دوبارہ تکیے پر گر گئی۔ میں نے دوبارہ کوشش کی مگر ناکام رہا۔

مجھے کیا کرنا چاہیے؟ ایک بار پھر میں نے اس کے ہونٹوں پر پیار کیا۔ اس کے ہاتھوں میں بھی تھوڑی سی حرکت نظر آئی، میں نے اس کی گردن کو اپنے بائیں ہاتھ کا سہارا دیا اور اسے بات کرنے پر اکسانے لگا۔

"اگر تم اسی طرح بیمار رہیں تو مما کی مدد کون کرے گا؟ اور تو کوئی ایسا ہے نہیں۔۔۔۔۔۔ چنانچہ تمھیں بالکل بیمار نہیں رہنا چاہیے۔ جلد از جلد ٹھیک ہو جاؤ تاکہ تم کام سنبھال سکو، میرے ساتھ چل پھر سکو۔ ہم پورے سرابیا کے گرد گھڑ سواری کریں گے این"۔

اس کی آنکھیں کہیں دور شاید خلا میں گھور رہی تھیں۔ میں نے اس کی آنکھوں کی گہرائی میں اپنا عکس محسوس کیا۔ لیکن وہ اس وقت مجھے نہیں دیکھ رہی تھی۔ ایک لمحے کو میں نے سوچا کہ اس کی آنکھوں میں دراصل میرا چہرہ ہی منعکس ہو رہا تھا۔

نیائے اونتوسار وہ گرم دودھ کے دو گلاس لئے واپس آئیں۔ ایک گلاس انہوں نے میز پر رکھ دیا اور دوسرا میرے ہاتھ میں تھما دیا تاکہ میں اسے فی الفور پی جاؤں: "منکی بیٹا، اسے پی جاؤ"۔ میں نے فوراً گلاس خالی کر دیا۔

"تمہیں بھی تندرست و توانا ہونا چاہیے۔ کمزور اور بیمار آدمی کسی کام کا نہیں ہوتا"۔ پھر انالیز کی طرف مڑیں۔

"جاگ بھی جاؤ این۔ منکی تمہارے ہی پاس بیٹھا ہے۔ اب اور بھلا کس کا انتظار ہے تمہیں؟"

انالیز کی جانب سے کسی بھی ردعمل کا انتظار کئے بغیر وہ پھر لوٹ گئیں۔

نیائے کی واپسی تک صورت حال جوں کی توں تھی۔ ڈاکٹر مارٹی نیٹ ان کے ساتھ تھے۔
ان کا خیر مقدم کرنے کے لئے میں نے انالیز کا سر واپس تکیے پر رکھ دیا۔

"ڈاکٹر یہ منکی ہے، آج انالیز کی دیکھ بھال یہی کر رہا ہے"۔ ہم نے ہاتھ ملایا۔ ایک لمحے کو نیائے نے ہم دونوں کی جانب دیکھا اور پھر گویا ہوئیں۔ "معاف کیجئے گا، مجھے ذرا نیچے جانا ہے"۔

"تو تم ہو مسٹر منکی۔ ایچ بی ایس کے طالب علم؟ بہت شاندار۔ کتنا خوش نصیب نوجوان ہے وہ جسے ایک پری جمال دوشیزہ کی اتنی گہری محبت حاصل ہو"۔ انہوں نے پوپلے منہ سے ڈچ میں کہا۔

"مجھے آئے کوئی گھنٹہ ہوا ہے ڈاکٹر۔ میں آیا ہوں تو انالیز اسی طرح پڑی تھی۔ میں پریشان ہوں ڈاکٹر۔۔۔۔۔۔۔۔"

چالیس سالہ ڈاکٹر کے منہ سے قہقہہ نکل گیا۔ اپنا سر ہلاتے ہوئے انہوں نے میرا شانہ تھپتھپایا۔

"تمہیں بہت پسند ہے یہ لڑکی؟ لگی لپٹی رکھے بغیر جواب دو"۔

"جی ہاں۔ ڈاکٹر، مجھے یہ بہت پسند ہے"۔

"اس کے ساتھ کوئی گڑبڑ کرنے کا ارادہ تو نہیں"۔ انہوں نے اپنی گھورتی آنکھیں مجھ پر جما دیں۔

"میں بھلا کیوں کروں گا ایسا؟"

"کیوں؟ اس لئے کہ ایچ بی ایس کے طالب علم کو عموماً لڑکیاں پسند کرتی ہیں۔ جب سے یہ سکول قائم ہوئے ہیں ہم یہی دیکھ رہے ہیں۔ بٹاویا اور سمارنگ، ہر جگہ یہی دیکھا۔ میں دوبارہ پوچھتا ہوں کہ تم لڑکی کے ساتھ کوئی گھپلا تو نہیں کرو گے"۔ میرے چپ رہنے پر وہ دوبارہ گویا ہوئے۔ "اس لڑکی کو صرف ایک چیز کی ضرورت ہے اور وہ ہو تم! مسٹر منکی، اس کے پاس سب کچھ ہے سوائے تمہارے"۔

میں نے سر جھکا لیا۔ انالیز سے تعلق کے بارے میں میرا ذہن بالکل واضح تھا۔ اس سے گڑبڑ کرنے کا قطعی کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لیکن میں کسی لڑکی کے بارے میں سنجیدہ بھی تو نہیں ہوا تھا۔ اب انالیز، اپنے لئے مجھ پر مکمل اختیار چاہتی تھی۔ درست، میری اپنی حرکات وسکنات ہی مجھے

پرکھنے کا بہتر ذریعہ تھیں اور یہ آواز میری روح کی گہرائی سے اٹھی تھی حالانکہ میں ابھی بہت سی چیزوں کے بارے میں غیر واضح تھا۔

"تم اس کا دوبارہ ہوش وحواس میں آنا پسند کرو گے؟"

"اس میں کیا شک ہے ڈاکٹر۔ میں یقیناً یہی چاہتا ہوں۔ اور میں اس کے لئے آپ کا ممنون بھی ہوں گا"۔

"وہ ہوش میں آ جائے گی۔ میں دراصل اسے مسکن ادویات دیتا رہا ہوں تا کہ تم جلد از جلد واپس آ جاؤ۔ سو یہ غلطی تمہاری ہے کہ اسے اتنا عرصہ نشہ آور ادویات دینا پڑیں۔ تمہاری غیر موجودگی میں، اگر اسے ہوش آ جاتا تو ممکن ہے اسے حقیقی نقصان پہنچ جاتا۔ تمہارے بغیر یہ نشہ والی دوائیں استعمال ہوتی رہتیں تو بھی اس کے دل کو نقصان پہنچتا۔ بات پھر تم پر ہی آتی ہے۔۔۔۔۔۔ اس ساری تکلیف کی وجہ تم ہو، صرف تم۔

"مجھے معاف کر دیجئے"۔

"تمہیں چنا ہے اس نے ہر خطرے کے مقابلے کے لئے"۔ میں نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ چنانچہ انہوں نے بات جاری رکھی۔ "وہ جلد ہی دوبارہ ہوش میں آ جائے گی، شاید اگلے پندرہ بیس منٹ میں۔ جیسے ہی اس کے جاگنے کے آثار نظر آئیں، اس سے باتیں شروع کر دینا۔ ہلکی پھلکی، خوش کرنے والی باتیں۔ کوئی سخت یا ناگوار بات ہرگز نہ کرنا ہر چیز تمہیں پر منحصر ہے۔ اسے نا امید نہ ہونے دینا۔ اس کے اعتماد کو کمزور نہ کرنا اور نہ ہی خوف زدہ ہونے دینا"۔

"بالکل ٹھیک، ڈاکٹر"۔

"تم نے سالانہ امتحان پاس کر لیا ہے؟"

"جی ہاں، ڈاکٹر"۔

"مبارک ہو۔ دوا کے اثر کے ختم ہونے تک انتظار کرو۔ تمہارا خاندانی نام کیا ہے؟ اگر مناسب سمجھو تو بتا دو؟"

"کوئی خاندانی نام نہیں ہے میرا"۔

انہوں نے ہنکارا ابھرا، میرے چہرے کا جائزہ لیا اور پھر کھڑکی کی طرف چلے گئے اور گھر کے اردگرد پھیلے، کھیتوں اور باغوں پر نظر دوڑانے لگے۔ "یہاں آ جاؤ"۔ انہوں نے مڑے بغیر مجھے دعوت دی۔ اور میں کھڑکی کے پاس ان کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔ "تم اپنا خاندانی نام کیوں

چھپاتے ہو؟"

"میرا خاندانی نام ہے ہی نہیں"۔

"تمہارا مسیحی نام کیا ہے؟"

"میرا کوئی مسیحی نام بھی نہیں ہے، ڈاکٹر"۔

"یہ کیسے ممکن ہے کہ تم ایچ بی ایس کے طالب علم ہو اور نہ تمہارا خاندانی نام ہو، نہ ہی مسیحی۔ تم مجھے یہ بتانا نہیں چاہتے کہ تم مقامی ہو؟"

"جی ہاں، میں مقامی ہوں ڈاکٹر"۔

انہوں نے مجھ پر نظر ڈالی۔ ان کی آواز گویا کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔

"ایچ بی ایس جانے والے کوئی طالب علم، چاہے مقامی ہی کیوں نہ ہو، یہ طریقہ اختیار نہیں کرے گا۔ تم کچھ چھپا رہے ہو؟"

"نہیں"۔

وہ لمحے بھر کو چپ کھڑے رہے"۔ اجازت ہو تو ایک سوال اور۔ تم سمجھتے ہو کہ تم انالیز سے اچھی طرح اور مخلص رہ سکتے ہو؟"

"بلاشبہ"۔

"ہمیشہ کے لئے"۔

"کیوں، ڈاکٹر؟"

خدا رحم کرے اس لڑکی پر، یہ شکست و ریخت اور سختی برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ کسی پیار کرنے والے کے خواب دیکھتی ہے۔ حقیقی محبوب کے جو اسے سچا پیار دے۔ وہ اکیلا پن محسوس کرتی ہے، ساری دنیا سے الگ تھلگ رہتی ہے۔ مستقبل کی ساری امیدیں وہ تمہیں میں دیکھتی ہے مسٹر منکی!"

وہ یقیناً بات کو ضرورت سے زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کر رہا تھا۔ چنانچہ میں نے جواب دیا۔

"اس کے پاس اس کی مشفق رہنما ماں ہے جو اس کی تربیت کر رہی ہے، اسے تعلیم دے رہی ہے، جو اس سے واقعی محبت کرتی ہے"۔

"یہ اس کی مرضی ہے۔ وہ اپنی ماں کی محبت کے دائمی ہونے پر شاید یقین نہیں رکھتی۔ اس

کے ذہن میں وہ لمحہ بھی موجود ہے جب اس کی والدہ اس سے قطع تعلق کرے گی"۔

"مما بہت عقل مند خاتون ہیں، ڈاکٹر۔"]["اس حقیقت سے انکار نہیں۔لیکن انالیز کے دل کا کیا کیا جائے، وہ نہیں مانتی۔انالیز کے خیال میں اس کی والدہ اس سے زیادہ بزنس کی طرف توجہ دیتی ہے۔ یہ بات ہم دونوں کے درمیان ہی رہنی چاہیے۔اس گفتگو کا کسی اور کو پتہ نہیں چلنا چاہیے۔سمجھے !"وہ کچھ دیر چپ رہے پھر اچانک بول پڑے، سمجھ گئے نا؟"

"میرا خیال ہے"۔

"کسی بھی طرح کے سخت، نازیبا اور نا امیدی والے الفاظ نہیں ہونے چاہئیں۔وہ تم سے پیار کرتی ہے۔میں تمہیں اس لئے اس طرح بتا رہا ہوں کیونکہ مقامی لوگ اپنی عورتوں سے شریفانہ اور نرم برتاؤ کرنے کے عادی نہیں ہوتے۔عورتوں سے ان کا رویہ درشت غیر دوستانہ اور غیر مخلصانہ ہوتا ہے۔کم از کم میں نے جہاں تک پڑھا اور سنا ہے۔تم نے یورپی تہذیب سیکھی ہے اور عورتوں کے متعلق تمہیں یورپی اور مقامی لوگوں کے مابین متضاد رویوں کے بارے میں بھی اچھی طرح علم ہے۔اگر تم بھی اور مقامی لوگوں کی طرح نکلے تو یہ بچی زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہ پائے گی۔ میں صاف صاف کہہ رہا ہوں، وہ جیتے جی مر جائے گی۔اگر ایسا ہوا، میرا مطلب ہے کہ اگر تم نے اس سے شادی کر لی تو کیا کچھ عرصے بعد کسی دوسری عورت سے بھی تعلقات پیدا کر لو گے؟"

"اس سے شادی کرلوں؟"

"ہاں، کم از کم اس لڑکی کا یہی خواب ہے۔تم اس سے شادی کرلو گے۔ ہے نا؟ تم سکول کی تعلیم کے آخری سال میں ہو، یہی بات ہے نا؟"

"فی الحال تو میں نے یہ نہیں سوچا، ڈاکٹر"۔

"اگر ضروری ہوا تو اس لڑکی کی جان بچانے کے لئے تمہاری طرف سے میں پیغام دوں گا"۔

میں کچھ نہیں کہہ سکا۔

"سو تم اس سے شادی کرو گے اور اس پر کوئی سوکن نہیں لاؤ گے"۔ مجھ سے وعدہ لینے کے انداز میں انہوں نے اپنا ہاتھ میری جانب بڑھایا۔ میں نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ میں نے واقعتاً ایک سے زیادہ بیویوں کا کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ مجھے اپنی دادی ماں کے الفاظ اچھی طرح یاد تھے: ایک سے زیادہ شادیاں کرنے والا ہر شخص جھوٹا ہوتا ہے۔اپنی مرضی نہ ہونے کے باوجود وہ جھوٹا ہی رہتا

ہے۔

"اس لڑکی کا دل بہت نازک ہے، وہ کوئی صدمہ برداشت ہی نہیں کرسکتی۔ اسے تو ہنسنے ہنسانے، خوشی، پیار، ناز برداری اور تحفظ کی ضرورت ہے۔ لگتا ہے اس کا اپنا آپ اس سے چھن گیا ہے"۔

"اس سے چھن گیا ہے؟"

"ہاں، اس کے کسی قریبی دوست کے ہاتھوں"۔

"وہ کون ہے ڈاکٹر؟"

"پتہ نہیں۔ تمہیں خود ہی معلوم کرنا ہوگا۔ اس کے اردگرد کے ماحول نے اس نازک اور کم عمر لڑکی کے دل کو بری طرح زخمی کردیا ہے۔ ایسے مسائل میں پھنسا دیا ہے کہ الفاظ بتا نہیں سکتے۔ درحقیقت وہ کسی یتیم کی طرح زندگی گزار رہی ہے۔ محتاجگی محسوس کرتی ہے۔ اپنی ہی دنیا میں، سے کوئی مضبوط سہارا نظر نہیں آتا۔ اسے کسی سہارے کی ضرورت ہے۔ دولت کے ناز ونعم میں پرورش پانے کے باوجود، وہ اس کی طاقت سے ناواقف ہے۔ اس کے نزدیک دولت کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس بچی کی صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے، میں یہی کچھ سمجھ سکا ہوں۔ تم میری بات سن رہے ہو نا؟"

ڈاکٹر مارٹی نیٹ نے اپنی اوپری جیب سے مونوکل نکالی اور دائیں آنکھ پر لگالی۔ پہلے انہوں نے اپنی گھڑی پر وقت دیکھا، پھر مجھے تکنے لگے۔ "میری باتیں سننے کا بہت شکریہ۔ دیکھو یہاں سے کتنا پرسکون اور پرسکوت منظر محسوس ہوتا ہے۔ خوش قسمتی سے یہ بچی اس پرتعیش اور پرسکون ماحول میں رہتی ہے۔ اگر یہ سب کچھ نہ ہوتا تو پتہ نہیں کیا کچھ ہو چکا ہوتا"۔

وسوسوں کے پالکیا بیج کے بجائے میرے سر میں ایک اور طرح کا بیج پھوٹنے لگا: ڈاکٹر کے الفاظ کے حقیقی مفہوم کے بارے میں شبہات۔

"معاف کیجئے گا، میں کوئی ماہر نفسیات تو ہوں نہیں۔ میری اس کی والدہ سے اچھی خاصی باتیں ہوئی ہیں۔ وہ تو حیرت انگیز خاتون ہیں۔ ان کے ایک ایک لفظ سے شگفتگی، تہذیب اور معنویت ٹپکتی ہے، ہاں حالات نے انہیں سخت دل ضرور بنا دیا ہے۔ ایک عورت ہوتے ہوئے، اتنی تعلیم وتربیت حاصل کرلینا، انتہائی غیر معمولی بات ہے۔ یورپ میں بھی یہ حیرت انگیز بات ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے خود کو شعوری طور پر اس طرح نہیں ڈھالا۔ یقیناً وہ ایسے تجربات

ومشاہدات سے گزری ہیں، جو ان میں موجودہ تبدیلیوں کا باعث بنے۔ مجھے ان تجربات کا قطعی علم نہیں۔ وہ خاصے سخت دل اور چبھتے خیالات کی مالک ہیں، لیکن اس کے باوجود، یہ کامیابی انہی کی شبانہ روز محنت کا نتیجہ ہے، جس کے ذریعے وہ ایک مضبوط اور جرئات مند شخصیت بن کر ابھری ہیں۔ لیکن ایک خاص معاملے میں انہیں زبردست ناکامی ہوئی ہے اور یہ بات قابل فہم ہے: ہر خود آگاہ شخص کو کوئی نہ کوئی غیر معمولی ناکامی ضرور ہوتی ہے"۔

ڈاکٹر مارٹی نیٹ نے بات آگے نہیں بڑھائی۔ شاید ان کا خیال ہو کہ میں ان کے الفاظ کا مفہوم خود ہی سمجھ لوں گا۔

"وہ ہوش میں آ رہی ہے۔ تمہاری انالیز"۔ انہوں نے اچانک کہا۔ اس کی جانب دیکھتے ہوئے وہ پلٹے اور اپنی مریضہ کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے اس کی نبض دیکھی اور پھر مجھے آنے کا اشارہ کیا۔

"جی ہاں، مسٹر منکی، جلد ہی تمہاری ممدوحہ انالیز ہوش میں آنے والی ہے۔ تم آ گئے ہو تو خدا کرے وہ بھی پوری طرح صحت یاب ہو جائے۔ اس لمحے کے بعد سے، یہ میری نہیں بلکہ تمہاری مریضہ ہے۔ میں نے تمہیں اعتماد میں لے کر سب کچھ بتا دیا ہے، شام بخیر"۔

انہوں نے کمرے سے باہر نکل کر، دروازہ بند کیا اور نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

اب مجھے ذرا اپنے حالات پر غور کرنے کا موقع ملا۔ جی ہاں ! پچھلے چند دنوں کے پے در پے تجربات نے مجھے بری طرح ہلا کر رکھ دیا تھا اور اب ایک اور معاملہ سامنے تھا: انالیز کا!

منکی ! بڑے فنکار چاہے وہ مصور ہوں یا رہنما، فوجی جرنیل ہوں یا کچھ اور۔۔۔۔۔ ایک دفعہ جین میریز نے کہا تھا۔۔۔۔۔ بڑے بنتے ہی اپنے متنوع، گہرے اور عمیق تجربات و مشاہدات کی وجہ سے ہیں، چاہے ان کی نوعیت جذباتی ہو، روحانی ہو یا مادی۔ جین نے یہ بات مجھے اس وقت کہی تھی جب میں اسے ڈچ شعرا واانڈل اور ملتاتولی کی آپ بیتیاں مکمل طور پر سنا چکا تھا۔ اتنے گہرے تجربے کے بغیر کسی آدمی کی عظمت محض تصوراتی ہو گی، دولت مندوں کے ہنگاموں اور شور شرابے کی پیدا کردہ ہو گی۔

جین میریز کو میری تحریروں کے اخبارات میں چھپنے کا ابھی تک علم نہیں تھا۔ اگر اس کے لفظوں میں ذرا بھی سچائی ہے تو شاید میں بھی ایک دن بہت بڑا رائٹر بن جاؤں۔ نیائے کی خواہش کے مطابق ہیوگو جیسا بڑا رائٹر۔ اور عین ممکن ہے رابرٹ مے لیما کے تصور میں، میری اہمیت ایک

گلے سڑے کچرے سے زیادہ نہ ہو(اگر ڈارسم کی رپورٹ صحیح تھی تو)

میں نے انالیز کے ہونٹوں سے ہلکی سی آہ نکلتی سنی، پھر اس کی انگلی ہلی۔ یہ ٹھیک ہو جائے گی۔ کم از کم میری آنکھوں کے سامنے، اس کی موت واقع نہیں ہوگی۔ میں تھوڑی دور ہٹ کر کرسی پر جا بیٹھا۔ وہ میری نظروں کے سامنے تھی۔ بیماری کی حالت میں بھی وہ بے پناہ خوبصورت لگ رہی تھی، جلد، ناک بھنویں، ہونٹ، دانت، کان، بال۔۔۔۔۔۔غرض ہر چیز اپنی جگہ حسن کا مرقع تھی۔ انالیز کی نفسیاتی کیفیت کے بارے میں ڈاکٹر مارٹی نیٹ کی ساری باتیں مجھے مشتبہ لگنے لگیں۔ اتنے خوبصورت جسم میں اتنی نفسیاتی ابتری اور شکست و ریخت کیسے ممکن ہے؟ اور میں۔۔۔۔۔۔ایک غیر شخص، محض جان پہچان والا شخص۔۔۔۔۔۔صرف اس کے حسن، دونسلوں کے ملاپ سے پیدا شدہ خیرہ کن حسن کی وجہ سے اس کی ذمہ دری اپنے سر لے لوں؟ کہاں کہاں میری زندگی الجھنوں میں پھنستی جا رہی ہے؟ اپنے ہی بوالہوس اور شہوت انگیز اعمال کے نتیجے میں۔

''مما!''انالیز کے منہ سے بڑبڑاہٹ برآمد ہوئی۔ اس کی ٹانگوں میں بھی حرکت پیدا ہوئی۔

''این!''

اس نے آنکھیں کھولیں۔ اس کی نظریں اب بھی اسی طرح خلا میں تک رہی تھیں۔ ڈاکٹر مارٹی نیٹ کے کہنے کے مطابق، اب وہ میری مریضہ تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنا قہقہہ روکا۔ لو بھئی میں وہ ڈاکٹر ہوں جسے اس پری جمال کا علاج کرنا ہے۔ میں نے میز سے دودھ کا گلاس اٹھایا۔ اس کی گردن کو اپنے ہاتھ کا سہارا دیا اور تھوڑا سا دودھ اس کے منہ میں انڈیل دیا۔ وہ آہستگی سے دودھ پینے لگی۔ اس کے ہونٹ ہل رہے تھے، جی ہاں، وہ ہوش میں آ رہی تھی۔ میں اسے دودھ پلاتا رہا۔

''این! میری انالیز! اسے پی جاؤ''۔ میں نے کہا اور وہ گھونٹ گھونٹ پیتی چلی گئی۔

نیائے دو افراد کا لنچ لئے اندر داخل ہوئیں۔

''آپ یہ سب کچھ خود کیوں کر رہی ہیں ماں؟''

''یہ بات نہیں۔ دراصل یہاں کسی اور کو آنے کی اجازت ہی نہیں۔ ڈاکٹر نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ یہ اب بیدار ہونے جا رہی ہے''۔

''جی ہاں، ماں''۔

"ہاں منکی، ڈاکٹر نے کہا تھا کہ صرف تم ہی اس کا دھیان رکھ سکتے ہو۔ سب کچھ تم پر ہی منحصر ہے"۔ نیائے جملہ کہتے کہتے باہر نکل گئیں۔ انالیز نے دوبارہ آنکھیں کھولیں اور میری جانب دیکھنے لگی۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے این؟"

جواب دینے کے بجائے اس کی آنکھیں مجھ پر لگی رہیں۔ میں نے اس کا سر دوبارہ تکیے پر ٹکا دیا۔ اس کی حسین ستواں ناک خوبصورت گھنے براؤن بال، نیچے سے ہلکے زرد، چمکدار بھنویں، لمبی اور گھنی پلکیں جس کے نیچے اس کی آنکھیں ستاروں کی طرح چمکتی اور جھلملاتی ہوئی گلابی رخسار۔۔۔۔۔سب کچھ میری نظروں کے سامنے تھا۔ انسانوں کی اس دنیا میں حسن کا ایسا نسلی امتزاج، اتنے خوبصورت اور متناسب شکل میں اور بھلا کہاں مل پائے گا؟ خدا نے اپنی تخلیق کا سارا حسن ایکبار ہی، اس کی تشکیل میں سمو دیا ہے۔ ہاں، یہی وجود جو میری نظر کے سامنے ہے۔ میں تمہیں کبھی کھونا نہیں چاہوں گا این۔ تمہارے اندر جو بھی کشمکش جاری ہے، میں اس کے خاتمے کے لئے ہر صورت اور ہر شخص کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہوں۔

"این، آج موسم کتنا خوبصورت ہے؟ گرمی تو ذرا زیادہ ہے مگر حبس بالکل نہیں"۔ میں نے کہا۔ وہ اب بھی صرف مجھ پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔ اس کی نگاہیں میری ناک کے اوپر مرتکز لگ رہی تھیں۔ اس کی زبان سے ابھی کوئی لفظ ادا نہیں ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بہت آہستہ حرکت کر رہی تھیں۔ لیکن اس عالم میں بھی اس کے حسن کی گہرائی لاجواب نظر آ رہی تھی۔ انسانی صناعی اور کمال کی ہر حد سے پرے۔ زبانوں میں موجود تعریف کے تمام الفاظ اکٹھے کر لئے جائیں تب بھی اس کی خوبصورتی کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔ وہ اللہ کا لاثانی اور یکتا تحفہ تھی جو صرف میرے لئے بنائی گئی تھی۔

اٹھو بھی، اب جاگ جاؤ، سراپا کے گلاب ! شاید تمہیں پتہ نہیں کہ سکندر اعظم، نپولین اور ان جیسے عظیم لوگ گھٹنوں کے بل جھک کر تمہاری محبت کی بھیک مانگیں گے۔ تمہارے ایک لمس کے لئے اپنی قوم اور اپنا وطن تم پر نثار کر دیں گے۔ جاگو نا میرے خوبصورت پھول، تمہارے بغیر یہ ساری دنیا بے کار اور فضول محسوس ہوتی ہے"۔ ساتھ ہی ساتھ، انجانے میں یا شاید لاشعوری طور پر میں اس کے ہونٹوں پر پیار بھی کئے جا رہا تھا۔

اس نے ایک طویل سانس لیا، جس کی حرارت میں نے اپنے چہرے پر محسوس کی۔ اس

کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اتر آئی۔ آنکھیں جگمگا اٹھیں مگر بول وہ اب بھی نہیں پا رہی تھی۔ میں اس سے باتیں کرتا رہا بالکل اسی طرح جیسے کبھی سلیمان نے اسرائیل کی ماہ لقا کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے تھے۔ میں اس کی ایک ایک چیز کی دلکشی اور خوبصورتی دیکھتا رہا، اس میں ڈوبتا رہا اور میری زبان نہ جانے کیا کیا شاعری کرتی رہی۔ میں چپ اس وقت ہوا جب میں نے اس کی آواز سنی۔ "ماس!"

"این، میری انالیز !" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "بہتر محسوس کر رہی ہونا، چلو اٹھو، سیر کرنے چلتے ہیں۔ چلو نا، میری دیوی"۔

اس نے حرکت کرنا شروع کی۔ اس کا ہاتھ میری جانب بڑھا اور میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں تمہیں لے چلوں"۔ اور میں نے اسے اٹھا لیا اور لے کر چلا۔ ذرا چلنے کی کوشش کی لیکن مجھ میں اتنی طاقت کہاں تھی۔ یہ کیسی توانائی ہے جو ایک پھول سی لڑکی کو اٹھا کر بھی نہ لے جا سکے !میں نے اسے نیچے کھڑا کر دیا۔ اس کی ٹانگیں آگے کو بڑھیں مگر اس کا پورا جسم لڑکھڑا رہا تھا۔ میں نے اسے سہارا دیا۔ بڑی مشکل سے کرسی، میز اور بستر سے بچ بچا کر، میں اسے کھڑکی تک لے جانے میں کامیاب ہوا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میں یہاں ڈاکٹر مارٹی نیٹ کے ساتھ کھڑا تھا اور انہوں نے مجھے اس کا ڈاکٹر بنا دیا تھا۔ تاحد نظر کھیتوں اور کھلیانوں کا خوبصورت منظر بکھرا ہوا تھا۔ سورج کافی دیر پہلے سے ڈھلنے لگا تھا۔

"این وہاں دیکھو۔ دور جنگل ہماری حد نظر ہے۔ اور پہاڑیاں، آسمان اور یہ زمین، تم دیکھ رہی ہو این؟ کیا واقعتاً یہ سب چیزیں نظر آ رہی ہیں تمہیں؟"

اس نے اشارے سے ہاں میں جواب دیا۔ زوردار آندھی کا ایک جھونکا آیا جیسے تمام مظاہر فطرت اکٹھے ہو کر، اسے اڑا لے جانا چاہتے ہوں، اسے مجھ سے جدا کرنے کے لئے حملہ آور ہو رہے ہوں۔ این پر کپکپاہٹ طاری ہو گئی۔

"سردی لگ رہی ہے این؟"

"نہیں"۔

"بہتر ہو گا کہ دوبارہ لیٹ جاؤ"۔

"میں اسی طرح تمہارے قریب رہنا چاہتی ہوں۔ ماس، اتنے طویل عرصے سے تم نے

پلٹ کر نہیں دیکھا"۔

"میں ہوں نا یہاں این!"

"مجھ سے بچھڑ نہ جانا ماس"۔

"یہاں کھڑے ہوئے تمہیں ٹھنڈ لگ رہی ہوگی"۔

"نہیں، اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ جنگل آج ہمیشہ سے مختلف لگ رہا ہے اور آندھی بھی۔

"یہ پہاڑیاں، یہ پرندے اچھے لگ رہے ہیں"۔

"تمہاری طبعیت بہتر ہوگئی ہے۔ این، تم میں نئی توانائی آ رہی ہے"۔

"میں بیمار رہنا نہیں چاہتی۔ میں بیمار ہوں بھی نہیں۔ میں تو صرف تمہارا انتظار کر رہی تھی"۔ میری اپنی طبعیت بھی بہتر ہونے لگی۔ این تم کیا جاننا چاہتی تھیں۔ کسی چیز نے مجھے پیچھے مڑنے پر مجبور کر دیا۔ ڈاکٹر مارٹی نیٹ اور نیائے ہلکا سا دروازہ کھول کر ہمیں دیکھ رہے تھے۔ وہ کمرے میں نہیں آئے اور دروازہ بند کر کے واپس ہو گئے۔

باب 13

میرے سکول سے رخصت، ڈاکٹری سٹرفکیٹ کی مدت سے بھی کہیں بڑھ گئی تھی تاہم اسکول کے ڈائریکٹر نے نرمی اور شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے معاف کر دیا۔ ہربرٹ ڈی لاکروکس کے جذبات تہنیت نے ان کے رویئے میں یہ تبدیلی پیدا کی تھی۔ اپنے ساتھیوں کے برابر آنے کے لئے کچھ دن مجھے سخت محنت کرنا پڑی۔ کوئی خاص مشکلات پیش نہیں آئیں۔ دادی ماں نے میرے دل میں یہ اعتماد پیدا کر دیا تھا کہ مجھے تعلیمی سرگرمیوں میں ہمیشہ کامیاب رہنا ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ تمہیں اپنی کامیابی کا یقین ہونا چاہیے۔ تب ہی تم کامیاب ہو گے۔ ہر طرح کے علوم کو آسان سمجھو گے تو وہ آسان ہو جائے گا۔ کسی بھی علم سے خوفزدہ نہ ہو کیونکہ یہی خوف وہ جہالت ہے جو تمہیں مکمل جہالت کی طرف لے جائے گا۔

میں نے ان کی نصیحت پلے باندھ لی۔ مجھے ان کی عاقلانہ باتوں پر پورا یقین تھا۔ میں تعلیمی مقابلوں میں کبھی بھی کسی سے پیچھے نہیں رہا، حالانکہ بعض اوقات میں زیادہ محنت نہیں بھی کرتا تھا۔ لیکن ان دنوں میں نے پچھلے چند ہفتوں کی کمی پوری کرنے کے لئے شدید محنت کی۔ ایک بگھی اور کوچوان، ممانے میرے لئے ہی مخصوص کر دیئے تھے۔ دن ہو یا رات۔ جین کی بیٹی مے کو، سم پینگ میں واقع سکول میں، چھوڑتا ہوا میں اس بگھی میں اپنے سکول چلا جاتا۔

سب کچھ بدل گیا تھا۔ سب سے زیادہ تبدیلیاں مجھی میں رونما ہوئی تھیں۔ ایک نئی بگھی پر سوار ہو کر، سرابیا کی ٹریفک میں سے گزرتے ہوئے، میں اپنے آپ کو بہت اہم سمجھنے لگا تھا۔ میرے سکول کے دوستوں اور ساتھیوں میں بھی تبدیلی آ گئی تھی۔ وہ مجھ سے دور دور رہنے لگے تھے۔ مجھ سے کتراتے تھے۔ میں نے اسے اپنی امتیازی تعلیمی کامیابی کا حاصل سمجھا۔ شاید وہ میرا حترام کرنے لگے ہیں۔ ممکن ہے میں اپنی حیثیت کا اندازہ لگانے میں درست نہ ہوں۔ میں اسے محض وقتی اندازہ سمجھ رہا تھا۔ ایک شاندار بگھی میں آنے کی وجہ سے میرے ٹیچرز مجھے انجانے میں

مساوی مرتبہ دینے لگے۔ یہ بھی ایک عارضی یا وقتی اندازہ تھا۔

یوں لگا جیسے میں پرانا منکی نہیں رہا۔ میرا جسم تو وہی تھا مگر اس کی عادتیں اور تصورات بدل گئے تھے۔ میں نے ہنسی مذاق کرنا چھوڑ دیا۔ میرے نزدیک بچگانہ مذاق سے کہیں زیادہ اہم خیالات اور تصورات موجود تھے، جبکہ میرے دوست انہی بچگانہ حرکتوں میں خوش تھے۔ میں مسائل کو اوپری سطح سے دیکھنے کے بجائے، ان کی تہہ میں اتر کر ان کی اصلیت جاننا پسند کرنے لگا تھا۔

اندازہ لگائیں کہ رابرٹ سرہوف بھی مجھے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ اگر ایک دوسرے کے پاس سے گزرنے کا اتفاق بھی ہوتا تو وہ آہستگی سے راستہ بدل لیتا۔ سکول کی لڑکیاں تو مجھ سے ایسے بدکنے لگیں جیسے انہیں مجھ سے طاعون کی بیماری لگ جائے گی۔

سکول ڈائریکٹر نے کئی دفعہ مجھے طلب کر کے، میرے غیر شادی شدہ ہونے کی یقین دہانی چاہی کیونکہ شادی شدہ طالب علم کو اسکول جاری رکھنے کی قطعی اجازت نہیں تھی۔ میرے اندازے کے مطابق، یہ سب حرکات، سرہوف کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھیں۔ صرف وہی معاملے کی اصلیت سے واقف تھا۔ بالآخر میں نے پتہ چلا ہی لیا۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ اس نے میرے دوستوں کو بدگمان کرنے کے لئے، عجیب گمراہ کن افواہیں پھیلائی تھیں۔ (چنانچہ میرا اپنے متعلق اندازہ قطعی غلط نکلا) مجھے اپنے ہی دوستوں کی نظروں میں، اپنے لئے اجنبیت محسوس ہونے لگی۔

غرض سکول میں، پورا ماحول ہی تبدیل ہو کر رہ گیا۔ باہمی دوستیوں کی روشنی اور چمک کے بجائے تنہائیوں کی لہر پر حملہ آور ہونے لگی۔ تبدیلی اگر نہیں آئی تو مس ماجدہ پیٹرز میں نہیں آئی۔ وہ ڈچ زبان وادب پڑھاتی تھیں۔ ابھی ان کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ ان کی کھلی جلد پر، ہر جگہ براؤن چھائیاں سی تھیں۔ ان کی شفاف بھوری آنکھیں ہمیشہ چمکتی نظر آتیں۔ شروع میں ان کی ظاہری صورت مجھے ہنسنے پر مجبور کر دیتی تھی۔ وہ بظاہر حیرت انگیز چہرے والی سفید بندریا کی طرح لگتیں لیکن ان کا پہلا سبق سنتے ہی، ہر شخص کو چپ لگ گئی۔ سفید بندریا کا تصور غائب ہو گیا۔ ان کی چھائیاں نظر آنی بند ہو گئیں اور ان سب باتوں کے بجائے، دلوں میں حقیقی احترام کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ انہوں نے ہالینڈ سے ہماری سرزمین پر وارد ہونے بلکہ ہماری کلاس میں پہلا قدم رکھنے کے بعد جو کچھ کہا وہ یوں تھا: "شام بخیر، ایچ بی ایس سرا بیا کے طالب علمو ! ماجدہ پیٹرز میرا نام ہے، ڈچ زبان اور ادب کی نئی ٹیچر۔ جنہیں ادب ناپسند ہے، وہ ذرا اپنے ہاتھ کھڑے کر لیں"۔

تقریباً سارے ہاتھ ہی کھڑے ہو گئے۔ بعض لڑکے تو ادب سے اپنی نفرت کے اظہار کے لئے خود بھی کھڑے ہو گئے۔

"بہت خوب، آپ کا شکریہ۔ اب ہر فرد واپس بیٹھ جائے۔ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو قدیم ترین معاشرے میں رہتے ہیں، افریقہ کے بیچوں بیچ، جو کبھی سکول نہیں گئے، انہوں نے کبھی کوئی کتاب دیکھی تک نہیں۔ انہیں لکھنا پڑھنا تک نہیں آتا۔ پھر بھی انہیں ادب سے شغف ہے حالانکہ ان کا ادب تحریری نہیں، زبانی ہے۔ کیا کمال کا معرکہ ہے کہ یہاں ایچ بی ایس میں دس سال پڑھنے کے بعد بھی طالب علموں کو ادب سے کوئی تعلق یا واسطہ نہیں۔ واقعی یہ بات انتہائی حیرت انگیز ہے"۔

کوئی نہیں ہنسا۔ ہنسنے کی بات بھی نہیں تھی۔ کلاس میں سکوت طاری تھا۔

"تم اپنی تعلیمی سرگرمیوں میں مسلسل آگے بڑھ سکتے ہو۔ شاید کوئی نہ کوئی ڈگری بھی تمہیں مل جائے لیکن ادب سے شغف کے بغیر تم لوگ صرف ہوشیار جانور ہی بن سکو گے۔ تم میں سے اکثر لڑکوں نے ہالینڈ نہیں دیکھا ہے۔ میں وہیں پیدا ہوئی، پلی بڑھی۔ مجھے پتہ ہے کہ ہر ڈچ ادب پڑھنا پسند کرتا ہے۔ لوگ دنیا کے عظیم مصوروں وان گوگ اور ریم برانٹ کی تصاویر سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ ان مصوروں کا احترام نہ کرنے والے لوگوں کو غیر مہذب سمجھا جاتا ہے۔ مصوری رنگوں کا ادب ہے، ادب زبان میں مصوری ہے۔ جنہیں سمجھ نہیں آئی، وہ ہاتھ کھڑے کریں"۔ غیر مہذب ہونے کے طعنے سے بچنے کے لئے، اس وقت ہر طالب علم نے ادب پر پوری توجہ دینے کا پختہ عزم کر ڈالا۔ طالب علم گویا ان کی مٹھی میں آ چکے تھے۔

بہر حال مس ماجدہ پیٹرز کا رویہ مجھ سے بالکل نہیں بدلا۔ ظاہر ہے رابرٹ سرہوف کی پھیلائی ہوئی افواہیں، ان تک بھی پہنچی ہوں گی۔ ہفتے کی شام کی بحث کا آغاز عموماً مس ماجدہ پیٹرز ہی کیا کرتی تھیں۔ اس مذاکرے میں ان کا جوش و جذبہ دیدنی ہوا کرتا تھا۔ کوئی بھی طالب علم کسی بھی قسم کا موضوع۔۔۔۔۔۔ عمومی، ذاتی، مقامی یا بین الاقوامی خصوصی صورت حال۔۔۔۔۔۔ دوپہر کے موضوع کے طور پر پیش کر سکتا تھا۔ اگر کوئی بھی طالب علم کسی موضوع کے ساتھ آگے نہ آتا تو ٹیچر موضوع طے کر ڈالتیں۔ اس مباحثے میں حاضری لازمی نہیں تھی اگر کسی کو موضوع سے دلچسپی نہ ہوتی تو وہ غیر حاضر بھی رہ سکتا تھا۔ جس دن بھی بحث کا آغاز مس ماجدہ پیٹرز کو کرنا ہوتا، ہر طالب علم کی کوشش ہوتی کہ وہ مذاکرے میں لازماً شرکت کرے۔ چنانچہ مذاکرے کے شرکا کو ہال

میں بٹھانے کا انتظام کیا جاتا تھا۔سب زمین پر بیٹھ جاتے۔صرف شریک مباحثہ کھڑے ہوکر گفتگو کرتا تھا، چاہے طالب علم ہو یا ٹیچر۔

اپنی کیفیات اور رویوں کو مربوط رکھنے کے لئے، اپنے متعلق اور اپنے اردگرد کے بارے میں اپنے نظریات کے غلط یا صحیح اظہار کے لئے، میرے نزدیک یہ مناسب رہے گا کہ سکول کے ان مباحثوں کے متعلق اپنے تجربات کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ بتا تا چلوں:

ایک دفعہ میں نے ڈاکٹر سناؤک ہرگرونی کے نظریہ اشتراک کے متعلق سوال کیا۔ ماجدہ پیٹرز نے دوسرے طلبہ سے دریافت کیا مگر کسی کو بھی کچھ معلوم نہیں تھا۔ پھر انہوں نے اساتذہ کی جانب نگاہ اٹھائی لیکن ان میں بھی کوئی ہل جل نہیں ہوئی۔تب انہوں نے یوں ابتدا کی: یہ نظریہ غالباً نوآبادیاتی سیاسی زندگی کے متعلق متعارف کرایا گیا ہے، اس کا مفہوم تو خود مجھ پر بھی واضح نہیں۔تمہیں نوآبادیاتی سیاست کے متعلق کچھ معلوم ہے؟ کوئی جواب نہیں دے پایا۔"اس نظام یا اختیاراتی ڈھانچے کے ذریعے مقبوضہ علاقوں یا اقوام پر اکثریت ان کی ہوتی ہے جن کا تمام تر مفاد نوآبادیاتی نظام سے وابستہ ہوتا ہے اور وہ اپنی تمام تر ترقی اور خوشحالی کے لئے اسی نظام کے مرہون منت ہوتے ہیں۔ان معاملات میں فی الحال آپ کی دلچسپی ضروری نہیں۔ آپ لوگ ابھی بہت کم عمر ہیں۔اگر ان معاملات کے متعلق لائبریری سے مدد لی جائے تو خاصی دلچسپی کا سامان پیدا ہوسکتا ہے، جیسا کہ ملتاتولی کے سلسلے میں ہوا تھا۔اس کی تخلیقات پر آپ سے کلاس میں بارہا بات ہوچکی ہے۔ہاں منکی، ذرا ڈاکٹر سناؤک ہرگرونی کے نظریہ اشتراک کی وضاحت کرنے کی کوشش کرو"۔

مریم ڈی لاکروکس سے سنی ہوئی ساری باتیں، میں نے اپنے نظریات کے ہمراہ، وضاحت سے کہہ ڈالیں۔"رکو "ماجدہ پیٹرز نے کہا۔"اس طرح کے موضوعات فی الحال ایچ بی ایس میں نہیں چھیڑے جانے چاہئیں۔سکول سے باہر بحث وتمحیص کرنا، آپ کی اپنی مرضی ہے۔ یہ مسائل ملکہ معظمہ کے، ڈچ حکومت کے، گورنر جنرل کے اور ڈچ جزائر کی حکومت کے مسائل ہیں۔اگر ان معاملات میں مزید کسی پیش رفت کی آپ کو خواہش ہے تو اس کے لئے سکول غیر موزوں جگہ ہے۔ چونکہ آپ میں سے کوئی بھی بحث کے لئے موضوع نہیں دے پا رہا، اس لئے میں موضوع کا انتخاب خود کر رہی ہوں۔

انہی دنوں جزائر کی زندگی سے متعلق ایک مضمون میری نظر سے گزرا ہے۔ بہت کم لوگ اس پر لکھ پاتے ہیں۔شاید اسی لئے میری توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔ غالباً اس کا لکھاری کوئی

انڈو یورپین ہے۔ میں غالباً کہہ رہی ہوں۔ ممکن ہے تم میں سے کسی کی نظر سے وہ مضمون گزرا ہو؟ اس کا عنوان تھا: ایک کسان دوشیزہ کی خوبصورت زندگی۔" لکھاری کا نام ہے میکس ٹولی نار"۔

کئی ہاتھ اٹھ گئے۔ میں نے اپنی محسوسات پر قابو پایا۔ میکس ٹولی نار میرا قلمی نام تھا۔ اس مضمون کا عنوان بدل دیا گیا تھا اور ایڈیٹر نے مواد میں کچھ تبدیلیاں بھی کی تھیں۔ ان میں سے کچھ سے میں متفق نہیں تھا۔ مس ماجدہ پیٹرز نے اسے بڑے جوش سے، خاص خاص جگہوں پر ٹھہر کر زور دے کر یوں پڑھنا شروع کیا جیسے وہ موسیقی کی لے پر گا رہی ہوں۔ ان کی سریلی آواز نے میرے اصلی مضمون کو کہیں زیادہ خوبصورت رنگ دے دیا۔ جی ہاں آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ طویل نظم کی طرح لگ رہی تھی، جذبات کی حدت سے بھرپور نظم۔ چنانچہ اسے سنتے ہوئے سامعین پلکیں جھپکنا تک بھول گئے۔ مضون پڑھے جانے کے بعد، لوگ جب اس کے سحر سے نکلے، تو ان کے سانسوں کی آواز سنائی دینے لگی۔

"افسوس کہ یہ کہانی جزائر میں چھپی ہے، کہانی کا تانا بانا جزائر، جزائر کے لوگوں اور اس کے معاشرے کے اردگرد بنا گیا ہے، چنانچہ کسی نے بھی کلاس میں اس پر بات نہیں کی۔ چلیں آپ میں سے کوئی بھی یہاں آ کر، اس کہانی کے بارے میں اپنی رائے، اپنے ردعمل بلکہ اپنے تنقیدی رویئے کا اظہار کر سکتا ہے"۔

رابرٹ سرہوف فوراً آگے آ گیا، وہ اپنی جگہ پر کھڑا ہوا تو کپکپاہٹ اس پر طاری تھی۔ شاید وہ کسی ان دیکھے طوفان سے خوفزدہ تھا۔ تمام آنکھیں اس پر جم گئیں۔ صرف میں تذبذب کا شکار تھا۔ آغاز کرنے سے پہلے اس نے اپنے دوستوں کی جانب دیکھا۔ شاید وہ ان سے اخلاقی مدد کا طالب تھا۔

"حالیہ ہفتوں میں، میں نے میکس ٹولی نار کے کوئی چار مضامین پڑھے ہیں۔ تمام تحریریں ایک جیسے مسائل سے متعلق ہیں۔ ان میں ایک یکساں جذباتی رنگ نظر آتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کوئی خارجی قوت مصنف کو یہ سب کچھ کرنے پر اکسا رہی ہو۔ جی ہاں لکھنے والا کسی خوفناک بخار میں مبتلا ہے۔ یہ تحریریں کسی ایسے دیوانے کا شہکار ہیں جو شاید خود سے بھی بے گانہ ہو چکا ہے اور حقیقت سے اس کا دور کا بھی واسطہ باقی نہیں رہا۔ میں میکس ٹولی نار کو نہیں جانتا لیکن ان تحریروں کی مدد سے، میں ان کے لکھنے والے کا اندازہ ضرور لگا سکتا ہوں کیونکہ ان تحریروں میں بیان کئے گئے واقعات کا میں واحد عینی شاہد ہوں۔

مس ماجدہ پیٹرز، میں سمجھتا ہوں کہ ایچ بی ایس سکول کے مباحث میں اس قسم کی تحریروں پر گفتگو سے بحث بہت دور تک چلی جائے گی۔ اس سے صرف ہم پر گندگی ہی اچھل سکتی ہے۔ مس اگر میں غلطی پر نہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ میں غلط نہیں ہوں۔۔۔۔۔۔ ان کے مصنف کے پاس تو اپنا خاندانی نام تک نہیں ہے"۔ وہ ایک لمحے چپ رہا۔ اس نے ان تمام طلبہ کی جانب نظر ڈالی، جن میں وہ تناؤ کی فضا پیدا کر رہا تھا۔ اس نے اپنی ٹھوڑی اوپر اٹھائی۔ اس کی آنکھوں میں فتح کی چمک نظر آئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ ابھی وہ کوئی اور تیز بھی چھوڑنے والا ہے۔

مس ماجدہ پیٹرز حیرت زدہ رہ گئیں۔ وہ تیزی سے آنکھیں جھپکا رہی تھیں۔ ان تمام لوگوں کے درمیان، صرف میں ہی سر ہوف کی خباثتوں کو سمجھ رہا تھا۔ وہ براہ راست مجھ سے انتقام لینا چاہ رہا تھا۔ اب مجھے معاملہ زیادہ بہتر انداز میں سمجھ آنے لگا۔ اسی نے مجھے انالیز کے قریب ہونے کی شہ دی تھی۔ اس ساری کارروائی کے پیچھے۔۔۔۔۔۔ اس کی دشمنی اور میری کھلی تذلیل کی وجہ۔۔۔۔۔۔ ذاتی حسد اور عناد کا جذبہ کارفرما تھا۔ جی ہاں۔ شروع میں اسی نے انالیز کے حصول کی خواہش کی تھی۔ وہ اس دن مجھے اپنے ساتھ اس لئے لے گیا تھا تا کہ خود کو نہ صرف بڑا ظاہر کر سکے بلکہ واقعات کا گواہ بھی بنا سکے۔ مگر میں ہی کیوں؟ کیونکہ میں مقامی تھا اور وہ میرے موازنے میں خود کو زیادہ دلکش اور وجیہہ ظاہر کر سکتا تھا۔ بالکل اعلیٰ طبقے کی یورپین خواتین کی پرانی روایت کے مطابق۔ جو ہر دم اپنے ہمراہ ایک بندر لئے پھرتی تھیں تا کہ وہ زیادہ خوبصورت نظر آ سکیں۔ (بندر کے مقابلے میں؟) لیکن ہوا اس کے برعکس اور سر ہوف کا بندر انالیز کو جیت گیا۔

"مذکور شخص تو مس"۔ سر ہوف نے بات دوبارہ شروع کی۔ "انڈو بھی نہیں ہے۔ وہ انڈو سے بھی کم تر ہے۔ اس شخص سے بھی کم تر، جسے اس کے باپ نے اپنا بیٹا ماننے سے انکار کر دیا ہو۔ وہ ایک ایسا مقامی ہے جس نے یورپی تہذیب کے شکستہ رخنوں میں سے خود کو، اندر غیر قانونی طور پر، داخل کیا ہے"۔

وہ احتراماً ماجدہ پیٹرز اور دیگر ٹیچرز کے سامنے جھکا اور ذرا بے چینی کے عالم میں اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

"طلبہ! رابرٹ سر ہوف نے اس کہانی کے مصنف کے بارے میں اپنی رائے دی۔ غالباً وہ کہانی کار کو جانتا بھی ہے۔ مجھے امید تھی کہ کہانی کے بارے میں کچھ کہا جائے گا۔ چلو ٹھیک ہے۔ تم میں سے کون اس کہانی کار کو پہچان سکتا ہے؟"

تمام طلبہ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ پھر ان کی نظریں ایسے طلبہ کا جائزہ لینے لگیں جو نہ یورپی نسل کے تھے اور نہ ہی مخلوط النسل۔ گویا وہ سرہوف کے الفاظ کے مطابق صرف مقامی طلبہ کو جانچ رہے تھے۔ تمام مقامی سر جھکائے بیٹھے تھے۔ بیک وقت بہت سی نظروں کا سامنا کرتے ہوئے، کئی لڑکوں کو ایسا لگا جیسے گھورتی نگاہیں سیدھی ان کے پیٹ میں پیوست ہو رہی ہیں۔

مجھے معلوم تھا کہ سرہوف کی نگاہیں مجھ پر ہی جمی ہوئی ہیں۔ دوسروں نے بھی اس کی پیروی کی۔ نہیں۔ میرے دل نے کہا۔ نہیں۔ ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جہنم میں جائے یہ سب ! ضرورت پڑی تو میں سکول ہی چھوڑ دوں گا۔ اور ضروری ہوا تو ابھی اور اسی وقت۔

سرہوف دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے مختصراً کہا۔ " کہانی کار ہمارے درمیان موجود ہے"۔

یوں لگا اس کی سرگوشی پورے سکول میں گونج اٹھی ہے۔ اب ہر چہرہ صرف میری جانب متوجہ تھا اور میں براہ راست سرہوف کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں فتح مندی کی چمک جھلک رہی تھی۔

"ہم میں سے وہ شخص کون ہے سرہوف؟ "مس ماجدہ پیٹرز نے پوچھا۔

اس نے فاتحانہ انداز میں، اپنی انگشت شہادت سے میری جانب اشارہ کیا۔ "منکی!"

ماجدہ پیٹرز نے اپنے بیگ میں سے رومال نکالا اور اپنی گردن اور اپنے ہاتھ پونچھنے لگیں۔ وہ غیر یقینی کا شکار لگ رہی تھیں۔ ایک لمحے کو انہوں نے اساتذہ کی سمت دیکھا، پھر میری جانب اور بالآخر فرش پر بیٹھے طلبہ پر نظر دوڑائی۔ پھر چلتی ہوئی اساتذہ اور سکول ڈائریکٹر۔۔۔۔۔۔ جو صدر مجلس بھی تھے۔۔۔۔۔۔ کے پاس جا پہنچیں۔ ان سے اشارے میں کچھ کہا۔ اجلاس کے درمیان سے راستہ بناتی ہوئی، وہ سیدھی میری جانب آئیں۔ اب مجھے سب کے سامنے بری طرح ذلیل کر کے، باہر اٹھا کر پھینک دیا جائے گا۔

ایک لمحے کو وہ میرے سامنے کھڑی ہوئیں۔ ان کی ٹانگوں پر موجود براؤن دھبے بڑے واضح نظر آ رہے تھے۔ میں نے ان کی آواز سنی۔ "منکی!"

"جی مس !" میں کھڑا ہو گیا۔

" کیا یہ سچ ہے کہ یہ کہانی تم نے لکھی ہے؟ "سرابیا نیوز کا شمارہ ان کے ہاتھ میں تھا۔ "میکس ٹولی نار کا قلمی نام اختیار کر کے؟"

"کیا میں نے یہ لکھ کر کوئی غلط کام کیا ہے مس؟"

"میکس ٹولی نار"۔ انہوں نے سرگوشی میں کہا اور اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ "آؤ"۔ اور مجھے سکول ڈائریکٹر کے پاس لے گئیں۔ تمام آنکھیں میرے راستے پر لگی تھیں۔ اپنے اساتذہ اور سکول ڈائریکٹر کے سامنے کھڑے ہو کر میں نے احتراماً اپنا سر جھکایا۔ وہ ساکت بیٹھے رہے۔ پھر مجھے سٹیج پر تمام طلبہ کے سامنے لے جایا گیا۔ مکمل سکوت طاری تھا۔

خاتون ٹیچر اب بھی مجھے میرے شانوں سے پکڑے ہوئے تھیں۔ غالباً میری حالت کسی ایسے شخص کی سی تھی جس سے اعتراف جرم کرایا جا رہا ہو مگر وہ اپنے ہی گناہ سے لاعلم ہو۔

"طلبہ اساتذہ اور ڈائریکٹر ! میں آج آپ سب کا اور خصوصاً طلبہ کا ایک ایسے ایچ بی ایس طالب علم سے تعارف کرانے جا رہی ہوں، جسے بلاشبہ منکی کے نام سے تو آپ سب جانتے ہیں لیکن میں ایک ایسے منکی کا تعارف کراؤں گی جسے اپنے خیالات اور تصورات کے اظہار میں، ڈچ زبان پر غیر معمولی دسترس حاصل ہے اور جس نے ڈچ ادب کی ترویج کے لئے کام کیا ہے۔ اس نے ثابت کیا ہے کہ وہ غلطی کئے بغیر لکھنے پر قدرت رکھتا ہے، حالانکہ ڈچ اس کی مادری زبان نہیں۔ اس نے اپنی تحریر کے لئے زندگی کا ایسا ورق چنا ہے جو دوسرے لوگ محسوس تو شاید کر سکتے ہوں مگر اس کی تشریح نہیں کر سکتے۔ مجھے اپنے شاگرد کی صلاحیتوں پر فخر ہے"۔

انہوں نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ مجھے ابھی وہاں سے جانے کو نہیں کہا گیا تھا۔ اس تعریف نے مجھے آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا مگر میں اب بھی کسی خطرناک دھچکے کا منتظر تھا۔

"منکی، کیا یہ درست ہے کہ تمہارا کوئی خاندانی نام نہیں"۔

"جی مس"۔

"طلبہ، خاندانی نام کی اہمیت ایک روایت سے زیادہ کچھ نہیں۔ نپولین بوناپارٹ یورپی تاریخ کا ایک مشہور نام ہے۔ ہمارے اجداد کوئی خاندانی نام استعمال نہیں کرتے تھے"۔ پھر انہوں نے بتایا کہ نپولین نے ایک قانون اپنے مقبوضہ علاقوں میں نافذ کر کے خاندانی نام کی روایت ڈالی تھی۔ جو لوگ مناسب خاندانی نام نہیں رکھ سکے، انہیں مقامی افسروں کی جانب سے زبردستی نام دے دیا گیا۔ یہودیوں کو جانوروں کے نام پر خاندانی نام الاٹ کئے گئے۔

"بہرحال خاندانی نام کا استعمال نپولین یا یورپ سے ہی مخصوص نہیں، انہوں نے بھی یہ تصور کہیں نہ کہیں مستعار لیا تھا۔ یورپی تہذیب کے ارتقا سے بہت پہلے یہودی اور چینی مذہبی نام

بھی رکھا کرتے تھے۔ خاندانی نام کی روایت، روپ تک، دوسری اقوام کے ذریعے پہنچی"۔ وہ چپ ہوگئیں۔

میں ابھی تک ان کے پاس کھڑا، سب سامعین کی توجہ کا مرکز تھا۔

"یہ بھی سچ ہے منکی کہ تم انڈو نہیں ہو؟ "ایک عام سا سوال، جس کا جواب اثبات میں تھا۔

"جی مس، میں مقامی ہوں"۔

"یورپین خود کو بڑا خالص النسل سمجھتے ہیں حالانکہ انہیں نہیں معلوم کہ ان کی رگوں میں کتنا ایشیائی خون دوڑ رہا ہے۔ تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے، سینکڑوں سال پہلے مختلف ایشیائی افواج نے یورپ پر حملے کئے تھے۔ روم اس وقت بھی کرسچین تھا۔ عربوں، ترکوں اور منگولوں کے گہرے نسلی اثرات اس پر مرتب ہوئے اور یہ بات بھی یاد رکھئے گا کہ یورپ کے بہت سے حصوں میں رومن حکمرانی کے دور میں، انہی رومی شہریوں کے ذریعے، ایشیائی بلکہ افریقی خون بھی پورے یورپ میں پھیلتا گیا۔ عربوں، یہودیوں، شامیوں اور مصریوں کے نسلی اثرات یورپ میں واضح طور پر محسوس کئے جا سکتے ہیں"۔

ماحول پر مکمل سکوت طاری تھا۔ میں بالکل خالی الذہن تھا۔ میرا بدن کچھ غیر متوازن ہو رہا تھا اور میں بس جلد سے جلد اپنی جگہ پر بیٹھ جانا چاہتا تھا۔

"یورپی سائنس کا زیادہ تر حصہ ایشیا سے ہی منتقل ہوا۔ یہ جو اعداد آپ روزانہ استعمال کرتے ہیں، عربیوں کی دریافت ہیں۔ صفر بھی انہوں نے ہی ایجاد کیا تھا۔ تصور تو کریں کہ عربی اعداد اور صفر کے بغیر گننا کیسا لگتا ہوگا؟ اور صفر کا ہندسہ ہندوستانی فلسفے سے اخذ کیا گیا تھا۔ تمھیں فلسفے کے مفہوم سے آگاہی ہے؟ ہاں اس موضوع پر پھر کسی وقت بات کریں گے۔ صفر خالی پن کی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے۔ خالی پن سے کچھ کی ابتدا ہوتی ہے اور ابتدا سے انتہا تک کے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ یعنی نو کے ہندسے تک، اس کے بعد پھر صفر یعنی خالی پن اور ہم ایک بار پھر اعلیٰ قدر سے یعنی دہائی، سیکڑہ، ہزار۔۔۔۔۔۔ شروع کر دیتے ہیں۔ اس کی کوئی حدود نہیں۔ صفر کے بغیر، اعشاری نظام کا تصور بھی ممکن نہ ہوتا اور تم سب کو رومن اعداد کے ذریعے کام چلانا پڑتا۔ تم میں سے اکثر لوگوں کے نام ایشیائی ہیں کیونکہ مسیحیت نے بھی ایشیا میں جنم لیا تھا"۔

فرش پر بیٹھے ہوئے طلبہ میں بے چینی کے آثار صاف محسوس کیے جا سکتے تھے۔

"اگر مقامیوں کا کوئی خاندانی نام نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خاندانی نام رکھتے ہی

نہیں یا انہیں اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور اس میں تذلیل یا توہین کا کوئی پہلو بھی نہیں نکلتا۔ اگر ہالینڈ میں پرامبانان اور بورو بودر جیسے معروف اور قدیم مندر نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں جاوا ہالینڈ سے زیادہ ترقی یافتہ تھا اور آج اتنی ترقی کے بعد بھی، اگر ہم ایسے مندر نہیں بنا رہے تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔۔۔۔۔۔"

"مس ماجدہ پیٹرز" ڈائریکٹر نے مداخلت کی۔"بہتر ہوگا کہ اس گفتگو کا اختتام کر دیا جائے"۔ بحث کا سیشن ختم ہو گیا۔ لوگ اٹھ کر جانے لگے۔ ماجدہ پیٹرز کے سوا ہر شخص گویا مجھ سے بچنے کی کوشش میں تھا۔ عام دنوں کی طرح کسی نے مجھے آواز نہیں دی، کوئی قہقہہ نہیں لگا۔ کوئی دھکم پیل نظر نہیں آئی۔ سب کے سب خاموشی سے نکلتے چلے گئے۔ نہ جانے کیا سوچیں تھیں ان کے ذہنوں میں!

جان ڈیپرسٹی نامی ایک طالب علم، جو یورپی سے زیادہ مقامی لگتا تھا۔ باڑ کے پاس کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں مسلسل میرا تعاقب کر رہی تھیں۔ وہ ہمیشہ اپنا تعارف انڈو کے طور پر کراتا تھا۔ لیکن میرے سامنے، اس نے اپنے مقامی ہونے کا اقرار کیا تھا۔ ایک دوست کی حیثیت سے اس نے مجھ پر اعتماد کر کے یہ بتایا تھا کہ ایک پادری ڈیپرسٹی نے اسے اپنا متبنیٰ بنایا تھا۔ ایک متبنیٰ بچہ! وہ خود خالص مقامی تھا۔ مجھ سے اسے انسیت تھی۔ بگھی ملنے کے بعد سے وہ عموماً میرے ساتھ چلا جایا کرتا تھا۔ وہ بھی بظاہر مجھ سے دور دور رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس کے بجائے ماجدہ پیٹرز نے ساتھ جانے کو کہا۔ راستے بھر انہوں نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا اور بولنے کا فائدہ بھی کیا جب آپ کے دل و دماغ میں دکھوں اور مصیبتوں کی بھرمار ہو۔ ٹریفک کا اژدھام مجھے نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔ میرے ذہن میں صرف ایک ہی تصور تھا اور وہ تھا ماجدہ پیٹرز کے لئے طلبہ اور اساتذہ کا خاموش غم و غصہ ! ان کا یورپی تشخص مجروح ہوا تھا۔

ایک دو بار مس ماجدہ پیٹرز نے اپنی نشست سے مڑ کر، میری جانب دیکھا بھی۔

" کتنے دکھ کی بات ہے"۔ انہوں نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔ میں نے سنی ان سنی کر دی۔ بگھی ان کے گھر کے سامنے رکی۔ انہوں نے شکریہ ادا کیا اور پھر اچانک ہی مجھے اندر آنے کی دعوت دے ڈالی۔ اس طرح میں پہلی دفعہ ان کے گھر گیا۔ ہم مرکزی کمرے میں ایک صوفے پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

"تم غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک ہو منکی۔ واقعی وہ تحریر تمہاری ہی ہے؟"

"ایسا ہی ہے مس"۔

"تم میرے ہونہار ترین شاگرد ہو۔ میں پچھلے پانچ سال سے ڈچ زبان وادب پڑھا رہی ہوں۔ چار سال تو ہالینڈ میں ہی پڑھایا تھا۔ میرا کوئی شاگرد بھی کبھی اتنا اچھا نہیں لکھ سکا اور اس پر مستزاد اخبار میں چھپ جانا۔ تم مجھے پسند کرتے ہو نا؟"

"مجھے اپنے ٹیچرز میں، سب سے زیادہ آپ ہی پسند ہیں"۔

"کیا یہ سچ ہے منکی؟"

"دل کی گہرائی سے کہہ رہا ہوں مس"۔

"میرا بھی یہی خیال تھا۔ تمہیں میرے پڑھائے ہوئے سارے اسباق احتیاط سے سمجھنے چاہئیں۔ انہیں اچھی طرح ذہن نشین کرنا چاہیے۔ اگر تم یہ طریقہ اختیار نہ کیا ہوتا تو شاید تم اتنے اچھے مضامین لکھ بھی نہ سکتے۔ مجھے امید ہے کہ تم سرہوف سے بھی ناراض نہیں ہو گے؟ "

"نہیں مس۔"][" بہت خوب، ویسے بھی اس کا اور تمہارا کیا مقابلہ؟ تم اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے ہو"۔

اتنی زبردست تعریف سن کر مجھ پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ انہوں نے مجھے کھڑا ہونے کو کہا۔

"میری پانچ سال کی محنت اور جدوجہد نے بہر حال کچھ رنگ تو دکھایا ہے"۔ انہوں نے مجھے اپنے قریب کر لیا اور مجھ سے بغل گیر ہو کر مجھے پیار کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ میری سانسیں اکھڑنے لگیں!

جین کے گھر میرا روز ہی کا آنا جانا تھا۔ مے کو لینے اور چھوڑنے جانا، کبھی کسی نئے آرڈر کے لئے جین سے بات چیت کا سلسلہ ہوتا۔ بعض اوقات یہ آمدورفت محض لمحاتی ہوتی تھی۔ اپنے ہوسٹل میں بھی جانا ہوتا تھا۔ بگھی کی موجودگی میں کاروباری آرڈرز کا حصول نسبتا آسان ہو گیا تھا۔ اشتہاری مضامین اور دوسری تحریروں کی ترسیل میں بھی مشکل نہی رہی تھی۔ وقت پھیل کر کچھ زیادہ بڑا لگنے لگا تھا۔

گھر آنے کے بعد، عموماً تھکاوٹ کی وجہ سے، میں کچھ دیر آرام کیا کرتا تھا۔ مناسب وقفے کے بعد، انالیز مجھے جگا دیتی اور تولیا ہاتھ میں دے کر نہانے کے لئے بھیج دیتی۔ اس کے بعد ہم بیٹھ کر باتیں کرتے، جزائر کے اخبارات دیکھتے یا ڈچ رسالوں کی ورق گردانی کرتے رہتے۔

رات کو میں پڑھائی لکھائی کے کام میں مصروف ہوتا لیکن رہتا انالیز کے سامنے ہی تھا۔ روز بروز اس کی طبعیت سنبھلتی جا رہی تھی۔ لیکن ابھی اس نے پہلے کی طرح اپنے معمولات کا آغاز نہیں کیا تھا۔

مما اپنے دفتری کاموں کے سلسلے میں کبھی اندر اور کبھی باہر مصروف رہتیں۔ دن کے دوران ان کے پاس ہمارے لئے کوئی وقت نہیں ہوتا تھا۔

روز کی طرح، اس رات بھی، میں انالیز کے کمرے میں میز پر بیٹھا تھا۔ ڈیفو کی رابن سن کروسو کا ڈچ ترجمہ پڑھنے میں محو تھی۔ میں اس کے مطالعے کے لئے کتابوں کی ایک فہرست تیار کر رہا تھا: سٹیونسن اور ڈوماس کی نوعمر لوگوں کے لئے لکھی گئی کتابیں۔ اسے یہ ساری کتابیں ایک ماہ میں ختم کرنا تھیں۔ اس کے قریب ہی ایک سال خوردہ ڈکشنری پڑی تھی۔ وہ مما کے روزمرہ استعمال میں رہتی تھی۔ اب نئے حالات اور ضروریات سے بہرحال اس کی مطابقت باقی نہیں رہی تھی۔

رابرٹ مے لیما کے بارے میں کہانی لکھنے سے پہلے، میں نے مریم اور سارہ کے خطوط پڑھے۔ اس بار مریم کا خط پہلے سے بھی زیادہ شاندار تھا:

" کیا تمہیں وہ دوسرا آدمی یاد ہے۔ ایک قریبی دوست نے مجھے ہالینڈ سے خط لکھا ہے۔ وہ ٹرانسول، جنوبی افریقہ میں موجود اس دوسرے آدمی کو بھی جانتا ہے۔ خط بھیجنے والا ایک مختصر سی جنگ میں زخمی ہو کر، انہی دنوں وطن واپس پہنچا ہے۔ وہ خود بھی اس "دوسرے آدمی " کے یونٹ میں رہ چکا ہے۔ بریگیڈ کسی نوجوان انجینئر مے لیما کی کمان میں تھا جو اس کے بقول خاصا سخت، باحوصلہ اور کچھ کر گزرنے والا کمانڈر لگتا تھا۔

دوست، اس کا خط پا کر مجھے بے تحاشا خوشی ہوئی۔ بالکل اسی طرح جیسے تمہارے خط سے خوش ہوتی ہوں۔ اس میں تمہاری دلچسپی کا بھی کچھ مواد تھا۔ وہ "دوسرا آدمی "تم سے پانچ چھ سال بڑا ہے۔ جنوبی افریقہ میں ڈچ حکمرانی کو خطرے میں دیکھ کر، اس نے سوچے سمجھے بغیر، وطن کی آواز پر لبیک کہا اور مادر وطن کے دفاع کے لئے فوراً ہی جنوبی افریقہ روانہ ہو گیا۔۔۔۔۔۔ لیکن وہاں اسے شدید ناامیدی کا سامنا کرنا پڑا۔

انڈیز اخبارات میں بھی جنگ کی کچھ نہ کچھ خبریں آتی رہتی ہیں لیکن بہت سی باتیں صحیح رپورٹ نہیں ہو پاتیں۔ ڈچ وہاں میرے دوست ہجرت کر کے گئے تھے۔۔۔۔۔۔میرا خیال ہے تمہاری ٹیچر ماجدہ پیٹرز جنگوں کی جانب زیادہ توجہ نہیں دیتی۔۔۔۔۔۔اور انہوں نے وہاں مقامی لوگوں کو قابو کر لیا تھا۔ پھر یہ ہوا کہ ایک اور نو آبادیاتی طاقت برطانیہ نے حملہ آور ہو کر وہاں قبضہ کر لیا اور ڈچ مہاجر بھی ان کے زیر سایہ آ گئے۔ سو طاقت کے نظام میں سب سے نچلا حصہ مقامی لوگ قرار پائے۔

ذرا سوچو تو کیا جزائر میں بھی ایسا ہی نہیں؟ پاپا اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔ معمولی اختلافات ضرور ہیں مگر ان سے بنیادی حقیقت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیا جزائر کے مقامی باشندے بھی اپنے ہی سلاطین، شاہوں حکمرانوں اور بپاتیوں کے محکوم نہیں ہیں؟ اور پھر یہ گندمی حکومت سفید فام حکومت کے زیر نگیں ہے۔ یہاں کے شاہوں، سلطانوں اور بوپاتیوں کو اسی طرح کی تمام مراعات حاصل ہیں جو جنوبی افریقہ میں ڈچ مہاجروں کو حاصل ہیں۔ میرے دوست، "وہ دوسرا آدمی "انگریزوں اور ڈچوں کے درمیان جنگ کی وجوہات اور کیفیات دیکھ کر بہت مایوس ہوا۔ یہ جنگ زمین، سونے اور مقامی باشندوں پر مکمل قبضے کی جنگ تھی۔ دنیا کے کونے کونے سے مادر وطن کی للکار پر لبیک کہنے والے نوجوان وہاں صرف زخمی ہونے یا مرنے کے لئے آ رہے تھے۔ یہ دفاع وطن کی نہیں، دو قوموں کے مفادات کی جنگ تھی۔ خط کے مطابق جب "دوسرے آدمی "نے وہاں کے مقامی لوگوں کو انڈیز کے باشندوں سے بھی بری صورت حال میں دیکھا بلکہ آسہ کے لوگوں سے بھی بدتر حال میں پایا تو اس نے دیانت داری سے محسوس کیا کہ اس کا کردار بھی ان انڈیز افواج سے مختلف نہیں، جو آسہ میں نبرد آزما تھیں۔ لیکن یہ حقیقت بہت دیر میں آشکارا ہوئی اور وہ بھی ماردوانگ نامی ایک غیر سفید فام سے انتہائی غیر متوقع ملاقات کے نتیجے میں۔ یہ شخص میرے دوست چند دولت مند زمین داروں میں سے ایک تھا۔ جاوی زبان پر اسے دسترس حاصل تھی۔ یہ لوگ افریقی بولنے کے باوجود دراصل سلامیسر تھے، تمہارے اپنے لوگ۔ ماردوانگ اصل میں اس کے حقیقی نام کا افریقہ ترجمہ تھا۔ میرے خیال میں یہ ماردی وانگسو رہا ہوگا اور سلامیر دراصل جاوا اور بوگی مکاسری۔ مادوری لوگوں کی اس نسل میں سے ہیں جنہیں کمپنی نے جلا وطن کر کے جنوبی افریقہ بھیج دیا تھا۔

دلچسپ ہے نا؟ پھرے میرے دوست نے مے لیما کی پلاٹون کے بارے میں لکھا ہے

کہ وہ لوگ ماردوانگ کے گھر میں رات گزارنے کے لئے داخل ہو گئے۔ بوڑھے وانگ نے نہ صرف انکار کیا بلکہ غصے میں انہیں گھر سے باہر بھی نکال دیا۔ مے لیما غضبناک ہو گیا اور اس بوڑھے کو مارڈالنے کی دھمکیاں دینے لگا۔ بزرگ وانگ کو شدید طیش آ گیا: تم ڈچ لوگ آخر چاہتے کیا ہو؟ جاوا میں تم نے ہماری آزادی پر ڈاکہ ڈالا، ہماری ہر چیز ہم سے چھین لی اور یہاں میری چھت کے نیچے، مجھ سے پناہ مانگنے آ رہے ہو۔ کیا تمہیں کبھی ڈاکہ زنی اور بھیک مانگنے کا درمیانی فرق نہیں سمجھایا گیا؟ مارڈالو یہ رہی ماردوانگ کی چھاتی۔ میں تمہیں کسی قیمت پر بھی اپنی چھت کے نیچے پناہ دینے کا روادار نہیں۔ چلے جاؤ یہاں سے!

اور جانتے ہو، کیا ہوا میرے دوست؟ خواہشوں کے اس معرکے میں مے لیما کو ہار ماننا پڑی۔ اسے اور اس کی پلاٹون کو کھلے آسمان تلے رات گزارنا پڑی۔ اسی موقع پر "دوسرے آدمی" کو ڈچ کے خلاف جزائری مقامیوں کی نفرت کی گہرائی کا احساس ہوا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ کسی اعلیٰ مقاصد کی خاطر میدان جنگ میں نہیں اترے بلکہ ان کے زیرنظر صرف نوآبادیاتی مقاصد کی تکمیل ہے۔ اسے ایک غلط کام کے لئے استعمال کئے جانے پر سخت شرمندگی تھی۔ اس کے خیالات پراگندگی کا شکار ہو گئے۔ وہ انسانیت کی خدمت کر کے ہیرو بننا چاہتا تھا اور یہاں وہ جبر واستبداد کے ماحول کے بیچوں بیچ پھنسا کھڑا تھا۔

خدا رحم کرے "دوسرے آدمی" پر۔

دوسری صبح اس کی پلاٹون نے برطانوی جنوبی افریقی گھڑسوار بریگیڈ پر حملہ کیا۔ لوگوں کے کہنے کے مطابق لیفٹیننٹ ڈبلیو سی ایچ بریگیڈ کی کمان کر رہا تھا۔ اس سے پہلے ایک ڈچ رجمنٹ نے ایک اور جانب سے زبردست حملہ کیا تھا جو نہ صرف روک لیا گیا تھا بلکہ بری طرح پسپا بھی کر دیا گیا تھا۔ اسی موقع پر مے لیما کی کمپنی دشمن پر حملہ آور ہوئی۔ برطانوی عالم حیرت میں بری طرح انتشار کا شکار ہو گئے اور دوطرفہ حملے کے نتیجے میں بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔ میدان ڈچ کے ہاتھ رہا۔

لیکن میرے دوست "دوسرا آدمی" نہ صرف زخمی ہوا بلکہ قیدی بھی بنا لیا گیا۔ میرے دوست کے مطابق، غالباً اسے جنگی قیدی بنا کر انگلینڈ لے جایا گیا ہے۔ ان آخری دنوں میں وہ اپنی گزشتہ حماقتوں پر گہرے دکھ کا اظہار کرتا رہا۔ یہ سب کچھ تمہارے گوش گزار کرنے کا مقصد یہ ہے میرے دوست کہ جزائر میں عمومی طور پر مخفی رہ جانے والے پہلو سے تمہاری مکمل واقفیت ہو۔ کیا

یہ حقیقت نہیں کہ تم اخبارات میں صرف برطانوی ظلم وتشدد اور ڈچ فتوحات کا تذکرہ سنتے ہو؟ جبکہ دوسری جانب ۔۔۔۔۔۔ پاپا کہتے ہیں ۔۔۔۔۔۔ برطانوی اخبارات مقامیوں پر ڈچ مظالم اور تشدد کے واقعات سے بھرے ہوتے ہیں ۔لیکن برطانیہ، ہالینڈ یا جزائر، کہیں بھی کوئی ایسا اخبار نہیں جو جنوبی افریقہ کے باشندوں کے متعلق کچھ بتانے کی کوشش کر رہا ہو۔ سلامیسٹر لوگوں کی تو خیر کوئی کیا بات کرے گا۔ ہے نا یہ دنیا کی بوالعجبی ؟

میرا خیال ہے جاوی باشندے بہت بہتر حالت میں ہیں۔ یقیناً کچھ لوگوں نے اپنے لئے آواز اٹھانے کی کوشش کی ہوگی جو نوکر شاہی کے شور وغوغا میں سنی ان سنی کر دی گئی۔ اس بارے میں ہماری کبھی بات نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کا کوئی تجزیہ کیا گیا۔ اس پر پھر کبھی بات کریں گے۔ ٹھیک ہے نا بھئی؟

اور ہاں منکی، میرے دوست زیادہ عرصہ اپنے اگلے خط کا انتظار نہ کرانا۔

مریم ڈی لا کروکس۔

سارہ کا خط ذرا مختلف تھا۔ اس نے یوں لکھا تھا:

اگر مس ماجدہ پیٹرز نظریہ اشتراک کے بارے میں لاعلم تھیں تو کوئی بات نہیں۔ ہم بہ آسانی اسے سمجھ سکتے ہیں۔ اس دن جو گفتگو ہوئی، ہمیں بھی اس سے زیادہ کچھ پتہ نہیں لگا۔ میں نے پاپا کو اس بارے میں تمہاری لاعلمی کے متعلق بتایا۔ انہوں نے ایک زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے کہا: تم خود بھی تو معمولی سا ہی جانتی تھیں۔ بس اپنے سینئر ہونے کا ناجائز فائدہ اٹھالیا تم نے۔

تمہارا خط ملنے کے بعد میں نے پاپا کو بتایا کہ غالباً مس ماجدہ پیٹرز بھی اس نظریئے سے ناواقف ہیں۔ تمہارے دوسرے اساتذہ نے بھی اس کی کوئی وضاحت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ شاید وہ وضاحت کرنا ہی نہ چاہتے ہوں۔ جان بوجھ کر اس موضوع کو نظرانداز کرنا چاہتے ہوں یا ممکن ہے انہیں بھی اس نظریئے سے واقفیت نہ ہو۔ پھر پاپا نے کیا جواب دیا: نوآبادیاتی مفادات میں ضروری نہیں کہ ہر شخص کو دلچسپی ہو بالکل اسی طرح جیسے ہر شخص کو کھانا پکانے میں دلچسپی نہیں ہوتی۔ ہاں یہ نہ بھولنا کہ جس دور میں ہم رہ رہے ہیں، جزائر کا ہر شخص حکومتی عظمت، طاقت، عقل و دانش، عدل وانصاف اور ہمدردی میں یقین رکھتا ہے۔ کوئی بھکاری گلیوں میں بھوک کی وجہ سے نہیں مر رہا۔ نہ ہی کوئی بیماری کے ہاتھوں موت کے منہ میں جا رہا ہے۔ حکومتی قانون سب کو تحفظ دیتا ہے۔ کوئی غیر ملکی صرف اپنے اجنبی ہونے کی وجہ سے تشدد کے ذریعے ہلاک نہیں کیا جاسکتا۔

قانون غیر ملکی لوگوں کی حفاظت کا بھی ذمہ دار ہے۔

تمہیں یہ بات بھی اپنے ذہن میں رکھنی چاہئے۔ پاپا کا کہنا ہے کہ تم جیسے نوجوان کو ہالینڈ کی کسی یونیورسٹی میں ضرور جانا چاہئے۔ ممکن ہے تم قانون پڑھنا پسند کرو۔ اگر تم ڈگری نہ بھی لے سکو تب بھی قانون کا مغربی تصور اور مفہوم تو بہ آسانی سمجھ لوگے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟ کیا کسی مقامی طالب علم کا یورپی سائنس میں ڈگری لے لینا ممکن ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ پاپا کو اس بات میں شبہ ہے، ان کا کہنا۔۔۔۔۔۔ پہلے کی طرح ناراض نہ ہو جانا۔۔۔۔۔۔ مقامی لوگوں کی نفسیات یورپی معیار کی حد تک ترقی نہیں کر پائی۔ لالچ اور خود غرضی کے جذبات آسانی سے عاقلانہ تصورات پر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں۔ مجھے اس بات کے صحیح یا غلط ہونے کا قطعی علم نہیں۔ ہاں تمہاری قوم کے اعلیٰ طبقے کے انداز واطوار سے یہ بات ٹھیک ہی لگتی ہے۔ تمہیں بھی اس بارے میں سوچنا چاہئے۔ کیا خیال ہے؟

ایک اور بات بتاتی چلوں۔ ڈاکٹر سناؤک ہر گرونی کے تختہ مشق نوجوانوں میں سے ایک کا نام احمد ہے، یہ بیٹن کا رہنے والا ہے۔ میں نے تمہیں اس لئے بتا دیا کہ شاید کبھی تمہاری اس سے ملاقات ہو، دوستی ہو یا باہمی خط وکتابت کا سلسلہ چل نکلے۔۔۔۔۔۔

"تم آہیں کیوں بھر رہے ہو؟ "اچانک انالیز نے پوچھا۔

"آگ بھڑکی ہوئی ہے"۔

" کس جگہ آگ بھڑکی ہوئی ہے؟"

"میرے سر میں، میرے اپنے سر میں۔ ہر طرح کی سوچیں آتی جاتی رہتی ہیں۔ بے پناہ کام کرنے کو ہے اور مجھے ایک لمحے کا بھی آرام نہیں مل رہا۔ یہ لو پڑھو !"اور میں نے سارے خطوط کا پلندہ اس کی جانب دھکیل دیا۔

"یہ خطوط میرے لئے تو نہیں ہیں۔ ماس"۔

"تمہارے علم میں آنا، زیادہ بہتر ہوگا"۔

انالیز نے آہستہ آہستہ اور بڑی احتیاط کے ساتھ انہیں پڑھ ڈالا۔

" لگتا ہے بہت سے لوگ تمہیں پسند کرتے ہیں۔ افسوس !مجھے تو بہت سی باتیں سمجھ ہی نہیں آ رہیں"۔

"اس میں افسوس کی کوئی بات نہیں این۔ یہ سب کے سب لوگ میرے استاد نظر آنا

چاہتے ہیں"۔

"ٹیچرز کا ہونا، بری بات ہے کیا؟"

"تم بھی این !یقیناً "ایک اچھا ٹیچر ڈھونڈنا بہت اچھی بات ہے۔کوئی علم بھی بے کار نہیں ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ یہ سب لوگ، اپنی کوششوں کے ذریعے، مجھے بہت اہم آدمی بنا دینا دینا چاہتے ہیں۔ وہ اپنی خواہشات کو اپنے ہی ذریعے پورا کرنے کی اہلیت پیدا نہیں کرتے؟ بور کرنے والے ٹیچر بھی کسی عذاب سے کم نہیں ہوتے این"۔ میں نے کہا۔

"تم انہیں جواب ہی نہ دو"۔

"یہ بھی ٹھیک نہیں۔ میں نے ان کے خطوط پڑھے ہیں۔انہوں نے جواب کے لئے ہی تو خط لکھے ہیں"۔

سارہ شہوت کے موضوع پر کچھ زیادہ بے باکی کا اظہار کر گئی تھی اور اس کا جواب بھی چاہا تھا اس نے۔کیا وہ مجھے الف ننگا کرنا چاہتی ہے؟ یورپ میں بھی یہ مسائل عوامی موضوع نہیں بنتے۔یہ خالص نجی اور داخلی نوعیت کا معاملہ ہے۔ یہ ڈی لا کروکس لڑکیاں حد سے کچھ زیادہ بڑھتی جا رہی ہیں۔

انالیز دوبارہ مطالعے میں کھو گئی۔ان دو بہنوں کے خط دیکھ کر وہ بے چین سی ہو گئی تھی۔خط پڑھ کر اس نے انہیں دوبارہ لفافوں میں بند کر کے رکھ دیا۔ان پر، مزید رائے زنی نہیں کی۔

کچھ دیر تک، دونوں میں کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔

"این"۔ میں نے بات شروع کی۔"تمہاری صحت بحال ہونا شروع ہو گئی ہے"۔

"تمہارے علاج معالجے کا بہت بہت شکریہ ماس ڈاکٹر"۔

"اگر ایسا ہے تو کل سے تمہارے دوست کو تمہارکمرے میں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں"۔

اس کی نظریں مشتبہ انداز میں میری جانب اٹھیں۔

"تم کرنیگن واپس تو نہیں جا رہے؟"

انالیز نے تیوری چڑھا کر مریم اور سارہ کے خطوط کی جانب نظر ڈالی۔

"تمہیں یہاں میرے ساتھ رہنے پر اعتراض ہے"۔اس کے لہجے سے محسوس ہوا کہ وہ رو پڑے گی۔

"نہیں، بالکل بھی اعتراض نہیں جبکہ ابھی تمہاری طبیعت پوری طرح ٹھیک بھی نہیں

ہوئی"۔

" کیا میں دوبارہ بیمار پڑ جاؤں؟"

"این، کیا کہہ رہی ہو؟ "اسی لمحے مجھے ڈاکٹر مارٹی نیٹ کی وارننگ یاد آ گئی۔اس لمحے تک میں اس سے سخت لہجے میں نہیں بولا تھا۔ میں نے فوراً کہا" تمہیں فوراً ٹھیک ہونا چاہئے۔ مما کو تمہاری ضرورت ہے"۔

"میرے صحت یاب ہو جانے کے بعد تمہیں یہاں ٹھہرنے پر کیا اعتراض ہوگا؟ "اس نے گھبرائے ہوئے پوچھا۔

"لوگ کیا کہیں گے؟"

" کیا کہیں گے لوگ، ماس؟"

"دیکھو این، میں تمہیں بتاؤں تم اب خاصی سنبھل گئی ہو۔لیکن اگر تم مجھے کرنیگن نہیں جانے دینا چاہتیں تو میں واپس نہیں جاؤں گا یقین کرو جب تک تم چاہو گی، میں یہیں، دونو کروموں میں، ٹھہروں گا۔لیکن بہرحال، تمہارے کمرے میں نہیں رہوں گا۔ چنانچہ کل سے، میں باغ کے قریب، اپنے کمرے میں کام کروں گا اور وہیں رہوں گا بھی۔تم تنہائی محسوس کرو تو وہاں مجھ سے ملنے آ سکتی ہو، کوئی خاص فرق نہیں"۔

"اگر کوئی فرق نہیں پڑتا تو ساری زندگی اسی طرح کیوں نہیں گزار لیتے۔تم میرے ہی کمرے میں رہو"۔

"لیکن بالائی منزل تمہارے اور مما کے سوا، ہر شخص کے لئے ممنوعہ ہے۔ہمیں قاعدوں کا احترام کرنا چاہئے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟ "اس کے بعد بھی، میں نے کوئی بیس فقرے اور کہے ہوں گے۔ اس نے کوئی مداخلت نہیں کی۔لیکن اس کی آنکھیں دور خلا میں نہ جانے کیا تک رہی تھیں۔شاید حسد جلن کا کوئی احساس تھا۔

اگلے روز میں جین ریز کے ہاں گیا۔گھر سے نکلنے سے پہلے میں نے جنوبی افریقہ پر ایک سوال مرتب کر لیا تھا۔اس نے بڑے انہماک سے اسے سنا پھر بولا:

تمہیں پتہ ہی ہے منکی، ایک یورپی ہونے کے ناتے، ان نوآبادیاتی معاملات میں ملوث ہو جانا، پہلے ہی میرے لئے شرمندگی کا باعث ہے۔ میرا خیال ہے میری کیفیت بھی کچھ کچھ اس نامعلوم شخص سے ملتی جلتی ہے جس کا تم نے ابھی تذکرہ کیا۔ میں آسہ کی جنگ میں صرف اس لئے لڑا کہ مقامی تو لڑ ہی نہیں سکتے اس لئے کوئی جنگ ہوگی ہی نہیں۔ لیکن پتہ یہ چلا کہ انہوں نے بھرپور جنگی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا، اپنی پوری قوت کے ساتھ اور کسی بھی رکاوٹ کی پرواہ کئے بغیر ان کا حوصلہ اور جرات دیدنی تھے۔ اس معرکے کا عظیم یورپی جنگوں سے موازنہ کیا جا سکتا ہے۔ بڑا شرمناک تجربہ تھا منکی۔ ایک طرف یورپ کا جدید ترین اسلحہ تھا اور دوسری جانب خالی ہاتھ آسہ کے باشندے۔ چونکہ تم نے میری رائے پوچھی ہے اس لئے بتا رہا ہوں لیکن آئندہ ایسی باتیں میرے سامنے نہ کرنا، میرے ضمیر میں کچوکے سے لگنے لگتے ہیں۔

ہمارے انجانے میں، مسٹر تلنگا بھی، کچھ دور بیٹھے، ہماری باتیں سن رہے تھے پھر وہ نزدیک آ کر، میز پر بیٹھ گئے۔ وہ بھی غالبا " گفتگو میں شریک ہونا چاہ رہے تھے۔

"پچھلے پچیس سال میں ہونے والی ساری جنگیں سرمائے کے حصول کے لئے لڑی گئیں۔ ایسی منڈیوں پر قبضے کے لئے، جو یورپی سرمائے کی مسلسل زندگی کی ضمانت دے سکیں۔ سرمایہ بہت طاقتور ہو گیا ہے بلکہ طاقت کل بن گیا ہے۔ انسان کو کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں، اس کا فیصلہ سرمایہ کرتا ہے"۔

"جنگ دو طاقتوں اور دو حکمت عملیوں کے درمیان محض فتح حاصل کرنے کے لئے لڑ جانے کا نام ہے"۔ تلنگا نے مداخلت کی۔

" نہیں، مسٹر تلنگا "میریز نے احتجاج کیا۔

"جنگ محض جنگ کے لئے کبھی نہیں لڑی گئی۔ بہت سے ایسے لوگ بھی جنگ میں شریک ہوتے ہیں، جنہیں قطعی کسی فتح یابی کی خواہش نہیں ہوتی"۔ آسہ والوں کی طرح ہزار ہا لوگ جنگ کرنے جاتے ہیں مارے جاتے ہیں کیونکہ وہ کسی شے کا، موت، زندگی، فتح، شکست سے بھی زیادہ اہم شے کا، دفاع کر رہے ہوتے ہیں"۔

"آخر میں جین اسی طرح ہوتا ہے۔ طاقت اور حکمت عملی کا مقابلہ، محض فتح کے حصول کے لئے"۔

"عموما "اختتام اسی طرح کا ہوتا ہے مسٹر تلنگا، اگر یہ آپ کی رائے ہے تو ٹھیک ہے۔

لیکن ذرا یہ مثال دیکھیں۔تو آسہ ہالینڈ کو شکست دے دے تو کیا ہالینڈ آسہ کے قبضے میں چلا جائے گا؟"

"آسہ کے جیتنے کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں"۔

"جی ہاں، مختصرا "یہی وہ نکتہ ہے، اہل آسہ کو بھی پتہ ہے کہ وہ جیت نہیں سکتے۔ڈچ ہر صورت جیتنا چاہتے ہیں۔اس کے باوجود، مسٹر تلنگا آسہ والے جنگ میں لڑے جا رہے ہیں۔وہ جیتنے کے لئے نہیں لڑ رہے وہ ڈچ سے مختلف ہیں۔اگر ڈچ فوج کو پتہ ہوتا کہ آسہ والے لوگ اتنے زبردست جنگجو ہیں تو وہ کبھی حملہ کرنے کی جرات نہ کرتے۔سارا معاملہ سرمائے پر نفع نقصان جمع کرنے کا ہے اگر معاملہ صرف فتح کرنے کا ہی ہوتو ہالینڈ لک برگ یا بلجیئم پر حملہ کیوں نہیں کرتا؟ کیونکہ وہ بالکل قریب واقع ہیں اور زیادہ دولت مند بھی ہیں؟"

"تم فرانسیسی ہو جین۔تمہارا جزائر میں کچھ بھی داؤ پر نہیں لگا ہوا"۔

"شاید کم از کم میں جنگ میں حصہ لینے پر اظہار افسوس تو کر ہی سکتا ہوں"۔

"لیکن فوج سے نکلنے کے بعد بھی تم میری طرح پنشن قبول کرنے کے لئے تیار ہو!"

"ہاں مگر یہ میرا حق ہے ان لوگوں پر جنہوں نے مجھے جنگ میں جھونک دیا تھا۔تمہاری ہی طرح، میں نے اپنی ٹانگ ضائع کر دی۔تمہاری طاقت اور توانائی ضائع ہو گئی۔ہم دونوں کے لئے جنگ کا صرف یہی نتیجہ نکلا۔ہمیں بحث میں پڑنے کی کیا ضرورت کیوں تلنگا؟"

"پلاٹون میں تو تم کبھی اس انداز میں نہیں بولا کرتے تھے"۔مسٹر تلنگا نے الزام لگایا۔

"اس وقت میں تمہارا ماتحت تھا، اب ایسا نہیں ہے"۔

"اس ساری بحث کا فائدہ؟ "میں نے مداخلت کی۔"میں نے تو صرف جنوبی افریقہ کے متعلق پوچھا تھا۔خدا حافظ"۔

میں وہاں سے نکلا اور سیدھا ماجدہ پیٹرز کی طرف چلا گیا۔انہوں نے بات سن کر اپنا سر ہلایا۔"جنوبی افریقہ کے متعلق؟ کیا تم سیاست دان بننا چاہتے ہو؟ "الٹا انہوں نے ہی سوال کر ڈالا۔

"سیاست دان درحقیقت کیا ہوتا ہے مس؟"

ایک دفعہ پھر انہوں نے سر ہلایا اور مجھے اس طرح دیکھا جیسے میں کسی زبردست نقصان سے دوچار ہوں۔ہم دونوں ہی کافی دیر چپ بیٹھے ایک دوسرے کا منہ تکتے رہے پھر وہ بولیں

"تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہم زیادہ تسلی سے اس موضوع پر گفتگو کر سکتے ہیں۔اس وقت بات کا کوئی فائدہ نہیں۔تم گریجویشن کو یقینی بناؤ۔تمہارے نمبر یقیناً "برے نہیں ہیں۔تمہیں زیادہ اچھے نمبروں سے پاس ہونا چاہئے۔دوسری چیزوں کے بارے میں ذہن خراب نہ کیا کرو۔منکی، یہ کہانیاں سچی ہیں، پتہ نہیں کس نے بتایا تھا کہ تم کسی نیائے کے ساتھ رہ رہے ہو؟"

"جی ہاں، مس"۔

"تمہیں ان کے بارے میں عمومی رائے کا اندازہ ہے؟"

"مجھے پتہ ہے مس"۔

"پھر تم یہ سب کچھ کیوں کر رہے ہو؟"

" کیونکہ کہیں بھی رہائش اختیار کرنا زیادہ اہم نہیں۔خصوصا "ایسی شخصیت، جنہیں ہم بظاہر نیائے سمجھتے ہیں، کے پاس جو کسی بھی تعلیم یافتہ شخص سے کم نہیں۔ وہ درحقیقت میری ٹیچر ہیں۔

"ٹیچر؟ کس چیز کی ٹیچر؟"

"اس بات کی کہ کوئی شخص صفر سے ابتدا کر کے ایک غیر معمولی اور باکمال شخص کس طرح بن سکتا ہے، اپنے تئیں کیسے پڑھ لکھ سکتا ہے؟"

"وہ پڑھی لکھی کس چیز میں ہیں؟"

"پہلے اپنی رہنمائی کرنے میں اور پھر ایک بہت بڑے کاروبار کو سنبھالنے میں۔۔۔۔۔۔"

"ایسی بے سروپا باتوں سے اپنی مدافعت نہ کرو"۔

"میرا خیال ہے، میں نے آپ سے کبھی جھوٹ نہیں بولا، مس"۔

"لیکن یہ جھوٹ ہی لگتا ہے"۔انہوں نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے مجھ پر نظر دوڑائی۔ پھر میرے اندازے کے مطابق آہ بھری، کچھ دیر سوچ میں غرق رہیں۔"مجھے مایوس نہ کرو منکی۔تم پڑھے لکھے ہو۔جاہلوں کے سے طریقے نہ اپناؤ"۔

"میں ابھی ابھی جو کہہ چکا ہوں، یہی میرا جواب ہے ایک پڑھے لکھے آدمی کا سوچا سمجھا جواب"۔

ان کی آنکھوں میں چھائی بدگمانی دور ہونا شروع ہوگئی۔اب آنکھیں جھپکاتے ہوئے وہ

عجیب نہیں لگ رہی تھیں۔

"ذرا واضح کرو کہ ایک نیا ئے کس طرح خود سے تعلیم یافتہ ہوسکتی ہے؟ اور وہ بھی یورپی تعلیم وتربیت، تمہارا یہی مطلب ہے نا؟"

" کم از کم میں یہی سمجھ پایا ہوں۔ مس ممکن ہے میں غلط سمجھا ہوں لیکن کسی فارغ وقت، آپ وہاں آنے کی کوشش کریں۔ مثلا "شام کے وقت۔ آپ کو واپسی میں چھوڑ دوں گا۔ وہ عموما" مہمانوں کا آنا پسند نہیں کرتے مگر آپ میری مہمان ہوں گی"۔

"ٹھیک ہے"۔ انہوں نے میرا چیلنج قبول کرتے ہوئے کہا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور وہاں آئیں گی۔ "آپ ابھی جانا چاہیں گی؟"

"ٹھیک ہے، منکی تمہیں یہ بات سمجھ آنی چاہئے کہ مجھے معاملات کی اصلیت سے آگاہ ہونا چاہئے تاکہ میں ٹیچرز کونسل کو واضح کرسکوں۔ کل کلاں تمہارے ساتھ کچھ بھی ہوسکتا ہے منکی"۔

چنانچہ ہم وہاں سے نکل کر، کوئی پانچ بجے سہ پہر کو ونو کرومو پہنچے۔ میں نے انہیں ڈرائنگ روم میں لاکر بٹھایا۔ میں ان کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔

"یہ تو میری توقع کے بالکل الٹ نکلا"۔ انہوں نے سرگوشی کی "ہالینڈ اور یورپ میں اس طرح کے گھر۔۔۔۔۔۔ تو تم یہاں رہتے ہو؟ "میں نے اشارے میں جواب دیا"اس طرح کے گھر کی ملکیت کوئی آسان بات نہیں اور یہاں رہنا بھی۔۔۔۔۔۔ منکی، یہ تو بالکل سنٹرل یورپ کے جرمن گھروں کی طرح ہے"۔

اچانک وہ ہڑبڑا کر ایک جانب متوجہ ہوگئیں۔ میری نگاہوں نے ان کا تعاقب کیا۔ انالیز اپنے سیاہ ریشمی گاؤن میں، ڈرائنگ روم میں داخل ہورہی تھی۔

"این، یہ ہیں میری ٹیچر مس ماجدہ پیٹرز"

انالیز نے قریب پہنچ کر، احتراما "ذرا جھک کر انہیں سلام کیا اور مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ مس ماجدہ پیٹرز پر گویا جادو سا ہوگیا۔ ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گیں۔ انہوں نے کھڑے ہوکر انالیز سے ہاتھ ملایا۔ حیرت سے ان کا منہ کھلا ہوا تھا۔

"انالیز مے لیما، ابھی ابھی بیماری سے اٹھی ہیں۔ این !ذرا مما کو تو بلاؤ؟"

"انالیز بغیر کچھ کہے، وہاں سے رخصت ہوگئی۔

" کوئی ملکہ لگتی ہے یہ منکی۔ کتنا جاذب نظر چہرہ ہے کسی اطالوی دوشیزہ کی طرح۔ کیا یہ

نیائے کی بیٹی ہے؟ "میں نے اثبات میں جواب دیا" پڑھی لکھی، خوش خلق اور زبردست لگتی ہے۔ کیا اس کی وجہ سے یہاں ٹھہرے ہوئے ہومنکی؟ "میں نے جواب نہیں دیا۔ انہوں نے میری خاموشی سے جواب پالیا۔ ' ' لگتا ہے وہ ' ' "UitherSchooneLevenvaneemMooieBoerin" میں تمہارا خاص کردار ہوگی"۔

"وہ درحقیقت ہے ہی ایسی مس"۔

"اٹلی اور اسپین کی حسینائیں، روس اور فرانس کی دوشیزائیں، اس کے مقابلے میں کہیں کم تر ہیں"۔

یوں لگا جیسے وہ اپنے مقدر کو کوس رہی ہو۔ پھر اپنے آپ سے کہنے لگیں۔ "اب سمجھ آئی لوگ کیوں مخلوط النسل حسن کی باتیں کرتے ہیں۔ لیکن حیرت ہے، گاؤن تو شام میں پہنا جاتا ہے"۔

مما اپنے عمومی لباس سفید، کڑھے ہوئے قبا یہ اور بھورے مائل سرخ اور سبز دوپٹے میں، اندر داخل ہوئیں۔ انہوں نے مہمان سے ہاتھ ملایا۔

"یہ مما ہیں مس اور یہ میری ٹیچر ہیں مس ماجدہ پیٹرز۔ ڈچ زبان وادب کی ٹیچر۔ مما عام طور پر مہمانوں سے ملنا پسند نہیں کرتیں، مس"۔ میں نے دونوں اطراف سے ہی معذرت چاہی۔ میں مما کو بتائے بغیر مس ماجدہ کو یہاں لے آیا۔ بہر حال مما میری اس حماقت کی وجہ سے قطعی اپ سیٹ نہیں ہوئیں۔ بلکہ نہوں نے کہا:

"منکی کی پڑھائی تو ٹھیک جا رہی ہے مس؟"

"وہ چاہے تو اسے مزید بہتر کر سکتا ہے"۔ انہوں نے نرمی سے جواب دیا۔

"ہم عموما "مہمانوں سے ملنے سے بچتے ہیں مس "مما نے خوبصورت ڈچ میں کہا "بہر حال آپ کی آمد ہمارے لئے خوشی کا باعث ہے"۔

"میری یہاں آمد، دراصل سکول کے معاملات سے متعلق ہے میڈم۔ ہم یہ جاننا چاہتے تھے آیا منکی یہاں مناسب طرح سے اپنی پڑھائی پر توجہ دے سکتا ہے یا نہیں"۔

"یہ صبح کا گیا، شام سے ذرا پہلے واپس آتا ہے۔ شام میں بھی اس کا پڑھنے لکھنے کا سلسلہ رہتا ہے۔ میں معذرت خواہ ہوں مس، مجھے میڈیم کہلانے کی عادت نہیں اور حقیقتا "میں بیگم

صاحب ہوں بھی نہیں۔ مجھے مخاطب کرنے کا یہ مناسب طریقہ نہیں اور یہ میرا حق بھی نہیں ہے۔ دوسرے لوگوں کی طرح، آپ بھی مجھے نیائے کہہ کر بلائیں۔ کیونکہ میں ہوں بھی نیائے، مس"۔

ماجدہ پیٹرز کی آنکھیں بری طرح جھپکنے لگیں۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ سامنے موجود خاتون کی ایسی بے باکانہ گفتگو سن کر وہ لرزسی گئیں۔

"میڈیم کہلانے میں کوئی برائی نہیں۔ اس میں توہین کا کوئی پہلو نہیں نکلتا، یا نکلتا ہے؟"

"خیر برائی تو کوئی نہیں اور نہ ہی توہین کا کوئی پہلو ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ یہ حقیقت سے لگا نہیں کھاتی اور قانون کے مطابق بھی نہیں ہے یہ۔ میرا کوئی شوہر کبھی تھا ہی نہیں۔ ایک آقا ضرور رہا ہے جو میری ملکیت کا دعوے دار ہے۔ میرا مرد"۔ میں ان کے لہجے میں ان کی تلخی محسوس کر سکتا تھا۔ انسانیت کے منہ پر براہ راست ایک طمانچہ"۔

"مالک ہے؟"

"ہاں، یونہی ہوا تھا مس، ایک یورپی خاتون ہونے کے ناطے، آپ کا لرز جانا بالکل فطری ہے"۔

میں اس طرح کی گفتگو سے بے چینی محسوس کرنے لگا۔ مما اس ملاقات کو اپنے ماضی کے زخم دکھانے کے لئے استعمال کر رہی تھیں۔ ایک غم واندوہ سے بھرپور گفتگو۔ بولنے والے کے لئے تو ہے ہی، سننے والے کے لئے بھی۔

"لیکن غلامی تو پینتیس سال پہلے جزائر میں ممنوع کر دی گئی تھی، نیائے"۔ ماجدہ پیٹرز نے جواب دیا۔

"جی ہاں، مس، جب غلامی کے بارے میں کوئی رپورٹ ہی نہیں ہوگی تو اس کا امتناع کیا؟ میں نے تو کہیں پڑھا تھا کہ جزائر کے بہت سے علاقوں میں آج بھی اسی طرح غلامی کا سلسلہ چل رہا ہے"۔

"مسی اور زینڈگ نامی کرسچین مشنوں کی رپورٹ سے؟"

"ہاں، میرے حالات بھی کم وبیش اسی طرح کے رہے ہیں"۔

ماجدہ پیٹرز چند لمحے خاموش آنکھیں جھپکاتی رہیں پھر بولیں: "میڈیم آپ نہ تو کنیز ہیں اور نہ ہی غلامی کی کوئی اور نشانی نظر آتی ہے آپ میں"۔

"نیائے کہیں مس"۔ مما نے فوراً تصحیح کی۔ "غلام بادشاہ کے محل میں بھی تو رہ سکتا ہے مگر ہوتا

غلام ہی ہے"۔

"نیائے خود کو غلام کیوں سمجھتی ہیں؟"

یہ بھی مسئلہ جو عرصے سے نہ جانے کہاں دبا ہوا تھا، اس یورپین خاتون کے سامنے پوری شدت سے ظاہر ہونا چاہ رہا تھا۔ کبھی احتجاج کے روپ میں اور کبھی شکایت کی شکل میں۔ کبھی توجہ حاصل کرنے کے لئے اور کبھی غم و غصے کے اظہار کے لئے۔ کبھی فرد جرم لگانے کے لئے اور کبھی انصاف مانگنے کے لئے۔۔۔۔۔۔ بیک وقت ساری ہی شکلیں تھیں۔ سنتے سنتے میں بری طرح پریشان ہو گیا۔ میں مسلسل وہاں سے کھسکنے کا بہانہ سوچ رہا تھا اور نیائے اپنے ماضی کے دریچے کھولنے پر بضد تھیں۔

"ایک یورپی شخص نے مجھے میرے والدین سے خریدا"۔ ان کی آواز میں گھلی ہوئی تلخی، بڑے بڑے پانچ محلات پا کر بھی کم نہیں ہو سکتی تھی۔ "میرے خریدے جان کا مقصد ہی، اس کے بچوں کی پیدائش اور پرورش تھا"۔

ماجدہ پیٹرز چپ چاپ سن رہی تھیں۔ میں نے بھی آخر وہاں سے کھسک ہی لیا۔ ان دونوں کو اپنے اپنے ضمیر کے مطابق اطمینان لینے دو۔ بالائی منزل پر پہنچ کر، میں انالیز کو، کھڑکی کے پاس، کتاب پڑھتے پایا۔

"نیچے کیوں نہیں آئیں این؟"

"یہ کتاب ختم کرنا چاہ رہی ہوں"۔

"اسے ختم کرنے کی کیا جلدی پڑ گئی؟"

"واقعی، میں تو تمہاری کہانیاں سننے کو ترجیح دوں گی۔ ماس، ابھی تم نے بہت سی کہانیاں سنائی ہی نہیں۔ تم مجھے دوسرے لوگوں کی کہانیاں پڑھنے کے لئے دیتے رہتے ہو۔ اپنی کہانی نہیں سنانا چاہتے نا؟"

"صحیح کہہ رہی ہو"۔

اس نے دوبارہ کتاب اٹھالی۔ پھر اچانک پڑھتے پڑھتے رک گئی اور میری جانب مڑی۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟ یہ تو ممنوعہ علاقہ ہے؟ ہے نا؟"

"تمہیں نیچے لے جانے کے لئے این۔ مس تم سے باتیں کرنا چاہتی ہیں"۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور پڑھنے میں مشغول ہو گئی۔ میں اس کے قریب چلا گیا اور

اس کے بالوں کو چھیڑنے لگا۔اس نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔جب میں نے اس سے کتاب چھینی تو پتہ چلا کہ اس کی نگاہیں میری اس حرکت سے ہلیں تک نہیں۔انالیز پڑھ نہیں رہی تھی۔اس نے صرف اپنا منہ اس میں چھپایا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے این؟ ناراض ہو؟" کوئی جواب نہیں ملا۔"بہت دلچسپ کہانی پڑھ رہی تھیں؟"

وہ اپنے شانوں پر جھک گئی۔میں نے اس کے بدن میں لرزش محسوس کی۔وہ سسکیوں کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔میں نے اس کا چہرہ اٹھا کر، اپنی جانب کیا۔وہ مجھ سے لپٹ گئی اور زورزور سے رونے لگی۔

"بات کیا ہے این؟ میں نے کسی بھی طرح تمہار جذبات کو مجروح نہیں کئے۔بتاؤ نا؟"

مجھے صحیح یاد نہیں،اسے ہنسانے کے لئے شاید مجھے سینکڑوں فقرے الٹے سیدھے انداز میں بولنے پڑے مگر وہ پھر بھی بول کر نہیں دی۔مجھے اس نے مضبوطی سے جکڑ رکھا تھا۔جیسے ذرا بھی اس کی گرفت ڈھیلی پڑی اور میں اڑتا ہوا کسی انجانی دنیا میں چلا جاؤں گا، اس سے بچھڑ جاؤں گا۔۔۔۔۔انالیز جذبہ رقابت کا شکار تھی۔دونوں کی گفتگو یہاں سے بھی بہ آسانی سنائی دے رہی تھی۔کیونکہ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور آہستہ آہستہ اور زیادہ واضح ہوگئی۔اب آواز سیڑھیوں سے آ رہی تھی۔مما ہمیں آوازیں دیتے دیتے،شاید اوپر ہی آ رہی تھیں۔انالیز خود ہی مجھ سے علیحدہ ہوگئی۔میں نے باہر دیکھنے کے لئے سر اٹھایا۔ماجدہ پیٹرز اور نیائے، بالائی منزل ہی کے ایک کمرے کے باہر میری منتظر تھیں۔

"مس ہماری لائبریری دیکھنا چاہتی ہیں منکی۔تم بھی آؤ، میں انہیں دکھانے جا رہی ہوں"۔انہوں نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا۔میں نے بھی یہ کمرہ پہلے نہیں دیکھا تھا۔

یہ کمرہ ہرمن مے لیما کی ذاتی لائبریری تھی۔ یہ بھی انالیز کے کمرے جتنا ہی بڑا تھا۔ کتابوں سے بھرے ہوئے تین بڑے بڑے کیبنٹ ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ ایک شیشے کی الماری میں ہرمن مے لیما نے رنگارنگ پائپ اکٹھے کئے ہوئے تھے۔پورا فرنیچر انتہائی صاف ستھرا تھا۔فرش پر قالین نہیں تھا۔عام سے تختے جڑے ہوئے تھے۔کوئی منقش بلاک بھی نہیں لگائے گئے تھے، حد یہ ہے کہ لکڑی پر پالش بھی نہیں کی گئی تھی۔صرف ایک میز اور کرسی موجود تھیں میز پر چودہ موم بتیوں کا شمع دان رکھا تھا۔ایک کتاب، جو دراصل رسالوں کی ایک جلد تھی، میز پر کھلی پڑی تھی۔

"ایک صاف ستھرا، پرسکون اور خوبصورت کمرہ"۔مس ماجدہ پیٹرز کی نگاہیں پورے کمرے کا ہر جانب سے جائزہ لے رہی تھیں۔ ناگاہ ان کی نظر کھڑکی کے شیشے کے پار، باہر کے فطری منظر پر جاپڑی۔

"اتنا خوبصورت"۔ پھر وہ میز کی جانب بڑھیں اور وہاں سے وہ کتاب اٹھالی۔اس پر کوئی خاص نظر ڈالے بغیر، انہوں نے پوچھا"یہ رسالے کون پڑھ رہا ہے؟"

"یہ تو سونے کے لئے پڑھنے والا مواد ہے"۔

"سوتے سوتے پڑھنے والا مواد !"مس ماجدہ پیٹرز ششدر سی نیائے کو دیکھنے لگیں۔

"جی ہاں، ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ سونے سے پہلے مجھے پڑھتے رہنا چاہئے"۔

"نیائے، آپ خاصا کم سوتی ہیں؟"

"سچ کہہ رہی ہیں"۔

"خاصا لمبا عرصہ آپ نے مشکلات کا بھی تو گزارا ہے"۔

"ہاں، پانچ سال تو ہو ہی گئے ہیں۔مس"۔

"ان دکھوں، تکلیفوں سے بیمار نہیں پڑیں آپ؟"

مما نے مسکراتے ہوئے اپنا سر نفی میں ہلایا۔

"نیائے آج کل ان رسالوں میں کیا ڈھونڈ رہی ہیں؟ "انہوں نے تفتیشی انداز میں پوچھا۔

"جو کچھ بھی مل جائے مس، میں۔کوئی خاص انتخاب نہیں کرتی"۔

ماجدہ پیٹرز حیرت سے انہیں دیکھنے لگیں اور پھر بولیں"آپ کو سب سے زیادہ کیا پسند ہے؟"

"جو کچھ بھی سمجھ میں آجائے مس"۔

"سناؤک ہرگرونی کے نظریہ اشتراک کے متعلق کچھ معلوم ہے آپ کو؟"

"یہ ذرا دیجئے"۔ نیائے نے رسالے میری ٹیچر کے ہاتھ سے لے کر، ان میں کوئی خاص جگہ تلاش کی اور پھر ماجدہ پیٹرز کو دکھانے لگیں۔مس نے تیزی سے صفحے پر نظر دوڑائی، سر خم کیا اور پھر میری طرف متوجہ ہوگئیں۔

"تم نظریہ اشتراک کو سکول مباحثے میں کیوں لے آئے تھے؟ نیائے سے پوچھ لیا ہوتا؟"

"میں اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتا تھا"۔ میں نے جواب دیا حالانکہ ان لمحات سے پہلے مجھے ان رسالوں میں چھپے مضامین کی نوعیت کا تو کیا، اس لائبریری کے وجود کا بھی پتہ نہیں تھا۔

پھر ماجدہ پیٹرز نے لائبریری کی الماریوں میں موجود کتابوں کا معائنہ کیا۔ ان میں زیادہ تر رسالے ہی تھے، جو انتہائی احتیاط اور خوبصورتی سے مجلد کرائے گئے تھے۔ یوں لگا جیسے وہ نیائے کے علم اور ذہانت کا انداز کرنا چاہتی ہیں ورنہ کتابوں میں انہیں کوئی زیادہ دلچسپی نہیں لگی۔ اکثر کتابیں مویشیوں کی افزائش، زراعت، تجارت، جنگلات اور لکڑی کے موضوعات پر تھیں۔ پھر انڈیز اور ہالینڈ اور جرمنی سے چھپنے والے عمومی اور خواتین کے خصوصی رسالوں کی جلدیں تھیں۔ ماجدہ پیٹرز نے تھوڑی ہی دیر میں ساری لائبریری دیکھ ڈالی۔ پھر وہ نوآبادیاتی رسالوں کی قطاروں کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔ عالمی ادب کی کتابوں، خصوصاً ڈچ تراجم پر دلچسپی سے نظر ڈالی۔

"ڈچ ادب اس میں سرے سے ہے ہی نہیں۔ نیائے۔"

"میرے مالک کو ڈچ ادب سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا، وہ فلامش ادب البتہ پڑھ لیتے تھے"۔

"پھر تو نیائے نے وہ کتابیں بھی ضرور پڑھی ہوں گی؟"

"ہاں، کچھ کتابیں ہیں تو سہی"۔

"میں پوچھ سکتی ہوں مسٹر مے لیما کو ڈچ ادب کیوں ناپسند تھا؟"

"مجھے علم نہیں مس۔ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ ان میں عمومیت بہت ہوتی ہے، جوش و جذبہ اور حرارت کا وجود ہی کہیں نظر نہیں آتا"۔

مس ماجدہ نے مزید سوالات کرنے کے بجائے ایک بار پھر بغور لائبریری کا جائزہ لیا جیسے مما کے گھرانے کی ثقافتی سطح کی تصویر ذہن میں اتار رہی ہوں۔ ظاہر ہے بعد میں، اسے سکول انتظامیہ کے سامنے زیر بحث جو آنا تھا۔

"انالیز مے لیما سے بات کر سکتی ہوں میں؟"

"این انالیز!" مما نے آواز دی۔ میں اس کے کمرے میں چلا گیا۔ وہ اسی کھڑکی کے پاس بیٹھی تھی۔ افق کا وسیع و عریض منظر اس کی آنکھوں میں سمایا ہوا تھا۔ پہاڑیوں کا طویل سلسلہ اور دور تک پھیلے جنگلات۔

"این۔ کیا تم ان سے ملنا نہیں چاہتیں؟"

"وہ اسی کیفیت میں تھی۔ چنانچہ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"ٹھیک ہے۔ کمرے میں ہی رہو این"۔ میں اسے چھوڑ کر باہر نکل آیا۔

"این"۔ مما نے نرمی سے دوبارہ آواز دی۔

"اس کی طبیعت ٹھیک نہیں، اس دفعہ رہنے دیجئے۔ وہ ابھی ابھی بیماری سے اٹھی ہے، مس"۔

وہ دونوں خواتین آپس میں گپ شپ لگاتی ہوئی نچلی منزل کے باغیچے میں چلی گئیں۔ کیا موضوع تھا، مجھے علم نہیں، کوئی ایک گھنٹے بعد میں انہیں، اس بگھی میں گھر چھوڑنے گیا۔

انہوں نے مجھے گھر میں آنے اور کچھ دیر بیٹھنے کی دعوت دی حالانکہ پورے راستے ان کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا تھا۔

"پہلی بات تو یہ ہے منکی کہ اس گھرانے سے ملنے کے بعد، میری خواہش ہوگی کہ میں ان سے میل جول رکھوں۔ تمہاری مما یقیناً "غیر معمولی شخصیت ہیں۔ اپنے دیدہ زیب لباس اور ڈچ زبان پر عبور سے قطع نظر، وہ مکمل طور پر مقامی ہیں۔ ان کی پیچیدہ شخصیت میں یورپی ترقی اور روشنی کے بہت سے پہلو صاف نظر آتے ہیں اور ان کی وسعت علمی، ایک مقامی عورت ہونے کے باوجود، حیرت انگیز ہے۔ واقعی وہ تمہاری استاد ہونے کی پوری طرح اہل ہیں۔ البتہ ان کے لہجے کی تلخی اور انتقام کی آگ حد سے زیادہ شدید ہے۔ اگر ان میں یہ منتقمانہ جذبہ نہ ہوتا، وہ واقعی بہت باکمال شخصیت ہوتیں۔ میں نے پہلی دفعہ کسی کو، اور وہ بھی عورت کو دیکھا ہے منکی جو اپنی قسمت کو پرسکون نہیں سنانا چاہتی"۔ انہوں نے ایک طویل سانس لیا"اور ان کی قانونی سمجھ بوجھ بھی کم حیرت انگیز نہیں"۔

میں خاموشی سے سنتا رہا۔ بہت سی باتیں میری عقل سے بالا تھیں۔ موقع ملا تو جین سے اس بارے میں بات کروں گا۔

"الف لیلہ کا کوئی افسانوی کردار ہو جیسے ذرا تصور تو کریں۔ وہ خود کو نیائے کہلانا زیادہ مناسب سمجھتی ہیں۔ میرے خیال میں یہ بھی ان کے انتقام کا ایک حصہ ہے۔ لیکن درحقیقت نیائے کا لفظ کسی غیر مقامی شخص کی داشتہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ وہ امتیازی سلوک کیا جانا پسند نہیں کرتیں۔ وہ اپنے جذبہ انتقام کے ساتھ، اپنی حقیقی صورت حال میں مضبوطی سے جمے رہنا چاہتی

ہیں"۔

بہرحال میں نے مداخلت نہیں کی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے مما کسی ناول کا کردار ہیں اور ماجدہ پیٹرزان کی شخصیت کے خدوخال پوری کلاس کے سامنے نمایاں کررہی ہیں۔

"جس شخص کو ہر معاملے میں مکمل غوروخوض کرنے کے بعد حکم دینے اور چیزوں کو متحرک کرنے کی عادت ہو منکی، وہ یقیناً "بڑے سے بڑا بزنس سنبھال سکتا ہے۔ میں نے ان کی طرح کی کوئی منتظم عورت کبھی نہیں دیکھی۔ کسی کاروباری اکادمی کی ڈگری بھی اس درجہ قابلیت کی ضمانت نہیں دے سکتی۔ تم درست کہتے ہو منکی، وہ ایک کامیاب اور خود شناس پڑھی لکھی خاتون ہیں اور ابھی تو میں نے صرف کاروباری سوجھ بوجھ کی بات کی ہے۔ خدا کی پناہ، ان کے منہ سے جو کچھ نکلا ہے، یہ تو منکی تاریخ ارتقا کی ایک زبردست جست ہے۔ اف خدایا، یہ خاتون تو اگلی صدی کی مخلوق لگتی ہیں!"

میں اب بھی خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔

"ادب کے متعلق وہ تم سے جان سکتی ہیں لیکن اس کے باوجود بھی انتہائی حیرت انگیز ہیں لیکن۔ تمہیں پتہ ہے کہ مجھے ان میں زیادہ حیران کن بات کیا لگی؟ وہ بڑی جرأت سے اپنی رائے کا اظہار کرتی ہیں۔ حالانکہ ان میں ضروری نہیں کہ ہر بات ہی صحیح ہو۔ انہیں غلط ہونے کا کوئی خوف ہی نہیں۔ اپنی غلطیوں کا بے خوف ہو کر جائزہ لیتی ہیں۔ یہ ان کی پختہ عادت ہے۔ اف خدایا!"

میں کوئی رائے زنی کئے بغیر، ان کی باتیں بغور سنتا رہا۔

"میں اس غیر معمولی شخصیت پر لکھنا چاہوں گی۔ افسوس کہ میں تمہاری طرح نہیں لکھ سکتی منکی۔ انہوں نے صحیح کہا تھا: بغیر کسی جذبے کے، بغیر کسی لگن کے۔ میرے پاس خواہش ہی تو ہے۔ صرف خواہش۔

اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ تمہیں خوش ہونا چاہئے، تمہیں لکھنے پر قدرت حاصل ہے اور وہ نظریہ اشتراکت منکی، تمہاری مما جیسی مقامی خاتون کے سامنے بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے، اگر انڈیز میں ایسی ہزار خواتین اور ہوتیں تو ان ڈچ حکمرانوں کی دوکان کبھی ختم ہو چکی ہوتی۔ ممکن ہے میں کچھ زیادہ ہی متاثر ہو گئی ہوں لیکن بہرحال یہ ان کا پہلا تاثر ہے۔ یاد رکھنا، پہلے تاثر کتنا ہی بھرپور کیوں نہ ہو ضروری نہیں درست بھی ہو"۔

وہ تھوڑی دیر کو خاموش ہوئیں پھر دوبارہ ایک طویل سانس لی۔

اب ان کی آنکھوں میں گھبراہٹ باقی نہیں تھی۔

"وہ اور آگے جا سکتی ہیں۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ ایسا فرد اپنے ہی لوگوں میں نہیں رہ سکتا۔ وہ ایک ایسے خلائی راکٹ کی طرح ہے جو خلا کی لامحدود وسعتوں میں محوسفر ہے۔ جیسے اپنی منزلوں سے پوری طرح واقفیت ہے، کہاں کسی سیارے پر رکنا ہے یا کب اپنی زمین پر واپس آنا ہے یا پھر ہمیشہ کے لئے فطرت کی انتہاؤں میں کہیں گم ہو جانا ہے"۔

"ارے مس، کتنی تعریف کریں گی آپ ان کی!"

" کیونکہ وہ مقامی ہیں، ایک عورت ہیں اور حقیقت میں حیرت انگیز۔۔۔۔۔"

"دوبارہ ضرور آئیے گا مس"۔

"افسوس، یہ ناممکن ہے"۔

"میرے مہمان کے طور پر"۔

"منکی، یہ ممکن نہیں ہے"۔

"ہاں، مما بہت مصروف رہتی ہیں"۔

"یہ بات نہیں، تمہاری محبوبہ میری آمد شاید پسند نہیں کرتی۔ منکی میں معذرت خواہ ہوں۔ تمہاری دعوت کا بہت بہت شکریہ۔ وہ تمہاری محبوبہ دلنواز تمہیں بے پناہ چاہتی ہے۔ تمہیں خوش ہونا چاہئے منکی۔ مجھے اب سمجھ آئی یہ ساری کہانی کس لئے گھڑی گئی تھی۔ سکول کی یہ افراتفری۔۔۔۔۔"

باب 14

بالآخر، میں خود کو، وونوکرمو میں پرسکون اور محفوظ تصور کرنے لگا تھا۔ رابرٹ کا کوئی اتہ پتہ ہی نہیں تھا۔ مما اور انالیز نے اس کا کبھی ذکر ہی نہیں کیا۔ اس کا مطلب یہ بہر حال نہیں تھا کہ میں نے اس کی جگہ لے لی ہے۔ میں نے باہر کے لوگوں پر حتی الامکان ایک اچھا تاثر چھوڑنے کی کوشش کی اور یہ بھی کہ میں یہاں مہمان ہوں اور مجھے کسی بھی وقت رخصت ہونے کو کہا جا سکتا ہے۔

ایک رات پڑھنے کے بعد میں نے سوچا کہ تحریری کام کیا جائے تھوڑا سا آرام کرنے کے بعد، دوبارہ سکول کا ہی کام کیا جائے۔ نہ جانے کیوں میں اچانک بہت ہی محنتی ہو گیا تھا۔ میں سکول میں نمایاں رہنا چاہتا تھا۔ ایک بات واضح تھی کہ اس کی وجہ نہ میرے گھر والوں کا دباؤ تھا اور نہ ہی انالیز۔

اور امی کے خطوط سے بھی مجھے کوئی خاص حوصلہ افزائی نہیں ملی۔ ان میں ہمیشہ میری پریشانیوں اور مشکلات کے متعلق ہی پوچھا جاتا تھا۔ میں نے ان کے چوتھے خط کے جواب میں لکھا کہ وہ مجھے خرچہ بھیجنا بند کر دیں اور میرے چھوٹے بہن بھائیوں کے لئے استعمال کر لیا کریں۔

خطوط لکھنا سب سے مشکل کام تھا اور ابھی تک مسٹر تلنگا کا پتہ ہی استعمال کر رہا تھا۔ وونوکرمو کا پتہ صرف سارہ اور مریم کو معلوم تھا۔ وہ خط وہیں بھیجتی تھیں۔ میں نے بھی کبھی ان سے نہیں پوچھا کہ یہ پتہ انہوں نے حاصل کہاں سے کیا تھا۔

اس شام میں نے الجبرا کی تین مشقیں کر ڈالی تھیں۔ دیوار گیر کلاک نے نو بجائے۔ گھنٹہ بجنا ختم ہوتے ہی، کسی نے دروازے پر دستک دی۔ میرے جواب دینے سے پہلے ہی انالیز اندر

آ گئی۔

"ہمارے اصولوں کے مطابق، تمہیں اب تک اپنے بیڈ میں ہونا چاہئے تھے"۔ میں نے اسے سرزنش کی۔

"نہیں !" اس نے انتہائی ضدی لہجے میں کہا "اگر پہلے کی طرح میرے کمرے میں نہیں پڑھو گے تو میں ہرگز سونے نہیں لیٹوں گی"۔

"تم تو بے جا ضد اور بحث کرنے لگی ہوا ین"۔ اوہو، اتنی متنوع قسم کی مریضہ تو ڈاکٹر مارٹی نیٹ کے بھی قابو میں نہیں آ سکتی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اپنی خواہشات کے سو فیصد پورا ہونے تک، وہ ہرگز نہیں سوئے گی۔

"چلو اوپر چلیں، تم مجھے روز کی طرح کہانی سناؤ تا کہ مجھے نیند آ جائے"۔

"ارے بھئی، میری کہانیاں بچی کہاں ہیں؟"

"ایسی باتیں نہ کرو کہ میرے لئے سونا ہی ناممکن ہو جائے"۔

"مما کو بہت سی کہانیاں آتی ہیں"۔

"تمہاری کہانیاں زیادہ مزیدار ہوتی ہیں"۔ یہ کہتے ہوئے اس نے میری ساری کتابیں بند کر ڈالیں اور مجھے کرسی سے اٹھا کر کھڑا کر دیا۔

مریض کے تابعدار ڈاکٹر کو بالآخر ہار ماننا پڑی۔ برآمدے سے نکل کر ہم بالائی منزل کی طرف چل دیئے۔ مما کے کمرے اور لائبریری سے گزر کر، ہم ایک بار پھر انالیز کے کمرے میں تھے۔ پچھلے کچھ دنوں سے میں نے اس کا کمبل بچھانا یا مچھروں کی جالی لگانا چھوڑ دیا تھا۔ طبیعت سنبھلتے ہی، وہ یہ کام خود سرانجام دینے لگی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی، وہ سیدھی اپنے بیڈ پر جا چڑھی، لیٹے ہوئے، اس نے کہا۔

"مجھے میرا کمبل تو اڑھا دو ماس"۔

"کب تک تمہاری یہ بے جا ضدیں اور بدتمیزیاں جاری رہیں گی"۔ میں نے احتجاج کیا۔

"تم میرے نخرے نہیں اٹھاؤ گے تو اور بھلا کون ہوگا؟ اچھا اب مجھے کہانی سناؤ۔ کھڑے ہی نہ رہو۔ روزمرہ کی طرح، آرام سے بیٹھ جاؤ"۔

میں بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ طبیعت بحال ہوتی ہوئی، حسن کی اس

دیوی کے سامنے بیٹھ کے، میں کیا کروں۔

"ارے بھئی، کرونا شروع کہانی، خوبصورت سی کہانی! سیٹونسن کے خزانے کے جزیرہ یا اغواشدہ سے زیادہ دلچسپ۔ ڈکنز کے ہمارا مشترکہ دوست سے زیادہ حسین۔ یہ کہانیاں بولتی نہیں ہیں ماس"۔

میں اس کی صحت تندرسی کے لئے آخر کب تک اس کی باتیں ہی مانتا رہوں!

" کس قسم کی کہانی این؟ جاوی یا یورپی؟"

"تمہاری مرضی۔ میں تو تمہاری آواز سننا چاہتی ہوں، تمہارے رس گھولتے الفاظ کانوں میں ٹپکتے دیکھنا چاہتی ہوں۔ تمہارے سانسوں کا زیرو بم محسوس کرنا چاہتی ہوں"۔

" کس زبان میں سناؤں؟ جاوی میں ڈچ میں؟"

"اتنی حجتیں نہ کرو، بس کہانی سنانا شروع کردو"۔

میں نے کہانی گھڑنا شروع کردی میں ذہنی طور پر تیار نہیں تھا اس لئے کوئی بات بن نہیں پا رہی تھی۔ پھر مجھے ملکہ سوسوہنان امنگ کرات چہارم اور راڈن سکرا کے مابین الوہی عشق کی کہانی یاد آئی مگر یہ تو بہت ڈراؤنی ہے، ایسی کہانی تو اس کی صحت پر برا اثر ڈالے گی۔ ڈاکٹر مارٹی نیٹ کا حکم یہ تھا: اسے ہلکی پھلکی اور خوش کن کہانیاں سنانا جن میں خوف اور دہشت کا نام تک نہ ہو۔ لڑکی خاصہ عجوبہ ہے حالانکہ اس کی جسمانی اور ذہنی نشوونما بالکل نارمل ہے۔ لیکن اس کی ذہنیت دس سالہ بچے کی سی ہے۔ ایک اچھے ڈاکٹر بن کر دکھاؤ۔ منکی، تم اس کا علاج کرسکتے ہو۔ ہمت پیدا کرو تا کہ وہ تم میں پورا یقین کرنے لگے۔ وہ ایک ایسی خوبصورتی کی متلاشی ہے جو اس دنیا میں کہیں موجود نہیں۔ شاید یہ وجہ بھی ہو کہ بہت ہی نوعمری میں اس پر بے پناہ ذمہ داریوں کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے۔ وہ ذمہ داری کے بغیر آزادی کی خواہاں ہے۔ منکی، اس حسن بے مثال کو کسی صورت بھی موت کے منہ میں نہیں جانا چاہئے۔ کوشش کرو اور ایسی کشتی بن جاؤ جس میں اس کا اعتماد بحفاظت تیر سکے، اسی صورت میں تم اس کی خود اعتمادی بحال کرنے میں کامیاب ہوسکتے ہو۔ لیکن سخت کوشش چاہئے۔

سو میں نے کہانی بنانا شروع کی۔ ایک ایسی کہانی جس کے انجام سے میں خود بھی بے خبر تھا۔ کبھی کسی کہانی کا کوئی کردار چرایا اور کبھی داستان کا اور ضرورت کے مطابق انہیں ڈھالتا چلا گیا۔ کہانی کوئی تو شکل اختیار کرے گی نا!

"دور دراز کے کسی ملک میں"۔ میں نے کہانی شروع کی "تمہیں مچھر تنگ تو نہیں کر رہے؟"

"نہیں، یہ اتنے دور افتادہ ملک میں مچھر کہاں سے آ گئے"۔ وہ زور سے ہنسی اور شمع کی روشنی میں اس کے کھلکھلاتے دانت چمکتے ہوئے نظر آنے لگے۔ اس کے لہجے میں کھنک تھی۔

"اس دور دراز ملک میں، یہاں کی طرح، مچھروں کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ نہ وہاں دیواروں پر چھپکلیاں چلتی پھرتی تھیں۔ صاف ستھرا، وہ ملک بہت دلکش اور صاف تھا"۔

اس دوران اس کی نگاہیں مجھ پر جمی رہیں۔ اپنی بیماری کے دنوں کی طرح، اس کی خوابیدہ آنکھوں میں جگمگاہٹ سی نمودار ہوئی۔

۔۔۔۔۔۔ بہت زرخیز اور سرسبز علاقہ تھا وہ۔ جو چیز بھی کاشت کی جاتی، خوب پھلتی پھولتی۔ کوئی کیڑے مکوڑے نہیں تھے، غربت اور بیماری کا تصور تک نہیں تھا۔ ہر ذی روح خوش وخرم اور مطمئن تھا۔

رقص وسرود کی محفلیں جمنا عام تھیں۔ لوگوں کے پاس اپنا اپنا گھوڑا ہوتا تھا، سفید، سرخ، کالا، بھورا، زرد، نیلا، گلابی، سبز، ہر نقش اور داغ دھبوں سے پاک"۔

انالیزا اپنی ہنسی روکنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی" نیلے اور کالے گھوڑے بھی ہوتے ہیں!" اس نے خود کلامی کی۔

"اسی خوبصورت ملک میں ایک شہزادی رہتی تھی۔ جس کا حسن وجمال بے مثال تھا۔ مخمل کی طرح نرم جلد، دن کی طرح روشنی ستاروں کی جیسی جگمگاتی آنکھیں۔ اس کے چہرے پر نگاہ ٹھہر نہیں سکتی تھی۔ پہاڑیوں کی طرح ڈھلوان بھنویں، ان ستارہ آنکھوں کی محافظ، جسم کے تابناک خدوخال، ہر شخص جن کے خواب دیکھے۔ رعایا اس سے بہت محبت کرتی تھی۔ اس کی آواز، سننے والوں کی سماعت میں شہد گھول دیتی۔ اس کی توبہ شکن مسکراہٹ، ہر زاہد کو توڑ ڈالتی۔ ہنستے ہوئے، اس کے چمکتے آبدار دانت، تعریف کرنے والے کے دل کی نئی نئی امیدیں جگا دیتے۔ اور غصہ آتا تو سارے بدن کا خون اس کے چہرے پر جمع ہو کر، اسے سرخ انگارہ کر ڈالتا۔۔۔۔۔۔ حیرت انگیز۔۔۔۔۔۔ اس کا حسن اور زیادہ دلکش اور سحر انگیز ہو جاتا۔

ایک دن، وہ اپنے سفید گھوڑے پر سوار باغ کے اردگرد سیر کر رہی تھی۔۔۔۔۔۔"

"اس کا نام کیا تھا ماں؟ اس شہزادی کا؟"

میں ابھی اس کا کوئی نام نہیں رکھ پایا تھا کیونکہ ابھی میرے ذہن میں یہی واضح نہیں تھا کہ کہانی مغرب کی ہے۔ انڈیز کی ہے، چین کی ہے یا پیرس کی۔ چنانچہ:

"۔۔۔۔۔۔ رنگ برنگے پھول اسے دیکھتے تو احتراماً جھک جاتے۔ اس کی خوبصورتی کے آگے شکست خوردہ لگتے، ان کے رنگ اور جھلملاہٹ پیلے پڑ جاتے۔ شہزادی گزر جاتی، تب وہ اپنا سر اٹھائے اور سورج سے مخاطب ہو کر کہتے "سورج دیوتا! ہمیں اتنی شرمندگی کیوں اٹھانی پڑتی ہے؟ کیا اس دنیا میں تو نے ہمیں خوبصورت ترین تخلیق نہیں بنایا تھا؟ تو نے ہمیں انسانوں کی زندگی میں دلکشی اور تابناکی لانے کے لئے پیدا کیا تھا۔ اب ہم سے بھی زیادہ دلفریب اور حسین شے کیوں جنم دے ڈالی؟

سورج کیا جواب دیتا، وہ خود شرم کے مارے کسی گہرے بادل کی اوٹ میں اپنا منہ چھپا لیتا۔ دل شکستہ پھولوں کو بہلانے کے لئے، ہوا چل پڑتی۔ پھر بارش آ کر پھولوں کی رنگ برنگ پتیوں کو نہلا دیتی تا کہ وہ اور زیادہ تر و تازہ لگیں۔

شہزادی گھڑ سواری میں مصروف رہی اسے گرد و پیش کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ بارش اور تیز ہوا بیچارے اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے۔ سڑک سے گزرتے لوگ، اسے دیکھ کر رک جاتے اور کھڑے ہی رہ جاتے"۔

میں نے انالیز کی آنکھیں بند ہوتے دیکھیں۔ میں نے اٹھ کر ایک پنکھ سے مچھروں کو بھگایا اور پھر اس کے اوپر مچھر دانی تان دی۔

"ماس" اس نے آنکھیں کھول کر آواز دی۔ میرا ہاتھ تھام لیا جیسے مجھے باہر جانے سے روکنا چاہ رہی ہو۔ میں دوبارہ بیٹھ گیا۔ کہانی کا تانا بانا بکھر گیا تھا۔ میں نے اسے دوبارہ جوڑنے کی کوشش کی۔

"ہاں تو شہزادی گھڑ سواری کر رہی تھی۔ اسے دیکھنے والے ہر شخص کے دل میں یہ خواہش جاگتی کہ کاش وہ اس کا گھوڑا ہوتا تو وہ خوشی سے پاگل ہو جاتا۔ لیکن شہزادی کو ان کے محسوسات کا بھلا کیا اندازہ! وہ اپنے آپ کو کوئی علیحدہ مخلوق سمجھی تھی۔ نازنخرے تو دور کی بات ہے، اسے تو اپنی خوبصورتی کا احساس ہی نہیں تھا"۔

"اس شہزادی کا نام کیا تھا؟"

"ہاں، کیا نام تھا اس کا؟"

"اس کا نام۔۔۔۔۔۔اس کا نام۔۔۔۔۔۔ "اس نے زور سے کہا"اس کا نام انالیز تھا نا؟"

"ہاں، ہاں، اس کا نام انالیز تھا "اور کہانی کا رخ انالیز کی جانب پھر گیا۔"اس کے پاس ہر طرح کے کپڑے تھے۔ سیاہ مخملیں گاؤن اس کا پسندیدہ لباس تھا۔ تھا تو شام کا لباس مگر وہ اسے ہر وقت پہننا پسند کرتی تھی۔ وہ شہزادی ایسے زندہ جاوید اور دلکش پیار کی خواہاں تھی جو دور افق میں بسے دیوی دیوتاؤں سے ہی مخصوص رہا ہے۔ وہ ایک وجیہہ، دلکش، جرات مند اور زبردست شہزادے کی منتظر تھی، جو دیکھنے میں دیوتاؤں سے بڑا نظر آئے۔

اور ایک دن، خدا کا کرنا کیا ہوا، شہزادی کی امیدوں پر پورا اترنے والا شہزادہ آ گیا۔ وہ بہت وجیہہ تھا مگر اس کا اپنا گھوڑا نہیں تھا۔ بلکہ سچ تو ہے اسے گھوڑا چلانا بھی نہیں آتا تھا"۔

انالیز نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"انالیز تم ہنسے کیوں جا رہی ہو؟"

"اس شہزادے کا نام منکی تھا نا؟"

"ہاں، اس کا نام منکی تھا"۔۔۔۔۔۔۔انالیز نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، میرا ہاتھ بدستور اس کے ہاتھوں میں تھا۔ جیسے اسے میرے وہاں سے چلے جانے کا خوف ہو۔

"شہزادہ بڑے فاتحانہ انداز میں شہزادی کے محل میں داخل ہوا۔ ایک ہی نظر میں دونوں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو گئے۔ ظاہر ہے اس کا کوئی اور نتیجہ برآمد ہو بھی نہیں سکتا تھا۔

"نہیں، پہلے شہزادے نے اسے پیار کیا تھا"۔ انالیز نے احتجاج کیا۔

"ہاں، شہزادہ بھول ہی گیا تھا۔ اس نے شہزادی کو پیار کیا اور وہ اپنی والدہ سے شکایت کرنے چلی گئی۔ وہ شہزادے کو جھاڑ نہیں پڑوانا چاہتی تھی بلکہ وہ تو شہزادے کی پسندیدگی کی منظوری لینا چاہتی تھی۔ لیکن اس کی والدہ نے کوئی توجہ ہی نہیں دی"۔

"اب تو تمہاری کہانی بالکل ہی غلط جا رہی ہے ماس، اس کی والدہ نے کچھ زیادہ ہی توجہ دی اور وہ ناراض ہو گئیں"۔

"کیا یہ سچ ہے کہ وہ ناراض ہوئی تھیں؟ کیا کہا تھا انہوں نے؟"

"انہوں نے کہا: شکایت کس بات کی؟ تم خود یہی چاہتی تھیں کہ وہ تمہیں پیار کرے"۔

اب مجھ سے ہنسی ضبط نہیں ہو سکی۔ مگر میں نے، اس کی ناراضگی سے بچنے کے لئے دوبارہ

اپنی پوری توجہ کہانی کی جانب لگا دی۔

"شہزادہ بالکل ہی بے وقوف تھا۔ اب تک کہانی میں، اس نے دو جگہ غلطی کر ڈالی ہے۔ سچ یہی ہے کہ شہزادی کی اپنی خواہش بھی یہی تھی اور وہ شہزادے کے پیار کی توقع بھی کر رہی تھی"۔

"جھوٹے کہیں کے ! شہزادی کو کوئی خواہش نہیں تھی پیار کیے جانے کی۔ شہزادی کو تو سمجھ ہی نہیں آئی کہ ہو کیا رہا ہے۔ شہزادہ آیا۔ اسے گھوڑا اچلانا نہیں آتا تھا۔ بلکہ وہ تو گھوڑوں سے ڈرتا تھا۔ وہ آیا اور شہزادی کی حیرت سے فائدہ اٹھا کر، اس نے اسے پیار کر لیا"۔

"اور شہزادی کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ وہ تو اپنے سینڈل تک وہیں چھوڑ گئی"۔

"اتنا جھوٹ نہ بولو ماس"۔ اس نے احتجاجا میرا بازو زور سے کھینچا تاکہ میں کہانی کو غلط رخ نہ دوں اور میں سیدھا اس کی آغوش میں جا گرا۔ میرے دل میں سمندر کی سی طغیانی ابھرنے لگی۔ خون گویا مجتمع ہو کر میرے سر میں آ گیا۔ کوئی لمحہ جاتا اور میں اپنے ہوش وحواس اور ڈاکٹر کے طور پر اپنے فرض سے بیگانہ ہو جاتا۔ میں نے اس سے علیحدہ ہونے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی اکھڑتی سانسیں، میری بے ترتیب دھڑکنیں، سماعت میں شور مچا رہی تھیں۔ ممکن ہے یہ میرا اپنا ہی انتشار ہو اور میں اسے محسوس نہ کر سکا ہوں۔ دنیا، قدرت غرض ہر شے گھلتی جا رہی تھی۔ ختم ہو رہی تھی۔ صرف وہ اور میں تھے اور نہ جانے کس اجنبی قوت نے ہم دونوں کو ماقبل از تاریخ حیوان بنا کر رکھ دیا۔ حیوانی جذبے تھے اور ہم دونوں۔

بالآخر، ہم تھکن سے چور چور، ایک دوسرے کے برابر لیٹ گئے۔ کوئی چیز کھو گئی تھی ہم سے۔ ہر طرف ایک بے معنی سکوت چھا گیا میرے دل کی دھڑکن بھی خاموش تھی۔ میرے دل کے اندر سے سیاہ لوتھڑے نکلنے لگے۔ یہ سب کیا ہے؟

انالیز نے پھر میرا ہاتھ تھام لیا۔ مکمل سکوت تھا۔ ہم دونوں کے درمیان نفرت / دشمنی کی بو سی در آئی تھی۔

"افسوس ہو رہا ہے ماس؟ "میرے ایک طویل سانس لینے پر انالیز نے پوچھا۔

مجھے واقعی دکھ ہو رہا تھا۔ ایک پڑھا لکھا آدمی، جسے مریض کی صحت کا خیال رکھنا ہے۔ سیاہ لوتھڑے سے ہر جگہ پھیلتے جا رہے تھے اور بھی بہت سے دکھ تھے جن میں بہر حال میری مرضی کا کوئی دخل نہیں تھا۔

انالیز مجھ سے جواب چاہ رہی تھی۔ جواب میں میرے منہ سے ایک اور گہری سانس نکل

گئی۔ پہلی سانس سے بھی زیادہ طویل۔ وہ خود کو یقین دلانے کے لئے، اپنا چہرہ میرے بالکل قریب لے آئی۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ جواب چاہتی ہے۔

"بولیں ناماس"۔اس نے پورا زور ڈالا۔اس کی جانب نگاہ اٹھائے بغیر، میں نے کہا۔

"یہ بات صحیح ہے این کہ میں پہلا آدمی نہیں ہوں؟"

اس نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی، بستر پر بکھر گئی۔ میری جانب اس کی پشت تھی اور منہ دیوار کی طرف۔ وہ ہلکے ہلکے سسکیاں بھر رہی تھی۔ اتنا سخت اور چبھتا ہوا سوال پوچھنے پر مجھے قطعی کوئی افسوس نہیں تھا۔

وہ اسی طرح سسکیاں لے رہی تھی اور میں اس پر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کر رہا تھا۔

"تمہیں افسوس ہے ماس، تمہیں اس کا دکھ ہے"۔ وہ گویا چیخنے لگی۔

مجھے اپنا فرض یاد آ گیا۔

"معافی چاہتا ہوں این"۔ میں نے اس کے نرم بالوں میں اپنا ہاتھ پھیرا۔ بالکل اسی طرح جیسے اس نے اپنے گھوڑے کے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔ وہ پرسکون ہو گئی۔

"مجھے معلوم تھا"۔اس کی ہمت بڑھی "ایک دن میرا محبوب مجھ سے یہ سوال کرے گا"۔ اس نے مزید پرسکون ہوتے ہوئے بات جاری رکھی۔"میں اس سوال کا جواب دینے کے لئے اپنا تمام حوصلہ مجتمع کیا ہے۔اس کا سامنا کرنے کے لئے۔ پھر بھی ڈرتی ہوں۔ڈرتی ہوں تم مجھے چھوڑ دو گے۔تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے ماس؟ "ابھی بھی میری جانب اس کی پشت تھی۔

"نہیں، انالیز ڈارلنگ"۔منکی نے بات اڑانے کی کوشش کی۔

"مجھ سے شادی کرو گے ناماس؟"

"ہاں"۔

وہ سسکیاں لینے لگی۔ آہستہ آہستہ۔اس کے شانے لرزنے لگے۔ میں اس کی یہ کیفیت ختم ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ میری جانب اپنی پشت اسی طرح کئے، وہ ہلکے سے بولی، ہر لفظ تقریباً سرگوشی میں:

"افسوس، ماس تم وہ پہلے آدمی نہیں ہو۔لیکن مجھ سے زبردستی کی گئی تھی، ایک ایسی تباہی، جس میں خود کو بچا نہیں سکی"۔

"وہ پہلا آدمی تھا کون؟ "میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔اس نے کافی دیر تک جواب نہیں دیا۔

"تم اس سے انتقام لینے کی کوشش کروگے۔

"آخر وہ تھا کون؟"

"بے پناہ شرم کی بات ہے "اس کی پشت ابھی تک میری جانب تھی۔آہستہ آہستہ مجھے احساس ہوا کہ میں رقابت کا شکار ہو گیا تھا۔

"وہ جانور "اس نے دیوار پر سر مارا"رابرٹ تھا"۔

"رابرٹ !"میں نے چیختے ہوئے کہا"سرہوف۔یہ ناممکن ہے"۔

"سرہوف نہیں"۔ایک دفعہ پھر اس نے سر دیوار سے ٹکرایا"رابرٹ مے لیما!"

"تمہارا بھائی؟ میں حیرت سے لرز کر رہ گیا۔وہ دوبارہ سسکیاں بھرنے لگی میں نے سختی سے اسے کھینچا۔وہ بستر پر گر پڑی اور اپنا منہ ہاتھوں سے چھپالیا۔اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر بتر تھا۔

"جھوٹ بولتی ہو"۔میں نے الزام لگایا۔گویا اس انداز میں بات کرنا میرا حق تھا۔

اس نے اپنا سر نفی میں ہلایا۔منہ ابھی تک اس نے اپنے بازوؤں میں دیا ہوا تھا۔میں نے اس کا بازو کھینچا۔اس نے مزاحمت کرتے ہوئے،اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔

"اگر جھوٹ نہیں بول رہیں تو منہ کیوں چھپا رہی ہو؟"

"میں شرمندہ ہوں ماس"۔

" کتنی دفعہ یہ حرکت کی تم نے؟"

"صرف ایک بار،سچ کہہ رہی ہوں۔وہ بڑا خوفناک حادثہ تھا"۔

"جھوٹ بکتی ہو"۔

"میں جھوٹی ہوں تو مجھے مار ڈالو"۔اس نے پورے اعتماد سے کہا" کبھی نہ کبھی تمہیں اس واقعے کی حقیقت پتہ چلے گی۔ایسی زندگی کا کیا فائدہ جہاں تمہارا یقین مجھے نہ مل سکے"۔

"رابرٹ مے لیما کے علاوہ اور کون تھا؟"

" کوئی نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔بس تم!"

میں نے اس کا بازو چھوڑ دیا اور اس کی شکستہ وضاحت پر غور کرنے لگا۔شاید نیائے

گھرانوں کی اخلاقی سطح اسی طرح کی ہوتی ہو؟ میرا جواب اثبات میں تھا۔جین میریز کا فقرہ میرے ذہن میں گونجا: پڑھے لوگوں کو، اپنی سوچ میں بھی دیانت دار اور انصاف پسند ہونا چاہئے۔ میں نے میریز کا اشارہ اور اپنا الزام دونوں اپنے تصور میں لئے۔میرا اپنا اخلاق کونسا شاندار ہے۔ مجھے خود پر شدید شرم محسوس ہوئی۔انالیز کی اور میری اخلاقی حالت میں بھلا کیا فرق تھا۔

کافی دیر تک خاموشی طاری رہی دونوں اپنے اپنے خیالوں میں گم تھے۔پھر اس کی آواز سنائی دی۔

"ماس میں یہ سارا قصہ سناتی ہوں"۔اس کی آواز میں ٹھہراؤ آ گیا تھا۔وہ اپنا دفاع کرنا چاہتی تھی۔یہ حوصلہ کرتے ہی اس نے اپنی سسکیوں پر قابو پالیا تھا۔البتہ اپنی آنکھیں بازوؤں میں چھپا رکھی تھیں۔

"مجھے وہ دن آج بھی یاد ہے۔نہ صرف دن بلکہ مہینہ، سال اور تاریخ بھی، دیوار کے کیلنڈر پر تم اس پر سرخ دائرہ لگا دیکھ سکتے ہو، کوئی چھ ماہ پہلے، مما نے مجھے ڈارسم کو ڈھونڈنے کے لئے کہا۔لوگوں نے بتایا کہ وہ اردگرد کے دیہاتوں میں کہیں گیا ہے۔میں نے پسندیدہ گھوڑے پر سوار، اسے تلاش کرنے نکل گئی۔گاؤں در گاؤں، میں اسے آوازیں دیتی، ڈھونڈتی رہی۔دیہاتی بے چارے بھی میری مدد کے لئے بھاگ دوڑ کرتے رہے لیکن ڈارسم مل کر نہ دیا۔

پھر کسی نے بتایا کہ وہ غالباً مونگ پھلی کی فصلوں کا معائنہ کرنے گیا ہے۔میں نے واپس مونگ پھلی کے کھیتوں کا رخ کیا۔وہ وہاں بھی نہیں ملا۔وہ کوئی گھنے درخت بھی نہیں تھے مگر اس کے باوجود وہ نظر نہیں آیا۔وہ اپنے سیاہ لباس کی وجہ سے، ویسے بھی، آسانی سے پہچانا جاتا تھا۔ بہر حال وہ وہاں تھا ہی نہیں۔ پاس سے گزرتے ایک بچے نے بتایا کہ وہ درختوں کے جھنڈ کی دوسری جانب ہے۔مجھے یاد آیا کہ وہ کچھ نئے کھیت ہموار کرنے میں مصروف تھا، ایک نئے میدان میں۔وہاں ابھی تک جنگلی گھاس پھوس اور جھاڑیوں کی بھر مار تھی۔وہ وہاں لوسن نامی گھاس اور مویشیوں کا چارہ اگانے کا پروگرام بنا رہا تھا۔مما کچھ نئے مویشی آسٹریلیا سے درآمد کر رہی تھیں اور یہ چارہ انہیں کے کام آنا تھا۔چاروں جانب جھاڑیوں کے جھنڈ کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ تمہیں یاد ہے نا، جھاڑیوں کا وہ جھنڈ، جس طرف میں نے جانے سے انکار کر دیا تھا"۔

"ہاں"۔میرے ذہن میں جھاڑیوں کا وہ جھنڈ ابھر آیا۔خاصے بڑے بڑے اور ایک دوسرے میں بری طرح الجھے ہوئے تھے۔اس نے ادھر جانے سے انکار کر دیا تھا۔مجھے اس کا بری

طرح لرز جانا بھی اچھی طرح یاد تھا۔

"میں ڈارسم کو پکارتی ہوئی، اسی جانب مڑ گئی۔ جھاڑیوں کی دوسری جانب۔ کہیں بھی کوئی جواب نہیں ملا۔ جھاڑیوں کے بیچوں بیچ ایک چھوٹی سی پگڈنڈی پر، مجھے رابرٹ نظر آ گیا"۔

"این"۔ رابرٹ نے معنی خیز نگاہوں سے میرا استقبال کیا۔ اس کی رائفل اور صبح سے شکار کئے ہوئے سارے پرندے زمین پر پڑے تھے۔ "ڈارسم ابھی یہاں سے گیا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ مما سے ملنے جا رہا ہوں۔ اسے مما سے غالباً نو بجے ملنا تھا اور وہ بھولے بیٹھا تھا۔ کوئی دو گھنٹے لیٹ ہے وہ !" وضاحت سن کر میں ذرا مطمئن ہو گئی۔

" کتنے پرندے شکار کئے ہیں تم نے؟ "میں نے پوچھا۔ اس نے پرندوں کی ٹوکری مجھے دکھائی۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں این"۔ البتہ ایک عجیب سی چیز میں نے پکڑی ہے۔ ادھر آ ؤ، تمہیں دکھاؤں"۔ وہ چند میٹر آگے گیا اور وہاں اس نے ایک بڑی سیاہ بالوں والی جنگلی بلی کی لاش اٹھائی۔ میں اسے دیکھنے کے لئے گھوڑے سے اتر آئی۔ "یہ محض کوئی بلی نہیں ہے"۔ اس نے کہا "ممکن ہے جنگلی بلی کی کوئی قسم ہو، دیہاتی اسے بلاچن کہتے ہیں"۔

میں نے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ وہ غالباً سر پر چوٹ لگنے کی وجہ سے ماری گئی تھی۔

"میں نے نہیں مارا اسے۔ یہ درخت کے پاس پڑی سو رہی تھی۔ میں دبے پاؤں اس کی طرف بڑھا۔ یہ اٹھی اور بھاگتے ہوئے درخت سے ٹکرا گئی اور مر گئی"۔

اس کے گندے ہاتھ میرے شانے سے لگے تو مجھے اس پر غصہ آ گیا، میں نے اسے باتیں سنائیں۔ اس نے کسی پاگل بیل کی طرح مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں توازن کھو بیٹھی اور جھاڑیوں میں جا گری۔ کاش کسی جھاڑی کی کوئی سخت اور دھاردار شاخ میرے جسم میں پیوست ہو جاتی اور میری زندگی وہیں ختم ہو جاتی۔ وہ بالکل میرے اوپر آ گرا۔ اس نے مجھے بائیں بازو سے جکڑ لیا اور میرا منہ بھی بند کر دیا۔ میں سمجھ گئی تھی کہ میری موت قریب آ گئی ہے۔ میں نے اس کا منہ نوچ نوچ کر، آزاد ہونے کی کوشش کی مگر اس کے طاقتور بازوؤں کا مقابلہ نہ کر سکی۔ میں مما اور ڈارسم کو آواز دیتی رہی۔ مگر میری آواز اس کی ہتھیلی تلے دم توڑتی رہی۔ پھر مجھے مما کی وارننگ یاد آئی: اپنے بھائی کے قریب نہ جانا۔ یہ بات مجھے بہت دیر سے سمجھ آئی۔ مما عرصہ پہلے اس کی حرص و ہوس کی فطرت سمجھ گئی تھیں۔ وہ پاپا کی ساری جائیداد پر اپنا قبضہ جمانا چاہتا تھا۔ پھر مجھے احساس ہوا کہ وہ

مارنے سے پہلے میری عزت لوٹنا چاہتا ہے۔ اس نے میرے کپڑے پھاڑ ڈالے لیکن مسلسل میرے منہ پر اپنا ہاتھ رکھے رہا۔ میرا گھوڑا زور زور سے ہنہناتا رہا۔ میں اس سے بھلا کس طرح مدد کی بھیک مانگتی۔ میں نے اپنی دونوں ٹانگیں کسی شکنجے کی طرح کس لیں۔ مگر اس کے قوی ہیکل بدن کے آگے میری کیا چلتی۔ اس نے میری ٹانگیں چیر کے رکھ دیں۔ میں بربادی سے نہ بچ سکی۔

"اس بربادی سے کیسے بچتی میں، ماس؟" کافی دیر تک وہ خاموش رہی۔ میں نے بھی اسے کچھ نہیں کہا مگر اپنے تصورات میں اس کہانی کے خوفناک لمحات سمیٹتا رہا۔

"میرا گھوڑا ہنہناتے ہنہناتے رابرٹ کی طرف بڑھا اور اس کے نچلے حصے کو کاٹنے لگا۔ بھائی درد کے مارے چیختا ہوا اٹھا اور بھاگ لیا۔ گھوڑے نے تھوڑی دور اس کا پیچھا کیا۔ وہ جھاڑیوں کے جھنڈ سے باہر نکل چکا تھا۔ میں نے اس کی رائفل اٹھائی اور اس کے پیچھے بھاگی۔ میں نے اس پر گولیاں بھی چلائیں۔ پتہ نہیں کوئی گولی اس کے لگی یا نہیں دور سے مجھے اس کی پینٹ خون میں تربتر لگ رہی تھی۔ غالباً گھوڑے کے کاٹنے کے زخم تھے۔ میں نے رائفل زمین پر پھینک دی میرا بدن زخموں سے چور چور تھا۔ میں نے اپنے منہ میں خون کا ذائقہ محسوس کیا۔ میں اپنے گھوڑے باوک پر چڑھ نہیں پائی۔ لیکن دیہاتیوں کے نزدیک آتے ہی میں نے ہمت اکٹھی کی اور گھوڑے پر سوار ہوگئی تاکہ میرے پھٹے اور بے ترتیب لباس پر لوگوں کی نظر نہ پڑ سکے۔

"انالیز!" میں نے شدت جذبات سے مغلوب ہو کر اسے لپٹا لیا" مجھے تمہارا یقین ہے این، تم سچی ہو"۔

"تمہارا اعتماد ہی میری زندگی ہے ماس اور اس بات کا مجھے ابتدا ہی سے پتہ ہے"۔

پھر کچھ دیر ہم چپ چاپ بیٹھے رہے۔ پھر مجھے ڈاکٹر کے مشوروں کے بارے میں شک ہونے لگا۔ وہ کافی بڑی اور سمجھدار تھی۔ وہ اپنا تحفظ کرنا جانتی تھی۔ یہ اور بات وہ اس حادثے سے نہ بچ سکی۔ اسے زندگی اور اعتماد کا مفہوم اچھی طرح آتا تھا۔

"تم نے مما کو کچھ نہیں بتایا؟"

"اس سے کیا فائدہ ہوتا؟ معاملات اور بھی زیادہ بگڑ جاتے۔ مما کو پتہ چل جاتا تو رابرٹ ڈارسم کے ہاتھوں ختم کرا دیا جاتا اور پھر سب کچھ تباہ ہو جاتا۔ مما، میں۔ کوئی ہمارے قریب بھی نہ پھٹکتا، کوئی کاروبار نہ رہتا اور ہمارا گھر بھوتوں کا گھر مشہور ہو جاتا"۔

اس نے آخری الفاظ بڑا زور دے کر کہے۔ لیکن اچانک اس کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ

مجھ سے لپٹ کر دوبارہ رونے اور سسکیاں لینے لگی۔

''میں نے یہ سب غلط کیا تھا؟ ماس''۔ میں نے شدت جذبات میں اسے دبوچ ہی لیا۔
ایک بار پھر میرے دل کی گہرائی سے سمندر کی سی طغیانی اٹھنے لگی۔ ایک بار پھر قبل از تاریخ دور کے دو حیوان ایک دوسرے کی خواہشات کی تکمیل میں گتھم گتھا ہو گئے۔ حیوانی تلاطم ختم ہوا تو ہم دونوں نڈھال بیڈ پر پڑے تھے۔ اس دفعہ دل میں کوئی سیاہ لوتھڑا نمودار نہیں ہوا۔ ہم ایک دوسرے کے ساتھ لیٹے رہے۔ لکڑ کے بنے گڈے گڑیا کی طرح۔

انالیز نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

لاشعوری طور پر، شاید سوتے جاگتے، مجھے محسوس ہوا جیسے میں نے مما کے آنے کی چاپ سنی ہے۔ وہ لمحے بھر کو بستر کے سامنے رکیں۔ مچھروں کو وہاں سے ہٹا کر بڑبڑاتی ہوئی واپس جانے لگیں: '' کیسے لپٹے ہوئے ہیں ایک دوسرے سے، بالکل دو کیکڑوں کی طرح''۔

سوتے جاگتے، خواب کی سی کیفیت میں، میں نے مما کو، ہم دونوں کو کمبل اڑھاتے محسوس کیا۔ مچھردانی تنتی دیکھی، شمع دان کی روشنی بجھی اور پھر دروازہ بند ہوتے دیکھا۔

باب 15

میرے سکول کے ساتھی اب بھی مجھ سے دور دور رہتے تھے۔ البتہ ڈیپرسٹی دوبارہ میرے قریب آ گیا تھا۔ وہ ہر وقت میری تعریف کرتا رہتا اور ماہ مئی کے بچے کی طرح۔۔۔۔۔۔ ایک خوش نصیب اور کامران بچے کی طرح، میرا خیال رکھتا۔ وہ بہت محنتی طالب علم تھا مگر اس کے نمبر ہمیشہ مجھ سے کم آتے۔ میں ہی اسے جیب خرچ دیا کرتا تھا۔ شاید اسی وجہ سے وہ مجھے اپنے بڑے بھائی کی طرح سمجھتا تھا۔ پڑھتے ہم ایک ہی کلاس میں تھے۔

میرے بارے میں اڑنے والی کسی بھی افواہ کا مجھے جان ڈیپرسٹی سے پتہ چل جاتا۔ مجھے رابرٹ سرہوف کی اپنے خلاف کی جانے والی خباثتیں معلوم ہوتی رہتی تھیں۔ جان ہی نے بتایا کہ سرہوف نے ہی سکول ڈائریکٹر کو میری رپورٹ دی تھی۔ میری بلا سے۔ میں نے سوچا، وہ مجھے نکال سکتے ہیں، نکال دیں۔ اس سکول میں اب مجھے اور کرنا بھی کیا ہے۔ کہیں اور؟ زیادہ آزادی اور صلاحیت کا مظاہرہ کرسکوں گا۔

ایک دفعہ سکول ڈائریکٹر نے مجھے خاص طور سے بلا کر پوچھا کہ میں تنہا کیوں رہنے لگا ہوں اور دوسرے لڑکے مجھ سے گھلنا ملنا کیوں پسند نہیں کرتے۔ میں نے جواباً کہا: میں ان سب کو پسند کرتا ہوں البتہ میں انہیں خود کو پسند کرنے کے لئے مجبور نہیں کرسکتا۔ ان کا کہنا تھا کوئی وجہ تو ہوگی ان کی ناپسندیدگی کی۔ میں کیا بتاتا۔ میں نے یہی کہا کہ میں وجہ نہیں جانتا۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ رابرٹ سرہوف میرے متعلق غلط سلط افواہیں اڑاتا رہتا ہے۔

" کیوں کہ اب تم ان جیسے نہیں رہے۔ ان کا حصہ نہیں رہے، ان میں سے نہیں رہے"۔

میں فوراً سمجھ گیا کہ یہ میرے نکالے جانے کی علامت ہیں ٹھیک ہے۔ میں نے ایسی صورت حال کے لئے خود کو ذہنی طور پر تیار کر رکھا تھا۔ گھبرانے کی کیا بات ہے۔ میں اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ سکوں گا؟ کوئی بات نہیں، آخری تجزیے میں، سکول آنا جانا تو محض دن پورے کرنے کی

رسمی کارروائی تھا۔ اگر میں آگے بڑھ سکا تو ٹھیک ہے وگرنہ کیا فرق پڑتا ہے۔

"ہمیں امید ہے کہ تم اپنے رویئے کو بہتر کر سکتے ہو۔ تمہاری ایک دن اپنی اہمیت ہوگی۔ سرکاری افسر ہوگے۔ تم مغربی تعلیم حاصل کر رہے ہو۔ تم یورپ جا کر بھی پڑھ رہے ہوگے۔ کیا تم بوپاتی نہیں بننا چاہتے؟"

"نہیں، جناب"۔

"نہیں؟ "ان کی تیز نگاہیں مجھ پر جم کر رہ گئیں۔ "اچھا تم لکھاری بننا چاہتے ہو، لکھنا تو تم نے شروع بھی کر دیا ہے۔ یا غالباً اخبار نویس، پھر بھی عمومی زندگی میں مناسب رویئے بہت ضروری ہوتے ہیں یا مجھے ٹاؤن بی کے بوپاتی یا اسسٹنٹ ریذیڈنٹ ہربرٹ ڈی لاکروکس کو خط لکھنا پڑے گا؟"

"اگر آپ انہیں خط لکھنے کا کوئی فائدہ سمجھتے ہیں تو ایسا کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں"۔

"سو تم سمجھتے ہو کہ مجھے انہیں خط لکھ ہی دینا چاہیے"۔

"یہ میرا مسئلہ نہیں۔ آپ کو دیکھنا ہے ڈائریکٹر۔ جیسا مناسب سمجھیں کریں"۔

"یہ تمہارا مسئلہ ہی نہیں"۔ ان کی تیز نظریں مجھے گھورے جا رہی تھیں۔ پھر حیرت زدگی میں، ذرا ہچکچاتے ہوئے بولے "میں اس وقت مخاطب کس سے ہوں؟ منکی سے یا میکس ٹولی نار سے؟"

"دونوں ایک ہیں جناب۔ ایک ہی فرد کے دو نام ہیں"۔

انہوں نے مجھے واپس جانے دیا اور دوبارہ نہیں بلایا۔ مس ماجدہ پیٹرز بھی کچھ فاصلہ رکھنے لگی تھیں۔ بظاہر ان کا تعلق دوستانہ تھا۔ ان سے ملاقات کلاس تک ہی محدود ہوگئی۔

سکول مباحثوں پر ڈائریکٹر نے پابندی لگا رکھی تھی۔ اچنبھے کی بات یہ احساس تھا کہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے یا ہونے جا رہا ہے، مجھے اس میں کسی کی محتاجی نہیں ہوگی۔ اس احساس نے مجھے حقیقی توانائی دی۔

میرے قارئین کا حلقہ وسیع ہوتا جا رہا تھا۔ میری تحریریں تواتر سے شائع ہونے لگی تھیں یہ اور بات کہ ابھی تک مجھے اس کا کوئی مالی فائدہ نہیں ہوا تھا۔ اگر لوگوں کو یہ پتہ چل جائے کہ لکھاری کوئی مقامی ہے تو شاید ان کی دلچسپی ختم ہو جائے۔ ممکن ہے وہ مجھے فریبی سمجھیں۔ ایک مقامی کی حیثیت! میں اس کا بھی سامنا کرنے کے لئے تیار تھا۔ جان ڈیپرسٹی نے، مجھے عوام میں بے نقاب

کرنے کا، رابرٹ سرہوف کا منصوبہ قبل از وقت ہی بتا دیا تھا۔ سکول ڈائریکٹر سے میرا انٹرویو، اس مہینے کا ایک ہی واقعہ نہیں تھا۔ جان ڈیپرسٹی کے خبردار کرنے کے کچھ ہی دنوں بعد، سرابیا نیوز کے آفس میں مجھے بلا بھیجا گیا۔ انتظامی ایڈیٹر مجھ سے ملاقات کا خواہاں تھا۔

جان ڈیپرسٹی نے، اسے اپنے ہمراہ لے جانے کی میری خواہش کا احترام کیا۔ مسٹر مارٹن نیامن، ہم دونوں سے اپنے دفتر میں ملے۔ انہوں نے کسی قاری کا خط میرے سامنے رکھ دیا۔ بالکل جان ڈیپرسٹی کے کہنے کے عین مطابق لکھا تھا کہ میکس ٹولی نار ایک مقامی شخص ہے۔ جان اور میں، دونوں ہی لکھائی پہچان گئے۔

" کیا اس خط کی وجہ سے، کوئی ہرجانہ لینے کے لئے، آپ نے مجھے بلایا ہے؟ " میں نے پوچھا۔

" کیا یہ صحیح لکھا ہے؟"

"ہاں"۔

"بہت خوب، ہمیں تم پر دعوی کرنا ہی چاہئے"۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

"ہم نے ایک دعوی تیار کیا ہے۔ تمہیں پتہ ہی ہوگا کہ ہم کیا مطالبہ کر رہے ہیں؟"

"نہیں"۔

"مسٹر ٹولی نار۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ تم ہمارے اخبار کے لئے جز وقتی کام کرو۔ جز وقتی مگر مستقل طور پر"۔

انہوں نے میری پچھلی تحریروں کا معاوضہ میری جانب بڑھایا۔ بظاہر وہ کوئی زیادہ بھی نہیں تھا۔

"آج سے چونکہ تم ہمارے مستقل معاون ہو، اس لئے تمہیں معاوضہ بھی زیادہ ملے گا"۔

"میں کس طرح معاونت کر سکتا ہوں؟"

" لکھو، جو جی چاہے لکھو، خدا کرے تم کامیاب ہوتے جاؤ"۔

سرابیا نیوز کے دفتر سے نکل کر ہم ریستوران میں چلے گئے۔ جان ڈیپرسٹی نے جتنا دل کھول کر مجھے مبارکباد دی، اتنا جی بھر کھانا بھی کھایا۔ تیسری اہم بات ہوئی۔ ڈاکٹر مارٹی نیٹ سے ملاقات کی۔ ریستوران سے نکلے تو ہم ان کی طرف چلے گئے۔ وہ میرا ہی انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے علیحدگی میں بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ "اور ڈاکٹر !" انہوں نے مجھ سے

پوچھا" تمہاری مریضہ کیسی ہے؟"

" ٹھیک ہے ڈاکٹر"۔

" کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"صحت پہلے سے بہتر ہے۔ کام کاج بھی شروع کر دیا ہے۔ فالتو وقت میں پڑھتی رہتی ہے۔ گاؤں یا کھیتوں کا دورہ گھوڑے پر کرتی ہے۔ میرے طے کردہ پروگرام کے مطابق پابندی سے پڑھتی ہے۔ بعض اوقات ہم تینوں مل بیٹھ کر اس کے فونوگراف پر موسیقی سنتے ہیں"۔

" صحیح !وہ بہتر ہوتی جارہی ہے"۔

جان ڈیپرسٹی برآمدے میں بیٹھ گیا۔ ہم ٹہلتے ہوئے آگے نکل آئے۔

" لگتا ہے، ابھی اس کی صحت پوری طرح بحال نہیں ہوئی ڈاکٹر"۔

"اس طرح ہے مسٹر منکی"۔ پچھلے چند ہفتوں میں، میں اس کا پانچ چھ دفعہ معائنہ کر چکا ہوں۔ میرا ہاتھ لگتے ہی، اس میں لرزہ سا طاری ہو جاتا ہے، اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس وقت سے مجھے شبہ ہے۔ اس خوبصورت لڑکی کے اندر کیا ہیجان بپا ہے؟ میں بغور اس کا جائزہ لیتا رہا ہوں۔ پہلے میں نے سوچا۔ شاید وہ مجھ سے بھڑکتی ہے۔ شاید میں اسے کسی جانور سے مشابہ نظر آتا ہوں اس لئے وہ گھبرا جاتی ہے۔ میں نے آئینے میں بارہا اپنا جائزہ لیا۔ اپنے چہرے کا تفصیلی مشاہدہ کرنا چاہا۔ پچھلے دس سال میں، میرے چہرے پر صرف ایک تبدیلی آئی ہے اور وہ یہ کہ میں یہ مونوکل پہننے لگا ہوں اپنی دائیں آنکھ پر۔ کیا میرا چہرہ نارمل نہیں لگتا؟ شاید تھوڑا بہت اچھا ہی لگتا ہوگا؟"

" تھوڑا بہت نہیں، ڈاکٹر"۔

"آہ، یہ تھوڑا بھی بہت ہے۔ خوبصورت تو تم ہو۔ اسی وجہ سے اس نے میرے بجائے تمہیں چنا ہے"۔

"ڈاکٹر !" میں نے احتجاجاً منہ بنایا۔

"ہاں ڈاکٹر منکی"۔ وہ ہنستے ہوئے بولے "تم سے ملنے کے بعد احساس ہوا کہ وہ میری شکل وصورت کی وجہ سے نہیں کانپی۔ وہ غالباً میری سفید جلد کی وجہ سے لرزتی ہے"۔

"اس کا باپ بھی سفید فام تھا۔ خالص النسل"۔

"ارے بھئی۔ یہ انداز ہی تو ہے۔ اس کا باپ سفید فام تھا۔ یورپین تھا۔ اس دنیا میں کتنے

ہی بچے اپنے والدین سے انتہائی نفرت کرتے ہیں۔ نفرت گہری ہے یا ہلکی، وقتی ہے یا مستقل، یہ علیحدہ بات ہے۔ ان کے کوئی باقاعدہ اعداد وشمار تو ہیں نہیں لیکن بہرحال ایسے بچے ہیں اور کافی تعداد میں ہیں۔ والدین کا اپنا رویہ بھی اس میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر والدین کی جلد کا رنگ بھی وہی ہے جو اس کا ہے تو بچہ اس سے الرجک نہیں ہوگا"۔

"انالیز بھی تو سفید ہے"۔

"ہاں، لیکن اس میں مقامی جھلک نظر آتی ہے۔ میں بھی اسے اپنانے کے خواب دیکھتا رہا ہوں۔ ہے نا مضحکہ خیز بات ڈاکٹر منکی؟ افسوس وہ میرے مقابلے میں بہت ہی کم عمر ہے۔ یہ خواب ہی تھا، ناراض نہ ہو۔ میں مذاق کر رہا ہوں۔ سچ یہ ہے کہ وہ میری وجہ سے بھڑک اٹھتی ہے۔ حالانکہ اس کی جلد بھی سفید ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ کسی سخت اور طاقتور خارجی دباؤ کے تحت اس نے اپنا ایک غلط تصور قائم کر لیا ہے۔ وہ خود کو مقامی سمجھتی ہے۔ اصلی اور حقیقی مقامی۔ یورپی لوگوں کے بارے میں اس کی والدہ کے ذریعے، اس کے ذہن میں، انتہائی مکروہ، اور ناقابل برداشت تصویر بن گئی ہے۔ نیائے اور انالیز سے میری بات چیت بھی میری اس رائے کی تصدیق کرتی ہے۔ نیائے تو ہیں ہی غیر معمولی خاتون۔ ہر شخص تسلیم کرتا ہے۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ انہوں نے خود ہی تعلیم حاصل کی اور اسی وجہ سے، وہ ایک اور میدان میں، ناکام ہو کر رہ گئیں۔ وہ اپنے بچوں کی تربیت کرنے سے قاصر رہ گئیں۔ انہوں نے انہیں بھی اپنے ذاتی تضادات میں پھنسا کر رکھ دیا۔ یہ محض کوئی کمزوری نہیں بلکہ ناکامی ہے مسٹر منکی"۔

یہ گفتگو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ میں نے ان سے ایک لمحے کی اجازت لی اور بگھی کے کوچوان سے کہا کہ وہ جان ڈیپرسٹی کو گھر چھوڑ آئے۔

"وہ بچی، ہر شے کی ماہیت سے لاعلم، ہر اس شے کو قبول کر کے اپنی ذات کا حصہ سمجھ لیتی ہے، جو اسے بتائی جائے"۔ انہوں نے بات جاری رکھی۔

"لیکن مما تو یورپ سے متنفر نہیں۔ وہ یورپی لوگوں سے خاصا کاروبار کر رہی ہیں اور آپ جیسے پروفیشنلز سے ان کا تعلق ہے۔ وہ یورپی ادب کا مطالعہ بھی کرتی ہیں"۔

"صحیح۔ جہاں تک ان کے مفادات کا تعلق ہے، وہ یہی کرتی ہیں۔ مسٹر میلیما سے ان کے تعلق پر نظر ڈالو۔ انہوں نے یہ ساری ترقی انہیں کی وجہ سے کی۔ لیکن ان کے ذہن میں مسٹر میلیما کے لئے ہمیشہ تحفظات رہے۔ انہوں نے ان پر کبھی اعتبار نہیں کیا۔ اعلیٰ طبقے کے سبھی لوگ مے

لیما گھرانے کے المیے سے بخوبی واقف ہیں۔ انالیز البتہ کچھ نہیں جانتی۔ لاشعوری طور پر نیائے نے انالیز کو اپنے رنگ میں ڈھال دیا ہے۔ اپنی ماں سے علیحدہ ہو کر، یہ بچی کبھی بھی خود کوئی کام شروع کرنے کی ہمت نہیں کر سکی۔ جرات وحوصلہ اسے، اپنی ماں کے حوالے سے ہی ملتا ہے، دکھ ہوتا ہے۔ اس خوبصورت بچی کے لئے۔ اس کی نفسیات میں بہت سے الجھاؤ ہیں۔ مسٹر منگی اس کا ذہن، دراصل اس کی ماں کے سر میں ہے"۔

میں بغور سنتا رہا، انہیں تکتا رہا، اپنی الجھنوں میں گم، اپنی نوعیت کی پہلی مشکل صورت حال۔ کہاں سنا ہوگا ایسا کوئی معاملہ؟ بہر حال دلچسپ بھی تھا اپنی جگہ۔ حیران کن بات یہ ہے کہ کوئی کس طرح کسی کے اندر تک جھانک سکتا ہے۔

"ماں کا کردار بہت توانا ہے۔ بنیاد اس کی ان کا وہ علم ہے، جو جہالت کے اس گڑھ، انڈیز میں، ان کی ساری زندگی کی ضروریات سے بھی زیادہ ہے۔ لوگ ان کا سامنا کرنے سے ڈرتے ہیں وہ ڈرتے ہیں کہ اگر ایک دفعہ ان کے سحر میں آ گئے تو اس کے اثر سے کبھی باہر نہیں نکل سکیں گے۔ میں بھی بعض اوقات ان کے سامنے خود کو بالکل بے بس محسوس کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک عام سی نیائے ہوتیں، اسی دولت کی چمک دمک اور اپنی خوبصورتی اور دلکشی کے ساتھ، اور وہ ان کا بندھن کسی عام سے آدمی سے ہوتا تو لاتعداد رنگا رنگ پرندے چہچہاتے ہوئے کبھی کے ان کے اردگرد اکٹھے ہو گئے ہوتے۔ لیکن نہیں، ایسا کچھ نہیں ہوا، کسی کو جرات نہیں ہوئی۔ مقامی کی تو بات ہی کیا کسی یورپی یا انڈو کو بھی اپنے ہونٹوں پر کوئی گیت سجانے کی ہمت نہیں ہوئی، سب کو پتہ ہے کہ شیرنی پھاڑ کھانے کو دوڑ پڑے گی۔ اس کی ایک چنگھاڑ میں سارے جھینگر سر پر پاؤں رکھ کر چمپت ہو جائیں گے"۔

"کیا یہ سب صحیح ہے ڈاکٹر؟"

"اس کی صحت کے بارے میں، تم بھی میری مدد کرو"۔

"کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ایچ بی ایس کا طالب علم اس طرح کے کام میں آپ کی مدد کر سکے گا؟"

"ارے بھئی، یہاں تمہارا ہی کچھ داؤ پر لگا ہوا ہے اور تمہارا کیا خیال ہے ڈاکٹر منگی، کیا میں صرف کوئی رومانی کہانی گھڑنے کی کوشش میں ہوں؟ تم پڑھے لکھے ہو، مجھے غلط ثابت کرنے کی کوشش کرو۔ اسی لئے میں نے تمہیں بلایا تھا۔ تم ان کے خاصے قریب ہو۔ تمہیں وہ آدمی ہو جو

معاملات کی صحیح چھان بین کر سکتا ہے۔ سمجھنے کی کوشش کرو، میں تمہیں صرف ابتدائی اشارہ دے رہا ہوں۔ تم عاقل و بالغ ہو اور پھر تمہیں اس کا علاج کر سکتے ہو، مارٹی نیٹ کے بس سے باہر ہے۔ وہ لڑکی تم سے پیار کرتی ہے اور محبت کی طاقت کا کوئی مقابلہ نہیں۔ یہ لوگوں کو بدل ڈالتی ہے۔ یہ لوگوں کو تباہ و برباد کر سکتی ہے، انہیں کچھ سے کچھ بنا سکتی ہے۔

اس کی محبت کی وجہ سے ہی، مجھے تم سے امید ہے کہ وہ اپنی ماں کے سحر سے خود کو آزاد کرا لے گی اور اپنی ذاتی شخصیت کی تعمیر کر سکے گی۔ میرے موجودہ مشاہدے کے مطابق اس کی جذباتی حرکات، دیوانگی اور ہیجان انگیزی سے صاف ظاہر ہے کہ اس نے اپنی قسمت تم سے وابستہ کر لی ہے۔ یہ کوئی اندازہ یا محض اوٹ پٹانگ توقع نہیں"۔

ان کا تجزیہ آہستہ آہستہ دلچسپ ہوتا جا رہا تھا، کیونکہ میرا ذاتی تعلق بھی اس میں واضح ہو رہا تھا۔ جب وہ اپنی ماں کو نہ کہنا شروع کرے گی، تبھی اس میں کوئی تبدیلی رونما ہوتی محسوس ہوگی، اس کا ایک نتیجہ تو بہرحال تکلیف دہ ہوگا بالکل پیدائش کے لمحات کی طرح۔ نیائے نے، اس کی نفسیات میں، غیر شعوری طور پر، اسی قسم کا راستہ بنایا ہے۔ اس نے انالیز کے اور تمہارے تعلق کی قطعی مخالفت نہیں کی نہ صرف اس کو بہتر شکل دینے کے لئے مثبت تجاویز دی ہیں بلکہ انتہائی جوش و خروش سے تمہاری حوصلہ افزائی کی ہے۔ اس کے باوجود لڑکی کے دل میں کوئی نہ کوئی چبھن باقی ہے۔ (اس کے بعد، انہوں نے اور بہت سی باتیں کیں جو میری سمجھ سے بالاتر تھیں، اسی لیے میں نے انہیں نوٹ نہیں کیا۔)

تمہاری محبوبہ انالیز کے نازک دل پر اب بھی کوئی بھاری بوجھ موجود ہے۔ اس کی ماں نے تمہارے لئے سارے راستے کھلے چھوڑ دیئے ہیں۔ بظاہر لگتا ہے کہ نیائے بھی تمہیں ذہنی طور پر اپنا داماد بنانے کے لئے تیار ہیں اور لگتا ہے کہ تم بھی نیائے کی خواہش کو ماننے کے لئے تیار ہو۔ لڑکی کے دل پر موجود بوجھ کوئی بہت زیادہ پریشانی کا سبب بھی نہیں۔ اگر میں غلطی پر نہیں تو وہ تمہارے دل پر قبضہ جما چکی ہے اسے خوش ہونے کا پورا پورا حق ہے۔ لیکن نہیں مسٹر منکی۔ اس کے برعکس اس پر یہ خوف سوار ہے کہ کہیں تم اس سے چھن نہ جاؤ۔ آپ جس سے شدید محبت کرتے ہوں اور اس کے چھننے کا خوف بھی ساتھ ہو کتنا بڑا عذاب ہے یہ؟ یہ تو تمام جذباتی دکھوں کو اکٹھا کر لینے والی بات ہوئی۔ آدمی پاگل بھی ہو سکتا ہے۔ مسٹر منکی، میں مذاق نہیں کر رہا، آدمی کی عقل ضبط ہو سکتی ہے، اپنا ذہنی توازن کھو سکتا ہے وہ، واقعتاً مجنوں ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔"

انہوں نے بات روک دی، اپنی جیب سے رومال نکالا اور اپنا چہرہ اور گردن پونچھنے لگے۔

"گرم ہے"۔ انہوں نے کہا۔ پھر وہ اٹھے اور کمرے کے کونے میں جا کر پنکھے کا بٹن دبا دیا۔ پنکھا چل پڑا تو وہ واپس آ کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئے"۔ اگر اسے محض دانش ورانہ مسئلے کی حیثیت سے دیکھا جائے تو اس میں خاصی جاذبیت ہے لیکن دوسری جانب، اتنی جوانی اور خوبصورتی پر غیر یقینی اور خوف زدگی کا تسلط، بڑے دکھ اور افسوس کی بات ہے۔۔۔۔۔۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا؟"

"نہیں ڈاکٹر، یہ خوف۔۔۔۔۔۔"

"ہم ایک لمحے بعد ادھر آتے ہیں۔ غالباً حوا کے زمانے سے ہی۔ جن لوگوں کی کمزوریوں اور خامیوں کو نظروں سے پوشیدہ کر ڈالتا ہے۔ خوبصورتی، ایک عورت کو، دوسری عورتوں کے مقابلے میں زیادہ بلندی اور عزت دیتی ہے۔ لیکن خوبصورتی کو تو چھوڑو، بذات خود زندگی۔۔۔۔۔۔ اگر اس میں خوف ہی خوف ہوں۔۔۔۔۔۔ بے کار محض ہو کر رہ جاتی ہے۔ اگر تم اب بھی نہیں سمجھے تو میں مسئلے کی نوعیت تمہیں سمجھاتا ہوں۔ اسے اس کے خطرات سے، ہر طرح کے خطرات سے نجات دلاؤ"۔

"ٹھیک ہے ڈاکٹر"۔

"صرف میری ہاں میں ہاں نہ ملائے جاؤ۔ تم پڑھے لکھے آدمی ہو۔ کوئی خوشامدی نہیں۔ اگر تمہاری رائے میری بات سے مختلف ہے تو مجھے بتاؤ۔ ضروری نہیں کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہی درست ہو۔ میں نے ماہر نفسیات کی تربیت حاصل نہیں کیں سو اگر تمہاری رائے مختلف ہے تو بے تکلفی سے بتاؤ تا کہ اس کا علاج کرنا آسان ہو جائے"۔

"میری تو کوئی رائے ہی نہیں ڈاکٹر"۔

"ناممکن، یہ تو فضول بات ہوئی"۔ میں چپ رہا" گرمی زیادہ نہیں بڑھ گئی کیا؟ دیکھیں مسٹر منکی، سائنس میں گھبراہٹ کا نام کا کوئی لفظ نہیں ہوتا۔ لوگوں کو غلطی کی وجہ سے یا کوئی کام درست نہ کرنے پر گھبراہٹ کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ اس طرح کی غلطیاں اور کوتاہیاں سچ کو واضح کریں گی اور ہماری تحقیق میں معاون بھی ثابت ہوں گی"۔

"یہ سچ ہے ڈاکٹر کو میری کوئی رائے نہیں ہے"۔

"محسوس ہوتا ہے کہ تم کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔ پڑھے لکھے لوگوں کی ہمیشہ ایک

رائے ہوتی ہے۔ یہ اور بات کہ اس رائے میں کوئی غلطی ہو۔ چلو اب اپنی رائے کا اظہار کرو"۔

ان کی شفاف، پتھریلی آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ اپنے دونوں ہاتھ انہوں نے میری کمر پر رکھ دیئے۔ "میری آنکھوں میں دیکھو، انتہائی دیانتداری سے بولنا شروع کرو۔ میرے لئے مشکلات پیدا نہ کرو"۔ میں ان کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ ان کی شفاف نگاہی کی وجہ سے ایسا لگا جیسے میں سیدھا ان کے ذہن میں جھانک رہا ہوں۔ "تمام تر احترام کے ساتھ ------۔ مجھے بتانا شروع کرو۔ میری تحقیق میں مجھ سے تعاون کرو، مجھے ناکام نہ کرو"۔

"ڈاکٹر"۔ میں نے اپنی ہانکنی شروع کی "سچ یہی ہے کہ اس طرح کا تجزیہ میں نے پہلی بار سنا ہے۔ میں تو حیرت زدہ ہوں، کسی نتیجے پر بھلا کس طرح پہنچ سکتا ہوں؟ مما اور انالیز کے بارے میں، ہاں، میں نے کچھ مسائل محسوس تو کئے ہیں۔ خصوصاً رابرٹ کے۔ اس کے بارے میں میرے محسوسات، یہ خیال رکھیں، میری رائے نہیں بلکہ محسوسات یہ ہیں کہ آپ کی باتوں میں خاصا وزن ہے اور معاملہ کو سمجھنے میں یہ سب وضاحتیں یقیناً مفید ہوں گی۔ کہیں میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟"

"بالکل ٹھیک کہا تم نے، کوئی بات غلط نہیں۔ سائنس میں بعض اوقات عجز وانکسار چاہئے ہوتا ہے۔ لیکن تمہیں سوالوں کا جواب دیتے ہوئے انکسار سے کام نہیں لینا چاہئے۔ لیکن ہاں، اگر میرا انداز تفتیشی سا محسوس کرو تو اس کے لئے پہلے معذرت۔ مجھے پورا یقین ہے کہ یہ ساری باتیں تمہارے اپنے مفاد میں بھی ہیں"۔

پنکھے کی چابی ختم ہوگئی تھی سو ڈاکٹر نے دوبارہ کمرے کے کونے میں جا کر پنکھے کو چابی بھری۔

"اچھا، اب ذرا غور سے سننا"۔ انہوں نے کھڑے کھڑے ہی کہا "اب جو میں تمہیں بتا رہا ہوں، ممکن ہے کسی وقت شعوری طور پر اسے تم بہتر طریقے سے استعمال بھی کر سکو۔ سب سے پہلے، اس کے ذہن میں تمہارے چھین جانے کا خوف۔ یہ سارا معاملہ تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ کوئی تمہاری مدد نہیں کر سکتا، تمہاری وہاں سے رخصتی کا احساس ہوتے ہی وہ بری طرح پریشان ہو جائے گی۔ سو، حقیقت میں اسے چھوڑنا تو کجا، اس پر کسی بھی صورت ایسی کوئی علامت ظاہر نہ ہونے دو۔ اسے چھوڑنے کا مطلب ہوگا، اس کی مکمل ٹوٹ پھوٹ"۔

انہوں نے میز سے پنسل اٹھائی۔ "اس طرح "اور انہوں نے پنسل کے دو حصے کر دیئے"۔ یہ ٹوٹی ہوئی پنسل پھر بھی استعمال ہو سکتی ہے۔ لیکن ایک شکستہ نفسیات بیکار ہو جاتی ہے،

مسٹر منکی۔ ایسا فرد اگر زندہ رہے تو دوسروں پر بوجھ بن جاتا ہے اس کے مرنے پر ہر شخص کو دکھ ہوگا۔ میں پہلے بھی تمہیں کہہ چکا ہوں کہ تم ہی اس کے ڈاکٹر ہو۔ اگر تم نے اس کے پیار کو زخمی کیا تو نتیجہ یہی نکلے گا، تم اسے مار ڈالو گے۔ میں نے سب کچھ تمہیں بہت واضح طور پر بتا دیا ہے، بغیر کسی گھبراہٹ اور خوف کے اور بغیر کسی ذاتی مفاد کے اب یہ تمہاری مرضی، اس کے مسیحا بنو یا قاتل۔ یہ سب کچھ تمہیں بتانے کے بعد، میری ذمہ داری ختم"۔ وہ بیٹھ گئے، ٹوٹی پنسل انہوں نے میز پر رکھ دی اور نگاہیں مجھ پر جما دیں۔ وہ یقین دلانا چاہ رہے تھے۔ کہ میں ان کی بات کو سنجیدگی سے لوں مذاق میں نہ اڑا دوں۔

"جی، ڈاکٹر"۔

"دوسری طرف، مسٹر منکی۔ تمہارے پیار کی بدولت، اس کی اپنی شخصیت جنم لے رہی ہے کیونکہ پیار کسی بھی شخص کا انتہائی ذاتی مسئلہ ہوتا ہے۔ اس معاملے میں کوئی شخص بھی اپنی بات نہیں منوا سکتا، حکم نہیں دے سکتا۔ یہ ایک نئے فرد کی پیدائش کا عمل ہی تھا جس نے اسے بیمار کر ڈالا"۔

ان کی بات میرے سر پر سے گزر گئی۔ میں بس ان کی آنکھوں میں جھانکتا رہا۔ پتہ نہیں مگر لمحے بھر کو مجھے ان پر شبہ سا ہوا، وہ بھی یورپین تھے آخر۔ وہ میرے محسوسات اچھی طرح سمجھ رہے تھے چنانچہ فوراً کہا: "جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، ضروری نہیں کہ یہ درست بھی ہو، ممکن ہے اس کا کوئی حصہ صحیح ہو۔ لیکن تم ابھی تک چونکہ میری رائے قائم نہیں کر سکے اس لئے عقلمندی کا تقاضا ہے کہ ایک گائیڈ کے طور پر، تم میری بات مان لو۔ کسی الجھن میں نہ پڑو۔ محض ایک عارضی گائیڈ سمجھو مجھے"۔

کچھ دیر ان کا لیکچر رکا رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ ان کے ذہن میں بھی شبہات ہیں۔ اس خیال سے مجھے لطف آیا۔ اب میں ذرا سکون کا سانس لے سکتا تھا۔ سچ یہ ہے کہ ڈاکٹر مارٹی نیٹ مجھ پر لفظوں کی بارش کئے جا رہے تھے۔ لیکن احساس کیا برآمد ہوا۔ یہی کہ وہ مجھے سندان سمجھ کر، اس میں کوئی نیا مفہوم نکالنا چاہتے تھے، ہتھوڑا مار مار کر۔

"جی ڈاکٹر"۔ ظاہر ہے مجھے بات کرنی تھی لیکن صرف اتنی کہ وہ مجھے بے روح اور بے جان، پتھریلا سندان نہ سمجھیں۔

"ہاں "انہوں نے شکایت آمیز انداز میں کہا۔ مسائل کے انبار سے بھرے، ان کے سینے میں سے ایک طویل سانس نکلی۔ "ہاں، یہ سب فی الحال قیاس ہے، بہت سی حقیقتوں کی بنیاد پر

کی گئی قیاس آرائی"۔ انہوں نے اپنی مدافعت کرتے کرتے دوبارہ معذرت کر ڈالی۔ اب میں مزید کچھ نہیں کہوں گا۔ اب تمہیں بتانا ہے۔ تم کس کمرے میں سوتے ہو؟"

انہیں پتہ تھا کہ میں اپنی گھبراہٹ چھپا نہیں سکتا۔ سکول میں بھی اس قسم کا سوال انتہائی بے ہودہ تصور کیا جاتا۔ کوئی شخص اس طرح کا سوال کرنے کی، مجھ سے، ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

"سائنس میں گھبراہٹ کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ ایک پیسے کے دسویں حصہ کے برابر بھی نہیں۔ مسٹر منکی۔ میری مدد کریں۔ اپنی تمام تر شعوری کوششوں کے ساتھ۔ ہم دونوں ہی مل کر، اسے ہر خوف سے نجات دلا سکتے ہیں۔ اچھا، تو تم کہاں سوتے ہو؟ "میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"ٹھیک ہے تم پہ گھبراہٹ سوار ہے۔۔۔۔۔۔ ایک فضول سا احساس۔۔۔۔۔۔ لیکن میرا قیاس ثابت ہو گیا۔ نیائے اپنی بیٹی کا تحفظ چاہتی ہیں۔ اسی وجہ سے تم گھبراہٹ کا شکار ہو رہے ہو۔ تم اسی کے کمرے میں سوتے رہے ہو۔ میں غلط تو نہیں ہوں نا؟"

میں مزید ان کی آنکھوں میں جھانک نہیں سکتا تھا، سو میں نے نگاہیں نیچی کر لیں۔

"مجھے غلط نہ سمجھو"۔ انہوں نے فوراً کہا" تمہارے معاملات میں دخل اندازی کی مجھے کوئی خواہش نہیں۔ میرے لئے انالیز کی بہتری سب سے، بہت زیادہ اہم ہے، کیونکہ وہ میری مریضہ ہے اور اسی حوالے سے نیائے کی اور تمہاری اچھائی اور بہتری بھی مقصود ہے اور مدد میں تم سے چاہتا ہوں۔ تفہیم میں مدد، میں اپنے اندازوں کی تصدیق چاہتا ہوں۔ اس کی اصلی دوائی یہی ہے۔ تمہارا ذاتی اعتماد اور ان تمام مریضوں کا اعتماد جو میرے زیر علاج رہتے ہیں۔۔۔۔۔۔ میرے لئے اصل چیز ہے۔ میں تو ہمیشہ ہی ڈاکٹر رہوں گا۔ تم تو محض عارضی طور پر معالج بنائے گئے ہو۔ چلو، اب بتاؤ اس کے بارے میں"۔

مجھے ذہنی طور پر مجتمع اور پر سکون ہونے دینے کے لئے، وہ کچھ دیر کے لئے پچھلے کمرے میں چلے گئے۔ واپس آئے تو لیمن کا شربت ان کے ہاتھوں میں تھا۔ میرے لئے انہوں نے ایک گلاس بھرا۔

"آپ اس طرح کے کام خود کیوں کرتے ہیں ڈاکٹر؟"

" گھر میں، میرے سوا اور کوئی ہوتا ہی نہیں"۔

" کوئی جمعدار یا گھریلو کام کاج کے لئے کوئی لڑکا بھی نہیں؟"

"نہیں"۔

"ہر کام آپ خود ہی کرتے ہیں؟"

"ایک نوکر آتا ہے تین گھنٹے کے لئے، پھر چلا جاتا ہے"۔

"اور آپ کا کھانا پینا؟"

"یہ ذمہ داری ایک ریستوران کے سپرد ہے۔ چلو چھوڑو۔ پہلے یہ شربت پیو۔ مجھے پتہ ہے تمہیں حوصلے کی ضرورت ہے"۔ وہ بڑے پیار سے مسکرائے۔ مگر مجھ میں حوصلہ پیدا نہیں ہوا۔

"جب ضرورت پڑتی ہے "وہ مجھے نصیحت کرنے لگے۔" تمہیں حوصلے سے سیکھنا چاہئے اور اپنے آپ کو تیسرے آدمی کے طور پر دیکھنے کا حوصلہ بھی پیدا کرنا چاہئے۔ میں انشا و قواعد کی رو سے تیسرا آدمی نہیں کہہ رہا۔ دیکھو بذات خود تم سوچتے ہو، پلان کرتے ہو، احکام دیتے ہو، ایک مخاطب کے طور پر تم معاملے کو جانچتے ہو، پرکھتے ہو، اسے ٹھیک مان لیتے ہو یا اسے مسترد کر ڈالتے ہو: یعنی متکلم کی بات کو صحیح یا غلط سمجھتے ہو اور تیسرا آدمی کون ہے؟ تم خود، ایک غیر متعلق آدمی بن کر جب یہ سب کچھ دیکھتے ہو، ایک اداکار کے طور پر جیسے آئینے میں کسی اور فرد کو دیکھ رہے ہو۔ اب تم اپنے بارے میں، بالکل ایک غیر متعلق شخص بن کر بتاؤ۔۔۔۔۔۔ جو شیشے میں متکلم اور مخاطب دونوں افراد کو بخوبی دیکھ رہا ہے"۔

"میں آخر کیا بتاؤں؟ "میں نے ذرا ناگواری سے پوچھا۔

" کوئی بھی بات جو تمہارے مریض سے متعلق ہو"۔

" کہاں سے شروع کروں؟"

"چلو تم بتانے پر آمادہ تو ہوئے۔ میں تمہیں اس مسئلے کا راستہ دکھاتا ہوں۔ بات یہ نہیں کہ تم خود بات کا آغاز نہیں کر سکتے۔ بلکہ وجہ یہ ہے کہ مخاطب کی حیثیت سے تم کچھ بتانے کو تیار نہیں ہو رہے۔ چلو یہاں سے ابتدا کرتے ہیں۔ تم انالیز کے کمرے میں رہنے لگے ہو، اب آگے بات خود چلاؤ"۔

"جی ڈاکٹر"۔

"بہت خوب، نیائے نے اس بات پر تمہیں روکا تو نہیں یا اس وجہ سے ناراض تو نہیں ہوئیں؟"

"نہیں، آپ درست سمجھے"۔

"میں نے نہیں، دراصل نیائے نے غلطی نہیں کی نیائے نے اپنی بیٹی کی بہتری کے لئے

زیادہ بہتر راستہ چنا۔ سو میں نے اس پر عمل کر ڈالا۔ اب مزید آگے تم علیحدہ علیحدہ سوتے ہو یا اکٹھے؟"

"علیحدہ نہیں سوتے"۔

"اس کی ابتدا کب سے ہوئی؟"

"دو تین مہینے پہلے"۔

"انالیز کے خوف کو سمجھنے کے لئے خاصا عرصہ ہے یہ۔ کیا تم نے انالیز کے ساتھ ہم بستری بھی کی؟"

میں ہل کر رہ گیا۔

" کانپ کیوں رہے ہو؟ اچھا سنو۔ یہاں مسئلہ زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ کیا پتہ اسی قسم کا کوئی مسئلہ مستقبل میں دوبارہ ہمیں پیش آجائے؟ تمہیں اور شربت چاہئے؟"

"معاف کیجئے گا ڈاکٹر، مجھے ذرا ٹوائلٹ جانا ہے"۔

"ہاں، ہاں"۔ اور انہوں نے مجھے ٹوائلٹ کا راستہ بتا دیا۔ اندر یا باہر کہیں بھی مجھے کوئی نظر نہیں آیا۔ پورے گھر میں قبرستان کا سا سکوت تھا اور ہول طاری تھا۔ باتھ روم میں جا کر، میں نے اپنا منہ دھویا، بالوں کو گیلا کیا۔ میں نے پانی کی ٹھنڈک سے خود کو تروتازہ محسوس کیا۔ دل کی دھڑکن بھی بہتر ہوگئی۔ منہ سے ٹپکتا ہوا پانی میں نے اپنے رومال سے صاف کیا پھر میں نے کنگھی اور شیشہ اٹھا لئے اور آئینے میں ۔۔۔۔۔۔ ارے یہ ہے تیسرا، غیر متعلق، منکی!

میں جونہی ڈاکٹر مارٹی نیٹ کے سامنے آکر بیٹھا، انہوں نے بات شروع کر دی۔

"جتنا چیزوں کو تم چھپانے کی کوشش کرو گے، اتنا ہی زیادہ الجھتے جاؤ گے"۔

وہ آہستہ آہستہ میری نفسیات میں جھانکنے کے قابل ہوتے جا رہے تھے۔ میں دوبارہ بدحواس ہو گیا اور وہاں تو منہ تک چھپانے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔

"ارے چھوڑو بھی، مجھے وجہ بتاؤ تا کہ میں تمہارا اور بھی ممنون ہوں، میرا خیال ہے، اب سوالات کرنے کی ضرورت تو ہے نہیں۔ اب تم کہانی خود ہی آگے بڑھا سکتے ہو"۔

میں نے اپنا سر ضرور ہلایا مگر بات شروع نہ کر سکا۔

"اچھا تمہیں اب بھی رہنمائی چاہئے۔ تم دونوں ایک ہی بیڈ میں سوتے رہے۔ تم نے اس سے ہم بستری کی۔ پھر تمہیں پتہ چلا کہ وہ کنواری تو تھی ہی نہیں۔ تم سے پہلے کوئی اسے ہتھیا چکا

تھا"۔

"ڈاکٹر"۔ میں لاشعوری طور پر بکھر کر رہ گیا۔ میرے حواس جواب دے گئے اور میں بے اختیار سسکیاں لینے لگا۔

"ہاں، روؤ منکی، کسی بچے کی طرح خوب روؤ۔ تم آج بھی اتنے ہی معصوم ہو جتنے پیدا ہوتے وقت تھے"۔

میں کسی دوسرے آدمی کے سامنے اس طرح کیوں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ نہ وہ میری ماں، نہ ہی باپ؟ مجھے آخر کیا چیز پریشان کر رہی تھی؟ غالباً میں، اپنا بلکہ ہم دونوں کا راز کھلتے دیکھ کر برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔ "تو میرا انداز درست تھا۔ تم سچ مچ اس لڑکی سے محبت کرتے ہو۔ اس کا نقصان تمہارا اپنا نقصان ہے۔ تم کچھ کھو بیٹھے ہو اور اسے دنیا کی نگاہوں سے چھپانا چاہتے ہو۔ وہ حالانکہ کنواری نہیں رہی تھی۔ ہاں روتے، روتے بھی میرے سوال کا جواب دیتے رہو اور یہ آخری سوال بھی نہیں ہے۔ انالیز کے پہلے جنسی تجربے کی تفصیل جاننا بہت ضروری ہے تاکہ اس کے اثرات کا جائزہ لیا جاسکے۔ کسی بھی انسان کا پہلا جنسی رشتہ جذباتی طور پر بہت اہم ہوتا ہے اور انفرادی جنسی اٹھان کو متعین کرتا ہے۔ نہیں نہیں۔ یہ بات صحیح نہیں، مجھے کہنا چاہئے تھا۔ یہ مستقبل کے جنسی رویوں کو متعین کرتا ہے اور اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے: کیا کبھی انالیز نے اس کا ذکر کیا ہے یا اس شخص کے بارے میں بتانے کی کوشش کی ہے؟ اس پہلے آدمی کے بارے میں؟ بلکہ زیادہ صحیح طور پر تم سے قبل کے افراد میں سے پہلا؟"

"میں نہیں بتا سکتا ڈاکٹر"۔ میں شدید اذیت کے عالم میں تھا۔

"تیسرے منکی کو آگے بڑھنا چاہئے اور یہ بھی آخری سوال نہیں۔ کون تھا وہ؟"

میں نے جواب نہیں دیا۔

"اس کا مطلب ہے تمہیں ان لوگوں کا پتہ ہے؟"

"وہ ایک ہی شخص تھا ڈاکٹر"۔

"اچھا، ایک ہی تھا!" ڈاکٹر نے گہری سوچ میں، اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ پھر وہ سوال سامنے آ گیا، جو میں ان کے منہ سے سننا ہی نہیں چاہتا تھا۔ ایک دھماکے کی سی کیفیت میں مجھے ہوش آ گیا۔ "ہاں، وہ کون تھا وہ؟"

"ڈاکٹر"۔

"اچھا، کوئی بات نہیں، تم اس کا نام نہ بتاؤ، تم اس شخص کو اچھا آدمی سمجھتے ہو یا برا؟ میں بات جنسی جذبات کے حوالے سے نہیں بلکہ روزمرہ رویوں کے نقطہ نظر سے کر رہا ہوں"۔

"مجھ میں حوصلہ نہیں ہے ڈاکٹر۔ مجھے اس کا فیصلہ کرنے کا بھی کوئی حق نہیں"۔

" لگتا ہے تم ہر معاملے کو ذاتی یا خاندانی راز کی نظر سے دیکھتے ہو۔ یا کم از کم مستقبل کے گھرانے کے راز چھپا رہے ہو۔ تمہارے اپنے گھرانے سے یا متوقع رشتہ داری سے تعلق کا جذبہ بہت قابل قدر ہے"۔ میرا ذہنی تناؤ کم کرنے کے لئے انہوں نے اپنا رخ دوسری جانب کر لیا۔

" کم از کم میں تھوڑا بہت اندازتو لگا ہی سکتا ہوں اس شخص کا، خصوصا تمہارا ردعمل دیکھنے کے بعد۔ تم ابھی کم عمر ہو، بہت کم عمر اور چاہے عارضی ہی سہی، بہرحال تمہی انالیز کے معالج بھی ہو۔ سو تمہیں بہت طاقتور ہونا چاہئے۔ تم اسے پسند کرتے ہو۔ تم ابھی اپنی محبت کا اقرار کرنے میں جھجک محسوس کرتے ہو۔ میں بھی تمہاری پسند ہی کہوں گا۔ تم نے اس کی تمام تر کمزوریوں کے نتائج کو قبول کرنے کی خواہش بھی ظاہر کی ہے۔ تم اس کی بہتری اور خوشی کی ذمہ داری قبول کرتے ہو۔ بدترین حالات میں بھی تم اس کا ساتھ نہیں چھوڑو گے کیونکہ ہزاروں پرندے اسے نوچ کھسوٹ ڈالیں گے۔ اس کی غیر معمولی خوبصورتی، دونسلوں کا حسین امتزاج، کسی بھی قوم کے کسی بھی فرد کو لمحوں میں مسخر کر سکتی ہے۔ تم اسے بالآخر اپنی بیوی بنا لو گے۔ اس لئے اس کی خاطر آج ہی نہیں، کل بھی بلکہ ہمیشہ کے لئے ایک اچھے ڈاکٹر بنو۔ ہم جتنے بڑے ہوتے جاتے ہیں، زندگی کی پیچیدگیاں اتنا ہی بڑھتی جاتی ہیں چنانچہ ان کا سامنا کرنے کے لئے، ہمیں اتنا ہی باحوصلہ اور جرات مند بھی ہوتے جانا چاہئے"۔

وہ باتیں کرتے جا رہے تھے اور رابرٹ مے لیما کا تصور واضح ہوتا جا رہا تھا: مجھے تنگ کرنا، میری طرف توہین آمیز رویہ رکھنا، مجھے ڈرا دھمکانا، چبھتی نظروں سے دیکھنا، بات بے بات اپنے کمینے پن کا اظہار کرنا۔

"ہاں، تمہارے اپنے ردعمل نے میرے اندازے کو تقویت دی ہے۔ لیکن اگر اسے ماننے یا نا ماننے کے لئے تمہیں تیار نہ ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"ڈاکٹر، ڈاکٹر۔۔۔۔۔۔ اس کا اپنا بھائی، رابرٹ مے لیما"۔

لیمن کے شربت کا گلاس، میرے میزبان کے ہاتھوں سے فرش پر گر کر چکنا چور ہو گیا۔ میں کرسی سے اٹھا اور سیدھا اپنی بگھی کی جانب چل دیا۔

ڈاکٹر مارٹی نیٹ کئی بار آئے۔ عموماً وہ شام کے قریب آیا کرتے جب نیائے اونتو سارو وہ اور انالیز اپنے کاموں سے فارغ ہو جاتی تھیں۔ وہ سب لوگ سامنے کے برآمدے میں بیٹھ کر گپ شپ لگاتے یا موسیقی سے دل بہلاتے۔ میں ان کی بگھی کو کمپاؤنڈ میں دخل ہوتے دیکھتا تو فوراً نہا دھو کر، ان سے ملنے نکل آتا۔ اس زلزلہ انگیز انٹرویو کے بعد، جس کا تذکرہ کرنے کی، میں کسی سے بھی جرات نہیں کر سکا۔ (صرف اپنی ڈائری میں ضرور نوٹ کیا۔) میرے دل میں ان کا احترام بے حد و اندازہ بڑھ گیا تھا۔ وہ صرف ایک ماہر ڈاکٹر ہی نہیں تھے بلکہ انسانی عظمت کا پیکر بھی تھے۔ وہی تھے جنھوں نے میرے اندر ہمت اور توانائی کے نئے بیج ڈالے اور انہیں تقویت بھی دی۔ دوسرے لوگوں کو سمجھنے میں انہیں کمال کی مہارت حاصل تھی! صرف سمجھنا ہی نہیں بلکہ ان کی مدد کے لئے اپنا ہاتھ بھی بڑھا دینا۔ وہ اچھے ڈاکٹر ہی نہیں، اچھے انسان اور اچھے ٹیچر بھی تھے۔ وہ انسانیت کے دوست تھے۔۔۔۔۔ یہ نام کچھ عرصہ بعد، ماجدہ پیٹرز نے انہیں دیا تھا۔ وہ مختلف طریقوں سے اپنی دوستی کا اظہار کیا کرتے۔ ان کے طریقے سے قطع نظر، لوگ ان پر اعتماد کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ مجھے کافی عرصہ ندامت ہوتی رہی کہ میں نے بھی ان پر شبہ کیا تھا۔ اگرچہ اس انداز میں سوچنا میرا جائز حق تھا۔

خاصے طویل مشاہدے کے بعد، ان کی عمر کے بارے میں میرا اندازہ بدل گیا۔ وہ چالیس کے بجائے پچاس کے پیٹے میں تھے، ان کا چہرہ ہمیشہ تر و تازہ، سرخ و سفید اور نوجوان محسوس ہوتا۔ عمر نے ان کے چہرے پر کوئی اثر نہیں ڈالا تھا۔ ان کی ہر بات میں دلچسپی اور معنویت موجود ہوتی۔ وہ بہت اچھے داستان گو بھی تھے اور لوگوں کے علم میں لائے بغیر اپنی کہانیوں پر سننے والوں کا ردعمل دیکھتے جاتے۔ اس طرح وہ مریضوں کے زیادہ قریب ہوتے اور انہیں سمجھنے میں بھی زیادہ آسانی ہوتی۔ بہر حال یہ میرا اندازہ ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔

ایک گھریلو پورٹریٹ کے آرڈر کے سلسلے میں ایک بہت اہم شخصیت کے گھر جانے کا اتفاق ہوا۔ وہ شخص اپنے برآمدے میں بیٹھا انگریزی میگزین کا مطالعہ کر رہا تھا۔ وہ کچھ لینے کے لئے اندر گیا تو اس کا رسالہ میز پر اسی طرح کھلا پڑا رہ گیا۔ محض اتفاق تھا اور اتفاقاً ہی مجھے وہ تھوڑا

بہت دیکھنے کا موقع بھی مل گیا۔ اس میں میری نظر ڈاکٹر مارٹی نیٹ کے مضمون پر پڑی۔ اس کا عنوان تھا" نئے دور کی ابتدا اور سماجی تبدیلیاں۔۔۔۔۔۔ نئے امراض کی وجوہ کے طور پر"۔ ایک جگہ ذرا نمایاں کر کے ایک پیرے میں بتایا گیا تھا۔ جس علاج میں مریض کے سماجی پس منظر کو سمجھنے کی کوشش نہ کی جائے، اسے جدید طریقے کے بجائے از منہ وسطی کا طریق علاج کہنا زیادہ ضروری ہوگا۔ وہ آدمی واپس لوٹا تو میں نے رسالہ وہیں رکھ دیا۔ اس وقت ڈاکٹر مارٹی نیٹ کی شخصیت کا یہ نیا پہلو میرے سامنے آیا۔ وہ لکھاری بھی تھے، وہ کہانی کار نہیں بلکہ سائنسی تحقیقی تحریریں لکھتے تھے۔

وہ اس شام گھر آئے تو میں نے ان کے رویوں کا زیادہ محتاط جائزہ لینے کی کوشش کی۔ میرے ذہن میں اب یہ ڈر باقی نہیں رہا تھا کہ وہ میری نفسیات کو سمجھ لیں گے۔ وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہانی کہتے کہتے کام کی باتیں کہہ جاتے تھے۔ یہ کہانی جڑواں بچوں کی تھی جو ایک ہی پیٹ میں کھایا کرتے تھے اور ایک گلاس سے پانی پیا کرتے تھے۔ بڑے ہوتے ہوئے، ہم شکل ہونے کے باوجود، وہ مختلف عادات واطوار کے مالک بن گئے۔ ہر ایک کی اپنی خواہشیں تھیں، اپنے خواب تھے۔ لیکن ان کی خواہشوں اور خوابوں کا مبدا ایک ہی تھا۔ وہ ایک ناآسودہ حقیقت کی پیداوار تھے پھر بھی اپنی تعمیر کے متعلق ان کے اپنے اپنے تصورات تھے۔

ابتدا میں تو مجھے سمجھ ہی نہیں آیا کہ ان کا مقصد کیا ہے۔ مما اور انا لیز بھی کچھ نہیں بولیں۔ شاید وہ بور ہو رہی تھیں۔ تب ڈاکٹر مارٹی نیٹ نے کہا:

"جیسے مس انالیز ہیں۔ ان کے پاس سب کچھ ہے، پیسہ، محبت کرنے والی ماں، بے مثال خوبصورتی اور بہت سے دوسرے قابل ذکر فنون۔ لیکن پھر بھی انہیں کسی چیز کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ آپ کو ان کی خواہش کا خیال رکھنا چاہئے۔ اسے سمجھنا چاہئے۔ نہ سمجھا گیا تو یہی بیماری کی صورت اختیار کر جائے گی۔ لاشعوری خواہش پورے جسم کو بے رحمانہ انداز میں توڑ پھوڑ سکتی ہے۔ جذبات واحساسات دونوں کو ہی، یہ بے بس کر ڈالتی ہے۔ ایسی خواہشات کے تسلیم نہ ہونے پر ہی، آدمی خود کو بیمار بیمار سا ظاہر کرنے لگتا ہے۔ ایسی کیا چیز ہے مس انالیز جس کی وجہ سے تم بیمار پڑی گئی ہو؟"

" کچھ بھی نہیں۔ سچ کہہ رہی ہوں، کوئی ایسی بات نہیں"۔

"اچھا، تو پھر تم ایک دم سرخ کیوں ہو گئے کیا یہ سچ نہیں کہ تم مسٹر منکی کو چاہتی ہو؟"

انا لیز نے میری جانب نظر ڈالی اور پھر اپنا سر جھکا لیا۔

"نیائے، اگر میں ایک تجویز دوں: ان کی پہلی فرصت میں شادی کر ڈالئے"۔ وہ سیدھا میری طرف ہی دیکھ رہے تھے۔ "اور مسٹر منکی تم نے خود میں خوصلہ پیدا کرنا سیکھ لیا ہے، طاقتور ہونا آ گیا ہے تمہیں؟ اور شاید سیکھنے کا حوصلہ بھی ہے تم میں؟"

انہوں نے مزید بات نہیں کی۔ کرائے کی کوئی بگھی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ کوچوان نے سواری کو اترنے میں مدد دی۔ جین میریز تھا اور ساتھ ہی مے نے چھلانگ لگائی اور پھر اپنے پاپا کے ساتھ آنے لگی۔ میں نے دونوں کا سب سے تعارف کرایا"۔ جین میریز، مصور ہیں۔ گھریلو فرنیچر کے ڈیزائنر ہیں فرانسیسی ہیں۔ میرے اچھے دوست۔ ڈچ نہیں بول سکتے"۔

ماحول بدل گیا۔ مسئلہ یہ تھا کہ ڈاکٹر مارٹی نیٹ مالے نہیں سمجھتے تھے۔ مما اور انالیز کو فرنچ نہیں آتی تھی۔ ڈاکٹر مارٹی نیٹ البتہ فرنچ جانتے تھے۔ مے اور میں ساری زبانیں سمجھ سکتے تھے۔ مے بہت جلدی انالیز سے مانوس ہو گئی۔ ڈاکٹر مارٹی نیٹ نے ان دونوں لڑکیوں میں فوری انسیت جنم لیتے دیکھ کر سکھ کا سانس لیا اور جین کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے" کتنے بچے ہیں آپ کے؟"

"بہن یا بھائی مے کے نصیب میں تھے ہی نہیں۔ ڈاکٹر"۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے جین میریز کی آنکھوں میں دکھ کی پرچھائیں نظر آ رہی تھیں۔ لیکن مارٹی نیٹ نے دوسروں کی نفسیات میں جھانکنے کی عادت کی وجہ سے اس کا کوئی اثر نہیں لیا اور کسی خاص جانب مخاطب ہوئے بغیر ڈچ میں شروع ہو گئے۔

کتنا خوبصورت ہو اگر یہ دونوں کسی طرح یک جا ہو سکیں ! کاش کافی پہلے سے ایسا ہونا ممکن ہوتا!"

اسی دوران انالیز مے کو ساتھ لے کر اندر چلی گئی۔ وہ واپس نہیں آئیں۔ کافی دور، ان کے ہنسنے کھیلنے اور قہقہے کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ کبھی ڈچ میں، کبھی مالے اور کبھی جاوی میں۔ جین میریز بھی اپنی بچی کے مصروف ہونے پر خوش تھا۔ اس کے چہرے پر رونق آ گئی۔ لیکن ماحول میں ابھی تک بدمزگی سی طاری تھی۔ کوئی بات ڈاکٹر مارٹی نیٹ کے بے چین کئے دے رہی تھی۔ انہوں نے اجازت چاہی اور گھر کے باہر موجود اپنی گاڑی کی جانب چل دیئے۔

"مسٹر مارٹی نیٹ بہت اچھے ڈاکٹر ہیں"۔ میں نے مالے میں کہا" انالیز کی صحت کی بحالی انہی کا کام تھا۔ ہم ان کے بہت ممنون ہیں۔ اور ہاں، مما یہ میرا دوست آپ کی تصویر بنانا چاہتا

ہے۔اگر آپ مناسب سمجھیں اور اگر آپ کے پاس وقت ہوتو؟''

''تصویر بنوانے کا کیا فائدہ؟''

''میڈم''۔جین نے جواب دینا چاہا۔

''میڈم نہیں، نیائے کہیں جناب''۔

''منکی آپ کی بڑی تعریف کرتا ہے میڈم۔۔۔۔۔۔''

''نیائے کہئے نا جناب''۔

''ایک غیر معمولی، مقامی خاتون ہونے کے ناتے، وہ ہمیشہ میڈیم کے گن گا تا رہتا ہے''۔

''نیائے۔جناب نیائے کہیں''۔

''تو ہم نے سوچا کہ آپ کی ان خصوصیات کو تصویر کر کے دوام دے دیا جائے۔آنے والے زمانے میں، خدا جانے، چالیس پچاس برس بعد، لوگ اس تصویر کو دیکھ کر، آپ کی تعریف کیا کریں گے''۔

''معافی چاہتی ہوں مگر مجھے تعریفیں کرانے کی قطعی کوئی خواہش نہیں''۔

''سمجھ آنے والی بات ہے۔صرف احمق لوگ ہی خود تعریفی میں مبتلا ہوتے ہیں۔لیکن آپ، میڈیم خود اپنی تعریف تھوڑا ہی کر رہی ہوں گی بلکہ آنے والے زمانے کے زندہ اور گوشت پوست کے بنے لوگ اپنے تاثرات کا اظہار کر رہے ہوں گے''۔

''افسوس، جناب، مجھے ایسی کوئی خواہش نہیں۔اپنی تصویر لئے جانے کی حد تک بھی کوئی آرزو نہیں''۔

''اگر ایسا ہے تو واقعی بہت افسوس کی بات ہے۔اگر یہی بات ہے تو کیا مجھے اتنی اجازت ہوگی کہ میں آپ کا سراپا بغور دیکھ لوں تا کہ میرے دل میں آپ کی شباہت رہ سکے''۔اس نے بڑی نرمی سے مگر بڑے عجیب سے انداز میں پوچھا۔نیائے کا چہرہ سرخ ہوگیا۔''تا کہ میں تصویر کا کام گھر پر کر سکوں''۔

نیائے کی نظریں مجھ پر سے ہوتی، نہ جانے کیا گھورتی، گھر کی جانب اٹھیں اور وہاں سے سائن بورڈ پر جا ٹکیں۔وہاں سے واپس ہوتی، دوبارہ گارڈن ٹیبل پر جم گئیں۔وہ خاصی پراگندہ اور گھبرائی سی لگیں۔بے چینی ان کے چہرے سے مترشح تھی۔''نہیں جناب نہیں''۔انہوں نے کہا ''اور تم منکی، تم باہر میرے بارے میں کیا کہتے پھر رہے ہو؟''

"کوئی بری بات نہیں، میڈیم، صرف تعریف کر رہا ہے یہ"۔

نیائے کی پریشانی محسوس کرتے ہی میں بول پڑا"۔ مما تصویر بنوانا نہیں چاہتیں۔ ممکن ہے پھر کبھی ان کا موڈ بن جائے"۔

"نہیں، کبھی بھی نہیں"۔

"مما، وہ میرا دوست ہے"۔

"پھر تو وہ میرا بھی دوست ہے"۔

جین میریز، اپنی معذوری کی وجہ سے خاصا حساس تھا۔ وہ صورت حال پر خاصا نروس دکھائی دیا اور غالبا وہاں سے رخصت ہونا چاہ رہا تھا۔ وہ پریشان نگاہوں سے اپنی بیٹی کو ڈھونڈ رہا تھا۔ لیکن کہیں دور سے اس کے گنگنانے کی آواز ہی سنائی دے رہی تھی۔

"وہ باہر کہیں ہے جناب"۔ نیائے نے کہا "اندر آ جائیں"۔

ہم اندر چلے گئے۔ مے کے گانے کی آواز یہاں زیادہ واضح سنائی دے رہی تھی، اس کی آواز سن کر نیائے بھی خوش ہو رہی تھیں۔ میں نے دونوکروموکے قیام کے دوران، کبھی انالیز کو گاتے نہیں سنا تھا۔ یوں لگا جیسے وہ بھی اپنے بچپن میں لوٹ گئی ہے۔ وہ بچپن، جو کام اور ذمہ داریوں کے ہاتھوں، کٹ پھٹ کر، نہ جانے کتنی جلدی غائب ہو گیا تھا۔ جین چپ چاپ جاگتی آنکھوں خواب دیکھنے میں لگ گیا۔

"مسٹر میریز "ڈرائینگ روم میں آرام سے بیٹھنے کے بعد مما نے کہا "آپ کی بچی، لگتا ہے، ہمارے گھر میں تازہ ہوا کا جھونکا بن کر آئی ہے۔ کیا خیال ہے اگر آپ اسے ہمارے ہاں بھیجتے رہا کریں۔ ڈاکٹر مارٹی نیٹ بھی یہی کہہ رہے تھے نا؟"

"اگر بچی پسند کرے تو، میں نہیں سمجھتا، اس کے آنے میں کوئی اور رکاوٹ ہوگی"۔ اس کی آواز میں گھبراہٹ کی جھلک تھی جیسے اسے کسی شے کے گم ہو جانے کا ڈر ہو۔

"منکی، مسٹر میریز سے رات یہیں رہنے کی گزارش کرو"۔

"کیا خیال ہے جین؟ تم یہاں رہنا پسند کرو گے؟"

یہ مصور، خوبصورتی کا خالق ہونے کے باوجود، بڑی عجیب و غریب شے تھا۔ اتنے آسان سے سوال کا جواب دینا اسے دوبھر ہو گیا۔ وہ سوالیہ نظروں سے میری جانب دیکھنے لگا۔

"ٹھیک ہے جین، رات تم یہیں ٹھہرو گے۔ میں صبح سویرے ہی تمہیں تمہاری ورکشاپ

چھوڑ آؤں گا تا کہ تمہیں وہاں پہنچنے میں دیر نہ ہو"۔

اس کم بخت نے سر ہلا کر، میری بات ماننے کا اشاہ کیا اور زبان سے شکریہ تک ادا نہیں کیا۔ رات کو، ہم ایک ہی بستر میں سونے کے لئے لیٹے۔ ڈاکٹر مارٹی نیٹ کا طرز گفتگو اختیار کرتے ہوئے میں نے جین سے پوچھا: تم ہمیشہ دل شکستہ کیوں دکھائی دیتے ہو؟ کیا اپنے ماضی پر تمہیں ابھی تک پشیمانی ہے؟"

"یہ سوال ایک لکھاری کا ہے منکی؟ تم اب واقعی لکھاری بنتے جا رہے ہو۔ سو فیصدی اصل لکھاری"۔

"یہ بات نہیں جین۔ میں معافی چاہتا ہوں۔ میں عمر میں تم سے بہت چھوٹا ہوں۔ میرا تجربہ اور علم بھی تم سے کہیں کم ہے۔ جواب نہیں دو گے اس کا جین؟"

"بڑی ذاتی بات ہے یہ اور وہ تصویر مکمل کرنے کے بعد، میں اس سارے معاملے کو بھلانے کی کوشش کروں گا۔ کیا تم میرے بارے میں لکھنا چاہ رہے ہو؟"

"تم بڑے منفرد انسان ہو جین۔ میں یہ چاہوں گا بشرطیکہ میں اس موضوع سے انصاف کر سکوں۔ تم جین چاہتے کیا ہو؟"

"خواہش؟ آہ تم، تم ایک فنکار ہو، میں بھی فنکار ہوں۔ ہر فنکار کی خواہشیں ہوتی ہیں، وہ خواب دیکھتا ہے۔ کامیابی کی بلندیوں پر جانے کے۔ کامیابی و کامرانی !اور اس کے لئے وہ اپنی ساری توانائی اور طاقت اکٹھی کرتا ہے اور منکی اس کامیابی کا دفاع کرنے کے لئے وہ ہمیشہ پریشانیوں اور دکھوں میں گھرا رہتا ہے"۔

"لیکن تمہارے لہجے کی شکستگی یہ ظاہر کرتی ہے جیسے تمہیں اس کامیابی اور عروج کی آمد کا یقین ہی نہ ہو"۔

"وہ سوال ۔۔۔۔۔۔ اب تم بھی ایک حقیقی فنکار ہو ۔۔۔۔۔۔ میرا خیال ہے وہ سوال خود تمہاری جذباتی جدوجہد کے نتیجے میں پیدا ہوا۔ تمہارے حالیہ کاموں کا ثمر۔ ورنہ تمہاری عمر کا کوئی آدمی یہ سوال کر نہیں سکتا۔ حاکمانہ انداز کا سوال۔ کیا تمہیں اپنے سوالوں پر خود بھی یقین ہوتا ہے؟"

"میں نے بڑے عام سے انداز میں مگر پر یقین طریقے سے سوال کیا" حاکمانہ انداز سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"مختصراً کوئی بھی شخص جو اپنے سوالوں کو واقعتاً پوری طرح سمجھتا ہے"۔

ظاہر ہے، وہ سو نہیں رہا تھا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ میری ساری محنت اکارت چلی گئی۔ وہ گفتگو جاری رکھنا ہی نہیں چاہ رہا تھا، اس موضوع پر۔

اس رات، میں نے خود کو بہت سارے مسائل کے درمیان گھرا ہوا محسوس کیا۔ مجھے یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ میں اپنے خوبصورت اور دلکش بچپن کو اور اس کی یادوں کو خدا حافظ کہوں۔ جس میں فتح تھی، کامیابی اور کامرانی تھی۔ ہاں، ممکن ہے دوسرے لوگوں کے نزدیک ان سب کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ یہ سب چیزیں، جنہیں میں نے بڑی احتیاط سے تحریری طور پر محفوظ کر لیا۔ انہی سے تو میری فتوحات کے دعوؤں کا حق ملا مجھے۔ ان فتوحات میں سب سے بڑی فتح تھا، انالیز کا پیار۔ حالانکہ، وہ ایک نازک کانچ کی گڑیا سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔ دیوار گیر کلاک کے گھنٹے بجنے کی آواز نے رات کا سکوت درہم برہم کر دیا۔ مجھے ڈاکٹر مارٹی نیٹ کا کہا ہوا ایک فقرہ یاد آیا:

"نیائے کے ڈیری کے مویشیوں کو مکمل گائیں بنانے کے لئے، دودھ دینے والی، جوان گائیں بنانے کے لئے صرف تیرہ یا چودہ مہینے درکار ہوتے ہیں۔ مہینے! انسانوں کو دس یا اس سے بھی زیادہ سال چاہئے ہوتے ہیں، جوانی اور بلوغت تک پہنچنے کے لئے، اپنی مکمل صلاحیتوں اور قابلیت کے حصول کے لئے۔ ہاں، ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو دوسرے لوگوں یا معاشر کے قابو میں ہی نہیں آ سکے۔ جیسے مجنوں یا مجرم، شخصی صلاحیتوں کا اعتماد اور ٹھوس پن۔۔۔۔۔۔ یا اس کے برعکس۔۔۔۔۔۔ براہ راست ان تجربات کی تعداد اور ان کی گہرائی پر منحصر ہوتا ہے، جن سے وہ گزرا ہوتا ہے۔ پاگلوں اور مجرموں جیسے لوگ چونکہ ان امتحانوں اور دشواریوں سے دور بھاگتے ہیں اس لئے وہ ذہنی بلوغت تک کبھی پہنچ ہی نہیں پاتے۔ ایک گائے صرف تیرہ مہینوں میں اور بغیر کسی امتحان میں دشواری میں پڑے، پوری جوان گائے بن جاتی ہے۔۔۔۔۔۔"

یا اللہ! واقعی اس کم عمری میں، کیسے کیسے تجربات اور امتحانوں میں سے تو نے مجھے گزار دیا۔ حالات نے مجھے ایسے مسائل کا سامنا کرنے پر مجبور کر دیا جن سے فی الحال میرا کوئی تعلق ہونا ہی نہیں چاہئے تھا۔ میرے راستے میں آنے والے امتحانوں اور دشواریوں کا مقابلہ کرنے کی مجھے طاقت عطا فرما، مجھ سے پہلے بھی تو نے اپنے بندوں پر اسی طرح رحم کیا ہے۔۔۔۔۔۔ میں کوئی مجنوں یا پاگل نہیں اور نہ ہی کوئی مجرم ہوں اور نہ ہی شاید کبھی بن سکوں!

باب 16

اس صبح آسمان بادلوں میں چھپا ہوا تھا، حالانکہ پچھلا سارا ہفتہ مطلع صاف رہا تھا۔ میرا دل البتہ صاف نہیں تھا، سینے پر چھا جانے والے سرمئی بادل کسی طوفان کی آمد کا پیش خیمہ لگ رہے تھے۔ کل جب میں انالیز کے ساتھ گھڑ سواری کے لئے نکلا (اچانک ہی مجھے گھڑ سواری بھی آ گئی تھی، اچھی بھلی۔) ہفتہ کی سہ پہر تھی اور میں نے اسے ایک مریل سے گھوڑے پر سوار، کمپنی کی زمین پر سے گزرتے دیکھا۔ شام کو جب ڈارسم، مجھ سے پڑھنے اور حساب سیکھنے، میرے پاس آیا تو میں نے اسے پڑھانے سے انکار کر دیا۔ میں نے اسے فاٹسو کی مشتبہ حرکات کے بارے میں بتایا اور یہ بھی کہ وہ ٹاؤن بی سے میرا پیچھا کرتا ہوا یہاں آیا تھا۔ (ہاں مجھے یاد آ گیا، اس نے وہاں میرے لئے ٹکٹ خریدتے ہی اپنے لئے ٹکٹ خریدا تھا مجھے یہ بھی یاد تھا کہ وہ مجھ سے پہلے ریل سے اترا تھا اور ٹکٹ چیکر کے پاس کھڑا، کسی سے بات کرنے میں مصروف، میرا منتظر رہا تھا۔)

"کیا وہ بھینگا ہے چھوٹے آقا؟ "ڈارسم نے پوچھا۔

"ہاں معمولی سا ہے"۔ میں نے تصدیق کی۔

"ہاں، یہ کئی بار گاؤں میں نظر آیا ہے۔ ڈارسم اسے کوئی عام آدمی سمجھ رہا تھا۔

"اگر وہ کوئی سادھو ہے، تو اس کے سر پر چوٹی بھی ہونی چاہئے تھی میرا خیال ہے، اس کی چوٹی نہیں تھی۔ ممکن ہے رابرٹ کے کہنے پر میری نگرانی کر رہا ہو"۔

ڈارسم نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"رابرٹ ہے کہاں؟ میں جب سے ٹاؤن بی سے آیا ہو، وہ مجھے نظر نہیں آیا"۔

"وہ اب گھر واپس آنے کی جرات نہیں کرے گا۔ آپ کو یاد ہے نا، میں پہلے ہی آپ کو بتا چکا ہوں۔ اس نے مجھے آپ کو مار ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ میں نے اسے کہا تھا۔ نیائے اور نونی میرے مالک ہیں۔ ان کے دوست میرے دوست ہیں۔ اگر تم چھوٹے آقا کو مروانا چاہتے ہو تو

بہتر یہ ہوگا کہ میں تمہیں ہی مار ڈالوں۔تم میرے مالک نہیں ہو۔ یہ دیکھو، یہ کہہ کر میں نے اپنا خنجر لیا اور وہ بھاگ نکلا۔۔۔۔۔۔"

ابھی کل ہی ہمارے درمیان یہ گفتگو ہوئی تھی کہ فاٹسو کی جھلک میری سوچوں میں دھنس کر رہ گئی۔ آنے والی صبح کا سورج میرے دل میں چھائے ہوئے بادلوں کو بھگانے میں ناکام رہا۔

"تو تم فاٹسو کو دیکھ چکے ہو"۔ میں نے گزشتہ رات ہی ڈارسم سے پوچھنا تھا۔"دوبارہ ٹکرا گیا تو تم اس کے ساتھ کیا کرو گے؟"

"اگر وہ واقعی رابرٹ کا آدمی ہوا تو میرے خنجر کی تیز دھار اس کا نصیب ہوگی"۔

"ہش، پاگل پن نہیں کرنا"۔ میں نے اسے منع کیا۔"اگر ایسی کوئی حماقت کر دی تو ہم سب مشکلوں میں گھر جائیں گے۔ایسا سوچنا بھی نہیں سمجھ گئے نا؟"

"ٹھیک ہے، نہیں کروں گا۔لیکن میں مار مار کر اس کی ہڈیاں تو توڑ سکتا ہوں تا کہ وہ تا زندگی کوئی غلط حرکت کرنے کا سوچ بھی نہ سکے"۔

"نہیں، ہمیں صحیح صورت حال کا پتہ نہیں۔ اگر پولیس بیچ میں آ گئی تو کون مما کی مدد کو آئے گا؟ میں تو اس قابل ہوں نہیں"۔ اور ڈارسم خاموش ہوگیا۔ پھر ذرا ہچکچاتے ہوئے، وہ آہستگی سے بولا۔

"ٹھیک ہے، میں آپ کی باتیں بغور سنوں گا اور ان پر عمل کروں گا"۔

"ہاں، غور سے سنو، میں اپنی وجہ سے اس گھرانے پر کوئی تباہی آتے نہیں دیکھ سکتا اور۔۔۔۔۔ہاں، خیال رہے فاٹسو کی خبر کسی تیسرے آدمی کو ہرگز نہ ہو"۔

اور اس صبح میں ڈارسم کو بے چینی کے عالم میں ادھر ادھر پھرتے دیکھ رہا تھا۔ وہ جان بوجھ کر اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا تھا تا کہ ضرورت پڑتے ہی، میں اسے آواز دے سکوں۔ مجھے پتہ تھا، وہ میری حفاظت کر رہا تھا۔

مما، انالیز اور میں۔۔۔۔۔۔ہم تینوں سامنے کے برآمدے میں بیٹھے "سٹارڈسٹ" کی ریکارڈنگ سن رہے تھے۔موسیقی کے سروں میں، دریا کی لہروں میں طغیانی کی سی کیفیت تھی۔ میرا دل بدستور سرمئی بادلوں کی لپیٹ میں تھا۔ مجھے پہلے محسوس ہو رہا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔ میں نے انالیز اور مما کی جانب باری باری دیکھا۔ مما بھی ڈارسم کی غیر معمولی سرگرمی سے کچھ مشتبہ نظر آ رہی تھیں۔

"آپ کچھ پریشان نظر آ رہی ہیں۔ مما "میں نے کہا۔

"یونہی محسوس ہوتا ہے۔ ڈارسم جب بھی اس طرح کی بھاگ دوڑ میں نظر آتا ہے، میں بے سکون ہو جاتی ہوں۔ کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے۔ میں کل رات سے بے چینی محسوس کر رہی ہوں ڈارسم!"

ڈارسم آواز سنتے ہی آ گیا اور مودب کھڑا ہو گیا۔

"تم اس طرح ادھر ادھر کیوں بھاگ رہے ہو؟ "مما نے مادھوری میں سوال کیا۔

"یہ جو میرے پاؤں ہیں نا، نچلے بیٹھنا جانتے ہی نہیں، بس اپنی مرضی سے متحرک رہتے ہیں۔ نیائے"۔

"تمہارے پاؤں کی کھجلی پچھلی طرف جا کر دور نہیں ہو سکتی؟"

"کیا کروں، نیائے۔ یہ پاؤں پھر مجھے آگے کی طرف لے آتے ہیں"۔

"ٹھیک ہے لیکن تمہارا چہرہ اتنا خوفناک کیوں ہے، اتنا سخت۔ تمہاری کھلی آنکھوں میں، خون جھلک رہا ہے"۔

ڈارسم نے بات کو قہقہہ لگا کر اڑا دیا اور ہاتھ سے سلام کرتا ہوا، وہاں سے چل دیا۔ بات کرتے ہوئے اس کی مونچھیں اوپر نیچے ہوتی رہتی تھیں۔ آج اس کی آنکھیں کچھ زیادہ ہی چوکنی تھیں اور اس کے کان گویا افق کی عجیب وغریب آوازیں سننے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔

"تم چپ چاپ کیوں ہو این؟ "میں نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں"۔ (وہ اٹھی اور جا کر گراما فون ریکارڈ بند کر دیا۔

"تم نے اسے بند کیوں کر دیا؟ "مما نے پوچھا۔

"پتہ نہیں کیوں، موسیقی، آج سر اور لے کے بجائے بے ہنگم شور محسوس ہو رہی ہے"۔

"غالباً منکی موسیقی سننا چاہ رہا تھا"۔

"کوئی بات نہیں ماں"۔

"این ! تمہیں یاد ہے وہ آدمی جو کل گھوڑے پر آ رہا تھا؟"

"وہ جو بھوری لکیروں والے کپڑے پہنے ہوئے تھا؟ "میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کون ہے وہ؟"

"کون گھوڑے پر آ رہا تھا؟ کہاں؟ "مما نے فوراً پوچھا۔

"گاؤں میں تھا، ماں"۔ انالیز نے وضاحت کی۔

"گاؤں میں تو کبھی کوئی گھوڑے پر سوار نہیں آیا۔ سوائے مسز کاریو کے بیٹے کے، وہ ڈی۔ پی۔ ایم کا چوکیدار"۔

"وہ نہیں تھا ماں اور وہ قمیص پاجامہ پہن کر کبھی بھی اپنے والدین سے ملنے نہیں آتا۔ یہ تو موٹا سا آدمی تھا۔ گہرے گندمی رنگ اور بھینگی آنکھوں والا"۔

"ڈارسم"۔ مما نے آواز دی۔

"دیکھا نیائے، اس لئے میرے پاؤں میں کھجلی ہو رہی تھی"۔ مما نے ڈارسم کے مذاق کا جواب نہیں دیا۔

"کون آیا تھا کل گھوڑے پر سوار ہو کر گاؤں میں؟"

"کوئی سادھو تھا نیائے"۔

"کیا جہالت ہے، یہ سادھو کب سے گھوڑے پر پھرنے لگے؟ تمہارا رویہ بھی آج عجیب سا لگ رہا ہے۔ اگر وہ کرائے پر لے بھی لے تو اسے چلانا کیسے آئے گا گھوڑا؟ اور کیا اس کی چٹیا تھی؟"

ڈارسم نے ایک بار پھر زوردار قہقہہ لگایا، وہ کچھ چھپانا چاہ رہا تھا۔ پھر بولا: "نیائے نے کب سے ڈارسم پر اعتبار کرنا چھوڑ دیا ہے؟" اس نے اپنے بازو کی پشت سے اپنی مونچھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ڈارسم، تم آج واقعی عجیب لگ رہے ہو"۔

مادوری لڑا کا ایک بار پھر زور سے ہنسا۔ فوجی انداز میں سلیوٹ کیا اور کچھ کہے بغیر چلتا بنا۔

"یہ کچھ چھپا رہا ہے"۔ مما نے منہ ہی منہ میں کہا "میں اور زیادہ بے چین ہو گئی ہوں۔ چلو اندر چلیں"۔

وہ اپنی کتابیں اٹھا کر، اندر کی طرف بڑھ گئیں۔

"ڈارسم اور مما کی حرکات عجیب سی لگ رہی ہیں ماس کیوں؟"

"مجھے کیا پتہ، چلو اندر چلتے ہیں"۔

انالیز اندر چلی گئی۔ میں وہیں کھڑا ادرگرد نظر دوڑانے لگا۔ ڈارسم بھاگتا ہوا گیٹ کی جانب بڑھا۔ کھلا ہوا خنجر اس کے دائیں ہاتھ میں لہرا رہا تھا۔ ایک لمحے کو صرف باہر، میری نگاہ فاٹسو

پر پڑی جو غالباً سرابیا کی سمت جا رہا تھا۔ وہ اخروٹی رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ سر پر سفید ہیٹ، پاؤں میں سفید جوتے۔ ہاتھ میں اس کے چھڑی تھی۔ اس کی چہل قدمی کچھ اس طرح کی تھی جیسے وہ پک نک پر نکلا ہو۔ میرا یہ شبہ کہ شاید وہ کوئی اجرتی چینی قاتل ہے، اب باقی نہیں رہا۔

ڈارسم پر نظر پڑتے ہی میں سیدھا اس کی جانب بڑھ گیا۔ "نہیں ڈارسم، نہیں ۔۔۔۔۔ "میں اس کے پیچھے بھاگنے لگا۔ ڈارسم نے میری آواز سنی ہی نہیں۔ وہ فاٹسو کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ پیچھے پیچھے میں بھی بھاگا جا رہا تھا اور اپنی پوری قوت سے چیخ چیخ کر ڈارسم کو روک رہا تھا۔

پیچھے سے مجھے انالیز کے چیخنے کی آواز سنائی دی "ماس !ماس!"

ایک لمحے کو میں نے پچھے مڑ کر نظر دوڑائی۔ انالیز میرے پیچھے بھاگتی آ رہی تھی۔ لگتا ہے فاٹسو کو بھی اپنے تعاقب کا علم ہو گیا تھا۔ وہ اس مادوری لڑاکا کے خنجر سے بچنے کے لئے، اپنی پوری رفتار سے بھاگنے لگا۔ کبھی کبھی وہ پیچھے مڑ کر بھی نظر مار لیتا۔

"فاٹسو، رک جاؤ۔ ڈارسم بڑے سفاکانہ انداز میں چیخا۔ فاٹسو مزید تیز ہونے کے لئے جھک کر دوڑنے لگا۔

"ڈارسم، واپس آ جاؤ، مزید آگے نہ جاؤ"۔ میں چیخا۔

"ماس، ماس، ان کا پیچھا نہ کریں"۔ انالیز میرے پیچھے تیزی سے بھاگتی، چیخ رہی تھی۔ میں مرکزی گیٹ تک پہنچ گیا۔ فاٹسو سرابیا کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ ڈارسم کا اس سے درمیانی فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔

"انالیز زز۔۔۔۔۔۔این، واپس آ جاؤ۔ نیائے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

میں نے پیچھے کی جانب دیکھا۔ مما اپنا لہنگا اوپر اٹھائے اپنی بیٹی کے تعاقب میں دوڑ رہی تھیں۔ ان کے بال کھل کر بکھر گئے تھے۔ فاٹسو اپنی جان بچانے کے لئے بھاگا جا رہا تھا۔ ڈارسم اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ میں ڈارسم کے پیچھے تھا۔ انالیز میرے تعاقب میں تھی اور نیائے اپنی بیٹی کے پیچھے پیچھے تھیں۔

"ڈارسم میری بات سنو، چھوڑو، جانے دو"۔

لیکن اس نے میری آواز کا نوٹس ہی نہیں لیا۔ وہ اس کے پیچھے بھاگنے میں لگا ہوا تھا۔ بس کسی بھی لمحے فاٹسو اس کے قابو میں آ جاتا اور پھر اس کی شامت۔ نہیں، ایسا نہیں ہونا چاہئے۔

"ماس، ماس، ان کے ساتھ شامل نہ ہو"۔ انالیز کی آواز آ رہی تھی۔

"این، این گھر واپس آؤ"۔ مما کے چیخنے کی آواز بھی سنائی دی۔

اور ہاں، اگر فاٹسو سرابیا کی سمت میں بھاگتا رہتا تو یقیناً مارا جاتا۔ اتوار کا دن تھا، ساری سڑک سنسان تھی۔ چاروں طرف کھیت ہی کھیت تھے۔ آہ تیانگ کا عشرت کدہ، نیائے کا گھر، ان کے باغات اور کھیت اور اس کے بعد جنگلات کا طویل سلسلہ، یہ سارا علاقہ اس کا جانا پہچانا لگتا تھا۔ اس کے پاس صرف ایک ہی راستہ تھا کہ وہ آہ تیانگ کے احاطے میں گھس جائے اور اس نے ایسا ہی کیا۔ وہ مجھے نظر آنا بند ہو گیا۔

"ادھر نہ جاؤ"۔ ڈارسم نے اپنے متوقع شکار کو للکارا۔

"ڈارسم، ارے ڈارسم !" میں نے چیخ کر اسے مخاطب کرنا چاہا۔ لیکن ڈارسم بھی اس وقت تک میری نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

"وہاں نہ جاؤ"۔ نیائے کی کہیں بہت دور سے آتی آواز کانوں میں پڑی۔

"وہاں نہ جاؤ"۔ انالیز نے ان کی ہدایت مجھ تک پہنچانے کی کوشش کی۔ میں بھی اب آہ تیانگ کے احاطے کی جانب مڑ چکا تھا۔ فاٹسو کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ڈارسم البتہ ایک جانب کھڑا نظر آیا۔ وہ خاصا کنفیوژ تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ سامنے کے دروازے اور کھڑکیاں ہمیشہ کی طرح بند تھے۔ میں ڈارسم کے پاس پہنچا تو وہ ابھی تک کھڑا ہانپ رہا تھا۔ میری اپنی سانسیں بھی بے قابو تھیں۔

"چوہا کہیں روپوش ہو گیا ہے، خدا جانے کہاں چلا گیا چھوٹے آقا؟"

"ٹھیک ہے، چلو گھر واپس۔ اب دفع کرو"۔

"نہیں، اسے مزا چکھنا چاہئے"۔

اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ تو تھی نہیں۔ وہ گھر کے ساتھ ساتھ کھڑکیوں کی قطاروں کے پاس سے گزرتا چلا گیا۔

"ماس، اس گھر کے اندر نہ جانا"۔ انالیز نے اپنے پڑوس کے گھر کے گیٹ سے آواز لگائی۔ "مما نے سختی سے منع کیا ہوا ہے"۔ لیکن وہ خود بھی اندر داخل ہو چکی تھی اور سامنے کے احاطے میں کھڑی تھی۔ ڈارسم نے دائیں بائیں طرف دیکھا۔ میں نے اسے کھینچ کر واپس ہونے کے لئے کہا۔ وہ مجھے نظر انداز کر رہا تھا۔ اس کا خنجر ابھی تک نیام سے باہر تھا۔ بالآخر، میری آنکھوں میں

وحشت ناچنے لگی۔

وہاں پتہ لگا کہ باباہ آ ہ تیا نگ کی عمارت اتنی چھوٹی نہیں تھی جتنی دور سے بظاہر محسوس ہوتی تھی۔ اس کے پیچھے اچھی خاصی وسیع جگہ تھی۔ تقریبا تمام جگہ پر باغ بنے ہوئے تھے جن میں پھلوں اور پھولوں کے بے شمار درخت اور پودے نظر آ رہے تھے۔ لگتا ہے ان کی ٹھیک ٹھاک دیکھ بھال ہوئی تھی۔ ہر جانب خوبصورت، بھاری بھرکم، سیاہ رنگ کے بنچ بچھے ہوئے تھے۔ ایک چھوٹی سی پگڈنڈی کے ذریعے باغ کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور اس راستے پر دریائی مٹی کی تہیں جمی تھیں۔

ایک لمحے کو مجھے وہاں ایک جوڑا نظر آیا۔ انہوں نے ہمیں نہیں دیکھا۔ باہر سے یہ سب کچھ دکھائی نہیں دیتا کیونکہ چاروں طرف اونچی اونچی، موٹی اور قطار در قطار دیواریں اندرونی مناظر کو چھپائے رکھی تھیں۔ مرکزی عمارت کے گرد ہوتے ہوئے، ڈارسم دائیں جانب مڑ گیا۔ اردگرد کوئی آدمی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ عقبی دروازہ کھلا تھا۔ میرے پیچھے، انالیز نے بھی کھڑکیوں کی قطار عبور کر لی تھی۔ نیائے کی آوازیں بھی صاف سنائی دے رہی تھیں "نہیں، اندر نہ جاؤ"۔

ڈارسم بغیر سوچے سمجھے اندر داخل ہو گیا، اس نے رک کر، ادھر ادھر دیکھا۔ خنجر، اسی طرح، اس کے ہاتھ میں تھا۔ میں بھی اندر داخل ہو گیا، ایک بڑا کمرہ سامنے تھا۔ غالبا کھانے کا کمرہ تھا۔ فرنیچر سے بھرا ہوا، میز، کرسیاں، ہر طرح کی کراکری سجی ہوئی تھی۔ دیواروں پر چینی رسم الخط سے سجے ہوئے آئینے لگے تھے۔ کچھ جاپانی تصویریں سمندری جھینگوں، بانسوں کے جھنڈ اور گھوڑوں کی۔۔۔۔۔ بھی دیواروں پر ٹنگی تھیں۔ اچانک ڈارسم حیرت زدہ فرش پر جم کر رہ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر مجھے آگے بڑھنے سے منع کیا۔ میں نہیں رکا۔ وہاں تھا کیا آخر؟

کھانے کے کمرے کے ایک کونے میں کسی یورپی شخص کا جسم پڑا نظر آیا۔ اچھا خاصا چوڑا موٹا جثہ تھا۔ بڑھا ہوا پیٹ، سنہری مائل بالوں میں سفیدی کی جھلک، کسی حد تک گنج۔ اس کا دایاں ہاتھ سر کی جانب اٹھا ہوا تھا۔ اور بایاں سینے پر پڑا تھا۔ اس کا حلق اور گلا قے سے لتھڑے پڑے تھے شراب کی بو سارے کمرے میں بھری تھی۔ اس کی قمیص اور پتلون اتنے گندے تھے جیسے مہینے سے انہیں دھویا نہ گیا ہو۔

"توآن" ڈارسم نے سرگوشی کی "توآن مے لیما"۔

یہ نام سنتے ہی، میں لرز کر رہ گیا۔ میں نے مسٹر مے لیما کو بڑی بری حالت میں پایا۔ پہلے

سے کہیں زیادہ موٹے، کسی تاریک الدنیا سادھو کی طرح گیان دھیان میں، بے سدھ پڑے تھے۔ شاید وہ حد سے زیادہ چڑھا گئے تھے یا قے کرتے ہی، نیند نے انہیں آ لیا تھا۔

ڈارسم نے قریب پہنچ کر، انہیں دیکھا، ان کے جسم کو اپنے بائیں ہاتھ سے ہلایا جلایا۔ دائیں ہاتھ میں اس کا بے نیام خنجر مسلسل متحرک تھا۔ جسم بے حس وحرکت رہا۔ ڈارسم نے اسے دوبارہ الٹا کیا اور ان کے سینے کو دیکھنے لگا۔ میں بھی قریب چلا گیا۔ یہ تو واقعی مسٹر مے لیما تھے۔

"مردہ ہیں !" ڈارسم نے آہستگی سے کہا۔ میری جانب نظر اٹھائی اور پھر کہنے لگا۔

"مردہ ہیں۔ تو ان مے لیما تو مر چکے ہیں"۔ اور اس کے چہرے پر موجود ہیبت ایک دم غائب ہوگئی۔ انالیز بھی ہانپتی کانپتی دروازے پر آ گئی۔ وہ بھی مسلسل آوازیں دیئے جارہی تھی۔

"ماس، اس گھر کے اندر نہ جاؤ"۔

میں باہر آ گیا اور شانوں سے پکڑ کر انالیز کو بھی ساتھ لے لیا، مما بھی آ گئیں۔ ان کا سانس بری طرح چل رہا تھا۔ چہرہ سرخ تھا اور بال بری طرح بکھرے ہوئے تھے۔ وہ پسینے میں نہائی ہوئی تھیں۔

"چلو، گھر چلو"۔ کوئی بھی اس منحوس گھر کے اندر نہ جاؤ۔ وہ ہانپتی ہوئی سرگوشی کے سے عالم میں کہہ رہی تھیں۔

"چھوٹے آقا !" ڈارسم نے اندر سے مجھے آواز دی۔

"اندر نہ آئیں"۔ میں نے انالیز اور مما کو منع کیا اور اندر ڈارسم کے پاس چلا گیا۔ وہ مسٹر مے لیما کی لاش کو اٹھانے کی کوشش میں تھا۔ "یہ زندہ نہیں ہیں"۔ اس نے کہا "سانس نہیں آ رہا، خون بھی رک گیا ہے"۔

انالیز اور مما اچانک میرے پیچھے آ موجود ہوئیں۔

"پاپا "انالیز نے سرگوشی میں کہا۔

"ہاں، این، تمہارے پاپا"۔

"تو آن؟ "نیائے نے آہستگی سے کہا۔

"وہ مردہ ہیں نیائے، نونی، تو آن مے لیما مر چکے ہیں"۔ ڈارسم نے کہا۔

"شراب کی بو ہے"۔ نیائے کے منہ سے نکلا۔

"ماں؟"

"این، یہ بو پہچان رہی ہو"۔ نیائے نے قدم بڑھائے بغیر، آہستگی سے کہا۔
"تمہیں یاد ہے نا؟"
"بالکل اس دن، رابرٹ کے پاس بھی یہی بو آ رہی تھی"۔
"ہاں، جب اس پر پاگل پن کا دورہ پڑا تھا"۔ نیائے کہنے لگیں۔"تو آن بھی پہلی دفعہ اسی طرح لت پت آئے تھے۔تو آن اس راستے پر چلتے ہی گئے۔قریب نہ آؤ این۔ بالکل نہیں"۔

اچانک کسی عورت کے قدموں کی چاپ، ہم سب کو سنائی دی۔ پھر ایک عورت زرد جاپانی لباس پہنے نمودار ہوئی اس کا رنگ زرد سے زیادہ سفید تھا۔ کوئی جاپانی تھی وہ تیزی سے چلتی ہوئی ہماری جانب آئی۔ بڑی دلکش اور واضح آواز میں، وہ جاپانی میں، ہم سے مخاطب ہوئی۔ لیکن ہم اس کی بات سمجھ نہیں سکتے تھے۔ میں نے جواباً اس کی توجہ کونے میں پڑی لاش کی طرف مبذول کرائی۔ اس نے اپنا سر ہلایا اور کانپتے ہوئے، مڑی اور تیزی سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی، کوریڈور سے ہوتی، گھر کے اندرونی حصے میں چلی گئی۔ ہماری حیرت زدہ نگاہوں نے اس کا پیچھا کیا۔ میں نے پہلی بار کسی جاپانی عورت کو دیکھا تھا۔ گول چہرہ، ترچھی تنگ آنکھیں، سرخ یاقوتی ہونٹ اور ایک سنہری دانت۔ میں نہیں سمجھتا، میں اسے کبھی بھلا پاؤں گا۔ جلد ہی اس کوریڈور سے ایک دراز قامت، دبلا پتلا انڈو نمودار ہوا۔ جس کی آنکھیں اندر کو دھنسی تھیں۔

"مما"۔ انالیز بڑبڑائی۔"رابرٹ، ماں"۔

مجھے اس وقت محسوس ہوا کہ وہ وجیہ نوجوان کتنا تبدیل ہو گیا تھا۔ میں تو رابرٹ کو پہچان ہی نہیں سکا تھا رابرٹ کا نام سنتے ہی، ڈارسم، مے لیما کی لاش کو بھول بھال کر، اچھل کر کھڑا ہوا۔

"نیو"۔ وہ زور سے چیخا۔ رابرٹ اسی لمحے رک گیا۔ اس کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں۔ جونہی اس نے ڈارسم کو ہاتھ میں خنجر لئے دیکھا۔ وہ پلٹا اور بھاگ لیا۔ ڈارسم اس کے پیچھے بھاگا۔

میں نیائے اور انالیز وہیں کھڑے رہ گئے۔ میں نے تصور میں رابرٹ کو اپنے ہی خون میں نہائے دیکھا۔

لیکن نہیں، ڈارسم واپس آ گیا۔ اس نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیا۔ اس کے چہرے پر وحشت ناچ رہی تھی۔

"وہ بھاگ گیا۔ نیائے، کسی کمرے میں چھپ گیا یا کھڑکی سے چھلانگ لگا کر چلا گیا، کچھ

پتہ نہیں، کہاں؟"

"بہت ہوگئی ڈارسم، بہت ہوگئی"۔ نیائے نے بولنے کی کوشش کی۔ "ختم کردے پاگل پن، وہ میرا بیٹا ہے"۔

ان کی آواز تھرا گئی "اپنے تو آن کی طرف دھیان دو"۔

"ٹھیک ہے نیائے"۔

انالیز اپنی والدہ کی آستین تھامے، مسلسل لرز رہی تھی۔

"دیکھو"۔ نیائے نے بڑبڑاتے ہوئے کہا" یہاں معاملات گڑبڑ ہیں۔تم گھر جاؤ این میں نے کیا کہا تھا؟ اس گناہ کے گھر کی طرف نہ جاؤ۔ چلو ڈارسم، اپنے تو آن کی نعش اٹھاؤ اور واپس گھر چلو"۔

"ایک ریڑھی پکڑلو ادھر ادھر سے "میں نے ڈارسم کو ہدایت دی۔ چنانچہ ڈارسم نے اپنا خنجر نیام میں رکھا اور باہر چلا گیا۔ نیائے نے اپنے آقا کی لاش کو بغور دیکھا اور سیدھی کھڑی ہوگئیں۔انالیز اپنا منہ چھپائے، اپنی والدہ کے سینے سے لپٹی جا رہی تھی۔

"اپنی مناسب دیکھ بھال شاید انہیں اچھی نہیں لگی۔انہیں پڑوسی کی مہمان داری شاید زیادہ پسند تھی۔آہ تیانگ، آہ تیانگ !"نیائے نے آواز دی"آہ تیانگ باباہ !"لیکن وہ شخص نہ آنا تھا، نہ آیا۔ ڈارسم آگ بگولہ اندر، داخل ہوا:" گھر کا بدتمیز، گستاخ محافظ گاڑی دینے سے انکاری ہے"۔

"باباہ کہاں ہے؟"

"وہ یہاں نہیں ہے"۔اس نے کہا۔

"اپنی گاڑی ہی لے آؤ"۔

میں جاتا ہوں"۔ میں نے کہا۔

"تم دونوں یہیں ٹھہرو"۔ نیائے نے کہا میں واپس جاتی ہوں۔ چلو انالیز، ہم گھر چلتے ہیں"۔اور وہ اپنی بیٹی کو لے کر چل دیں۔ دونوں خواتین ایک دوسرے کو تھامے، آہ تیانگ کے عشرت کدے کے عقبی دروازے سے باہر نکل گئیں۔انہوں نے فرش پر مسٹر مے لیما کی بکھری ہوئی، منہ کھلی لاش کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔اس وقت مجھے مسٹر مے لیما سے نیائے کی لاتعلقی کا حقیقی احساس ہوا۔وہ ان کے جسم کو ہاتھ بھی لگانا نہیں چاہتی تھیں حالانکہ وہ ان کے بچوں کے باپ

تھے۔وہ انہیں کسی صورت معاف نہیں کر سکتی تھی۔

" کیا شاندار ابتدا تھی اور کیا عبرت انگیز انجام ہے چھوٹے آقا"۔ڈارسم کی غراہٹ سنائی دی۔جو شکار کیا،اسے کھوڑالا اور جسے پکڑا،وہ قابل نفرت ٹھہرا"۔

جلد ہی کمروں میں شوروغوغا کی آوازیں محسوس ہونے لگیں۔عورتوں کے دوڑتے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔

"باباہ آہ تیانگ کی طوائفیں ہیں"۔ڈارسم نے آہستگی سے کہا"توآن نے پانچ سال یہاں ڈیرہ ڈالے رکھا اور بالاخر یہیں اپنی جان دے دی۔طوائف کے کوٹھے پر مرنا،ہائے توآن نیائے نے پانچ سال تک ضبط کیا ہے اپنا غصہ۔ان کی موت پر بھی،انہوں نے بے تعلقی ظاہر کی ہے۔انسانی کچرا!"

"اور رابرٹ بھی یہاں تھا"۔

"ہاں،اسی چھت کے نیچے،انہی طوائفوں کے ساتھ،شیطانی منحوس صورتیں"۔

"یہ سب برداشت تو مما کو ہی کرنا پڑا ہوگا"۔

"ہر مہینے اخراجات کا بل انہیں پہنچ جاتا تھا"۔

"لاش کو نہ ہلاؤ"۔ میں نے منع کیا۔

ایک گاڑی آ گئی۔انالیز یا مما گھر پر ہی رہیں۔چار پولیس ایجنٹ اور ان کا کماندار،ایک انڈوبھی گاڑی کے ساتھ تھے۔انہوں نے لاش کا معائنہ کیا۔ان میں سے ایک،اپنے کماندار کی باتوں کے نوٹس لیتا رہا۔

" کیا اس کی پوزیشن بدل گئی ہے؟ " کماندار نے مالے میں پوچھا۔

"ہاں معمولی سی،میں نے اسے ہلایا تھا"۔ڈارسم نے مادوری میں جواب دیا۔

" گھر کا مالک کہاں ہے؟"

"یہاں نہیں ہے"۔

"یہاں کون رہتا ہے؟ "اس نے اپنی جیبی گھڑی باہر نکالی۔ایک لمحے کو اسے دیکھا اور پھر واپس جیب میں رکھ لی۔ اس گھر کا کوئی فرد نظر نہیں آیا۔

"لاش سب سے پہلے کس نے دیکھی؟ "ڈارسم جواب میں کھانس دیا۔

"اس کی کیا توضیح ہے کہ بورڈیری والوں کا سارا گھرانہ ہی یہاں موجود ہے؟ "اس نے

مادوری میں پوچھا۔ میرا دل زور زور سے دھڑ کنے لگا۔ اب اس معاملے کو پولیس کی دست رس سے بچانا محال لگ رہا تھا اور سب لوگ مشکلوں کا شکار ہو جائیں گے۔

"میں فاٹسو کا تعاقب کر رہا تھا"۔

"یہ فاٹسو کون ہے؟"

"ایک مشتبہ آدمی۔ وہ بھاگ گیا۔ میں اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا، وہ یہیں کہیں غائب ہو گیا"۔ ڈارسم نے وضاحت کی۔

"تم کسی اور کے گھر میں داخل ہو گئے؟ بغیر اجازت؟"

"ہم یہاں پہنچے تو یہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ یہ تو طوائفوں کا کوٹھا ہے، کوئی بھی آ سکتا ہے یہاں"۔

"لیکن تم تو اس مقصد کے لئے یہاں نہیں آئے"۔

"میں پہلے ہی تمہیں بتا چکا ہوں"۔ ڈارسم کو غصہ آ گیا۔ "ہم فاٹسو کے تعاقب میں آئے تھے، وہ غالباً ان کا گاہک ہے"۔ کماندار بڑی توہین آمیز طریقے سے ہنسا۔ دوسرے ایجنٹوں نے لاش اٹھائی۔ وہ زیادہ مضبوط لوگ نہیں تھے۔ ڈارسم نے مزید سوالات سے بچنے کے لئے، ان کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔

"اچھا، تمہارے نام کیا ہیں؟"

ڈارسم کو اور مجھے سرکاری گاڑی میں بٹھا کر لے جایا گیا، ہم سے معاملے کی مزید تفتیش کی گئی۔ مزید سوالات ہوئے۔ اور۔۔۔۔۔۔ خدایا جب ابو کو پتہ چلے گا۔ ان کے گھر کے عقلمند ترین لڑکے کا نام پولیس کیس میں لیا جائے گا، ایک گندے مقدمے، طوائفوں کے کوٹھے کے سلسلے میں، اخبار میں تفصیلات آئیں گی۔ خاندان کا قابل فخر لڑکا اور اس کے یہ کرتوت۔۔۔۔۔ بالکل اسی طرح ہوا۔ جیسے ابو نے پیش گوئی کی تھی۔

اس دن ہمیں معلوم ہوا کہ مسٹر مے لیما کی موت زہر کی وجہ سے ہوئی تھی۔ ان کے منہ اور گردن کے گرد پھیلی قے اور ملغوبہ اسی طرف اشارہ کر رہے تھے پولیس کی درخواست پر ڈاکٹر مارٹی

نیٹ نے لاش کا تجزیہ کیا ان کے مطابق مسٹر مے لیما کو مسلسل زہر کی تھوڑی تھوڑی مقدار دی جا رہی تھی۔ تا کہ وہ زہر کے عادی ہو جائیں۔ موت والے دن انہیں زہریلی خوراک کی مقدار معمول سے دو تین گنا زیادہ دے دی گئی۔

اور بالآخر، اس معاملے کی رپورٹیں اخبارات میں آنا شروع ہوئیں۔ سرابیا کے دولت مند ترین شخص، بورڈیری بیتن سورگ کے مالک کی ووئوکرومو میں، آہ تیانگ کے عشرت کدے میں پراسرار موت۔ زہریلی شراب کی قے کے ساتھ ہی موت واقع ہو گئی اور جگہ جگہ ہمارے نام اس میں آتے رہے۔

رپورٹرز کا تانتا بندھ گیا ہمارے گھر پر مقامی، انڈو، چینی، خالص یورپین، ہر جگہ کے رپورٹر تھے۔ مما اور انالیز نے سوالات کا جواب دینے سے انکار کر دیا۔ میں نے انہیں مختلف حیلے بہانوں سے ٹالا۔ باہر سڑک پر لوگوں کا اژدھام ہمیں دیکھنے کے لئے اکٹھا ہو گیا تھا۔ جی ہاں، ہمیں عجوبہ سمجھا جانے لگا تھا۔

ہم میں سے کسی کو بھی گرفتار نہیں کیا گیا۔ میں نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سرابیا نیوز میں واقعات کی حقیقی تصویر بیان کر دی۔ کافی عرصے کے بعد پتہ چلا کہ میری ان رپورٹوں کی بدولت اخبار کی سرکولیشن خاصی بڑھ گئی تھی۔ دوسرے شہروں کے لوگ بھی اس اخبار کو قابل اعتماد سمجھ کر، اپنے ہاں منگوانے لگے۔ کسی دولت مند کی غیر متوقع موت، ظاہر ہے، بہت سے شبہات اور افواہوں کو جنم دیتی ہے۔ سکول سے ہفتہ وار چھٹی کو، میں لکھنے کے لئے استعمال کیا کرتا۔ تمام جھوٹی اور غلط سلط رپورٹوں کی مصدقہ طریقے سے تصحیح کرتا۔ پھر اچانک خبر چھپی، غالباً پولیس کے ذرائع نے ہی یہ خبر چھوڑی تھی کہ پولیس فاٹسو اور رابرٹ مے لیما کو سرگرمی سے تلاش کر رہی ہے اور اپنی تفتیش اس رخ سے کر رہی ہے کہ شاید مسٹر مے لیما کے قتل میں، وہ دونوں اور خصوصاً رابرٹ، ان کا اپنا بیٹا، بھی شامل ہے۔

یہ فاٹسو آخر ہے کون؟ ایک مالے چینی اخبار نے اس خبر کو اچھالا۔ آرٹیکل میں یہ امکان ظاہر کیا گیا کہ شاید وہ حال ہی میں وارد ہونے والی غیر قانونی چینی مہاجرین میں سے ایک ہے۔ شاید وہ چینی شہنشاہیت کا تختہ الٹنے کا خواہاں، چینی نوجوان نسل نامی تنظیم کا رکن بھی ہو۔ ان کی خاص نشانی یہ تھی کہ وہ سر پر چٹیا نہیں رکھتے اور یہ بات حقیقت بھی تھی کہ فاٹسو کی چٹیا نہیں تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ہانگ کانگ یا سنگاپور کی برطانوی پولیس سے بچتا بچاتا جاوا آن پہنچا ہو۔ اب وہ

سرابیا میں مسائل پیدا کر رہا ہے۔ ایسے چینی مہاجروں خصوصاً سر پر چٹیا نہ رکھنے والے چینیوں کے خلاف سخت کارروائی کی جانی چاہئے کیونکہ ان کی آمد محض مجرمانہ ارادوں کے تحت ہوئی ہے۔

یہ سارا اندازہ محض اوٹ پٹانگ باتوں کو باہم ملا کر، پیش کر دیا گیا تھا۔ میں نے چینی نژاد مالے اخبار کو خط لکھا۔ وہ بھینگی آنکھوں کا مالک ضرور تھا لیکن یہ نشانی صرف چینیوں سے مخصوص نہیں کی جاسکتی۔ اس کے سر پر چٹیا بھی نہیں تھی۔ لیکن اس کا بھی لازمی نتیجہ یہ نہیں نکالنا چاہئے کہ وہ چینی نوجوان نسل کارکن بھی تھا۔ میرے مضمون کے نتیجے میں پولیس کی فاٹسو سے متعلق تفتیش کا دائرہ سرابیا نیوز تک پھیل گیا۔ مارٹن نیامن نے اصولی طور پر کسی طرح کی بھی وضاحت سے صاف انکار کر دیا۔ درحقیقت، اس بیچارے کو اس سارے قصے کے سر پیر کا ہی پتہ نہیں تھا۔ محض اپنے انکار کی وجہ سے، اسے تین دن رات، قید میں رہنا پڑ گیا۔

مریم اور سارہ ڈی لا کروکس نے مجھ سے بلکہ ہم سے اظہار ہمدردی کیا۔ انہیں ہماری معصومیت اور کسی غلط کاری میں ملوث نہ ہونے کا پورا یقین تھا۔ ہربرٹ ڈی لا کروکس نے بھی امید ظاہر کی کہ صبر و استقامت کے ذریعے ہم اس مشکل صورت حال سے بحفاظت نکل آئیں گے۔

والدہ کے جذباتی خطوط نہ صرف ان کے دکھ اور اضطراب کا اظہار تھے بلکہ والد کے غصے اور طیش کا پتہ بھی دیتے تھے۔ انہوں نے مجھ سے اپنی مکمل لاتعلقی کا اعلان کر دیا تھا۔ سکول ڈائریکٹر کو بھی انہوں نے مجھے سکول سے نکالنے کے متعلق لکھ دیا تھا۔ والدہ کی جانب سے آنے والے خط بھی جاوی رسم الخط میں تھا۔ اس میں انہوں نے کہا: میری غلطی خاصی مشتبہ تھی اور میں چاہوں تو معاملے سے صاف بچ نکل سکتا ہوں۔ ان کے مطابق اسسٹنٹ ریذیڈنٹ والد کے پاس گئے تھے اور ان کی کوشش سے ان کا غصہ خاصا کم ہو گیا تھا۔ ان کی رائے تھی کہ محض بیتن سورگ میں رہنے کی وجہ سے، وہاں ہونے والے کسی واقعے میں مجھے ملوث نہیں کیا جاسکتا۔ ایسے معاملات کسی نہ کسی فرد کے افعال کا نتیجہ ہوتی ہے لیکن یہ انتہائی غیر متعلقہ طور پر بھی واقع ہو سکتے ہیں۔ کوئی شخص یہ اندازہ نہیں لگا سکتا کہ کب اور کہاں اور کس پر اس طرح کی کوئی آفت ٹوٹ پڑے گی۔ والد نے ان باتوں سے اختلاف نہیں کیا۔ لیکن اپنے بچوں سے یہ ضرور کہا کہ پولیس کے ساتھ کسی بھی انداز میں ملوث ہونا میرے لئے شرمندگی اور رسوائی کا باعث ہے اور ایسی حرکات کرنے والے کو، میں اپنے قریب رکھنا بالکل پسند نہیں کرتا۔

میں نے تمام خطوط کے باقاعدہ جوابات دیئے۔ والد کے اعلان لاتعلقی پر، میں نے انہیں واضح طور پر لکھ دیا کہ اگر وہ ایسا مناسب سمجھتے ہیں تو ایسا ہی سہی۔ میں آئندہ صرف اپنی والدہ سے تعلق رکھوں گا۔

میرے بڑے بھائی کا خط آیا اس نے لکھا تھا کہ ماں نے رو رو کر برا حال کر لیا ہے۔ وہ تمہارے رویئے پر بہت دکھی ہیں۔ ایک تو والد شدید طیش میں آئے ہوئے تھے، اوپر سے تم نے انہیں ایسا گستاخانہ خط لکھ مارا۔ آخر لکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ تم سمجھتے ہو جیسے تمہارے والد کو تمہاری کوئی پرواہ ہی نہیں۔ انہوں نے تم سے کوئی اچھائی نہیں کی۔ تم ان کے بیٹے ہو، ابھی کم عمر ہو، ناسمجھ ہو، تمہیں ان کے سامنے سر جھکانا چاہیئے۔

اور میں نے بھائی کے اس خط کا کوئی جواب نہیں دیا۔ والد کے اپنے نظریات اور رویئے اپنی جگہ سلامت رہیں۔ شاید اس وجہ یہ بھی رہی ہو کہ میں اپنے والد کی طبیعت سے اچھی طرح واقف نہیں تھا۔ میں اپنے بچپن میں زیادہ تر دادی کے پاس رہا۔ سو والد کی اہمیت میرے نزدیک ایک نام سے زیادہ نہیں تھی۔ جب بھی ان سے ملاقات ہوتی، تو یہی محسوس ہوتا کہ اپنا رعب ودبدبہ منوانے کے علاوہ، انہیں کسی بات سے غرض نہیں تھی۔ یہ ان کا اپنا مسئلہ تھا مجھے ان کے غصے یا رویئے سے بھلا کیا کام۔ اگر وہ مجھے ایچ بی ایس سے اٹھوا لیتے ہیں تو یہ بھی ان کا حق ہے۔ ایسے سکول میں کسی مقامی کا داخلہ، کسی صاحب حیثیت کی ضمانت کے بغیر، ممکن ہی نہیں تھا۔ سکول میں داخلے کے لئے صرف والد نے ہی نہیں، دادی ماں نے بھی میری ضمانت دی تھی۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ اسکول ڈائریکٹر میرے والد کی درخواست کو درخور اعتنا سمجھتا اور اگر ان کی بات مان لی گئی تو بھی میری بلا سے۔ میرا خیال تھا کہ میرے اپنے ذرائع بھی اب اس قابل ہیں کہ میرے تعلیم کا سلسلہ جاری رہ سکے اور میں اپنے زور بازو پر بھروسہ کر کے عملی دنیا میں قدم رکھ سکتا ہوں۔

چار روز بعد مسٹر مے لیما کی نعش واپس ملی اور اسی پینی لیہ میں مکمل یورپی رسوم کے ساتھ سپردخاک کر دیا گیا۔ ہم سبھی اس تقریب میں شریک تھے۔ شرکا میں زیادہ تعداد دیہاتی کارکنوں کی تھی۔ سات رپورٹرز بھی موقع پر موجود تھے۔ ڈاکٹر مارٹی نیٹ، جین میریز، مسٹر تلنگا بھی تھے۔ تدفین وربرگ برئیل کمپنی کے ہاتھوں انجام پائی۔ ڈاکٹر مارٹی نیٹ نے مے لیما گھرانے کی نمائندگی کی۔ تدفین کے موقع پر انہوں نے مے لیما گھرانے کے لئے گہری ہمدردی کا اظہار کیا۔

خصوصاً نیائے اونتو ساروہ اور انالیز کے لئے۔ یہ لوگ پچھلے پانچ سالوں سے مسلسل آزمائشوں میں مبتلا تھے۔ مضبوط قوت ارادی کا مالک ہی ان مشکلات کا سامنا کر سکتا تھا اور ان کی تیز طرار اور ہوشیار بیٹی کی بدولت، ایک مقامی بھی ان چکروں میں پھنس گیا۔ یہ مقدمات اور معاملات ابھی نہ جانے کب تک چلنے تھے۔

مارٹی نیٹ کے یہ ہمدردانہ جذبات مقبوضہ اخبارات میں بھی چھپے۔ مالے اور ڈچ، دونوں زبانوں کے تمام اخبارات کے رپورٹروں نے ان کے بیان کی تشریح و توضیح کے لئے ان کی جان عذاب میں ڈال دی۔ ڈاکٹر مارٹی نیٹ نے چپ سادھ لی کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ بات کا بتنگڑ بنایا جائے گا۔ مگر ان کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر، ڈچ اخباروں نے، ایک مقامی عورت کے لئے ان کے جذبہ ہمدردی کو الٹا سیدھا رنگ دے ڈالا۔ حالانکہ نیائے کو کسی بھی طرح کہیں بھی ملوث نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مگر سماجی طور پر بہرحال وہ محض ایک غیر قانونی بیوی تھیں اور ایسی عورتوں کے آقاؤں کو، بیرونی مدد کے ساتھ قتل کئے جانے کے کئی واقعات رونما ہو چکے تھے۔ مقصد، ظاہر ہے، دولت اور عورت کے سوا کیا ہو سکتا تھا۔

انیسویں صدی میں ہی، پانچ نیائے خواتین اسی جرم میں پھانسی چڑھا دی گئی تھیں۔ نیائے داسی ماں کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی سلوک ہوتا اگر ان کا مالک ایڈورڈ ولیمز ایک عقلمند اور ہوشیار آدمی نہ ہوتا۔ لیکن ان کی کہانی بھی قتل کے ساتھ ہی اختتام پذیر ہوئی۔ ہوا یہ ایڈورڈ ولیمز کے بجائے خود داسی ماں موت کی بھینٹ چڑھ گئیں۔ اخبار نے اپنی تان یہاں توڑی کہ نیائے اونتو ساروہ کے خلاف مکمل تفتیش کی جانی چاہئے۔ اسی دوران بٹاویا کے اخبار نے یہ تجویز پیش کی کہ منکی نامی کردار کو بھی مشتبہ سمجھ کر، اس کے خلاف اچھی طرح تفتیش کی جائے۔

ڈاکٹر مارٹی نیٹ اور مارٹن نیامن نے مختلف شہروں کے اخبارات جمع کرا کے، ہمارے پاس بھیج دیئے۔ یہ تمام مضامین اور تبصرے پڑھ کر مما نے یہ رائے قائم کی۔

"یہ لوگ مقامیوں کو حقیر کیڑوں مکوڑوں کی طرح، اپنے پاؤں تلے، رینگتا دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک مقامی ہی ہمیشہ غلطی پر ہوں گے اور یورپین ہمیشہ معصوم عن الخطا۔ سو مقامی کو ابتدا ہی سے غلطی پر سمجھا جاتا ہے۔ پیدائشی طور پر مقامی ہونا ہی سب سے بڑی غلطی ہے۔ منکی میرے بیٹے، ہمیں اب زیادہ مشکلات کا سامنا ہے۔ (پہلی دفعہ انہوں نے مجھے اپنا بیٹا کہہ کر پکارا اور یہ لفظ سنتے ہی میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔) کیوں بیٹا؟ ہمیں تنہا چھوڑ دو گے؟"

"نہیں ماں۔ہم اکٹھے مل کر ان مشکلات کا سامنا کریں گے۔ ہمارے بھی دوست ہیں اور میں مما سے یہ بھی کہوں گا کہ اس منکی کو یہاں مجرم کی طرح نہ گردانا جائے"۔

"ہمیں قربانی کا بکرا بنانے کے لئے ،ان کے پاس سارے ذرائع موجود ہیں۔ہمیں اور خاص طور سے ڈارسم کو گرفتار نہ کرنے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ پولیس ان افواہوں سے زیادہ متاثر نہیں ہوئی"۔

رابرٹ سوہوف کا ایک آرٹیکل چھپا۔جس میں اس نے مجھے جی بھر کر گالیاں سنائیں۔ مجھے بے شرم،مفت کی روٹیاں توڑنے والا کہا۔ دوسروں کی دولت پر جونک کی طرح چمٹ جانے والا بتایا۔اس کے مطابق میری ظاہری شکل انتہائی مومنانہ لگتی تھی مگر میرا کوئی خاندانی نام تک نہیں تھا۔کچھ بھی نہیں تھا میرے پاس سوائے میری خوفناک اور احمقانہ جرات کے۔

یہ آرٹیکل سرابیا نیوز میں نہیں چھپا تھا بلکہ ایک ایسے اخبار میں آیا تھا جو مختلف شعبوں میں سکینڈل اور ہیجان پھیلانے کے لئے مشہور تھا۔اس کے کارکن ہیجان انگیز چیزیں اکٹھی کر کے، انہیں نمک مرچ لگا کر شائع کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔بقول ڈاکٹر مارٹی نیٹ، یہ لوگ رومن دور کے ٹائی ٹس سے مشابہ تھے۔انہوں نے اتنی بری طرح محسوس کیا کہ اظہار ہمدردی کرنے آن پہنچے۔

زخم بھی لگتے ہیں،لوگ ان پر مرہم بھی لگاتے ہیں۔مگر اس آرٹیکل سے واقعی دل بری طرح دکھا اور میں نے سوچا کہ سرہوف کو عدالت میں گھسیٹوں گا۔مگر مما نے منع کر دیا۔

"نہیں،تم وہاں جیت نہ سکو گے"۔

"مما اس کی باتوں کی تصدیق سے انکار کر دیں اور میں جیت جاؤں گا"۔

"مما تو ہے ہی تمہاری جانب"۔نیائے نے کہا"لیکن اس کیس کو عدالت میں لے جانے پر تم جیت نہیں سکو گے۔تمہیں وہاں یورپین کا سامنا کرنا ہوگا، چنانچہ تفتیشی افسر اور جج تمہاری حمایت نہیں کریں گے اور تمہیں تو کوئی عدالتی تجربہ بھی نہیں ہے۔اگر مقدمہ یورپی فرد کے خلاف جا رہا ہو تو وکیلوں اور بیرسٹروں پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔مضمون کا جواب مضمون سے دو۔اسے الفاظ کے ذریعے چیلنج کرو"۔

یہ شخص، جو تمہیں جاننے کا دعوی کرتا ہے،شاید میرا دوست ہے۔اچھا دوست ہے یا برا؟ میں نے اپنے مضمون میں لکھا: وہ واضح طور پر لوگوں کے سامنے کیوں نہیں آتا؟ وہ گندگی اچھالنے

کی کوشش کرتے ہوئے، اپنے چہرے پر نقاب کیوں سجائے ہوئے ہے؟ سب کے سامنے آئیں جناب، اپنی رونمائی کرائیں۔ آپ اپنے ہی چہرے، اپنے ہی نام اور اپنے کرتوتوں سے کیوں شرمندہ ہیں؟

میرا مضمون پہلے تو مارٹن نیامن نے چھاپا۔ بعد میں ایک آکشن پیپر نے، جو رابرٹ مے لیما کے معاملے میں فائدہ اٹھا کر، روزنامہ بن گیا۔۔۔۔۔۔اس مضمون کو دوبارہ چھاپ کر، خاصے وسیع حلقے تک پہنچا دیا۔ زیادہ تر اخبارات، ابھی بھی، اشتہارات سے ہی بھرا پڑا تھا۔ پورے سرابیا میں چھ آکشن پیپرز چھپتے تھے، جن میں سے صرف اس نے روزنامہ کی شکل اختیار کی تھی۔

میں نے آنجہانی ہرمن مے لیما کا کیا کچھ چرالیا ہے؟ جناب۔ اگر ممکن ہو تو اس کی تفصیلات بتا دیجئے۔ آپ ہرمن مے لیما کے خاندان سے مدد مانگ سکتے ہیں۔ اگر پسند کریں تو کوئی اکاؤنٹنٹ رکھ لیں۔۔۔۔۔۔ میں نے جوابا لکھا۔ سچ یہ ہے کہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ مجھے پے در پے حملوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مما صحیح سمجھتی تھیں۔۔۔۔۔۔ میں معاملے کو عدالت میں نہیں لے گیا۔ میں ہرمن مے لیما کی دولت پر پنجے گاڑے بیٹھا تھا، اس الزام کی صداقت یا لغویت زیر بحث نہیں تھی بلکہ معاملہ نسلی تفریق کا بن گیا تھا۔ یورپین بمقابلہ مقامی، دوسرے شہروں کے اخبارات، بھی بساط بھر، معاملے کو اپنے اپنے نقطہ نظر سے ہوا دینے لگے۔ پورے مہینے، میں اپنے سکول کی طرف سے کوئی توجہ دے ہی نہیں سکا۔ لوگوں کی لاعلمی کو دور کرتے رہنا، میرا روز کا کام رہ گیا۔ مارٹن نیامن ہر وہ مضمون مجھے بھیج دیتا، جس میں ہم پر کسی بھی طرح کے الزامات لگائے گئے ہوتے اور مجھے ان سب کا جواب دینا پڑتا تھا۔

مس ماجدہ پیٹر بھی اپنے اظہار ہمدردی کے لئے آئیں۔

"ہاں۔ تمام نوآبادیوں میں یہی کچھ ہوتا ہے۔ ایشیا، افریقہ، امریکہ، آسٹریلیا ہر جگہ۔ ہر اس چیز جو، جو یورپی نہیں، خصوصا نوآبادیاتی سامراج کی نہیں، پیروں تلے مسل دیا جاتا ہے۔ یورپی سامراج کی برتری کے اظہار کے لئے، ہر شے کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اس کی حد درجہ توہین کی جاتی ہے۔ کم علمی اور جہالت کو بھی معاف نہیں کیا جاتا۔ منکی یہ نہ بھولنا کہ انڈیز میں سب سے پہلے وارد ہونے والے محض طالع آزما قسم کے لوگ تھے، جنہیں یورپ میں بھی برداشت نہیں کیا جاتا تھا۔ یہاں آ کر، وہ ان سے بھی زیادہ یورپین بن بیٹھے۔ لعنت ہے!"

ہم خاموش بیٹھے ان کی ہمدردانہ باتیں سنتے رہے۔ ہم نے شعوری طور پر انالیز کو اس

سارے معاملے سے الگ رکھنے کی کوشش کی اور اس میں کافی حد تک ہم کامیاب بھی رہے۔ نیائے اور میرے درمیان (گھر سے باہر، دنیا کا مقابلہ کرنے کے لئے) ایک طرح کا اتحاد بن گیا۔

"اگر تم میرے ساتھ، ان لوگوں کا سامنا کرنا چاہتے ہو بیٹا تو پھر تمہیں آخر تک ان کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ اگر انہوں نے خود کو ناکام ہوتے دیکھا تو۔۔۔۔۔۔ محتاط رہنا۔۔۔۔۔۔ یہ تم پر ہلہ بولنے چڑھ دوڑیں گے۔ ایسا پہلے بھی ہوتا رہا ہے۔ تم میں حوصلہ ہے نا؟"

"مسلسل مزاحمت چلنی چاہیے۔ ماں۔ اس مسئلے کے حل کے لیے میرا خیال ہے کہ میں کوئی مجرم نہیں ہوں۔ مجھے یقین ہے ماں کہ میں بھاگنے والا نہیں"۔

"ٹھیک ہے۔ اس صورت حال میں، تمہیں فی الحال سکول جانے کی ضرورت نہیں۔ یہ جنگ سکول سے زیادہ اہم ہے۔ سکول میں وہ تم پر گینگ کی صورت میں حملہ کر کے، تمہیں جسمانی اور ذہنی طور پر نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس صورت حال کی وجہ سے تم نہ صرف اپنی مدافعت کرنا سیکھو گے بلکہ لوگوں کے۔۔۔۔۔۔ ساری نسلوں، سارے طبقات کے۔۔۔۔۔۔ سامنے حملہ آور ہوتے رہو گے۔ اس میں تمہیں شہرت کا ڈپلومہ ملے گا، کامیابی تو ملے گی ہی"۔

غیر متوقع طور پر، ایک یورپی ملکیتی مالے اخبار، میں کمار نامی کسی مضمون نگار کا ایک مضمون میری مدافعت میں چھپا: اگر منکی المعرف میکس ٹولی نار نے واقعتاً کوئی غیر قانونی حرکت کی ہے تو اس پر الزام لگانے والے، اپنے الزامات عدالت میں کیوں نہیں لے جاتے؟ کیا ان کے خیال میں ڈچ انڈیز کا قانون ان کی ضروریات پوری کرنے کا اہل نہیں؟ یا وہ جان بوجھ کر، قانون کی توہین کر رہے ہیں اور ہمارے معزز قانون دانوں کی بے بسی کو ننگا کرنا چاہ رہے ہیں؟ یا یہ غیر معزز لوگ اپنے لئے ایک نئی طرح کا قانون پیدا کرنا چاہتے ہیں؟

اس مضمون کے چھپنے کے بعد، بہت سے ماہرین قانون میں ایک نئی بحث چھڑ گئی اور مجھ پر تابڑ توڑ حملوں کا زور ٹوٹ گیا۔ اس طرح، نیائے کا موعودہ ڈپلومہ "شہرت "میرے حصے میں نہیں آ سکا۔][

نیائے اونتو سارہ وہ ان ساری مشکلات کی وجہ سے خاصی مضطرب تھیں۔ ان غیر معمولی حالات میں، البتہ انالیزا اپنے کام میں پوری طرح منہمک نظر آئیں۔ خارجی معاملات میرے اور

مما کے سپرد تھے۔ عملاً مجھے گھر کا واحد مرد تسلیم کر لیا گیا تھا۔

عدالتی کارروائی کا بھی آغاز ہو گیا۔ رابرٹ مے لیما اور فاٹسو کا کوئی نام ونشان نہیں مل رہا تھا۔ چنانچہ عدالت میں باباہ آہ تیا نگ کو ملزم کی حیثیت سے پیش کر دیا گیا۔ سفید فام عدالت۔ یورپی عدالت قائم ہوئی اس لئے نہیں کہ یہ آہ تیا نگ کا استحقاق تھا بلکہ اس لئے (مجھے بعد میں پتہ چلا) کہ مقتول ایک سفید فام تھا۔ آہ تیا نگ پر الزام تھا کہ اس نے ہرمن مے لیما کے قتل کا منصوبہ بنایا، جس پر مرحلہ وار عمل ہو رہا تھا اور بالاخران کی موت پر منتج ہوا۔

شاید یہ سرابیا کی تاریخ کا سب سے بڑا مقدمہ تھا۔ سرابیا میں مختلف رنگ ونسل کے سبھی باشندے اس مقدمے میں بھرپور دلچسپی لے رہے تھے یہ بھی پتہ چلا کہ کارروائی دیکھنے کے لئے دوسرے شہروں سے بھی لوگ آئے۔ نیایئ کا بھائی تلنگن سے آیا تھا۔ لوگوں کے کہنے کے مطابق، یہ سب سے مہنگا عدالتی مقدمہ تھا۔ چار تو اس میں مترجم ہی استعمال کئے گئے: جاوی، مادوری، چینی، جاپانی اور مالے زبانوں کے لئے تمام مترجم خالص یورپین تھے۔

مسٹر تلنگا، جین میریز اور کمار بھی آئے۔ کمار کا کہنا تھا کہ اس کی پوری صحافیانہ زندگی میں، اس دہشت انگیز عمارت میں، غالباً اتنے ہنستے مسکراتے مہمانوں کا کبھی اجتماع نہیں ہوا ہوگا۔

ایک آکشن گھر اور اس کے اخبار کے مالک جو میرے جاننے والے تھے، بھی آئے ہوئے تھے۔

سرابیا ایچ بی ایس، تاریخ میں پہلی دفعہ بند کر دیا گیا۔ اس کے طلبہ اور اساتذہ باجماعت عدالتی احاطے میں منتقل ہو گئے۔ ڈاکٹر مارٹی نیٹ کو ایک ماہر طبی گواہ کے طور پر طلب کیا گیا۔ باباہ آہ تیا نگ نے ہانگ کانگ کے ایک وکیل کی خدمات حاصل کیں جو انگریزی بولتا تھا۔ چنانچہ ایک اور مترجم منگانا پڑ گیا۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ پہلی دفعہ کسی چینی کا مقدمہ یورپی عدالت میں چلایا جا رہا ہے۔

شروع شروع میں تو مقدمہ تیزی سے چلتا دکھائی دیا۔ کارروائی ڈچ زبان میں ہو رہی تھی۔ آہ تیا نگ سے اعتراف جرم کرانا واقعی بہت مشکل کام ثابت ہوا۔ حالانکہ زہر خورانی کی بابت آہ تیا نگ نے تسلیم کر لیا تھا کہ وہ زہر چینی دوائی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے تاہم طبی دنیا اس سے قطعی لاعلم تھی۔ اس نے اس کا فارمولا تو نہیں بتایا تاہم یہ کہا کہ اس زہر کا شکار اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتا ہے۔ یہ بات پہلے ہی کالی سوساک جیل میں ہونے والے دس قتل کے مقدمے

میں ثابت ہو چکی تھی۔ ابتدا میں آ ہ تیا نگ نے اس زہریلی دوائی کے مضر اثرات سے انکار کیا۔ اس کے مطابق اسے کھجور کی شراب کے ساتھ محض چٹ پٹا بنانے کے لئے، استعمال کیا جاتا تھا۔

ایک چینی ڈاکٹر کو گواہ کے طور پر بلایا گیا۔ اس نے آ ہ تیا نگ کی بات کو غلط قرار دیا۔ ظاہر ہے ملزم پر زیادہ دباؤ بڑھ گیا۔ یہی اس کے دفاع کا کمزور ترین پہلو تھا اور اسی وجہ سے بالآخر اسے قتل کا اعتراف بھی کرنا پڑ گیا۔ اس کا مقصد کیا تھا؟ آ ہ تیا نگ کا کہنا تھا کہ پانچ سال وہاں گزارنے کے باوجود بھی وہ گاہک اس کی جگہ چھوڑنے پر راضی نہیں تھا اور وہ اس سے بری طرح تنگ آ چکا تھا۔ لیکن وہ اس بات پر لا جواب ہو گیا کہ جب اس کا سارا خرچ بمع منافع اسے مل جاتا تھا تو وہ کیوں تنگ تھا؟ اور پھر رابرٹ مے لیما کو بھی کیوں قبول کر لیا گیا؟

نیائے اونتو سارو وہ، مقدمے میں سب سے اہم شخصیت بن کر ابھریں۔ سوالات کے دوران کئی بار ان کا رنگ گلنار ہوتا رہا۔ انہیں ڈچ میں بولنے کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ جاوی استعمال کرنے کا حکم دیا گیا۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا اور مالے میں بات کی۔ انہوں نے ہرمن مے لیما کے، آ ہ تیا نگ کے ہاں قیام کے دوران، ماہانہ اخراجات لگ بھگ پینتالیس گلڈر بتائے۔ یہ رقم ہر ماہ با قاعدگی سے اس کے پیغام رساں کو دفتر سے ادا کی جاتی تھی۔ بعد میں رابرٹ مے لیما کا بھی ساٹھ گلڈر ماہانہ کا بل انہیں موصول ہونے لگا تھا۔

رابرٹ کی ادائیگی اتنی زیادہ کیوں کرنا پڑتی تھی؟

کیونکہ سینو رابرٹ صرف میکو کے ساتھ رہتے تھے، آ ہ تیا نگ نے جواب دیا۔ یہ سب سے مہنگی لڑکی تھی اور اسے انہوں نے صرف اپنے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ کیا یہ سچ تھا کہ میکو صرف رابرٹ کے لئے مختص تھی؟ میکو نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ آ ہ تیا نگ جس کے متعلق کہتا، میکو اس کی خدمت میں پہنچ جاتی۔ آ ہ تیا نگ اسے اپنے استعمال میں بھی رکھتا تھا۔ خصوصا آخری دنوں میں، جب رابرٹ کی توانائی اور جنسی خواہش اپنے آخری دموں پر آ گئی تھی شائقین کے اطمینان کے لئے، میکو سے خاص طور پر پوچھا گیا کہ وہ کبھی کسی متعدی مرض میں تو مبتلا نہیں رہی۔ ڈاکٹر مارٹی نیٹ نے ماہرانہ رائے دی کہ میکو آتشک کی مریضہ تھی۔ کیا میکو دوسرے لوگوں میں یہ مرض پھیلانے کا سبب نہیں بنی۔ میکو کا کہنا تھا کہ وہ اس بیماری میں مبتلا ہونے کی قطعی خواہاں نہیں تھی، طوائف کی حیثیت سے اس کا کام محض تماش بینوں کی خدمت کرنا تھا۔ پھر بھی بعض خاص شائقین کے اطمینان کے لئے ایک اور سوال پوچھا گیا ! یہ بیماری اس سے کس سے لگی؟ اس نے بڑے

دلفریب مگر معصوم انداز میں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ اگر تماش بین، اس بیماری کا شکار ہو بھی گئے تو اس میں اس کی بہرحال کوئی غلطی نہیں تھی۔

کیا کبھی آہ تیانگ نے ہرمن مے لیما کے بارے میں، اپنی ناراضگی کا اظہار نیائے سے بھی کیا؟ نیائے نے جواب دیا کہ وہ تو اپنے پڑوسی سے کبھی نہیں ملیں۔ انہیں تو صرف اخراجات کے بل ملا کرتے تھے۔ ان کا پہلی بار آمنا سامنا عدالت ہی میں ہوا اور آخر میں مختلف قسم کے معاملات عدالت کے سامنے آ گئے جن کی وضاحت نہیں ہو پا رہی تھی۔ اس وجہ سے بہت سے لوگ برہم بھی ہوئے۔ رابرٹ مے لیما اور فاٹسو کی غیر حاضری ایسی رکاوٹیں تھیں جن کا دور ہونا محال نظر آ رہا تھا۔

لیکن سب سے بدترین صورت حال وہ تھی جب مجھے اپنے اور انالیز کے تعلقات کے بارے میں سوال کا سامنا کرنا پڑا۔ بہت سے لوگ کھل کر ہنسے اور بعض چبھتی مسکراہٹیں بھی اٹھتی رہیں۔ تفتیشی افسر اور جج، دونوں نے ہی ہمارے تعلقات کے متعلق، لوگوں کے سامنے مذاق اڑانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ میرے اور نیائے کے تعلقات کے بارے میں بھی سوالات کے ذریعے انتہائی نازیبا، ناشائستہ اور غیر مہذب خیالات کا اظہار کیا گیا۔ میں تو یورپی حضرات کے رویوں پر ششدرہ گیا، یہ لوگ میرے استاد تھے، مجھے مہذب بنانے آئے تھے، ان کا عمل اتنا گرا ہوا بھی ہوسکتا تھا۔

خوش قسمتی سے سوالات زیادہ تر سطحی نوعیت کے رہے حالانکہ ان کی نیت بڑی واضح تھی۔ وہ ہمارے درمیان جنسی تعلقات کی نوعیت ثابت کرنا چاہتے تھے۔ کوئی ایسا اعتراف بالآخر قتل کی وجوہات کے ساتھ بہ آسانی منسلک کیا جا سکتا تھا۔

آہ تیانگ کے بیان نے۔۔۔۔۔۔ کہ اس قتل سے نیائے، انالیز یا میرا کوئی تعلق نہیں تھا ۔۔۔۔۔۔ ہمارے لئے معاملات کو خاصا آسان بنا دیا اور اسی بیان کی بدولت بالاخر ہم اس مقدمے میں ملوث ہونے سے بچ گئے۔

مقدمہ دو ہفتے چلتا رہا۔ قتل کا مقصد ابھی تک تفتیشی افسر کے لیے لاینحل بنا ہوا تھا۔ جج نے مقدمے کا فیصلہ ملتوی کر دیا۔ تفتیشی افسر کو رابرٹ مے لیما کی رہائش گاہ کی تلاشی اس کی گرفتار کا حکم دیا گیا تا کہ اس سے ضروری تفتیش کی جا سکے۔ عدالتی حکم سے بہت سے لوگوں کو خاصی مایوسی ہوئی۔ بہت سے لوگ درحقیقت ایک یورپین کے قتل عمد کے جواب میں ایک مقامی کی سزائے

موت کا حکم سننا چاہتے تھے۔ عدالت نے آہ تیا نگ کو عارضی حراست میں رکھے جانے کا حکم بھی دیا۔ اس کے معاونوں کو تین سے پانچ سال تک کی قید بامشقت کی سزا سنائی گئی۔ میکو کو، آہ تیا نگ کے خرچ پر، اسپتال میں رکھ کر، علاج کرانے کا حکم دیا گیا۔

اب سب لوگ رابرٹ مے لیما اور فاٹسو کی گرفتاری کے منتظر تھے۔ تا کہ مقدمے کی کارروائی دوبارہ شروع ہو سکے۔

باب 17

مقدمہ عارضی التوا میں پڑ گیا تو میں اسکول چلا گیا۔ میری بگھی سکول کے مرکزی دروازے پر پہنچی تو سکول کا ہر طالب علم سکول کے احاطے میں موجود تھا۔ ہر کسی نے اپنا اپنا کام چھوڑ کر، مجھے آتے دیکھ کر، مجھ پر نگاہیں جما دیں۔ کلاس میں جانے سے پہلے مجھے سکول ڈائریکٹر کا پیغام ملا، چنانچہ میں ان کے پاس چلا گیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا: "منکی، میں ذاتی طور پر اور سکول کے اساتذہ اور طلبہ کی طرف سے، تمہیں عدالت میں کامیاب ہونے پر زبردست مبارک دیتا ہوں۔ لوگوں کے حملوں کے جواب میں تمہاری شاندار مدافعت پر، میں ذاتی طور پر تمہیں مبارک پیش کرتا ہوں۔ ہم سب لوگ تم جیسے ذہین طالب علم پر فخر کرتے ہیں۔ عدالتی کارروائی تقریباً تمام اساتذہ اور طلبہ نے دیکھی۔ ظاہر ہے یہ تمہیں پہلے ہی معلوم ہے۔ تم وہاں خاصی توجہ کا مرکز رہے۔ اب میں تمہیں ٹیچرز کونسل کا ایک ذرا مشکل فیصلہ بتانا چاہوں گا جو تمہارے بارے میں خاصی بحث و تمحیص کے نتیجے میں کیا گیا۔ عدالت میں تمہارے لئے دیئے گئے جوابات اس فیصلے کا سبب ہیں۔ میرا مطلب تمہارے اور انالیز مے لیما کے باہمی تعلقات سے ہے۔ ٹیچرز کونسل کے فیصلے کے مطابق تم اپنے ساتھی طالب علموں کے مقابلے میں خاصے بالغ ہو۔ وہ تمہیں خصوصاً طالبات کے لئے خطرہ سمجھتے ہیں اور ان طالبات کے والدین کو کسی تحفظ کی ضمانت فراہم نہیں کر سکتے۔ سمجھ رہے ہو نا؟"

"اچھی طرح سمجھ رہا ہوں، ڈائریکٹر"۔

"افسوس، کچھ اور مہینے کے بعد تم، گریجوئیشن کر ہی چکے ہوتے"۔

"تو کیا ہوا، یہ فیصلہ کرنا تو آپ پر ہے ڈائریکٹر"۔

انہوں نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا اور کہا۔

"سکول میں ناکام ہو گئے منکی مگر محبت اور زندگی میں کامیابی حاصل کر لی"۔

میرے دفتر سے نکلنے تک کلاس شروع ہو چکی تھی۔ میں کھڑکیوں میں سے جھانکتی بہت سی نگاہوں کو محسوس کر رہا تھا۔ میں نے ان کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ جوابا، انہوں بھی ہاتھ ہلائے۔ میرے لئے یہ احساس ایک دم شدید بوجھ بن گیا کہ میں اپنے دوستوں سے جدا ہونے جا رہا ہوں۔ ان دوستوں سے، جو ایک مقامی ہونے کے باوجود، مجھ سے لگاؤ رکھتے تھے۔

بگھی اور کوچوان ابھی تک، باہر میرے منتظر تھے۔ میں جلدی سے بگھی میں بیٹھ گیا۔ بگھی چلنے لگی تو میں نے اسے رکنے کو کہا۔ کوئی مجھے آواز دیتا ہوا آ رہا تھا: مس ماجدہ پیٹرز اور میں نیچے اتر گیا۔

"مجھے دکھ ہے منکی کہ میں تمہارا دفاع کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی کوشش تو میں نے بہت کی تھی۔ میں عدالت کی وجہ سے مجبور تھی کہ پبلک میں تم سے ذاتی نوعیت کے سوالات کروں"۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ مس"۔

وہ چلی گئیں اور میں دوبارہ بگھی میں بیٹھ گیا۔ بگھی، میرے کہنے پر، آہستہ آہستہ چلنے لگی۔

ہاں، عدالت واقعی بہت بدلحاظ تھی۔ تفتیشی افسر نے ہر ممکن طریقے سے ہماری ذاتی زندگیوں کو لوگوں کے سامنے ورق در ورق کھولنے کی کوشش کی۔ یہاں بھی رابرٹ سرہوف جیسی ہی کمینگی دیکھنے کو ملی۔

ڈاکٹر مارٹی نیٹ کے سوال کو گویا دہراتے ہوئے تفتیشی افسر نے پوچھا "تم کس کمرے میں سوتے ہو منکی؟"

ظاہر ہے ایسے خباثت انگیز سوال کا جواب دینے سے میں نے انکار کر دیا۔ لیکن انتہائی برق رفتاری سے سوال کا رخ انالیز کی جانب موڑ کر، براہ راست ڈچ میں پوچھ لیا گیا "مس انالیز کس کے ساتھ سوتی ہیں؟ "انالیز اس کے جواب سے انکار کی ہمت نہ کر سکی۔ نتیجہ، عدالتی کمرے میں بے ہودہ اور توہین آمیز آوازیں اور قہقہے، اچھا خاصا تماشا محسوس ہوا۔

اگلا سوال نیائے اونتو سارہ سے کیا گیا۔ "نیائے نے اپنے مہمان اور اپنی بیٹی کے درمیان ایک ناجائز رشتے کو کس طرح برداشت کیا ہوا ہے؟ "فورا اٹھنے والے قہقہے کتنے ذلت آمیز اور توہین انگیز لگے ہوں گے۔ تفتیشی افسر اور جج بھی مسکرا رہے تھے۔ وہ ایک ایسی مقامی عورت کو اذیت دے کر خوش ہو رہے تھے جس کی لحاتی قربت کے لئے بھی بہت سے یورپی اور انڈو

شاید اپنا بہت کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے۔

جاوی بولنے کے عدالتی حکم کو نظر انداز کرتے ہوئے، انتہائی واضح، کھنکتی اور شفاف ڈچ میں انہوں نے بولنا شروع کیا تو یوں لگا جیسے شدید طوفان باد و باراں کے نتیجے میں زبردست سیلاب امڈ آیا ہو:

معزز جج، معزز تفتیشی افسر۔ یہ دیکھ کر آپ میرے گھریلو معاملات کو دنیا کے سامنے عریاں کر دینے کے درپے ہیں۔۔۔۔۔۔ (عدالتی ہتھوڑا بجا، اس یاددہانی کے لئے کہ صرف سوالات کے جواب دیئے جائیں۔)

میں نیائے اونتو سارو ہ المعروف سنی کم، آنجہانی ہرمن مے لیما کی غیر قانونی بیوی اپنی بیٹی اور اپنے مہمان کے مابین تعلقات کو ایک مختلف انداز میں دیکھتی ہوں۔ میں، سنی کم، صرف ایک داشتہ ہوں اسی داشتگی کے عالم میں انالیز نے جنم لیا ہے۔ ہرمن مے لیما کے ساتھ میرے تعلقات کو کسی نے چیلنج نہیں کیا کیوں؟ وجہ صرف یہ تھی کہ وہ خالصتاً یورپین تھے۔ مگر اب لوگ انالیز کے ساتھ مسٹر منکی کے تعلقات کا مسئلہ کھڑا کر رہے ہیں۔ آخر کیوں؟

صرف اس لئے کہ مسٹر منکی ایک مقامی ہیں۔ تمام انڈو افراد کے بارے میں پھر کچھ کیوں نہیں کہا جاتا؟ میرے اور مسٹر مے لیما کے درمیان صرف غلامی کی زنجیر کا تعلق تھا جسے کبھی کہیں چیلنج نہیں کیا گیا۔ مسٹر منکی اور میری بیٹی کے درمیان باہمی تعلق خالص محبت کی وجہ سے ہے۔ یہ بجا ہے کہ ان کے مابین کوئی قانونی تعلق نہیں۔ لیکن جب میرے بچے ایسی کسی بندھن کے بغیر پیدا ہو رہے تھے تو کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ یورپین مقامی عورتوں کو خرید سکتے ہیں۔ جیسے مجھے خریدا گیا تھا۔ کیا ایسی خریداریاں محبت سے زیادہ اہم ہیں؟ اگر یورپین اپنی طاقت اور دولت کے بل بوتے پر یہ سب کچھ کر سکتے ہیں تو ایک مقامی کو اس کے قیمتی جذبہ الفت کے باوجود، اس ذلت و رسوائی کا حق دار کیوں ٹھہرایا جائے؟

عدالت میں اچھی خاصی بے چینی کا منظر پیدا ہو گیا مگر نیائے اونتو سارو ہ بولتی رہیں۔

انہوں نے جج کے ہتھوڑا بجانے کی بھی پروا نہیں کی۔ انہیں یہ ماننے پر مجبور کیا گیا کہ انالیز مقامی نہیں بلکہ انڈو ہے۔ تفتیشی افسر کی غضب ناک آواز ابھری۔ "وہ انڈو ہے، انڈو، تم سے بلند تر۔ منکی بھی ایک مقامی ہے، اگرچہ اسے خصوصی استحقاق حاصل ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ بھی تم سے بلند شخصیت کا مالک ہے۔ لیکن اس کا استحقاق ایک لمحے کے نوٹس پر ختم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن مس

انالیز بہرحال مقامیوں کے بلند تر مقام کی حامل ہیں"۔

"جناب والا میری بیٹی انالیز محض انڈو ہے اسی وجہ سے وہ اپنے والد کے نقش قدم پر نہیں چل سکتی۔ یہ میں ہوں جس نے اسے جنم دیا، اس کی پرورش کی۔ اور تمہارے معزز شریف آدمی کی جانب سے کوئی مالی امداد لئے بغیر اس کی تعلیم و تربیت کی۔ یا غالباً یہ سارے کام میرے سوا کسی اور نے انجام دیئے ہوں گے؟ آپ جیسے شرفا کو تو اس کے لئے نہ کوئی کام کرنا پڑا اور نہ ہی پریشانی اٹھانی پڑی۔ اب یہ سارا جھگڑا پھر کس بات کا ہے؟"

نیائے نے عدالت کے حکم کی کوئی پروا نہیں کی چنانچہ ایک پولیس ایجنٹ کو انہیں عدالتی کمرے سے باہر لے جانے کا حکم دیا گیا۔ انہیں اس بری طرح وہاں سے پکڑ کر لے جایا گیا وہ مزاحمت تک نہ کرسکیں۔ لیکن ان کی زبان بند نہ کی جاسکی۔ وہاں سے بلاشبہ انتقام کی آگ برس رہی تھی۔

"کس نے مجھے غیر قانونی بیوی بننے پر مجبور کیا؟ کس نے ہمیں نیائے کی شخصیت اپنانے پر مجبور کیا؟ یورپی معززین کو آقا بنا دیا گیا۔ ان سرکاری جگہوں پر ہمارا مذاق کیوں اڑایا جاتا ہے؟ کیوں تذلیل کی جاتی ہے؟ یا آپ جیسے شرفا کی خواہش ہے کہ میری بیٹی بھی کسی کی غیر قانونی بیوی یا داشتہ بنے؟"

اس کی آواز پوری عمارت میں گونج رہی تھی۔ حاضرین پر سکوت طاری تھا۔ انہیں کھینچ کر لے جانے والا پولیس کا ایجنٹ جلد از جلد انہیں وہاں سے دور لے جانا چاہتا تھا۔ وہ ایک مقامی خاتون، اس وقت یورپی نسل کے خلاف گویا غیر سرکاری پراسیکیوٹر بن گئی تھیں۔ ایک ایسی نسل کے خلاف، جو اپنے ہی کارناموں کا مذاق اڑانے پر اتری ہوئی تھی۔ وہ مسلسل بولے جارہی تھی اور وہ انہیں کھینچ تان کر باہر نکال رہے تھے۔۔۔۔۔۔

بگھی آہستہ آہستہ سڑک پر چل رہی تھی۔ صبح کی گہما گہمی سڑک پر نظر آنے لگی۔ عدالت سے باہر، اب سکول کی عدالت کا ڈنڈا بھی برس چکا تھا۔ میں اب اپنے سکول کے ساتھیوں جیسا نہیں رہا تھا۔ میں لڑکیوں کے لئے زبردست خطرہ تھا۔ اس لئے مجھے سکول سے بے عزت کر کے نکال دیا گیا۔ اگر پبلک کے سامنے ٹیچر کا سارا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا جائے تو یقینی طور پر وہ کہیں زیادہ بدمعاش نظر آئیں گے۔ کیا ہر کسی کے اپنے ذاتی راز نہیں ہوتے جو وہ موت کی دہلیز پر پہنچ کر بھی چھپائے رکھتے ہیں اور وہ تفتیشی افسر اور جج، جو مجھ پر بے رحمی سے برس رہے تھے، کیا پتہ، کھلے

بندوں یا خفیہ طور پر ان کی بھی داشتائیں موجود ہوں؟ اور اگر انہیں کسی قانونی یا عوامی ردعمل کا خوف نہ ہوتا تو شاید ان کا رویہ، اپنی داشتاؤں سے، مے لیما کی سنی کم کے ساتھ رویئے سے بھی بدتر ہوتا؟

بگھی میں جاتے ہوئے، میں نے محسوس کیا کہ ہر نظر مجھے موردالزام ٹھہراتی دکھائی دے رہی تھی: یہ ہے وہ منکی، جو انالیز کے ساتھ اس کے کمرے میں سوتا ہے، حالانکہ اس نے ابھی اس سے شادی بھی نہیں کی۔

یہ منکی اپنے سب ساتھیوں سے مختلف ہے۔ بلکہ ہر شخص سے مختلف ہے۔ عدالت میں اس کا سارا کچا چٹھا کھول دیا گیا کسی اور کے رازوں سے تو پردہ نہیں اٹھایا گیا۔ تفتیشی افسر اور جج کا بھی کوئی راز سامنے نہیں آیا؟ اس وقت کیا احساسات تھے میرے؟ میں بہت دکھی تھا۔ اپنے بزرگوں کے قول کے مطابق، میرے محسوسات اس کیڑے کی طرح تھے، جو اپنے جیسے کیڑوں سے بالکل مختلف شکل میں آ گیا ہو، زندہ ہو مگر اپنے جیسوں ہی میں رہنے پر مجبور ہو۔ جہاں سورج کی گرمی تو سبھی برداشت کرتے ہیں مگر۔ دل میں موجود گرمی، اکیلے برداشت کرنا پڑتی ہے۔ پرسکون ہونے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ آدمی ایسے لوگوں سے مل بیٹھے، جنکا مقدر، جنکی اقدار جن کے رشتے، ایک جیسے بوجھ تلے دبے ہوئے ہوں، جنکے درد اور دکھ مشترک ہوں جیسے: نیائے اونتو سار وہ، انالیز، جین میریز، ڈارسم۔

چنانچہ میں جین کے گھر کا رخ کیا۔

"بڑے دکھی محسوس ہو رہے ہو منکی۔ سکول سے خارج ہو گئے کیا؟ نظریں اوپر اٹھاؤ!"

نظریں اوپر کرنے کے بارے میں وہ شخص کہہ رہا تھا جس کی اپنی نظریں کبھی کبھار ہی اوپر اٹھتی تھیں۔ یوں لگا جیسے دل میں خوشی نام کی کوئی چیز کبھی بسی ہی نہیں تھی۔

"تمہارا اسکول اب تمہارے لئے بہت چھوٹا ہو گیا ہے منکی۔ چلو منکی بکھر بھی گیا تو کیا ہوا، میکس ٹولی ناز تو موجود ہے ابھی؟ ہے نا؟ "اس نے میری طرف اس طرح دیکھا جیسے جوش و جذبہ کا کوئی چھپا ہوا خزانہ ہے میرے پاس۔ وہ یہ نہیں سمجھ رہا تھا کہ منکی کے ٹوٹنے کا مطلب کیا ہے، کام کے آرڈرز ڈھونڈنا مشکل ہو جائے گا۔ میں نے اسے بتایا تو لمحہ بھر کو چپ ہو گیا۔ پھر اچانک وہ بری طرح ہنسنے لگا۔ مجھے کچھ دکھ ہوا۔

"تمہیں پتہ نہیں منکی، مجھے تو یہ سب مذاق لگ رہا ہے"۔

"مذاق کی کیا بات ہے؟ "میں نے ناراض لہجے میں کہا۔

"ہے، پتہ کیا؟ صرف ایک دوائی تمہارا علاج کرسکتی ہے۔ شادی کرالومنکی۔ انالیز سے شادی۔ دنیا کو بتاؤ کہ تم شیطان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بھی مقابلہ کرنے سے نہیں ڈرتے۔ تم بھی دوسرے لوگوں کی طرح ہو جاؤ گے۔ وہ کوئی سوال جواب نہیں کرتے۔ بس تمہیں ان کی طرح بے وقوف، غیر مہذب اور جاہل بن جانا ہے۔ سومنکی شادی کر ڈالو، شادی"۔

"ماجدہ پیٹرز کا خیال تھا کہ عدالت نے ہمارے ساتھ ناانصافی ہی نہیں کی بلکہ ہمیں رسوا بھی کیا ہے"۔

"ہاں خاصا غیر مہذبانہ رویہ تھا۔ یہ موزوں ترین الفاظ ہیں ان کے انداز کو بیان کرنے کے لئے۔ بعض مالے۔ ڈچ اخبارات نے بھی اسی طرح کی رائے دی لیکن انداز اتنا جارحانہ نہیں تھا ان کا۔ اس طرح کے سوالات عموماً بند کمرے میں پوچھے جاتے ہیں"۔

"ہاں ان میں سے ایک ڈچ اخبار نے مما کو بدتمیز اور گستاخ عورت کے طور پر پیش کیا تھا جس نے پوری عدالت کا ماحول پراگندہ کر دیا لیکن ان کی باتیں بتانے کی بجائے گول کر گئے"۔

" کمار کا مضمون پڑھو۔ کسی زخمی شیر کی سی چنگھاڑ نظر آتی ہے۔ وہ تمہارا پر زور حامی ہے"۔

"مجھے بتا دو، پڑھنے کو میرا جی نہیں چاہ رہا"۔

"اس نے لکھا کہ جج اور پراسیکیوٹر کی حرکات، غیر قانونی، بیویوں سے پیدا شدہ تمام انڈو یوریشین افراد کے لئے انتہائی توہین انگیز اور ہتک آمیز تھیں۔ اگر ان بچوں کو باپ اپنی اولاد تسلیم کرلے تو انہیں مقامی نہیں سمجھا جاتا اور اگر باپ انہیں اپنانے سے انکار کر دے تو ان کی حیثیت مقامی کی ہو جاتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ مقامی اور داشتاؤں کو غیر تسلیم شدہ اولاد، دونوں برابر ہیں۔ اس نے نجی معاملات کو اس طرح لوگوں کے سامنے لانے کو بھی انتہائی غلط اقدام قرار دیا۔ کمار کے مطابق جج اور پراسیکیوٹر یورپی اخلاقیات سے بالکل مبرا نظر آتے تھے۔ یہ تو ڈھائی سو سال پہلے قائم کی گئی مقامی عدالت سے بھی بدتر تھے جو ویروگونو نے پرونو کٹرو پر مقدمہ چلانے کے لئے بنائی تھی۔ وہ کون تھے منکی؟ مجھے ان کے بارے میں معلوم نہیں"۔

"ان کے بارے میں تمہیں پھر کبھی بتاؤں گا"۔ میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

گھر آتے ہی میں سیدھا دفتر پہنچا تاکہ نئی مصیبت کے بارے میں نیائے کو بتا سکوں۔ لیکن منہ سے نکلا: "ماں، کیا خیال ہے اگر میں اور انالیز شادی کرلیں؟"

"تھوڑا سا ٹھہرو، ایسی بھی کیا جلدی ہے؟"

میں نے ان مشکلات اور رکاوٹوں کے بارے میں انہیں بتایا جو میرے کاروبار کے سلسلے میں سامنے آسکتی تھیں۔ ممکن ہے یہ مشکلات جین میریز کو بھی لپیٹ میں لے لیتیں۔

" کیا کیا جاسکتا ہے بیٹا، کف افسوس ملنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ان عدالتی چکروں نے ہمیں خاصا نقصان پہنچایا ہے۔ کوشش کی گئی کہ میری حیثیت ایک عام نیائے کی سی کردی جائے تاکہ مجھے لوگوں میں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے لوگوں کی توہین آمیز آنکھیں ہم پر اٹھیں۔ ہمیں ان سب نقصانات کو پورا کرنا ہے بیٹا۔ کیونکہ اس بزنس کے بغیر، اس گھرانے کی ساری عزت خاک میں مل جائے گی۔ مجھے امید ہے تم صورت حال کو بخوبی سمجھ رہے ہو"۔

میں نیائے کے ہونٹ ہلتے دیکھتا رہا۔ کتنا پرسکون انداز تھا ان کا۔ مجھ سے وہ کتنی امیدیں لگائے بیٹھی تھیں۔

"میں نے زندگی کی بڑی سختیاں جھیلی ہیں منکی۔ اگر میں اس کاروبار کو نہ بچا سکی تو میں ایک عام سی نیائے بن کر رہ جاؤں گی جس کا تمسخر اڑایا جاتا ہے۔ جسے حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ انالیز کو بے پناہ نقصانات کا سامنا کرنا پڑے گا اور ماں کی حیثیت سے کہیں کی نہیں رہوں گی۔ اسے ایک عام انڈو سے زیادہ قابل احترام سمجھا جانا چاہئے۔ اپنے لوگوں میں اس کا ایک اعلی مقام ہونا چاہئے اور ایسی عزت اور مرتبہ صرف کاروبار کو مضبوط بنا کر اور پھیلا کر ہی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ ہے تو یہ عجیب وغریب بات مگر کیا کریں، دنیا یہی چاہتی ہے"۔

انالیز عقبی جانب کاموں میں لگی ہوئی تھی۔

دفتر میں کرسی پر بیٹھے یورپین، انڈو اور مقامی افراد کے معاملات میرے تصور میں آتے رہے۔ توہین آمیز احساس مظلومیت چھٹتا چلا گیا۔ ان سارے معاملات نے مکڑی کا ایک جال سا بنا رکھا تھا اور جالے کے بیچوں بیچ داشتاؤں اور نیاؤں کی جگہ تھی۔ وہ اپنے پاس آجانے والے ہر شکار کو نہیں پکڑے۔ اس کے برعکس وہ جال ہر طرح کی ذلت و رسوائی اکٹھی کررہا ہوتا ہے جنہیں نگلنا داشتاؤں کا مقدر ہوتا ہے۔ اپنے مالک کے کمرے میں ہونے کے باوجود، وہ آجر نہیں ہوتیں۔ وہ رتبے میں، اپنی ہی اولاد سے کم تر ہوتی ہیں۔ وہ نہ یورپی، نہ انڈو ہوتی ہیں اور مقامی بھی نہیں رہتیں۔ وہ خفیہ پہاڑیاں ہوتی ہیں۔

یااللہ !ایسا رسوا کن احساس مظلومیت بھی کسی روشنی کی جھلک پیدا کرسکتا ہے۔ تو نے ہی تو

انسانوں کوقوموں میں بانٹا تھا تا کہ یہ پھلیں پھولیں۔ تیری مرضی اور منشا سے مختلف النوع معاشی اور سماجی درجات کے مردوں اور عورتوں میں تعلقات پیدا ہوئے۔ تو نے ایک ہی طرح کے سماجی اور معاشی ماحول کے لوگوں کے مابین ایسے تعلقات کا حکم کیوں نہیں دیا؟ جس میں ان کی اپنی آزادانہ مرضی شامل ہوتی؟ کیونکہ یہ سب کچھ تو بہرحال تیرے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق نہیں ہو رہا۔ تو نے یہ کیوں ہونے دیا؟ انڈوز پیدائشی طور پر زیادہ طاقتور اور محترم ہیں جبکہ مقامی لوگ بھی تیری مرضی سے ہی پیدا ہو رہے ہیں۔

میں تجھ سے براہ راست اس لئے مخاطب ہوں کہ تیرے نزدیک سمجھے جانے والے تو مجھے جواب دیں گے نہیں مجھے اس کا جواب دیجئے۔ میں تو جو کچھ جانتا ہوں، اپنے خیال کے مطابق جو بھی میرے علم میں ہے، صرف وہی لکھ رہا ہوں۔ کیا تمام علم و آگہی کا اولین منبع و مبدا صرف تیری ذات نہیں؟

میکس ٹولی نارکا۔۔۔۔۔۔یورپین، انڈو اور مقامی باشندوں پر لکھا گیا آرٹیکل چھپنے کے کوئی دس دن بعد اس ماجدہ پیٹرز سکول کے اوقات کے دوران، مما کے گھر آئیں۔ سکول ڈائریکٹر مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔ میں نے اسکول جانے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ سکول سے میرا کوئی تعلق باقی رہا ہی نہیں تھا۔

نیائے نے بھی میرا جانا مناسب نہیں سمجھا۔ انالیزا اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"کچھ نہ کچھ ہوا ہے"۔ ہماری مہمان نے کہا "تم جو چاہو، سمجھو لیکن ان سے ملنے ضرور آؤ۔ لیکن سب سے پہلے میری جانب سے مبارک قبول کرو۔ تمہارے آخری مضمون نے انسانی ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ لوگ مسائل کو زیادہ بہتر طریقے سے دیکھنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ حالانکہ ابھی تم خاصے کم عمر ہو۔۔۔۔۔۔"

چنانچہ، بالآخر میں چلا گیا۔

راستے بھر مس ماجدہ پیٹرز میری تعریفوں کے پل باندھتی رہیں۔ ان کے مطابق میرے جیسا طالبعلم، ان کے لئے باعث فخر تھا۔ حالیہ رسوائیوں اور دکھوں کے بعد، ان کی باتیں بھلی معلوم

ہوئیں۔

سکول ڈائریکٹر مجھے بڑے دوستانہ انداز میں ملے۔ تمام طلبہ کو گھر جانے کے لئے کہہ دیا گیا۔ تمام اساتذہ کو ایک جگہ اکٹھا کرلیا گیا۔ کیا کوئی اور کانگرو کورٹ؟ آخر ایک شخص کے لئے یہ سب کیوں کیا جارہا ہے؟ آخر مجھے اتنی اہمیت کیوں دی جارہی ہے؟

سکول ڈائریکٹر نے میٹنگ کی شروعات کی۔ "یہ ایک یورپی روایت ہے کہ لوگوں کی ثقافتی سرگرمیوں اور کارناموں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ سرابیا نام کی اس سرزمین پر بھی یہ روایت قائم رکھی جانی چاہئے۔ ہم یہ سوال کرنے نہیں جارہے کہ یہ ثقافتی آدمی کس طرح کا ہے؟ کیونکہ یہ نجی معاملات ہیں۔ اس کی اہمیت اس کے کارناموں کی وجہ سے ہے، انسانیت کے لئے اس کی خدمات کی وجہ سے ہے"۔

اس تمہید کے بعد، وہ میرے حالیہ مضمون کی طرف آ گئے۔ "اس مضمون نے ہمیں ہلا کر رکھ دیا۔ ہماری حس لطافت بیدار کردی بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ : سچ یہ ہے کہ یورپ کا انسانی ضمیر، طویل عرصہ تک، غیر حاضر رہنے کے بعد، انڈیر باشندوں کے درمیان، میکس ٹولی نار کے اندر نشو ونما پانے لگا ہے اور وہ ہے ایچ بی ایس کے ان اساتذہ کا شاگرد۔۔۔۔۔۔ہمارا منکی"۔

مجھے یورپی انسانیت کا تصور واضح طور پر سمجھ نہیں آسکا۔

"سات خطوط موصول ہوئے ہیں۔ جن میں منکی کو سکول سے نکالنے پر شدید احتجاج کیا گیا ہے۔ ایک خط کے مطابق، اسے سکول سے خارج کرنے کے بجائے، اس کی مدد کی جانی چاہئے چاہے کوئی خصوصی اقدامات کیوں نہ کرنا پڑیں۔ ٹاؤن بی کے اسسٹنٹ ریذیڈنٹ نے اس سلسلے میں خاص طور سے سرابیا آ کر، ریذیڈنٹ سے ملاقات کرنا ضروری سمجھا۔ ریذیڈنٹ کا اپنا کوئی خاص نظریہ نہیں تھا لیکن اسٹنٹ ریذیڈنٹ نے منکی کا گارڈین بننے کی پیش کش کی۔ وہ تو اس سلسلے میں، اگر سرابیا میں کچھ نہ ہوسکا تو، محکمہ تعلیم و مذہبی امور کے ڈائریکٹر سے بالمشافہ ملاقات سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

چنانچہ پہلی دفعہ ہمارے فیصلہ کو امتحان اور چیلنج کا سامنا ہے۔ محض ان معاملات کی وجہ سے فیصلہ پر نظر ثانی کوئی اتنا لازمی امر نہیں مگر اپنے یورپی انسانی ضمیر کی بدولت، اپنے اجداد کی روایات اور موجودہ تہذیب کے ناتے ہمیں اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنا ہوگی۔ اب منکی المعروف میکس ٹولی نار، معزز اراکین کونسل کے سامنے موجود ہے۔ کونسل کو اپنے سابقہ فیصلے پر نظر ثانی کرنا ہے اور کسی نئ

پالیسی کا اعلان کرنا ہے"۔

اپنے بچے سے بچھڑی ہوئی کسی غضب ناک شیرنی کی طرح مس ماجدہ پیٹرز نے، اپنے بچے کے مفاد میں، انتہائی جارحانہ طریقے سے حملہ کرنا شروع کر دیا۔ ان کے چہرے پر موجودہ چھائیاں کچھ اور واضح ہو گئیں۔ آنکھیں تیز تیز جھپکنے لگیں۔ بالآخر اپنے تند و تیز جذبات کے آگے بند باندھتے ہوئے، آہستگی سے انہوں نے کہا۔

"تعلیم وتدریس اگر انسانی خدمت نہیں ہے تو پھر کچھ بھی نہیں۔ اگر منکی کی طرح کوئی فرد، اسکول سے باہر ہمیں خدائے بزرگ کا شکر گزار ہونا چاہئے کیونکہ اس ساری کارگزاری میں ہمارا اپنا حصہ بہت معمولی ہے۔ ایسا ذہین وفطین آدمی، انتہائی غیر معمولی حالات اور ماحول میں ہی پیدا ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے منکی کے معاملے میں دیکھا۔ چنانچہ میری یہ تجویز ہے کہ ہمیں اسے سکول میں واپس لے لینا چاہئے تاکہ اپنے مستقبل کی تعمیر کے لئے، اسے مضبوط بنیادیں فراہم ہوسکیں"۔

کونسل میرے متعلق زوردار بحث میں الجھ گئی اور میں ایسا بے زبان ملزم تھا جسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کی وہاں موجودگی کیوں ضروری ہے۔ بہرحال فیصلہ یہ ہوا کہ مجھے دوبارہ سکول کے طالبعلم کی حیثیت سے قبول کرلیا جائے مگر بعض شرائط کے ساتھ: مجھے سب سے الگ، ایک مخصوص ڈیسک پر بیٹھنا ہوگا۔ کلاس کے اندر یا باہر میں اپنے ساتھی طالبعلموں سے بات نہیں کروں گا۔ نہ ان سے کوئی سوال کروں گا اور نہ ہی انہیں جواب دوں گا۔

"تمہاری کیا رائے ہے منکی، تم نے ساری باتیں تو سن ہی لیں؟" سکول ڈائریکٹر نے پوچھا۔ وہ غالباً اس سارے معاملے میں اپنے ہاتھ صاف ستھرے رکھنا چاہتے تھے۔

"جہاں تک ممکن ہوا، میں اپنی تعلیم جاری رکھوں گا۔ میری شروع سے یہی خواہش تھی۔ اگر میرے لئے دروازے کھلے تو میں ضرور آؤں گا اور اگر مجھ پر یہ دروازے بند رکھے گئے تو بھی میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔ آپ کی ان ساری کوششوں کا بہت بہت شکریہ"۔

"میٹنگ ختم ہوگئی۔ ماجدہ پیٹرز کے سوا، تمام ٹیچرز نے بے دلی سے آ کر، مجھ سے ہاتھ ملایا۔ مجھے مبارک دی۔ ڈچ زبان وادب کی میری ٹیچر، اس فیصلے پر بہت خوش تھیں۔ وہ اسے اپنی ذاتی فتح سمجھ رہی تھیں۔ چلتے چلتے سکول ڈائریکٹر نے مریم اور سارہ ڈی لاکروکس کے خطوط میرے ہاتھ میں تھما دیئے۔

سکول پر سکوت طاری تھا۔ ایچ بی ایس کی عمارت، کمپاؤنڈ، اس کا پتھریلا راستہ، سب

کچھ مجھے اجنبی سا لگ رہا تھا۔ جیسے میں پہلی دفعہ سکول میں آیا ہوں۔ ٹیچرز کی نگاہیں گویا میرے جسم میں اتری جا رہی تھیں۔ میں نے مڑ کر پیچھے دیکھنے کی بجائے، سیدھا بگھی کا رخ کیا۔

"ذرا آہستہ چلنا"۔ میں نے کوچوان مرجو کی کو جاوی میں کہا" اخبار کے دفتر جانا ہے"۔

آدھے راستے میں کوچوان نے شرماتے ہوئے پوچھا۔

"مالک کچھ زرد، زرد اور کمزور نظر آ رہے ہیں؟"

"ہاں"۔

"کچھ دن کی چھٹی کر لیں۔ علاج کرائیں اپنا مالک"۔

"ہاں کروں گا، سکول کے امتحان سے فارغ ہونے کے بعد"۔

"تین مہینے اور مالک۔۔۔؟"

"ہاں، ابھی تین مہینے اور لگیں گے"۔

"سکول جانے کا کیا فائدہ مالک، سب کچھ تو ہے آپ کے پاس؟"

"ہاں، کیا فائدہ؟ لیکن اگر میں سکول میں ناکام رہا تو اس کا مطلب ہے میں کہیں بھی کامیاب نہیں ہو سکوں گا"۔

"مالک تو پہلے ہی ہر معاملے میں کامیاب ہو چکے ہیں"۔

"کامیاب، کیسے؟"

"لوگ تو یہی کہتے ہیں۔ مالک۔ سب کچھ تو آپ کے پاس: نوئی، دولت، عقل ۔۔۔۔ ۔۔آپ کے اہم لوگوں سے تعلقات ہیں۔ وہ بھی ایرے غیرے سے نہیں بلکہ ڈچ لوگوں سے"۔

"اچھا لوگ یہ کہتے ہیں؟"

"ہاں، مالک یہ نوعمری، یہ وجاہت اور کچھ ہی عرصے میں آپ بوپاتی بن جائیں گے"۔

"ارے چھوڑو جوکی، اسے بھول جاؤ"۔

سرابیا نیوز کے دفتر میں مارٹن نیامن نے سکول سے اخراج کی صورت میں مجھے مستقل اور فل ٹائم سروس کی پیش کش کی۔ کام بھی دلچسپ ہوگا، اس کا کہنا تھا۔ تنخواہ تھوڑی سہی مگر ساڑھے بارہ گلڈر تو ہوگی ہی۔ میں نے جواب میں اسے ٹیچرز کونسل کی میٹنگ اور ان کے حالیہ فیصلے سے مطلع کیا۔

"اچھا تو مس ماجدہ پیٹرز نے اتنے جوش وولولے سے تمہارا دفاع کیا۔ ماجدہ پیٹرز، تم ان

سے قریب لگتے ہو خاصے؟''

''میرے ٹیچرز میں وہ سب سے زیادہ عقلمند ہیں''۔

''میرا خیال ہے، ان سے تھوڑا سا فاصلہ رکھنا، تمہارے حق میں بہتر ہوگا''۔

''وہ بہت مہربان خاتون ہیں''۔

''مہربان؟ ہاں، وہ لوگوں کو اسی طرح بہکا دیتی ہیں''۔

''بہکا دیتی ہیں۔ کس طرح؟ ''میں نے حیرانی سے پوچھا۔

''وہ کٹر انقلابی ہیں، حد سے زیادہ پر جوش قسم کی۔ وہ جزائر کی تحریک میں انڈیز کے ساتھ ہیں۔ تم نے کچھ نہیں سنا اس کے بارے میں؟ ''میں نے اپنا سر ہلا دیا۔''وہ انڈیز کو ہالینڈ کے برابر سمجھتے ہیں۔ جزائر میں وہ کٹر انقلابی کہلاتے ہیں۔ یہ خاتون اور ان جیسے دوسرے حضرات جزائر کی مخصوص صورت حال اور اس کی حقیقی حدود کو سمجھنا ہی نہیں چاہتے۔ ان حدود سے تجاوز کرنا تو دور کی بات ہے، ان سے ٹکرانے کا ارادہ ہی نہیں جانے کیا کیا قیامتیں ڈھا دے گا۔ ان حدود میں بہت سی باتیں تو غیر تحریری ہیں۔ ہاں، ہالینڈ میں مکمل آزادی ہے۔ یہاں ایسی کسی چیز کا وجود تک نہیں۔ اپنی حدود کے اندر اندر آدمی آزاد خیالی کا مظاہرہ کرتا رہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ان حدود سے تجاوز کرنا خطرناک ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو تمہیں بخوبی جان لینی چاہئے۔ خوش قسمتی کی بات ہے کہ کوئی مقامی اس تحریک میں شامل نہیں ہوا۔ تصور تو کرو اگر تم اس میں شامل ہوتے !ایک بار حکومت ایک آزاد خیال کو سزا دے بھی چکی ہے۔ غلطی کی نوعیت کچھ بھی ہو، اگر وہ یورپین ہے تو اسے فوری دیس نکالا دے دیا جائے گا، انڈو ہوا تو نتیجہ زیادہ سخت ہوگا، اس کی نوکری چلی جائے گی اور اگر کوئی مقامی ہوا تو وہ اپنی آزادی سے محروم ہو کر، بغیر کسی مقدمے کے، جیل میں سڑ جائے گا۔ کیونکہ اس قسم کے معاملات کے لئے کوئی قانون ابھی تک بنایا نہیں گیا یہاں، ذرا احتاط رہنا، ان چکروں میں پڑ کر مارے نہ جانا۔ تمہارا ملک ہالینڈ یا یورپ نہیں ہے۔ تم کسی چکر میں پڑ گئے تو یہ لبرل تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکیں گے''۔

''وہ میری ٹیچر ہیں مسٹر نیامن، میری ٹیچر''۔

''دیکھو مسٹر منکی، یہ ڈچ جزائر افواہوں پر چل رہے ہیں اوپر سے نیچے آنے والی افواہیں پھر بھی قابل یقین ہوتی ہیں۔ مس ماجدہ پیٹرز کے بارے میں بھی خاصی افواہیں چل رہی ہیں۔ تم ابھی اچھی طرح مشکلات جھیل کر نکلے ہو۔ ان میں مزید اضافہ کرنے کا نہ سوچو''۔

وہ بہت دیر تک آزاد خیالوں کی تحریک کے متعلق باتیں کرتا رہا۔ اس کا لہجہ خاصا معقول اور نرم تھا لیکن وہ بطور خاص ان کی غلطیاں اور خامیاں گنواتا رہا۔ ان کے خیالات کو مسترد کرتا رہا۔ اس نے ان پر جزائر میں تبدیلی لانے کی کوششوں کا الزام بھی لگایا۔ جزائر میں قانون کی حکومت ہے، لوگ سکھ چین سے رہتے ہیں۔ انہیں ہر طرح کا تحفظ میسر ہے۔ وہ اپنے کام کاج اور رسوم کی ادائیگی میں آزاد ہیں۔ پھر تبدیلی کی خواہش بھلا کیا معنی؟

"اور ہاں، مسٹر منکی، بادشاہوں کے زمانے میں تمہاری قوم کبھی اتنی محفوظ نہیں رہی۔ چین و سکون تو تھا ہی نہیں کوئی قانون تحفظ نہیں تھا۔ کیونکہ اس دور میں قانون نام کی کوئی چیز تھی ہی نہیں۔ جزائر کی ڈچ حکومت نے عوام کے لئے کچھ نہیں کیا؟ آزاد خیال گروپ کے انڈیز کے بارے میں واقعی عجیب وغریب تصورات ہیں ------"

"لیکن وہ بھی تو یورپین ہیں؟ "میں نے کہا۔

بگھی میں گھر واپس جاتے ہوئے، میرا ذہن انہی تضادات میں الجھا رہا جنہوں نے حالات کو پیچیدہ بنا کر رکھ دیا تھا اور ہمیں انہی تضادات میں سے راہ نکالنی تھی۔ یورپی بمقابلہ یورپی۔ اس میں قدامت پسند بھی شامل تھے اور مارٹن نیامن جیسے انسانیت پرست بھی جو آزاد خیالی کو بہر حال مسترد کرتے تھے۔ پتہ یہ چلا کہ جتنے زیادہ لوگوں سے ملا جائے، اتنے ہی زیادہ مختلف النواع مسائل سامنے آتے ہیں۔ میں نے خواب میں بھی جن مسائل کے بارے میں نہیں سوچا تھا وہ خودرو گھاس کی طرح، نکلتے چلے آ رہے تھے۔

نیامن مجھے حال اور مستقبل کے لئے تیاری کرنے کے لئے کہا تھا۔ اس کے خیال میں، عین ممکن ہے، مس ماجدہ پیٹرز کو جلد ہی انڈیز سے رخصت ہونا پڑے۔ یہ محض امکان نہیں بلکہ واضح امکان تھا۔ بہت شدید افواہیں اڑی ہوئی تھیں اس بارے میں۔ ایسی کوئی صورت حال پیدا ہونے سے پہلے بہتر ہوگا کہ میں ان سے اپنے فاصلے بڑھا لوں۔ اس نے کہا :"ماجدہ پیٹرز کو تو صرف جزائر چھوڑ دینے کا حکم ملے مگر تم خود کو کسی ایسی جگہ پاؤ گے، جہاں تمہیں اپنی مرضی کے خلاف رہنا پڑے گا"۔

نیامن نے ان حدود کی وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اچھا، جو کوئی بھی اس کا جواب دینے پر تیار ہوا، اسی سے پوچھ لوں گا، اس کی ان ساری باتوں میں کہیں نہ کہیں کچھ سچ تو ہوگا ہی، اگر ایسی کوئی حدود واقعتاً "اپنا وجود رکھتی ہیں۔

تلنگا کے گھر، امی کا جاوی رسم الخط میں لکھا ہوا خط میرا منتظر تھا۔

''بیٹا، اخبارات میں تمہارے معاملات کے متعلق پڑھ کر، ہر شخص کو دکھ ہوا اور تم سے ہمدردی بھی محسوس ہوئی۔ تم میرے شہ زور بیٹے ہو۔ یہی بات میرے دل کو سکون بخشتی ہے۔ جہاں تک تمہارے مسائل کا تعلق ہے تو تمہیں ہی انہیں حل کرنا چاہئے۔ اپنی ماں کا کہا کبھی نہ بھولنا: مشکل سے بھاگتے نہیں، اسے اچھی طرح حل کرتے ہیں۔ یاد ہے نا؟ اگر تم نے ہمت ہار دی تو تمہاری ساری تعلیم وتربیت اکارت چلی جائے گی۔ کیونکہ پھر تو میرے بیٹے صرف جرم ہی باقی رہ جاتا ہے۔ تمہیں نیائے اونتو سارہ کی بیٹی بہت پسند ہے؟ تمہاری مرضی۔ میں صرف یہی کہوں گی: اپنے مسائل سے کبھی نہ بھاگنا۔ کیونکہ ایک مرد کی حیثیت سے، ان کا حل کرنا تمہاری ذمہ داری ہے۔ خوبصورت پھولوں پر قبضہ کرلو کیونکہ یہ ہیں ہی مردانہ حوصلے والوں کے لئے اور ہاں، پیار کے معاملے میں بھی، جرم کے قریب کبھی نہ پھٹکنا جو شخص عورت کو پیسے کی جھنکار سے جیتتا ہے۔ دولت اور مرتبے کی چمک سے مسخر کرتا ہے، وہ مجرم ہے اور ایسی عورت صرف اور صرف طوائف۔

مجھے ڈچ اخبار پڑھنے والوں سے پتہ چلا ہے کہ تم زبردست لکھاری بن گئے ہوں بیٹا، ایسی زبان کیوں لکھتے ہو، جو تمہاری ماں نہیں پڑھ سکتی؟ اپنی، پیار کی کہانی، اپنے اجداد کی شاعری میں بیان کرو تا کہ تمہاری ماں اور تمہارے سارے ہم وطن انہیں گا سکیں۔

اپنے ابو کے بارے میں پریشان نہ ہوا کرو، ان کا اپنا شاعرانہ انداز ہے۔۔۔۔۔''

آہ، پیاری امی میرے دل کی گہرائیوں میں آپ کے لئے پیار ہی پیار ہے آپ نے مجھے کبھی سزا نہیں دی۔ کبھی اپنے اس بیٹے پر فیصلہ نہ ٹھونسا۔ میں بہت ہی چھوٹا تھا۔ مجھے یاد ہے آپ نے کبھی سوئی تک نہیں چبھنے دی مجھے۔ اب آپ کو میرے اور انالیز کے رشتے پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔ آپ چاہتی ہیں کہ میں جاوی میں لکھوں، ایک ایسی زبان میں، جسے آپ خود بھی ادا کر سکیں۔ میں نے جاوی زبان میں نظمیں نہ لکھ کر آپ کو کتنا مایوس کیا ہے، میری زندگی کے ساز اس وحشیانہ انداز میں بکھرے ہوئے ہیں کہ میں چاہنے کے باوجود بھی اپنے اجداد کی شاعری پر خود کو مرتکز نہیں کر سکتا۔

امی کے ساتھ میری تصوراتی خود کلامی کو، مسز تلنگا کی آمد نے ڈسٹرب کر دیا۔ وہ حسب عادت کہہ رہی تھیں۔ ''یہ سب کیا ہے؟ کل تو کچھ بھی نہیں مل سکے گا اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھے اپنی جیب سے کم از کم ایک ٹالن خرچ کرنا پڑے گا''۔

جین میریز کے گھر میں نے، مے کومحوخواب پایا، اس کے بیڈ پر ایک نیا گدا موجود تھا۔
جین بھی اونگھنے میں مصروف تھا۔ گھر کے عقب میں واضح ورکشاپ پر مکمل سکوت طاری تھا۔
"جین، تم کل سے مما کی تصویر پر کام شروع کر سکتے ہو۔ بہتر ہوگا تم اپنا کام اس وقت کرو، جب وہ اپنے دفتر میں بیٹھی خط و کتابت میں مصروف ہو۔ میں کل سے سکول جانا شروع کر دوں گا۔ مے بھی وونو کرومو، تمہارے ساتھ رہ سکتی ہے"۔
"آ جاؤں گا میں، منکی"۔ اس کی آواز میں تنہائی کا دکھ موجود تھا" مگر میرا مصوری کرنے کو اب جی نہیں چاہتا"۔
"تمہاری ہی تو خواہش تھی۔ یہ کام سرانجام دینے کی"۔
"وہ بہت طاقتور ہیں۔ منکی، ان کی شخصیت بہت بھرپور اور توانا ہے۔ میں تو عدالت میں انہیں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ بڑا زرخیز تخیل ہے ان کا اور فیصلہ کر کے اس پر ڈٹ جاتی ہیں۔ میں تو ان کے سامنے ڈوب چکا ہوتا"۔
میں نے خاموشی سے اس کی جانب نظر اٹھائی۔ کیا وہ یہ کہنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ مما کے عشق میں گرفتار ہو گیا ہے اور اس کے اظہار کا کوئی راستہ نہیں ان کے پاس؟
جین نے بات آگے نہیں بڑھائی۔
" کبھی محبت میں، تم نے دکھ بھی اٹھائے جین؟"
مسکراتے ہوئے، اس نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور الٹا مجھ پر ہی سوال کر دیا" عظیم فرانسیسی مثور ٹولاؤز لاٹرک کی زندگی کی کہانی سنی ہے کبھی تم نے؟ اس کی لافانی تصاویر لوور (Louvre) کی دیواروں پر آویزاں ہیں؟"
"نہیں، مجھے بالکل پتہ نہیں"۔
"اسے زندگی میں ہر چیز میسر تھی"۔
" کیوں جین؟"
وہ بولا کچھ نہیں، صرف پراسراری مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ناچنے لگی۔
مے نیم بیداری کی سی کیفیت میں، میرے پہلو میں آ بیٹھی۔
"جا کے نہاؤ دھوؤں، مے پھر وونو کرومو چلتے ہیں۔ کل صبح میں تمہیں سکول چھوڑ دوں گا"۔
"وونو کرومو سے بگھی میں؟ "یہ فقرہ پوچھتے ہوئے، اس کی آنکھیں اپنے پاپا پر مرکوز

تھیں۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اور تم بھی، جین کل تک انتظار کی کیا ضرورت ہے، ابھی چلتے ہیں"۔

چنانچہ ہم تینوں وہاں سے اٹھ گئے۔ بگھی بھری بھری نظر آ رہی تھی۔ مرجو کی اپنے شکووں میں لگا ہوا تھا۔

"اتنی سی باتوں میں گھبرا گئے"۔ میں نے مذاقاً اسے کہا۔

شام کے وقت، جین میز یز کی موجودگی میں یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ ایچ بی ایس سے امتحان پاس کرنے کے بعد، میں اور انالیز شادی کر لیں گے اور اس فیصلے کے بعد میرے دل کی دنیا میں ٹھہراؤ سا آ گیا۔

باب 18

سکول کی الوداعی پارٹی اپنی جگہ، عظیم الشان واقعہ تھی۔

تین مہینے لگا تار، میں نے شدید پڑھائی کی اور پڑھنے کے سوا کچھ اور کیا ہی نہیں۔ ان دنوں یوں لگتا تھا کہ جیسے میری زندگی اپنی پرانی ڈگر پر واپس آ گئی ہے۔

گریجویشن پارٹی کا مطلب تھا کہ میرے اور میرے ساتھی طالب علموں کے درمیان فاصلہ ختم ہو جائے گا اور چاہے کچھ دیر کے لئے سہی، میں پھر سے، ان میں سے ایک لگنے لگوں گا۔ جی، کچھ دیر کے لئے یہ ممکن تھا کہ کیونکہ اس تقریب کے بعد، ہم میں سے ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ، زندگی کے وسیع وعریض راستوں میں گم ہو جانا تھا۔ والدین اور گارڈینز ایک علیحدہ قطار میں بیٹھے۔ یور پی، انڈو اور چینی بھی تھے مگر کوئی مقامی نہیں تھا، مما نے پارٹی میں آنے سے انکار کر دیا تھا اس لئے میں انالیز کے ساتھ آ گیا۔ وہ پہلی دفعہ کسی تقریب میں شرکت کے لئے گھر سے باہر نکلی تھی۔ اس نے اپنا پسندیدہ سیاہ مخملیں لباس پہنا ہوا تھا۔ تین لڑی کا موتیوں کا ہار جس کے عین درمیان جگمگا تا ہیرا اپنی شان وشوکت دکھا رہا تھا۔ ہاتھوں میں کنگن تھے۔ میں پورے یقین سے کہہ سکتا تھا کہ وہ فطری خوبصورتی اور ظاہری زیبائش، دونوں میں ہی ملکہ کا مقابلہ کر سکتی تھی اور میں نے دوسرے طلبہ کی طرح سفید لباس پہنا ہوا تھا۔ لباس جو سرکاری افسران کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ صرف ان کے بٹن زرد نہیں تھے اور نہ ہی ان پر W کی علامت کندہ تھی۔

ہم دونوں پارٹی ہال میں داخل ہوئے تو مس ماجدہ پیٹرز نے ہمارا خیر مقدم کیا۔ انالیز سے تو انہوں نے بے پناہ جوش وخروش اور محبت کا مظاہرہ کیا اور کہا: "پرائما ڈونا، تم ہو اس پارٹی کی ملکہ!"

سینکڑوں آنکھوں کو اپنی جانب متوجہ دیکھنے کے باوجود، انالیز نے عام شرکا کے درمیان

بیٹھنے سے انکار نہیں کیا۔لڑکے اورلڑکیاں، سبھی میری ملکہ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بری طرح بے تاب تھے، میری دنیا، میری سلطنت سب لوگوں کی نگاہوں کے سامنے تھے جسے میں نے بغیر کسی مبارزت کے جیتا تھا۔ میں نے رابرٹ سرہوف کی نگاہوں میں رکھنے کے لئے، اسے ڈھونڈ نا چاہا تا کہ وہ کہیں چھپ نہ پائے مگر نظر جان ڈیپرسٹی پر جا پڑی، جو جوش وخروش سے ہاتھ ہلا رہا تھا۔ میں نے اشارے سے اسے جواب دیا۔کرسی پر بیٹھنے کے بعد، امی مجھے بری طرح یاد آئیں۔وہ مجھے ایچ۔بی۔ایس ڈپلومہ لیتے ہوئے دیکھ کر کس بے پناہ خوشی کا اظہار کرتیں۔اس عظیم خاتون کی اس تقریب میں غیر موجودگی نے، ان لمحات کو بالکل بے کیف اور بدمزہ کر کے رکھ دیا۔احاطے میں ہوتا شور وشرابا اور ہٹر بونگ رک گئی۔ ول ہیلمس ترانہ، ساز وآہنگ کے ساتھ، ماحول میں گونجنے لگا۔ہم سب بھی اسے گانے میں شریک ہو گئے۔سہ رنگے جھنڈے اور جھنڈیاں چاروں طرف لہرا رہے تھے۔ڈائریکٹر نے مختصر سا خطاب کیا۔انہوں نے امتحان پاس کرنے والوں کو مبارک دی اور معاشرے میں ہنسی خوشی زندگی کے آغاز کی دعا دی، مستقبل میں کامیابیوں اور کامرانیوں کی نیک خواہشات کا اظہار کیا اعلی تعلیم کے لئے ہالینڈ جانے والے طلبہ کو بخیر وعافیت یورپ پہنچنے اور اعلی علمی سرگرمیاں جاری رکھنے کی دعا کی تا کہ نہ صرف ہالینڈ جزائر کے لوگوں کے لئے بلکہ ساری دنیا کے لئے مستقبل کے کارآمد شہری ثابت ہوسکیں۔

یورپین تدریسی انسپکٹر نے اپنے خیالات کا اظہار نہیں کیا۔پھر 1899 میں امتحان پاس کرنے والوں کے نام پکارے جانے کا مرحلہ آیا۔تمام اساتذہ ڈائریکٹر کے عقب میں قطار بنائے کھڑے تھے۔

سکوت اور بے چینی کا مرحلہ۔

"انیسویں صدی کے اختتام، موجودہ تعلیمی سال کے آخر میں، پورے جزائر میں پینتالیس طلبہ نے اس امتحان میں حصہ لیا تھا۔اول آنے والے طالب علم ایچ بی ایس بٹاریا کا ہے۔ گیارہ لڑکے امتحان میں ناکام ہوئے اور انہیں دوبارہ امتحان دینا ہوگا۔ دوسرے نمبر پر آن والا طالب علم سرابیا کا ہے، یعنی سرابیا میں اول آیا ہے"۔

تالیاں بجنے لگیں اور کان اس جز کی جانب لگ گئے۔میرا خیال ہے ہر طالب علم کا دل بری طرح دھڑک رہا ہوگا۔شاید وہ خود کو پورے جزائر میں دوم اور سرابیا میں اول تصور کر رہا ہو۔ میں نے بھی کئی بار اس طرح کا خواب دیکھا تھا۔

"پورے جزائر میں روم اور سرابیا میں اول آنے والے طالب علم کا نام ہے۔۔۔۔۔ منکی"۔

میں کپکپا کر رہ گیا۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا اور حقیقت بھی یہی ہے ایک مقامی بھلا یورپی افراد سے آگے کس طرح نکل سکتا تھا۔ جزائر میں TABOO میں ایسا ہی تھا۔

"منکی"۔ ڈائریکٹر نے مجھے بلایا۔ میں اب خود میں کھڑا ہونے کی ہمت مجتمع نہیں کر پایا تھا۔ میرے دونوں جانب موجود میرے ساتھیوں نے زبردستی مجھے اٹھا کر کھڑا کر دیا۔

"منکی "ماجدہ پیٹرز نے ہاتھ ہلاتے ہوئے مجھے آواز دی۔

چنانچہ میں اس حال میں چلا کہ میری ٹانگیں بری طرح لرز رہی تھیں۔ کوئی شخص جو میری پتلی حالت کا انداز کر ہی نہیں سکتا تھا۔ کوئی تالیوں کی گونج نہیں سنائی دی کیونکہ پکارا جانے والا نام ایک مقامی کا تھا۔ ٹیچرز بھی چپ چاپ کھڑے رہے۔ مس ماجدہ پیٹرز کی ہلکی سی تالیاں ضروری سنائی دیں۔ انالیز کو کبھی ایسی کسی تقریب میں شامل ہونے کا موقع ہی نہیں ملا تھا سو وہ خود کو اجنبی سا محسوس کر رہی تھی۔ اس نے بھی تالیاں نہیں بجائیں۔ وہ تو غالبا "اپنی نشست پر سمٹی سمٹائی بیٹھی تھی۔ پہلی دفعہ وہ اتنا بڑا اجتماع دیکھ رہی تھی، خاموش کسی پہاڑ کے بچے کی طرح منجمد اور ساکت۔

میں نے سٹیج پر جا کر اپنا ڈپلوما اور مبارکباد وصول کیے۔ ڈپلوما تھامنے والا ہاتھ بدستور کپکپا رہا تھا۔ "پرسکون رہو، منکی"۔ سکول ڈائریکٹر نے سرگوشی میں کہا۔

اساتذہ کی ہلکی پھلکی تالیوں کے دوران، میں واپس اپنی نشست تک آ گیا۔ کچھ طلبہ اور مہمان بھی تالیاں بجا رہے تھے۔

میرے بعد، پانچواں نمبر رابرٹ سرہوف کا تھا۔ آخری لڑکا جان ڈیپرسٹی تھا۔ جب جان اپنی نشست پر واپس پہنچا تو حاضرین میں سے ایک ڈچ واعظ، ڈیپرسٹی نے اسے بڑی محبت سے گلے لگایا اور پاس ہونے پر مبارک دی۔ واعظ کی بیوی نے بھی اسے مبارک دی۔ اگر انالیز کو روایات کا علم ہوتا تو وہ بھی مجھے مبارک دیتی۔

پارٹی کی ابتدا بائبل کے ایک کھیل سے ہوئی جس میں پہلی اور دوسری کلاس کے طلبہ نے حصہ لیا۔ کھیل کا عنوان تھا "داؤد اور بادشیبا"۔ ڈرامہ ایک ٹیچر کی مدد سے منظم کیا گیا تھا۔

تمام حاضرین اور طلبہ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ انالیز میرے برابر ہی بیٹھی تھی۔

ڈرامہ شروع ہونے سے پہلے سکول ڈائریکٹر نے مجھے ٹاؤن بی سے آیا ہوا ایک تہنیتی ٹیلی

گرام دیا۔ جس میں جزائر میں دوم آنے پر مجھے مریم، سارہ اور ہربرٹ ڈی لاکروکس کی جانب سے دلی مبارک دی گئی تھی۔ یوں لگا جیسے انہیں میرا رزلٹ، مجھ سے بھی پہلے معلوم ہو چکا تھا۔ ڈائریکٹر نے بڑے دوستانہ انداز میں انالیز سے بھی ہاتھ ملایا۔ میں ذہنی طور پر پریشان تھا کہ کہیں ڈائریکٹر کوئی الٹا سیدھا جملہ کہہ کر انالیز کی بے عزتی نہ کردے مگر اس کے لہجے میں خلوص نظر آ رہا تھا۔

"ڈائریکٹر، کیا آپ، اساتذہ اور ساتھی طلبہ، اگلے بدھ کو ہونے والی ہماری شادی میں شرکت کی دعوت قبول کریں گے، شام کے سات بجے؟"

"اتنی جلدی"۔ انہوں نے دوبارہ ہم دونوں سے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ انالیز نے ان کی مبارک کا جواب خاصی سرد مہری سے دیا۔ ظاہر ہے ڈاکٹر مارٹی نیٹ کی وضاحت یاد آ جانے پر، یہ بات ناقابل فہم تھی بھی نہیں۔ انہوں نے اپنی خوشی کے اظہار کے لئے، مجھے جوش سے جھنجھوڑ ڈالا اور پھر تالی بجانے لگے تاکہ سب حاضرین ہماری جانب متوجہ ہو جائیں۔ کیا میں اس کا اعلان کردوں؟"

"بہت بہت شکریہ جناب، بے شک اسے سرکاری دعوت کے طور پر، سب سے کہہ دیجئے"۔

"چھپے ہوئے دعوت نامے کیوں نہیں؟"

"بلاوجہ کی رکاوٹ نہ آ جائے جناب اس لئے۔ پرانے تجربات کے خوف سے ------"

ماجدہ پیٹرز نے، جو پاس ہی بیٹھی سن رہی تھیں، اٹھ کر ہم سے کچھ کہے بغیر، زور سے ہاتھ ملائے۔ پتہ نہیں اس وقت ان کی سوچیں کہاں کہاں بھٹک رہی تھیں۔ بہرحال ان کی آنکھیں تیزی سے نہیں جھپک رہی تھیں۔

ڈائریکٹر اپنی جگہ چلے گئے سٹیج سے اعلان ہوا کہ پہلا سین شروع ہونے کو ہے۔ آہستہ آہستہ پردہ اٹھا۔ ہماری آنکھوں کے سامنے ایک پتھریلا میدان پھیلا تھا، جہاں غالبا "شیبا کو نہانا تھا اور اسی جگہ داؤد کو اس کی جھلک دیکھنا تھی۔ مگر پردہ پوری طرح اٹھنے کے باوجود شیبا دور دور تک نظر نہیں آ رہی تھی اور وہی داؤد پیغمبر۔ لوگ حسین ودلکش شیبا کو دیکھنے کے لئے اپنی گردنیں ادھر ادھر گھمانے لگے۔ اس پتھریلی جگہ سے شیبا کے بجائے ڈائریکٹر ہنستے مسکراتے، اپنی ٹائی ٹھیک

کرتے ہوئے نمودار ہوئے۔لوگ بے ساختہ قہقہے لگانے پر مجبور ہوگئے۔ڈائریکٹر بھی کھسیانی ہنسی ہنسنے لگے۔اس نے قبا اور بلا دستار داؤد نے (ٹائی انہوں نے بہرحال لگائی ہوئی تھی) حاضرین سے معذرت چاہی۔ان کے کہنے کے مطابق اگر یہ اعلان ڈرامے کے بعد کیا جاتا تو اس کی اہمیت کا اندازنہ ہو پاتا۔اس کے بعد انہوں نے ہماری دعوت کا باقاعدہ اعلان کیا۔بعض لوگوں نے ذرا ہچکچاتے ہوئے اعلان کا خیر مقدم کیا۔

"اساتذہ اور طلبہ کے علاوہ، گرجویٹس کو بھی مدعو کیا گیا ہے۔اگر کوئی ہیں تو؟"

بکھرا بکھرا قہقہ ابھرا۔

"ان تمام لوگوں کی طرف سے۔۔۔۔۔۔جو غالبا "فی الفورا پنے گھر لوٹنے کی وجہ سے یا اپنے پہلے سے موجود منصوبوں کی وجہ سے شادی میں شریک نہیں ہوسکیں گے۔۔۔۔۔۔میں سرا بیا ایچ بی ایس کے ڈائریکٹر کی حیثیت میں، دلہا اور دلہن کو شادی کی مبارک پیش کرتا ہوں اور ان کی خوش وخرم زندگی کے لئے دعا گو ہوں۔شکریہ!"

اس کے بعد وہ تیزی سے بادشیا کے قریب سے جو پردے کی اوٹ سے شاید حالات کا جائزہ لے رہی تھی۔گزرتے ہوئے پردے کے پیچھے غالب ہوگئے۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔

ہم اپنی شادی کی رسومات انتہائی سادگی سے ادا کرنا چاہ رہے تھے مگر اسکول پارٹی میں اعلان ہونے کے بعد یہ زبردست پارٹی کی شکل اختیار کرگئیں۔نیائے نے فورا "اس کی منظوری دے دی۔وہ انالیز کی زبانی سکول میں شادی کے اعلان کا سن کر بے پناہ خوش ہوئی تھیں۔

یہ پارٹی امتحان میں تمہاری عالیشان کامیابی کے جشن کے طور پر بھی ہوگی بیٹا، اتنی بہت سے مشکلات کے باوجود، تم نے اتنی شاندار پوزیشن حاصل کی ہے۔تم نے تمام مشکلات پر بالآخر قابو پالیا"۔

اس تقریب سے کچھ دن پہلے امی بھی آ گئی تھیں۔میرے خاندان کی طرف سے بس وہی آئی تھیں۔نیائے ان کا پرانے دوستوں کی طرح، بڑا پرتپاک خیر مقدم ہوگیا۔انالیز سے تو انہیں بہت ہی لگاؤ ہوگیا۔ان کی بہو جو تھی۔وہ چاہتی تھیں کہ انالیز ان کی نظروں کے سامنے بیٹھی رہے اور وہ اس کی تعریفوں کے پل باندھتی رہیں۔اس کی خوبصورتی اور دلکشی کی مالا جپتی رہیں۔

"ہاں، بہن "انہوں نے اپنی ہونے والی سمدھن سے کہا۔"نواں گنوؤلن کی طرح حسین

وجمیل بچی، شاید بانو ولی سے بھی زیادہ دلکش اور خوبصورت۔ یااللہ ! میں نے تو بہن، کبھی سوچا نہیں تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم میرے بیٹے کو اپنا داماد بناؤ گی۔ میں تمہارا یہ احسان زندگی کے بعد بھی نہیں بھول سکوں گی، بہن۔۔۔۔۔"

"ہاں بہن، انہیں ایک دوسرے سے پیار بھی تو بہت ہے۔ میں البتہ یہ معافی ضرور چاہوں گی کہ میری بیٹی کی کوئی قومیت نہیں ہے۔ اس کا تعلق۔۔۔۔۔"

"بہن، جب اتنی پری وش دوشیزہ ہو تو اسے اور چاہئے بھی کیا؟"

شام کو امی نے مجھ سے سرگوشی میں کہا: "اتنی خوبصورت بیوی مل رہی ہے تمہیں، بڑے خوش قسمت ہو تم!"

تمہارے بزرگوں کے زمانے میں تو اتنی خوبصورت عورت کے پیچھے زبردست جنگیں شروع ہو جاتیں"۔

"امی، آپ کا کیا خیال ہے، اسے حاصل کرنے کے لئے مجھے جنگ نہیں لڑنا پڑی؟"

"ہاں، ہاں، صحیح کہتے ہو بیٹا اور پھر تمہیں کامرانی بھی تو زبردست ملی"۔

اسلامی طریقے سے ہماری شادی ہوئی۔ اسلامی قانون کے مطابق ڈارسم نے انالیز کے گارڈین اور گواہ کے فرائض انجام دیئے۔ صبح کے نو بجے تقریباً ہمارا نکاح ہوا۔ روایت کے مطابق، اظہارِ تشکر کے طور پر، ہم دونوں مما اور امی کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھے۔ وہ دونوں محبت اور شفقت سے ہمارے سر پر ہاتھ پھیر کر ہمیں دعائیں دے رہی تھیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو، موسلادھار بارش کی طرح گر رہے تھے۔ انالیز کی بھی سسکیاں نکلنے لگیں۔ شاید وہ باپ کی کمی محسوس کر رہی ہو۔ اتنی خوشی، مسرت و انبساط کا لمحہ اور سر پر باپ کا دستِ شفقت نہیں۔ شاید!

امی اور مما نے ایک دوسرے کے شانوں پر ہاتھ رکھے، لمحے بھر ایک دوسرے کو دیکھا، دونوں کی آنکھوں میں آنسو ٹھہرے ہوئے تھے اور پھر وہ ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئیں۔ ایسے لمحوں میں آنسو ہی شاید حقیقی انسانی جذبات کے عکاس ہوتے ہیں۔ ایسے جذبات میں دکھ بھی ہوتا ہے، مجروح تجربات بھی اور نہ جانے کیا کیا؟ شاید لوگوں کو اپنا جنم یاد آ جاتا ہے: خالی ہاتھ، ننگے بھنگے، نہ کوئی نمود و نمائش اور نہ کوئی تہذیب!

نکاح کے بعد ایک مختصر سی کھانے پینے کی تقریب ہوئی اور اس کے بعد حقیقی پارٹی کا آغاز ہوا۔ ہماری کمپنی کے دیہات کے باشندوں کے لئے، یہ ایک بڑی تقریب تھی۔ دھان خشک کرنے

والا سارا احاطہ شامیانوں سے ڈھک دیا گیا تھا۔ ہر کارکن کو باتنخواہ چھٹی دی گئی۔ مویشی چرانے والوں کو تقریب میں شریک نہ ہو سکنے کی وجہ سے تین گنا اجرت دی گئی۔ پانچ بچھڑے ذبح کیے گئے۔ تین سو مرغیاں اپنی جان سے گئیں۔ دو ہزار پچیس انڈے بنائے گئے۔ اس دن کا سارا دودھ تقریب کے لئے استعمال ہوا۔ کمپنی کی ہر گاڑی اور بگھی، چاہے زیر استعمال تھی یا نہیں، خوبصورت رنگین جھنڈیوں سے سجائی گئی۔

وونوکروموکے باشندوں نے شادی کی اتنی عظیم الشان تقریب کبھی نہیں دیکھی تھی۔

انالیز نے ایک دفعہ مجھ سے کہا تھا: اس شادی کی تقریب پر میں، مما جو بھی مانگوں گی، وہ ہنسی خوشی دیں گی۔ ان کی خواہش ہے کہ میری خوشی میں زیادہ سے زیادہ لوگ شامل ہوں تا کہ مجھے ساری زندگی کسی کمی کا احساس نہ ہو۔

انالیز یا مما کو کسی بری کی خواہش نہیں تھی۔ اور بھلا چاہئے بھی کیا؟ مما نے کہا تھا۔ انالیز کو اپنے ہونے والے شوہر کی شکل میں سب کچھ مل چکا تھا: بری وغیرہ کا مسئلہ تو یہی ہوا، بقول انالیز جیسے مجھے اپنے شوہر سے کوئی چیز ملنے کی کمی رہ گئی۔ تاحیات وہ میرا اپنا رہے گا، یہ وعدہ کیا کم ہے۔

شام پانچ بجے، میرے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔ پرانی وضع قطع کے صاف ستھرے کپڑے پہنے، جان ڈیپرسٹی میرے سامنے موجود تھا۔

"معاف کرنا، منکی۔ میں شاید ذرا جلدی آ گیا۔ لیکن میں تمہاری مدد کرنے کے خیال سے، جان بوجھ کے جلدی آ گیا ہوں "اور دھڑام سے ایک کرسی پر اس طرح گر گیا جیسے پندرہ سال سے وہ کرسی پر کبھی بیٹھا ہی نہیں۔ شکایتی لہجے میں اس نے بات جاری رکھی۔ تم یقیناً ماہ مئی کے بیٹے ہو، جو چاہا تمہیں مل گیا۔ جس کام میں بھی ہاتھ ڈالا، کامیاب ہو گئے اور چند سالوں میں تم بوپاتی بن جاؤ گے"۔

"تم کسی بدقسمت بچے کی طرح اپنے مقدر کا رونا لے کر کیوں بیٹھ گئے؟"

"صحیح سمجھے، میں مما پاپا کو چھوڑ آیا ہوں۔ وہ یورپ جانے کے لئے بحری جہاز میں سوار ہوئے۔ جب جہاز روانہ ہونے لگا تو میں نے سمندر میں چھلانگ لگا دی اور تیرتا ہوا، کنارے پر

واپس آ گیا۔ ایک لے پالک لڑکے کو بھلا اپنے مستقبل کی تابناکی کا کیا علم ۔۔۔۔۔۔؟"

"میں اس طرح کی ملامتی گفتگو تمہارے منہ سے بارہا سن چکا ہوں"۔

"معذرت خواہ ہوں، خصوصا "ایسی خوشی کے موقع پر، یہ اچھا بھی نہیں لگ رہا۔ لیکن بھائی میری مدد کرو۔ میں جاوا سے نہیں جانا چاہتا۔ میں نہ ڈچ ہوں اور نہ ہی انڈو"۔

"یہ بات بھی میں بارہا سن چکا ہوں"۔

"ہاں، ایک اور بات بھی ہے، میں ڈیپرسٹی کے نام سے کبھی بھی خود کو خوش محسوس نہیں کرتا"۔

واعظ ڈیپرسٹی کا کوئی بچہ نہیں تھا۔ جان بہت چھوٹا تھا جب انہوں نے اسے گود لیا تھا۔ اسے بپتسمہ دلایا۔ اپنا خاندانی نام دیا۔ تبھی سے اسے جان ڈیپرسٹی کہا جاتا تھا۔ اس سے پہلے اس کا کیا نام تھا، اسے خود بھی معلوم نہیں تھا۔ واعظ نے عدالت کے ذریعے اسے لے پالک بنانے کی سخت کوشش کی مگر قانون میں لے پالک بچے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ چنانچہ معاشرے نے اس نام کو ضرور قبول کر لیا مگر قانونا "اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

"میں بچپن ہی سے بہت ڈرپوک ہوں۔ تم بھی یہ بات جانتے ہو۔ ڈیپرسٹی کے نام سے مجھے کوئی خوشی نہیں ہوتی"۔ ہاں، یہ بات ہمارے دوستوں کو معلوم تھی۔ بعض لڑکوں نے ڈیپرسٹی کی جگہ اسے لافسٹی (ڈرپوک) کہنا شروع کر دیا۔ اگر اس کی یہ بات درست تھی تو اسے اس نام سے نجات حاصل کر کے، خود کو ایک بہادر آدمی ثابت بھی کرنا تھا۔ اس نے سمندر میں چھلانگ لگا دی اور اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر بھاگ آیا، مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"تو اب کس کے پاس رہ رہے ہو؟ "میں نے پوچھا۔

"بس کبھی یہاں، کبھی وہاں ۔۔۔۔۔۔ میں یہاں سرابیا میں نوکری کی تلاش میں ہوں۔ ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ڈپلومے پر بھی ڈیپرسٹی کا نام ہے۔ اب کیا ساری زندگی، اسی نام ساتھ، گھسٹتا پھروں؟"

"تم اپنا نام بدل سکتے ہو"۔

"ہاں، مجھے علم ہے۔ پچھلے سال، میں اس سلسلے میں معلومات کرتا رہا ہوں"۔

"پھر؟"

"ریذیڈنٹ کو درخواست دینا پڑتی ہے جو اسے گورنر جنرل کے پاس بھیج دیتا ہے"۔

"تو تم نے اب تک یہ کام کیوں نہیں کیا؟ "وہ کسی ان پڑھ آدمی کی طرح کچھ دیر بے وقوفانہ انداز میں میرا منہ تکتا رہا۔ منہ ہی منہ میں اس نے شاید کچھ کہا بھی اور پھر اپنا چہرہ دوسری جانب کرلیا۔

"اچھا، کرنہیں سکتے تھے؟ چلو، تم سرکاری خطوط کا دوسرا طریقہ استعمال کرسکتے ہو؟"

"ڈیوٹی سٹیمپ، منکی، اس نام سے نجات حاصل کرنا، خاصا مہنگا سودا ہے۔ صرف درخواست پر ٹکٹیں ڈیڑھ گلڈرز کی لگ جائیں گی۔ پھر فیصلے کے خط کے لئے ڈیڑھ گلڈرز مزید درکار ہوں گے۔ میں تو سوچ سوچ کر تھک گیا ہوں۔۔۔۔۔۔"

"تم نے یہ کام ابھی تک کیا کیوں نہیں؟"

"حد ہے بھئی، منکی اب تم اتنے بھی ناسمجھ نہیں ہو۔ آخر تین گلڈر، میں کہاں سے لاتا؟ اور ڈاک کا خرچ علیحدہ"۔

"تم نے پہلے ہی صرف اتنی بات کیوں نہیں کہی تھی کہ پیسے کہاں سے لاتا؟ یہ زیادہ آسان نہیں تھا؟"

"منکی، معاف کرنا یار، پریشانی، گھبراہٹ میں اتنی اوٹ پٹانگ باتیں کرگیا اور وہ بھی اس خوشی کے موقع پر"۔

"تمہیں میری خوشی پر افسوس نہیں"۔

"نہیں، میں انتہائی خلوص اور دیانت سے کہہ رہا ہوں۔ خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے"۔

"تو پھر میری خوشی میں حصہ لو"۔

"اسی لئے تو آیا ہوں یہاں"۔

"سنو۔۔۔۔۔ مما کاروبار کو پھیلانا چاہ رہی ہے۔ وہ مصالحہ جات کا کام بھی کریں گی۔ تم ان کے ساتھ کام کرو۔ کرو گے نا کام؟ ہاں۔ اسی دوران اپنے نام کی تبدیلی کے حکم کا انتظار بھی کرتے رہو"۔

"شکریہ منکی، تم ہمیشہ میرے کام آتے ہو۔ لیکن گورنر جنرل کے خط کے لئے تو درخواست بھیجنا پڑے گی۔ میں نے ابھی درخواست تک نہیں لکھی۔ نئی کمپنی کا سربراہ ایک مقامی آدمی ہے۔ وان ڈورنن باش نام ہے اس کا۔ میں اس سے تمہارا تعارف کرا دوں گا۔ میں خود ہی دیکھ لوں گا یہ سارا مسئلہ"۔

اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ سر اس کا جھکا ہوا تھا اور وہ بول نہیں پا رہا تھا۔

"ارے یار خاموش نہ بیٹھو۔ باتیں کرو، ابھی خاصا وقت پڑا ہے"۔

"شکریہ منکی اور بھی باتیں ہیں۔ تم میری حالت کا اندازہ لگا ہی سکتے ہو۔ میری رہائش، منکی اور سرابیا میں آنے جانے کے اخراجات؟"

امی مجھے تیاری میں مدد دینے کے لئے کمرے میں آئیں۔ قابل احترام ماں نے اس دن کو دیکھنے کے لئے نہ جانے کتنے ارمان دل میں پالے ہوں گے۔ کس ماں کو اپنے بچے پر اتنا فخر ہوگا، جتنا انہیں تھا اور اب اسی بیٹے کو، وہ دلہا بنانے جا رہی تھیں۔ ان کے دونوں ہاتھوں میں خوبصورت پھولوں کی ٹوکریاں تھیں۔ جان ڈیپرسٹی نے ان کی جانب خالی خالی نگاہوں سے دیکھا۔ امی اسے دیکھ کر کچھ پریشان ہوگئیں۔

"یہ میری امی ہیں جان"۔ میں نے کہا۔

یہ سن کر اس نے زبردستی اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجائی اور احتراما "ان کے سامنے سر جھکا لیا۔

"امی ڈچ نہیں جانتیں"۔ میں نے اسے یاد دلایا۔ جان نے فورا "جاوی میں باتیں کرنا شروع کر دیں۔ میں یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ میں نے امی کو بتایا کہ جان نے بھی میرے ساتھ ہی امتحان پاس کیا ہے۔ اور یہ واعظ کا بیٹا ہے۔

"سابقہ لے پالک بیٹا، واعظ کا"۔ اس نے میری تصحیح کی۔

"بیٹا معاف کرنا میں اپنے بیٹے کو تیار کرنا چاہتی ہوں"۔

"ماں جی، مجھے بھی مدد کرنے کی اجازت دیجئے"۔

"بہت بہت شکریہ بیٹا۔ اپنے بیٹے کا یہ آخری کام ہے، جو ماں کو ہی انجام دینا چاہئے۔ تم کچھ دیر کے لئے ہمیں تنہا چھوڑ سکتے ہو؟"

جان نے التجائیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ وہ خاصا تھکا ہوا لگتا تھا اور غالبا "بھوک نے بھی اس کا حشر کیا ہوا تھا۔ میں اس کا رویہ اچھی طرح سمجھ سکتا تھا۔ میں نے ڈارسم کے نام ایک رقعہ لکھا کہ وہ فوری طور پر جان کی ضروریات کو دیکھے۔ "ڈارسم کو ڈھونڈ لو"۔ اس نے رقعہ لیا اور وہاں سے چلا گیا۔

چھ بج گئے تو میں نے کمرے کا گیس ہیٹر جلا دیا۔ کمرے میں روشنی پھیل گئی۔

امی نے میرے چہرے، گردن، چھاتی اور بازوؤں پر نامعلوم محلول لگا کر رگڑنا شروع کر دیا۔ "پرانے زمانے میں "امی نے حسب عادت بولنا شروع کر دیا۔ جب میں چھوٹا سا تھا، اس وقت بھی، وہ میرا کوئی کام کرتے ہوئے، باتیں کرتی جاتی تھیں۔ "میری بہو جیسی دوشیزاؤں کے پیچھے ملکوں میں خوفناک جنگیں چھڑ جایا کرتی تھیں۔ ہمارے بزرگوں میں ضرب المثل مشہور تھی: سلطنتوں کو فتح کرنے کا مقصد ہی یہ ہوتا تھا کہ ان کی شہزادیوں کو حاصل کیا جائے۔ اب تو حالات بہت سدھر گئے ہیں۔ تمہاری دادی کا بچپن تو دور کی بات ہے۔ میرے بچپن میں بھی اتنی اچھی صورت حال نہیں تھی۔ ڈچ حالانکہ بے پناہ طاقتور ہیں لیکن انہوں نے ہمارے بادشاہوں کی طرح، لوگوں کی بیویوں اور بیٹیوں کو چوری نہیں کرایا۔ اگر بیٹا تم اس زمانے میں پیدا ہوئے ہوتے تو تمہیں اپنی فرشتہ صفت بیوی کی خاطر مسلسل میدان جنگ میں رہنا پڑتا۔ شاید وہ فرشتوں سے بھی زیادہ خوبصورت ہو۔ اس کے رخسار، اس کے ہونٹ، اس کی پیشانی، اس کے ناک، کان غرض ہر چیز موم سے تراشی لگتی ہے اور تراش خراش بھی ایسی کہ خوابوں کی ملکہ نظر آتی ہے۔ وہ کتنی خوش قسمت ہوں کہ مجھے ایسی انمول دلہن ملیں بیٹا، سچ یہ ہے کہ تم نے مجھے خوش کر دیا"۔

"امی، یہ آپ کی بہو، آپ کو ذرا بھی جاوی نہیں لگتی؟"

"تم تو خوش ہونا اس سے؟ خوش و خرم رہو بیٹا۔ لیکن ذرا آنکھیں کھلی رکھنا۔ اتنی خوبصورت اور حسین لڑکی۔۔۔۔۔۔۔ دیوتا دیکھیں تو ان کی بھی رال ٹپک پڑے۔

امی میرے بدن کی مالش کرتی رہیں اور باتیں بھی چلتی رہیں۔

خوش قسمت ہو تم کہ تمہیں اپنے بزرگوں کی طرح مسلسل، اس کی خاطر، لڑنا نہیں پڑ رہا"۔

"امی"۔

"میں اگر اسے ٹاؤن بی لے جا سکوں تو ہر گھر کا بچہ بچہ اسے دیکھنے اور مبارک باد دینے باہر نکل آئے گا۔ ارے ہاں، تم لوگ کچھ عرصے بعد ٹاؤن بی آ ؤ گے نا؟"

"نہیں۔ امی"۔

"اچھا، میں سمجھ گئی۔ تو بیٹا ماں کو ہی آنا پڑا کرے گا تمہیں دیکھنے کے لئے، اپنی بہو اور اپنے پوتوں کو دیکھنے"۔

"ابو کو اس پر اعتراض ہوگا امی"۔

"سس۔ چپ تو تم نے اپنی بیوی کو اپنے دانت گھسوانے سے منع کر دیا ہے کیا؟ "اس کے تیز دانتوں سے تمہیں گھبراہٹ نہیں ہوتی کیا؟"

"امی، اس کے دانت اسی طرح رہنے دیں جیسے قدرت نے اسے عطا کئے ہیں"۔

"ڈچ دانت ہیں بالکل، کسی جن کے بڑے دانتوں کی طرح"۔

"امی، اس طرح کیوں رگڑے جا رہی ہیں مجھے، جیسے میں کبھی نہایا ہی نہیں"۔

"ہش میں تمہاری شادی کے دن، تمہیں دیوتاؤں کے بیٹے جیسا دیکھنا چاہتی ہوں تا کہ آئندہ کبھی بھی میرے یا تمہارے دل میں کوئی پچھتاوا نہ آئے"۔

"دیوتاؤں کا بیٹا ہونے کا آخر فائدہ کیا ہے امی؟"

"ارے نہیں بھئی، یہ ضروری نہیں کہ دیوتاؤں کے بیٹے ہی نظر آؤ۔ تمہاری شادی پر، تمہارے بزرگوں کی روحیں، تمہیں دعا دینے کے لئے، یہاں اکٹھی ہوں گی۔ میں اپنے بچے کو سنوارنے اور سجانے کا یہ موقع کیسے ضائع کر دوں۔ تصور تو کرو، میں اپنے بیٹے کو کسی جاوی سپہ سالار کی طرح، شادی کے تخت کی جانب بڑھتے دیکھ کیا محسوس کر رہی ہوں گی اور اگر میرے مرنے کے بعد میرے پوتا پوتی، ماں باپ کی غفلت کی وجہ سے، سچے جاوی نظر نہ آئے تو میں کیا محسوس کروں گی؟"

"کیا ڈچ لوگوں کے اجداد کی روحیں بھی ان کی شادیوں میں شریک ہوتی ہیں؟"

"ہش، تمہارا ڈچ لوگوں سے کیا واسطہ؟ تم ابھی پوری طرح جاوی نہیں بنے۔ تمہیں ابھی تک اپنے اجداد کا احترام کرنا نہیں آیا۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ تم زبردست لکھاری بن گئے ہو۔ لیکن کہاں ہیں تمہاری وہ نظمیں جنہیں، تمہاری یاد آنے پر، میں گا سکوں؟"

"میں جاوی میں نہیں لکھ سکتا امی"۔

"اگر تم اندر سے جاوی ہوتے تو تم جاوی میں لکھ رہے ہوتے۔ تم ڈچ میں لکھتے ہو بیٹا، کیونکہ تم جاوی رہنا ہی نہیں چاہتے۔ تم ڈچ لوگوں کے لئے لکھتے ہو۔ تم انہیں اتنی زیادہ عزت کیوں دیتے ہو؟ وہ بھی ہماری زمین سے کھاتے پیتے ہیں۔ تم تو ڈچ سرزمین سے کھانے پینے کے محتاج نہیں ہو۔ کیوں؟ آخر کیوں تم ان پر اتنی توجہ دیتے ہو؟"

"جی ہاں امی"۔

"کیا ہاں ہاں لگا رکھی ہے؟ تمہارے اجداد، جاوی کے بادشاہ، سبھی جاوی میں لکھا کرتے

تھے غالبا " تمہیں اپنے جاوی ہونے پر شرم آتی ہے۔ یہ دکھ ہوتا ہے کہ تم ڈچ کیوں نہیں ہو؟"

امی کے نرم اور لطیف لہجے میں کہے ہوئے ان الفاظ کی چبھن کچھ کم نہیں تھی میں بڑا بے وقوف ہوتا اگر میں امی کی باتوں کا جواب دینے کی کوشش کرتا۔ جی ہاں، ہر شخص مجھ پر ہی چڑھائی کئے جاتا ہے اور اب امی بھی شروع ہو گئیں۔ انہیں میری عادت کا پتہ تھا کہ میں جواب نہیں دوں گا۔ اب تو وہ اجداد کی روحوں سے باتیں کر رہی تھیں۔ میرے لئے ان سے معافی چاہ رہی تھیں۔ میں ان کا پسندیدہ بیٹا، کہیں دیوتاؤں کے غضب کا نشانہ نہ بن جاؤں۔ قربان جاؤں اپنی امی کے۔ انہوں نے کبھی مجھ پر کوئی بات زبردستی نہیں ٹھونسی۔ میرا دل نہیں دکھایا۔ نہ کبھی مارا اور نہ کبھی سخت سست کہا۔ انگلی تک نہیں لگائی کبھی۔

"ہاں تمہیں، یہ جوڑا پہننا ہے۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے تمہارے لئے، آج کے دن کے لئے۔ چار سال تک میں نے اسے ایک خاص بکس میں رکھے رکھا۔ ہر ہفتے اس پر یاسمین کے پھولوں کا عرق چھڑکتی تھی۔ مقدمے کی اخباری رپورٹیں اور تمہاری کہانی سننے کے بعد میں نے اس کپڑے کے دو حصے کئے۔ ایک تمہارے جوڑے کے لئے اور دوسرا تمہاری دلہن کے لئے۔ اپنی ماں کے ہاتھ کی کڑھائی تو دیکھو ذرا بیٹا اور ہاں سالوں سے بسی ہوئی یاسمین کی خوشبو بھی"۔

سو میں نے کپڑے کو دیکھا اور اس کی خوشبو بھی سونگھی۔

"بہت پیارا ہے امی۔ کمال کی خوشبو بسی ہے اس میں۔ لگتا ہے دھاگوں کی تہوں تک میں اتر گئی ہے"۔

"ارے بیٹا، اس بوتیک کے بارے میں تم بھلا کیا جانو"۔ انہوں نے یہ کہتے ہوئے جان بوجھ کر میری طرف نگاہ نہیں اٹھائیں۔ انہیں پتہ تھا کہ میں جھوٹ موٹ کا منہ بنالوں گا۔ "اپنے ہاتھوں سے میں نے اسے سرخ اور نیلا رنگ دیا ہے اور یہ نقش و نگار بھی سب میری اپنی محنت کا نتیجہ ہے بیٹا۔ ذرا دوبارہ سونگھنا، ڈائی کی خوشبو بھی تمہیں ابھی تک محسوس ہوگی"۔ یہ کہتے ہوئے انہوں نے میری ناک میں ٹھونس ہی دیا۔

"واقعی، امی مزیدار ہے"۔

"بیٹے، کیا بتاؤں میں کتنی خوش ہوں ! تمہاری ہوشیاری بھی دیکھ رہی ہوں، مجھ بوڑھی ماں کو خوش کرنے کے لئے۔ جھوٹ موٹ کہے جا رہے ہو"۔ اس دفعہ بھی میرا منہ بن جانے کے

خوف سے امی نے میری طرف نگاہ نہیں اٹھائی۔ "مجھے معلوم تھا یہ جوڑے بنانا میری بہو یا سمدھن کے بس کی بات نہیں۔ سو یہ کام مجھے ہی کرنا پڑا۔ جب میں چھوٹی تھی بیٹا، اس زمانے میں جس عورت کو کڑھائی سلائی نہیں آتی تھی، اسے بے کار عورت سمجھا جاتا تھا"۔

"امی، آپ کی کڑھائی تو بہت نفیس ہے۔ اسے بنانے میں آپ کو مہینہ تو لگا ہی ہوگا؟"

"دو مہینے لگے۔ دو جوڑے ہیں نا۔ اسی موقع پر پہننے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ آج کے بعد، اگر تم انہیں اٹھا کر پھینک دو، تو تمہاری مرضی"۔

"نہیں امی میں ساری زندگی انہیں حفاظت سے رکھوں گا"۔

" کتنی ہوشیاری سے مجھے خوش کئے جا رہے ہو تم۔ یہ لفظ انتہائی محبت کرنے والے بیٹے کے ہی ہو سکتے ہیں۔۔۔۔۔۔ یہ پھولوں کی لڑیاں، یہ سہرا بھی، تمہاری ماں نے ہی بنایا ہے تمہارے لئے اور یہ کیرس (Karis) تمہاری دادی کی نشانی ہے۔ یہ سینکڑوں سال پرانا ہے۔ ماتا رام، پاجانگ سے بھی پہلے کا، شاید ماپاہت کے دور کا ہے یہ بیٹا"۔

"امی، آپ کو یہ سب کہاں سے معلوم ہوا؟"

"ہش، ایک تو تم الٹی سیدھی ہانکنے لگ جاتے ہو۔ تمہیں یاد نہیں، دادی ماں کے گھر میں شجرہ نسب بتایا جاتا تھا۔ تم نے ان کی باتیں غور سے سنیں ہی نہیں۔ تمہاری اپنی غلطی ہے۔ شاید صرف ڈچ لوگوں کی باتیں ہی تمہیں زیادہ اہم لگتی ہیں۔ یہ کیرس، تمہارے ابو کے علاوہ، تمہارے سارے بزرگوں نے استعمال کیا ہوا ہے۔ اب یہ کیرس تمہارے لئے تیار کیا گیا ہے بیٹا۔ آہ کیسے بتاؤں تمہیں؟ سچ، کچھ سمجھ نہیں آتا۔ اپنی اس جاہل ماں کو معاف کر دینا بیٹا"۔

"امی"۔

" کوئی ڈچ یہ کیرس تیار نہیں کر سکتا۔ بیٹا، شاید کوئی بھی اسے کبھی بتا نہیں سکے گا۔ اسے کھول کر دیکھو اندر اسے بنانے والے فن کار کے انگوٹھوں کے نشان تمہیں نظر آئیں گے"۔

میں اس وقت شادی کا جوڑا پہن رہا تھا۔ سو میں نے کہا:

"امی، ذرا یہ کیرس باہر نکالیں، میں بھی تو دیکھوں کیا چیز ہے یہ؟"

"ہش، لگتا ہے جاوا سے تمہارا کوئی ناتا باقی ہی نہیں رہا۔ کیا تم اسے کچن کے چاقو کی طرح سمجھتے ہو؟"

میں نے امی کی آنکھوں میں آنسو تیرتے دیکھے تو فوراً "پاجامہ باندھتا ہوا، ان کی طرف

بڑھا اور ان کے قدموں میں جھک گیا۔ "امی مجھے معاف کر دیں میں دل سے معافی چاہتا ہوں پیاری امی"۔

امی پیچھے ہٹیں۔ انہوں نے دوپٹے سے اپنے چہرے پر موجود آنسو پونچھے۔

"اتنا آگے نہ چلے جایا کرو بیٹا۔ اپنے وطن جاوا سے اتنی زیادہ غیریت بھی ٹھیک نہیں۔ بھلا ہمارے ہاں کوئی عورت بھی کبھی خنجر اس کی نیام سے نکال سکتی ہے؟ کیرس صرف مردوں کے لئے ہوتا ہے۔ عورتوں کے استعمال میں آنے والا خنجر کیرس نہیں کہلاتا۔ اتنی بے حرمتی نہ کرو۔ ایسی چیز، تم چاہنے کے باوجود بھی بنا نہیں سکتے۔ اپنے سے بہتر فن کاروں کا احترام کرنا چاہئے تمہیں۔ بعد میں آئینہ دیکھنا۔ جب تم یہ خنجر اپنی کمر کے ساتھ لگا لو گے، خود کو بدلا بدلا سا محسوس کرو گے۔ تم خود کو اپنے اجداد کی طرح لگو گے، اپنے مبدا کے، اپنے ماخذ کے زیادہ قریب ہو گے"۔

غرض ان کی باتیں چلتی رہیں۔ بالآخر میرا بناؤ سنگھار ختم ہو گیا۔

"اب وہاں فرش پر بیٹھ جاؤ، اپنا سر جھکاؤ۔۔۔۔۔۔" مجھے پتہ تھا کہ ایسے مواقع پر مزید کیا ہوتا ہے: شادی کی تقریب سے پہلے کی نصیحت اور کوئی بات تھی ہی نہیں۔ نصیحت شروع ہونے جا رہی تھی۔

"تم جاوا کے شاہوں کی اولاد ہو۔۔۔۔۔۔ جنہوں نے سلطنت کی بنیادیں رکھیں اور پھر اسے تباہ بھی کر دیا۔۔۔۔۔۔ تمہارا اپنا خون ایک بہادر سالار کا خون ہے۔ تم ایک سالار ہو۔۔۔۔۔۔ جاوا کے سالار کی کیا خصوصیات ہوتی ہیں؟"

"مجھے علم نہیں امی"۔

"حد ہے، تمہیں صرف ڈچ لوگوں کی سکھائی ہوئی باتیں ہی آتی ہیں۔ جاوی سالار کی پانچ خصوصیات ہوتی ہیں: گھر، بیوی، گھوڑا، پرندہ اور کیرس۔ کیا یہ یاد رہے گا تمہیں؟"

"جی امی، یاد رہے گا"۔

"کیا تمہیں ان الفاظ کے معانی آتے ہیں؟"

"جی امی"۔

"تمہیں ان علاقوں کا بھی پتہ ہے؟"

"نہیں امی"۔

"بیٹا، تمہیں، اپنے ہی ماخذ کا پتہ نہیں۔ خیر غور سے سنو۔ ایک دن تمہیں یہی اپنے بچوں کو

بھی بتانا ہوگا۔۔۔۔۔۔"

"جی امی"۔

"سب سے پہلے گھر، بیٹا گھر کے بغیر کبھی کوئی سورما بن ہی نہیں سکتا۔ وہ آدمی محض آوارہ گرد ہوگا۔ سورما گھر سے جدا ہوتا ہے اور واپس بھی وہیں آتا ہے۔ گھر صرف پتا نہیں ہوتا۔ یہ گھر والوں کے اعتماد کا نشان ہوتا ہے۔ کیوں بیٹا، بور تو نہیں ہو گئے؟"

"میں سن رہا ہوں امی!" انہوں نے میرا کان کھینچا۔

"تم نے اپنے ماں باپ کی کبھی کوئی بات سنی بھی ہے۔۔۔۔۔۔؟"

"سچ کہہ رہا ہوں۔ امی، میں بغور سن رہا ہوں"۔

"دوسری چیز ہے عورت۔ بیٹا عورت کے بغیر "ایک سورما" اپنی مردانہ فطرت کے خلاف چلا جاتا ہے۔ عورت زندگی کی، زندگی کو جنم دینے کی، زرخیزی، خوشحالی اور اچھائی کی علامت ہے۔ وہ صرف شوہر کی بیوی ہی نہیں ہوتی۔ عورت وہ محور ہے جس کے گرد زندگی اور اس کی نشو ونما جنم لیتی ہے۔ اپنی اس بوڑھی ماں کو دیکھو، اسی نقطہ نظر سے اور اپنی بیٹیوں کو بھی اسی طرح پال پوس کر بڑا کرنا"۔

"جی امی"۔

"ڈچ یہ باتیں نہیں جانتے بیٹا۔ لیکن تم جاوی ہو، اس لئے تمہیں یہ سب معلوم ہونا چاہئے"۔

"اور تیسرا ہے گھوڑا، یہ تمہیں کہیں بھی لے جا سکتا ہے۔ تعلیم وتربیت کے لئے، قابلیت و مہارت کے لئے، صلاحیتوں کو جلا دینے اور آگے بڑھنے کے لئے۔ گھوڑے کے بغیر تمہاری جدوجہد توانا اور طویل ہونے کی بجائے مختصر رہ جائیگی۔ تمہارے تخیل میں گہرائی نہیں آسکے گی"۔

ان باتوں سے بھلا اختلاف کی گنجائش کہاں، صدیوں کے تجربات کے نچوڑ ہیں، جو بزرگ چند لفظوں میں ہمیں بتا دیتے ہیں۔ لیکن پتہ نہیں یہ دانش ورانہ باتیں کہی کس نے تھیں۔ بزرگوں نے یا میری امی نے؟

"چوتھی شے ہے پرندہ، خوبصورتی کی علامت، حقائق سے توجہ ہٹانے والا اور زندگی کے طور طریقوں سے غیر متعلقہ، ہر شے کا نشان۔ اس کا تعلق صرف روحانی سکون واطمینان سے ہے اور پانچواں یہ خصوصی خنجر (کیرس) بیدار مغزی اور چوکسی کی علامت ہے، حوصلہ مندی اور بہادری

کا نشان ہے۔ پچھلی چاروں خصوصیات کی مدافعت کے لئے ہے اس کے بغیر، ذرا کوئی مشکل آئی اور چاروں خصوصیات آنا "فانا" نظروں سے غائب اور ختم ہوئیں۔ ایچ بی ایس میں پڑھنے والے، کبھی تمہارے استادوں نے ایسی باتیں سکھائی ہیں تمہیں؟ ان ڈچ دانش وروں نے؟ اب ایک سورما کی حیثیت سے تم یہ باتیں سمجھ گئے نا؟ اگر ان پانچ خوبیوں میں سے کوئی تمہارے پاس نہیں تو اسے حاصل کرو۔ ان چیزوں کو ادھر ادھر منتشر نہ ہونے دو، ان میں سے ہر ایک، تمہاری اپنی خوبی ہے، تمہارا اپنا نشان ہے۔ اپنے بزرگوں کی باتیں غور سے سنا کرو۔ اگر تم دوسرے معاملات میں ان کی باتیں نہیں مان سکتے تو کم از کم ان پانچ خوبیوں کو لازما "اپنے اندر یکجا کرو۔ سن رہے ہو نا بیٹا؟"

"جی امی"۔

"اب ذرا اپنے دھیان میں یکسوئی کے ساتھ، اپنے بزرگوں کی خوشنودی چاہو۔ اپنی حماقتوں پر، ان سے معافی مانگو تا کہ جبر، ظلم وستم، بہتان تراشی، کینہ اور حسد کے خلاف وہ تمہاری حفاظت کریں"۔

میں خاموش، فرش پر نظریں گاڑے، سر جھکائے بیٹھا رہا۔

"اس طرح نہیں، ٹھیک سے بیٹھو۔ آلتی پالتی مار کر، بازو ڈھیلے انداز میں سینے پر رکھو۔ چاہے پہلی اور آخری بار سہی لیکن اچھے جاوی بن کر بیٹھو سر اور نیچے جھکاؤ بیٹا"۔

میں ان کی ساری خواہشات اور احکام کے مطابق عمل کرتا رہا۔ مجھے ایسا لگا جیسے میرے نامعلوم بزرگوں نے واقعی مجھے معاف کر دیا ہے، میرے وہ اجداد میرے تصور میں تو کیا آتے البتہ لمحے بھر کے لئے فاتسو ضرور میرے ذہن میں ابھرا۔ امی نے ذرا جھک کر میرے گلے میں یاسمین کے پھولوں کا ہار پہنایا۔ وہ سسکیاں لے رہی تھیں۔ پھر انہوں نے میرے دونوں ہاتھوں میں پھولوں کے کنگن ڈالے۔ بالکل چپ چاپ، بغیر کوئی لفظ بولے۔۔۔۔۔۔ میری پیشانی پر پیار کیا۔ ساتھ ہی ان کی سسکیاں تیز ہونے لگیں۔ میں نے ان کے آنسو، اپنے رخساروں پر گرتے محسوس کئے اور پھر بے اختیار میں بھی بری طرح رو پڑا۔

میرے بزرگوں کے چہرے، گڈمڈ سے خاکے۔ جو میرے تخیل میں ابھر رہے تھے۔۔۔۔۔۔ نہ جانے کہاں غائب ہو گئے۔ سینے میں موجود جذبات پھٹ پڑنے کو ہوئے اور پھر آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک سیلاب سا امڈنے لگا۔

"اس بچے پر اپنا دست شفقت رکھئے۔ یہ آپ کا اپنا خون ہے۔ آپ کا پسندیدہ بچہ، کیونکہ یہ مجھے بے حد پیارا ہے۔ اس کو جنم دیتے وقت، میں نے اتنی تکلیفیں اٹھائیں کہ موت کے منہ میں جاتے جاتے بچی۔۔۔۔۔۔"

"امی !" میں نے فرش سے اٹھ کر، ان کے پاؤں پکڑ لئے۔

"۔۔۔۔۔۔ میں صرف یہ خوشی دیکھنے کے لئے زندہ تھی۔ یہ بچہ، آپ کا اپنا خون ہے۔ اسے تباہی و بربادی، بہتان تراشی اور لوگوں کی حسد سے بچایئے۔ اسے عظمت، بلندی اور فتح و کامرانی کے قریب کیجئے"۔

امی کے ہاتھ، میں نے اپنی کمر پر محسوس کئے۔ امی کی سسکیاں رک گئی تھیں، انہوں نے میری نشست کا انداز ٹھیک کیا۔ یاسمین کے پھولوں کا ہار اور میرے ہاتھوں میں موجود پھولوں کے کنگن درست کئے۔ اپنے کبایا(قمیص) کے پلو سے انہوں نے میرے آنسو پونچھے۔ میری ٹھوڑی کو ذرا نیچے کیا۔

" گیان دھیان میں، بیٹا، ذرا میری مدد کے بغیر ارتکاز پیدا کرو"۔

مہمان آنے شروع ہو گئے۔ سامنے کا کمرہ، ڈرائنگ روم اور باہر کا شامیانہ، سارے بھرنے لگے۔ امی کی جذباتی باتیں اور ان کی محبت سے پیدا شدہ عجیب سی کیفیت میرے دل پر طاری تھی۔ امی نے جو رسم ادا کی تھی شاید ہی کسی اور دلہا نے ایسی رسم ادا کی ہو۔ غالبا "یہ امی کے اپنے ذہن کی اختراع تھی۔ ممکن ہے یہ رسم خاص طور سے ایسے لڑکے کے لئے ہو جو ماں کے سوا، اپنے پورے گھرانے کا باغی ہو۔

کمار کو خصوصی دعوت دی گئی تھی، وہ ساتھ بجنے سے پانچ منٹ پہلے آیا۔ وہ بڑے پر اعتماد انداز میں مجھ سے ملا اور بڑی گرم جوشی سے بغل گیر ہوا۔ انالیز کو مبارک دی پھر میری جانب مڑ کر کہنے لگا

"اس شادی کے بعد مسٹر منکی، خبیث لوگوں کی گندی زبانیں خاموش ہو جائیں گی۔ لیکن اتنا ہی کافی نہیں۔ تم نے جو کام شروع کیا۔ اسے اچھی طرح نبھایا بھی ہے لیکن ابھی یہ ابتدا ہی ہے، مستقبل میں، ہم اسی طرح مل جل کر کام کرتے رہیں گے۔ ٹھیک ہے نا؟"

" کیوں نہیں، مسٹر کمار، بڑے خوشی سے، ہم بہت اچھے ساتھی بن سکتے ہیں اور ہاں، آپ کی تہنیت کا شکریہ"۔

بڑی کھلی ڈلی فطرت تھی اس انڈو کی۔ صرف اس کے سر کی ہئیت اور نوکیلی ناک اس کے یور پی خون کی چغلی کھاتے تھے۔ ورنہ وہ مقامی ہی لگتا تھا اور ذہنی طور پر تو وہ تھا ہی مقامی۔ وہ غالبا مجھ سے دس پندرہ سال بڑا تھا۔ وہ پھرتیلا اور چست و چالاک لگتا تھا۔ شکل سے صاف پتہ لگتا تھا کہ وہ گھر میں ٹکنے والوں میں سے نہیں ہے۔ جین میریز، مے، مسٹر تلنگا اور ان کی بیگم کرائے کی بگھی میں آئے۔ مس ماجدہ پیٹرز اور میرے سکول کے دوسرے ساتھی بھی اسی طرح آتے رہے۔ مسٹر مارٹن نیامن اور ان کی بیگم اپنی بگھی میں آئے۔

سکول ڈائریکٹر اور دوسرے اساتذہ شادی میں شریک نہیں ہوئے۔ انہوں نے اپنی جانب سے مبارک کا تحریری پیغام مس ماجدہ پیٹرز کے ذریعے بھیجا تھا۔

سات بجنے سے ایک منٹ پہلے، مریم، سارہ اور ہربرٹ ڈی لاکروکس کی جانب سے ایک ٹیلی گرام موصول ہوا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی انہیں بھلا میری شادی کا کیسے پتہ چلا؟

میرے اندازے کے مطابق، رابرٹ سرہوف کا دور دور تک کہیں پتہ نہیں تھا۔ ایچ بی ایس کے دوستوں میں، اس کی غیر حاضری خاصی دیر تک موضوع بنی رہی اور جان ڈیپرسٹی، اپنے نام کی نحوستوں سے تنگ اور پریشان، رضا کارانہ طور پر، ادھر ادھر کے کاموں میں دوڑتا پھر رہا تھا۔

میرے اپنے مہمان انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ جان ڈیپرسٹی غالبا "اکیلا مقامی تھا۔ مما کے جان پہچان والے کاروباری لوگوں کا اچھا خاصا ہجوم ہو گیا تھا۔ حالیہ مقدمے نے، جہاں مما کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے تھے، وہاں ان کے بزنس کو بھی بہت فائدہ پہنچا تھا۔

ڈاکٹر مارٹی نیٹ نے تقریب کے تمام فرائض کی ادائیگی انتہائی خوش اسلوبی سے سرانجام دی۔ ٹھیک آٹھ بجے انہوں نے بڑی فصیح و بلیغ انداز میں اپنی تقریر شروع کر دی۔ انہوں نے میری اور انالیز کی باہمی محبت کا تذکرہ کیا اور اس کے بعد ان مشکلات اور تکالیف کا ذکر کیا۔ جن سے ہمیں گزرنا پڑا۔ دو انسانوں کی محبت کی کسی کہانی میں بھی انہوں نے ایسے مہیب اور دہشت ناک طوفان کے بارے میں نہیں سنا تھا۔ ایک ایسی کہانی جسے کتاب کی شکل دی جا سکے۔ میں ان کے الفاظ اسی طرح یہاں نقل کئے دیتا ہوں۔

"یہ بڑی انوکھی کہانی ہے"۔ انہوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا" شاید یہ کبھی بھی دہرائی نہ جا سکے"۔

اس ظالم ڈاکٹر نے اپنی فصاحت و بلاغت سے، کچھ وقت تو، گویا لوگوں پر سحر طاری کر دیا اور پھر انہیں ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ کسی بھی بات کی اہمیت جتاتے ہوئے وہ اپنے دونوں ہاتھوں کا بھرپور استعمال کرتے۔

افسوس، وہ مالے نہیں بول سکتے تھے۔ اس لئے بہت سے لوگ ان کی خوبصورت زبان دانی سے محروم رہ گئے۔ ہمارے پیار کی خوبصورت کہانی کا تذکرہ ختم کر کے، اچانک انہوں نے ایک اور غیر متوقع موضوع شروع کر دیا۔

"اب اسی خوبصورت تصویری شاہکار کو دیکھیں جو نئے نویلے شادی شدہ جوڑے کے پس منظر میں، سٹیج کی دیوار پر لٹکا ہوا ہے"۔ اور اپنے ہاتھوں کی ایک دلکش جنبش کے ذریعے، انہوں نے تمام حاضرین کو ہمارے اوپر موجود مما کی تصویر کی جانب متوجہ کر دیا۔

یہ تصویر ایک ایسی مقامی خاتون کی ہے، جو اپنے وقت کی انتہائی غیر معمولی خاتون ہے۔ نیائے اونتو سارو ہ بہت عقلمند اور ذہین خاتون، دلہن کی والدہ اور مسٹر منکی کی ساس ہیں۔ وہ انتہائی ذہین اور شوخ طبع شخصیت ہیں۔ وہ ایک ایسی جہاز ران ہیں جو کسی قیمت پر بھی اپنے جہاز کو تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتیں۔ انہی کی ہمت اور جواں مردی کے طفیل، ہمیں آج یہ مسرت بھری تقریب دیکھنے کو مل رہی ہے۔ ایک خوبصورت شہزادی اور ایک چابکدست اور ماہر لکھاری کا شاندار ملن۔ انہیں کی ماہرانہ کپتانی کی بدولت، یہ دونوں ہاتھ جو آج ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہیں، زندگی کی شاہراہ پر، خوش و خرم، شاداں و فرحاں چلتے چلے جائیں گے۔ خوبصورت اور تابناک مستقبل ان کا منتظر ہے۔

اور ہاں، آپ کو پتہ ہے، یہ شاندار تصویر کس کی تخلیق ہے؟ ایک عظیم باصلاحیت فنکار ہے وہ، کوئی عام تصویر بنانے والا نہیں۔ اگر ہم تصویر کا بغور مشاہدہ کریں تو پتہ چلے گا کہ فنکار نے موضوع کی روح کو واقعتاً " سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ وہ ان خاتون کے اندر مخفی عظمت کو رنگوں کے ذریعے منعکس کر رہا ہے۔ میرے الفاظ اس سے زیادہ شاید فنکار کی تعریف کے متحمل نہ ہو سکیں۔ کیوں جناب جین میریز؟ جی ہاں یہ فنکار فرانس کی سرزمین سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ سرزمین جو عظیم فنی روایات کی امین ہے۔ جین میریز، ذرا کھڑے ہوں۔۔۔۔۔۔ "میں نے مسٹر تلنگا کو، جین میریز کو کھڑا ہونے میں مدد دیتے دیکھا۔ لوگ جوش سے تالیاں بجانے لگے۔ فرانسیسی فنکار شرم اور گھبراہٹ کے مارے سرخ ہو گیا اور جلدی سے اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔

ڈاکٹر کی اس چھوٹی سی تقریر نے ہمیں خوش کر دیا۔ یوں لگا جیسے وہ مما اور جین میریز کے لئے کسی پراپیگنڈہ مہم کا آغاز کر رہے تھے۔

میں اپنی نشست پر بیٹھا، ڈارسم کو سیاہ لباس پہنے، کافی دور کھڑے دیکھ رہا تھا۔ اس کی مونچھیں تاؤ کھائے ہوئے، خوب چمکدار لگ رہی تھیں۔ اس کی آنکھیں گویا انتہائی چابکدستی سے ہر سمت نگران تھیں اور مجھے پتہ تھا کہ اس کی قمیص کے نیچے کہیں اس کا خوفناک خنجر بھی چھپا ہوا ہے۔

میری ساس، نیائے اونتو سارووہ، شادی کے تخت کے پیچھے پس منظر میں بیٹھی مسلسل روئے جاری تھیں۔ امی، اپنی بہو کے پیچھے کھڑی، بغیر رکے، اسے مور پنکھ جھل جھل کے، ہوا دے رہی تھیں۔ وہیں کہیں مسز تلنگا بھی دوسری مہمان خواتین کی خاطر داری میں لگی ہوئی تھیں۔

وقت کے ساتھ ساتھ ہمارے قدموں میں تحفوں کا انبار بڑھتا جا رہا تھا۔ خدا جانے، یہ تحفے کہاں کہاں سے آئے تھے۔ دوسری جانب پھولوں کے ہاروں کا انبار جمع تھا۔

نو بجے، مشرقی جاوا کا گیملن اپنے سروں کے ساتھ جاگنے لگا اور ساتھ ہی دیہاتی لوگوں کی پارٹی کا آغاز ہو گیا۔ شور شرابا، تالیوں کی گونج، قہقہے فضا میں گونجنے لگے، ساز و آواز کا فسوں ماحول پر چھانے لگا۔ ڈارسم کے کارکن، ہوشیاری سے ادھر ادھر پھر رہے تھے تاکہ کہیں کسی بدنظمی یا جھگڑے کی نوبت نہ آئے۔ اور کھجور کی لطف انگیز شراب، رات بھر مسلسل چلتی رہی۔

ساڑھے نو بجے لوگوں نے اپنے گھروں کو جانا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے ڈاکٹر مارٹی نیٹ نکلے۔ انہیں کسی مریض کو دیکھنے جانا تھا۔ ان کے جاتے ہی، سیاہ لباس پہنے ایک نوجوان محفل میں داخل ہوا۔ اس کی اوپری جیب میں معطر رومال موجود تھا۔ ایک سنہری چین لٹکی ہوئی، جیب میں سونے کی قیمتی گھڑی کی موجودگی کا پتہ دے رہی تھی۔ وہ بڑے پر وقار اور بااعتماد انداز میں، جاتے ہوئے لوگوں کی جانب توجہ دیئے بغیر، سیدھا ہم دونوں کی نشست گاہ کی جانب بڑھتا چلا آیا۔ آنکھوں کو یقین نہیں آ رہا تھا لیکن وہ سرہوف ہی تھا۔ انتہائی شائستگی سے اس نے اپنا ہاتھ میری جانب بڑھایا اور پہلے مجھے اور پھر انالیز کو مبارک دی۔

"معاف کرنا، میں ذرا دیر سے پہنچا، مسز منکی"۔ ساتھ ہی انتہائی شائستگی سے اپنا سر احتراما جھکایا۔

"تمہاری آمد پر ہمیں خوشی ہوئی راب" میں نے کہا۔

"ماضی میں جو کچھ ہوا، اس کے لئے میں معافی چاہتا ہوں۔ منکی"۔ رابرٹ سرہوف نے

اسی ملائمت سے بات جاری رکھی جیسے وہ میرے سکول کا ساتھی نہیں بلکہ کوئی اور شخص تھا۔"اس مبارک موقع پر میں تمہاری بیوی کو ایک چھوٹا سا تحفہ دینا چاہتا ہوں، اجازت ہو تو؟"

جواب کا انتظار کئے بغیر، اس نے ایک خاصے بڑے ہیرے کی سنہری انگوٹھی نکالی۔ میری بیوی کا ہاتھ تھاما اور اس کی انگلی میں وہ انگوٹھی پہنا دی۔ انگوٹھی کا رخ اس طرح رکھا کہ ہیرا، انالیز کی ہتھیلی کی جانب چھپا رہے اور پھر از منہ وسطی کے ناولوں کی طرح، وہ انالیز کے ہاتھ پر جھک گیا۔ میرا خیال ہے، وہ خاصی دیر تک اس کے ہاتھ کو بوسہ دیتا رہا تھا۔ پھر وہ میری جانب متوجہ ہوا۔

"میں اپنے وعدے سے پھروں گا نہیں منکی۔ میں ہمیشہ سے زیادہ آج تمہارا معترف ہوں اور تمہیں قابل احترام سمجھتا ہوں"۔ اور ساتھ ہی گلابی ربن میں لپٹا ہوا، ایک چھوٹا سا ڈبہ میرے ہاتھ میں دے دیا۔

"میری جانب سے تمہاری شادی کا چھوٹا سا تحفہ۔ خدا کرے تم دونوں ہمیشہ خوش رہو"۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ راب۔ یہ مہربانی اور عنایت ہمیشہ یاد رہے گی"۔

"میں بھی اب تم سے رخصت ہونا چاہوں گا۔ میں قانون کی تعلیم کے لئے، بحری راستے سے، یورپ جا رہا ہوں"۔

"سفر بخیر گزرے اور تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو، خدا کرے!"

وہ اسی پر وقار انداز میں واپس ہوا اور گھر جانے والے لوگوں کے ہجوم میں غائب ہو گیا۔

مس ماجدہ پیٹرز، آنکھوں میں اداسی لئے، رخصت ہونے کے لئے آئیں، انہوں نے زور سے میرا ہاتھ ہلایا۔

"اگلے تین سالوں میں ہونے والی تمام پیش رفت دیکھ کر میں نہ جانے کس قدر خوش ہوتی! بہرحال کوئی بات نہیں۔ اگر تمہارا کبھی یورپ آنا ہو تو۔۔۔۔۔۔۔ میرا پتہ نہ بھولنا"۔ اور تیزی سے باہر کی جانب چل دیں۔ مسٹر تلنگا، ان کی بیوی، جین میریز، مے اس رات گھر نہیں گئے۔ وہ وہیں ٹھہرے۔ جان ڈیپرسٹی بھی وہیں رہا۔ وہ تحائف لانے والوں کے نام اور پتوں کی فہرست بناتا رہا اور تمام تحفوں کو بالائی منزل میں واقع، دلہا دلہن کے کمرے میں پہنچاتا رہا۔ تحفوں کے اس انبار میں مریم، سارہ اور ہربرٹ ڈی لاکروکس کے تحائف بھی شامل تھے۔ انہیں یہاں تک لانے والا کون تھا، پتہ نہیں چل سکا۔ مریم کے ہاتھوں کا لکھا ایک چھوٹا سا رقعہ انہی کے درمیان اٹکا ہوا تھا۔ لکھا تھا!

"ہمیں دعوت دیتے ہوئے کیا گھبراہٹ لاحق تھی؟ یا شاید ہم لوگ اس تقریب کے لئے، میرے دوست، موزوں نہیں نظر آئے؟ ہماری تو خواہش تھی کہ اس پری وش کے گرد اس طرح کھڑے ہوتے کہ اس کا فریم نظر آتے۔لیکن کیا کیا جاسکتا ہے۔مبارک ہی دی جاسکتی ہے سودے رہے ہیں۔ ہاں خط و کتابت کا سلسلہ نہ بھول جانا۔ نیک خواہشات اور محبت بھرے جذبات، تمہاری بیوی کے لئے"۔

سارہ کے پارسل میں بھی ایک خاص خط موجود تھا۔"میں یورپ جارہی ہوں منکی، خوش قسمتی ہے کہ تمہیں تمہاری شادی پر، تمہیں مبارک دے پارہی ہوں۔خدا حافظ۔دوبارہ یورپ میں ملاقات ہونے تک!"

مس ماجدہ پیٹرز کے تحفے میں کچھ کتابیں اور ایک بے نام مصنف کا بروشر شامل تھا۔ پبلشر کا نام یا چھپائی کا سال کچھ بھی اس پر درج نہیں تھا۔ بروشر کے اندر، یہ الفاظ البتہ لکھے ہوئے تھے۔

"نئے شادی شدہ، تم جیسے شخص کے لئے، سب سے بہترین تحفہ یہ کتابیں ہیں، جو ہر شخص کو نہیں دی جاسکتیں۔ میں نے وہ کتابیں چنی ہیں جو تمہیں بے پناہ پسند آئیں گی۔تم جب یہ سطریں پڑھو گے، میں جزائر سے نکل کر یورپ کی موسفر ہوں گی۔فی الفور شاید مجھے اتنا وقت نہ ملے کہ میں اپنے پسندیدہ شاگرد کی خوشیوں کی طرف دھیان دے سکوں۔ خدا کرے، زندگی کی تعمیر میں، تم دونوں حقیقی خوشیوں سے ہم کنار ہو۔اگر تمہیں کبھی اپنی اس بے بضاعت مگر مخلص ٹیچر کی یاد آئے تو منکی یہ بھی یاد رکھنا کہ مجھے ملتا تولی کے نقش قدم پر چلنے والے، اپنے عظیم شاگرد پر دلی فخر ہے۔لیکن ایچ بی ایس کے طلبہ کے بعض والدین کے دباؤ کی وجہ سے، مجھے نوکری سے برخواست کر دیا گیا ہے بلکہ فی الفور انڈیز سے چلے جانے کا حکم بھی دیا گیا ہے، ورنہ مجھے جلاوطنی کا حکم سنا دیا جائے گا۔ میں کل ہی ایک برطانوی بحری جہاز سے روانہ ہو رہی ہوں"۔

"جان، یہ خط ذرا پڑھ لو"۔ میں نے ڈیپرسٹی سے کہا۔"ہماری ٹیچر۔۔۔۔۔۔"

"یہ کیا ہے ماس؟"

"افواہیں بالآخر حقیقت بن گئیں۔ جزائر کی حکومت بالواسطہ انداز میں، مس ماجدہ پیٹرز سے جان چھڑا رہی ہے۔ بڑی بات ہے این، مس اتنی مشکل اور پریشانی کے عالم میں بھی، وقت نکال کر، ہمارے پاس آئیں"۔

"جزائر سے نکال دیا گیا ہے"۔ جان نے رقعہ پڑھنے کے بعد آہستگی سے کہا۔

"ہاں اور تم جاوا سے جانا نہیں چاہتے، ہماری کچھ مدد کرو گے جان؟"

"بالکل، ماس بڑی خوشی سے"۔

"مس ماجدہ کی روانگی کے وقت، تم بندرگاہ پر موجود رہو اور ہم دونوں، مما اور امی اور اپنی جانب سے انہیں خدا حافظ کہو تا کہ یہاں سے جاتے ہوئے، انہیں اکیلے پن کا احساس نہ ہو۔ وہ بہت مہربان اور شفیق ٹیچر رہی ہیں"۔

ایک چھوٹے سے لمبے پارسل میں سے، سونے کی نب کا خوبصورت پین نکلا۔ ساتھ ہی ایک کارڈ بھی نتھی تھا۔ جس پر درج ذیل پیغام تحریر تھا۔ "منکی اور انالیز جیسے معصوم جوڑے کے لئے پرخلوص اور نیک خواہشات اور اظہار تہنیت۔۔۔۔۔۔ اور ساتھ ہی یہ امید بھی کہ آپ فاٹسو نامی نامعلوم اور انجان آدمی کو معاف کر دیں گے اور اسے بھلا دیں گے"۔

تحفہ فرش پر گر پڑا۔

"ماس"۔ انالیز نے حیرت زدگی سے مجھے دیکھا۔ جان ڈیپرسٹی نے لپک کر اسے اٹھالیا۔

"یہ تمہارے لئے ہے جان"۔ میں نے کہا، پوسٹ کارڈ میں نے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ مجھے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ آیا اسے مقدمے کے دوران عدالت میں پیش کرنا موزوں رہے گا یا نہیں"۔

کوئی ایک بجے کے قریب جان ڈیپرسٹی نے اپنا کام ختم کر لیا اور شب بخیر کہتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔ میں انالیز کے ذرا قریب ہو کر، اسے کہنے لگا:

"اب تو تم میری بیوی بن گئیں این"۔

"اور تم میرے شوہر"۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ مما اندر داخل ہوئیں۔ آنسو بہا بہا کر، ان کی آنکھیں بری طرح سوج گئی تھیں۔ وہ ہمارے قریب آ گئیں مگر وہ بول نہیں پائیں۔ ہم سمجھ گئے کہ وہ ہمیں نصیحتیں کرنے آئی ہیں۔

"مما"۔ میں نے پہل کی"۔ ہم دونوں آپ کی محبتوں، عنایتوں اور شفقت کے بے پناہ ممنون ہیں۔

آپ نے ہمارے لئے جو کچھ بھی کیا، حد سے بڑھ کر کیا۔ اپنے عمل سے اپنی سوچ سے

غرض ہر طرح ہماری بہتری اور ہمارے تحفظ کے لئے، ہر قدم اٹھایا، ہم تاحیات، یہ سب کچھ بھلا نہیں پائیں گے"۔

انہوں نے سر کے اشارے سے ہمیں خدا حافظ کہا اور واپس چلی گئیں۔

گیس لیمپ کی روشنی میں، انالیز میرے قریب آ گئی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھائے۔ بہرحال بغل گیر ہونے کا اس کا کوئی موڈ نہیں تھا۔

"یہ انگوٹھی اتار دو"۔

میں نے وہ مشتبہ انگوٹھی، جس کے پہنانے کا انداز اور بھی زیادہ مشتبہ تھا، اتار دی۔

"تمہیں یہ تحفہ لینا اچھا نہیں لگا؟"

"میں نے کبھی، اس کے کسی بھی خط کا جواب نہیں دیا"۔

پلک جھپکنے میں، ساری بات میری سمجھ میں آ گئی۔ سرہوف انالیز سے محبت کرتا تھا اور یہ بات پہلے میرے علم میں نہیں تھی۔ میں نے انگوٹھی کا محتاط جائزہ لیا۔ یہ بائیس قیراط سونے کی تھی اور اس میں ایک ہیرا بھی جڑا ہوا تھا۔ اچھا خاصا بڑا ہیرا تھا۔ سرہوف کے پاس اتنے پیسے کہاں سے آئے کہ وہ ایسا تحفہ خرید سکے۔ مجھے علم تھا اس کا جیب خرچ پچیس سینٹ ماہانا سے زیادہ نہیں تھا۔ میں اس کے والدین کو بھی جانتا تھا۔ وہ کوئی خوشحال لوگ نہیں تھے۔ اسکی والدہ کے پاس شاید ایک بھی انگوٹھی نہیں تھی اور پھر اس انگوٹھی کا ڈبہ کہاں گیا؟

میں نے انگوٹھی اپنی جیب میں رکھ لی۔

"مجھے واپس دو ناماس"۔

"ہاں، لوٹا دوں گا"۔

"رات بیتتی گئی۔ سرہوف اور فاٹسو کے بارے میں الٹے سیدھے خیالات مجھے پریشان کرتے رہے۔

باب 19

سائنس کے بطن سے، نئے نئے معجزے جنم لے رہے تھے۔ بزرگوں کی روایتوں پر شرم سی محسوس ہونے لگی تھی۔ اب سمندر پار کسی شخص سے رابطہ کرنے کے لئے، پہاڑ کے دامن میں بیٹھ کر سالوں تک ریاضت کرنا، ضروری نہیں رہا تھا۔ جرمنوں نے برطانیہ سے انڈیا تک ایک کیبل بچھا دی تھی اور یہ کیبل اور تاریں پوری دنیا میں ہر جگہ بچھتی جا رہی تھیں۔ پوری دنیا کسی بھی شخص کے بارے میں سب کچھ بڑے آرام سے جان سکتی تھی اور اسی طرح لوگ پوری دنیا کے بارے میں بہ آسانی جان سکتے تھے۔ لیکن دنیا کے مسائل اسی طرح الجھے ہوئے تھے۔ ان مسائل میں کہیں کوئی کمی نہیں آ رہی تھی۔ محبت کے معاملات کا بھی لگ بھگ یہی حال تھا۔

میری جیب میں موجود ڈبے کو ہی لے لیجئے۔ کارڈ بورڈ کا بنا ہوا ڈبہ جس پر سیاہ لینن کا کپڑا چڑھا ہوا تھا۔ اس کے اندر کیا ہے، صرف میں اور سرہوف ہی اس کے بارے میں جانتے تھے۔ نہ کوئی قیمتی شے تھی، نہ رقم، نہ کوئی ہیرا اور نہ ہی کوئی اور دلکش چیز۔ ایک ناکام عاشق کا خط تھا ایک ایسے شخص کے نام جسے اپنی محبت حاصل ہو گئی تھی۔ کیا ہو سکتا ہے؟ جدید دنیا ابھی سکول نہیں کھول سکی۔ جہاں سے سیکھ کر نکلنے والے لوگ، محبت میں بھی کامیاب ہو سکیں۔

"منکی، میرے دوست"۔ اس نے بڑے بڑے حروف میں لکھا تھا، تاہم لکھتے ہوئے اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ محسوس کی جا سکتی تھی۔ اس نے اپنی غلطیوں کی معافی چاہی تھی۔ کوتاہیوں اور زیادتیوں پر معذرت کی تھی۔ اس نے تسلیم کیا کہ وہ جلن اور حسد میں ہر قدم اٹھاتا رہا، بہتان تراشی کرتا رہا۔ اس کے مطابق اس کے پیچھے، یہ جذبہ کارفرما تھا کہ شاید وہ انالیز کی محبت کے حصول میں کامیاب ہو جائے۔ وہ غالبا "این کو پانچ مرتبہ مل چکا تھا۔ مگر وہ اسے مخاطب کرنے کی جرات تک نہ کر سکا۔ وہ این کی محبت میں گرفتار ہو چکا تھا۔ اسی لئے وہ یہ حقیقت برداشت نہیں کر پایا کہ

منکی بڑی آسانی سے اس کے گھر میں اور پھر اس کے دل میں بھی براجمان ہو گیا۔ اس نے ہمت اب بھی نہیں ہاری تھی، اس کا کہنا تھا کہ ہار ماننا اس کی فطرت میں ہی نہیں۔ امید پر دنیا قائم ہے۔ تمام ہتھکنڈے اس نے استعمال کئے۔ این کو کئی خط بھی لکھے مگر اسے کسی کا بھی جواب نہیں ملا۔ وہ اسے بھلا نہیں پا رہا تھا۔

"لیکن میرے لئے سب کچھ ختم ہو گیا۔ تمہاری ابھی شروعات ہے۔ میں مانتا ہوں کہ امید کا دامن چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ اس لئے، اس معاملے کو بھلا دینے کے لئے بہتر یہی ہے کہ جزائر سے نکل جایا جائے۔ ہاں منکی، مجھے بھولنا بھی سیکھنا چاہئے۔ بہر حال، جو بھی ہے لیکن تعلقات کو خراب کرنے کی وہ غلطیاں کبھی نہیں دہرانا، جو مجھ سے سرزد ہوئیں۔۔۔۔۔۔"

ہماری شادی کے بیس دن بعد، کولمبو سے مس ماجدہ پیٹرز کا خط موصول ہوا۔ ان کے کہنے کے مطابق، سرہوف بھی اسی جہاز پر سفر کر رہا تھا۔ وہ ملاح کی حیثیت سے جہاز میں کام کر رہا تھا اور یہ کام کرتے ہوئے اسے خاصی شرمندگی محسوس ہوتی تھی۔ مس ماجدہ نے اسے سمجھایا کہ ایچ بی ایس کے طالب علم کو ایسے کسی کام میں تذلیل محسوس نہیں کرنی چاہئے، جبکہ وہ اعلیٰ تعلیم کی غرض سے، اپنی منزل کی جانب قدم بڑھا رہا ہے۔

انہی دنوں، سنگاپور سے سارہ کا خط بھی آیا۔ اس نے وہاں کی صاف ستھری اور لمبی چوڑی سڑکوں کا ذکر کیا تھا۔ اچھی خاصی بھیڑ بھاڑ کے باوجود، مٹی نام کو نظر نہیں آتی تھی۔ بندرگاہ پر جہازوں کا اتنا ہجوم تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ اتنے جہاز تو ایمسٹرڈیم میں کبھی نہیں دکھائی دیئے، بلکہ روٹرڈیم کی بندرگاہ بھی اس کے مقابلے میں، کہیں زیادہ بے رونق محسوس ہوتی۔

ایک خط اسسٹنٹ ریذیڈنٹ بی کی جانب سے موصول ہوا۔ ڈچ جزائر کی حکومت کو بھیجی گئی درخواست کے بارے میں انہوں نے لکھا تھا کہ حکومت نے مجھے اعلیٰ تعلیم کے لئے ہالینڈ جانے میں مدد دینے سے انکار کر دیا ہے۔ میرے نمبران کے مطلوبہ معیار سے کہیں زیادہ تھے لیکن میں حکومت کے مطلوبہ اعلیٰ اخلاقی معیار پر پورا نہیں اترتا تھا۔

یہ بھی شاید سائنسی ترقی کا ایک کرشمہ تھا۔ میرے اخلاقی کردار کو بھی ناقابل چیلنج برانڈ بنا دیا گیا۔ پہلے سکول والوں نے یہ مہربانی دکھائی اور مقدمے کی سماعت کے دوران آنے والی رپورٹوں پر سونے پر سہاگے کا کام کر دکھایا۔ مجھے لوگوں سے کوئی خاص امیدیں نہیں تھیں لیکن یہ برانڈ اتنا حتمی۔ مجھے تکلیف تو ہوئی تھی۔ میں نے کبھی کسی کو تکلیف نہیں دی۔ کبھی کسی کی شہرت کو داغدار نہیں

کیا۔کبھی کسی کو مادی نقصان نہیں پہنچایا،کبھی کوئی غیر قانونی کام نہیں کیا۔اب اس طرح کے من مانے فیصلوں سے اپنی جان کس طرح چھڑاؤں؟ غالباً اس معاملے میں جین میریز کی بات حرف بحرف صحیح تھی۔لوگوں کو اپنی ابتدائی سوچ سے ہی ایماندار اور انصاف پسند ہونا چاہئے۔ پتہ یہ چلا، کسی فرد کی بات کیا، کبھی یورپین اپنے قول و فعل میں انصاف نہیں کر پاتے اور جدید دور کی یہی خصوصیت، غالباً میرے پورے کردار کو بھی، جرمنی کی بنائی ہوئی سمندری کیبلز کے ذریعے یورپ لے گئی۔۔۔۔۔۔۔

تین مہینے گزر گئے۔میرا کام دفتر میں بیٹھ کر لکھتے رہنا یا مما کا ساتھ دینا تھا،بعض اوقات کسی کام میں،ان کا ہاتھ بھی بٹا دیتا تھا، جان ڈیپرسٹی کو،سرابیا کے ریذیڈنٹ کے ذریعے،ڈچ گورنر جنرل کا اجازت نامہ مل گیا تھا۔اب اس کا نام پنجی درمن ہو گیا تھا۔ڈیپرسٹی کے قابل نفرت نام سے اسے چھٹکارا مل گیا اور آہستہ آہستہ اس کے رویوں میں بھی،اس کی مرضی کے مطابق تبدیلی آتی چلی گئی۔اس میں جوش ولولہ نظر آنے لگا۔کام کرنے میں اس کا دل لگتا تھا۔وہ بڑے کام کا اور کھلے دل والا شخص نکلا۔شروع شروع میں وہ مما کے دفتری کاموں میں مدد کرتا رہا پھر اسے ڈورنن باش کے دفتر میں لگا دیا گیا تا کہ وہ مصالحہ جات کے کام میں ان کا ہاتھ بٹا سکے۔ایک مہینہ اور گزر گیا۔امی اس دوران دو دفعہ ہمارے پاس آئیں۔

پانچ مہینے بیت گئے۔سارہ ڈی لاکروکس نے دوبار مجھے خطوط بھیجے۔مریم نے بھی خط میں بتایا کہ وہ بھی بہن کی پیروی میں یورپ واپس جا رہی ہے۔مسٹر ہربرٹ کو ریذیڈنسی کی وسیع و عریض عمارت میں تن تنہا رہنا ہوگا۔اس نے مجھے ان سے زیادہ خط و کتابت کرنے کے لئے بھی کہا۔

چھ ماہ بھی گزر گئے اور پھر وہ ہو گیا جسے وقوع پذیر ہونا ہی تھا۔انالیز کو نیائے کے ہمراہ سفید فام عدالت میں حاضری کا سمن موصول ہوا۔حیرت کی بات تھی۔پھر عدالت کا چکر !اس دفعہ انالیز کو ابتدائی سمن دیا گیا تھا۔وہ دونوں اکٹھے ہی عدالت میں گئے۔میں دفتر میں بیٹھا،مما کا کام نمٹاتا رہا۔کوئی زیادہ کام نہیں تھا۔ملٹری بیرکس، بندرگاہ کے چیف آفس، بحری جہازوں کے فانوس نگرانوں کی جانب سے آئے ہوئے کچھ خطوط کے جواب دینا تھے۔کچھ نئے آرڈرز تھے اور کچھ گاہکوں کے پتوں کی تبدیلی کی اطلاع تھی۔البتہ سابقہ فوجیوں سے جان چھڑانا عذاب ہو گیا۔وہ مجھے تنگ کر ڈالتے اور مما سے ملاقات کے خواہاں رہتے۔میں نے مما کو خود دیکھا۔بعض فوجیوں کو

انہوں نے چار دفعہ واپس کیا تھا۔ آسہ سے لوٹنے والے فوجیوں میں تو سب سے گرما گرم موضوع ہوتا ہی نیائے کے بارے میں تھا۔ وہ پرانے مہم جوؤں کی طرح، اس دولت مند بیوہ کو اپنے دام فریب میں لانے کے لئے باقاعدہ منصوبے بنایا کرتے۔ ان میں سے ایک انڈو نے، جو خود کو سابقہ لیفٹننٹ کہتا تھا، مجھ پر بھی سفارشیں ڈلوانا شروع کر دیں۔ بقول اس کے، اسے کانسی کا تمغا ملا تھا اور پنشن کے ساتھ، مالانگ کے قریب دس ہیکٹر بہترین زمین بھی انعام میں دی گئی تھی۔ وہ مما سے تعلقات بڑھانا چاہتا تھا۔ ممکن ہے، بقول اس کے، بعد میں وہ ایک دو ساتھیوں سمیت مما کا کاروباری پارٹنر بھی بن جائے۔ ملاقات کے بعد اس نام نہاد لیفٹیننٹ نے نیائے تک اس کا پیغام پہنچانے میں، باقاعدہ میری مدد چاہی، اس کا کہنا تھا کہ اگر وہ کامیاب ہو گیا تو میری خواہش کے مطابق مجھے مالا مال کر دے گا۔ ایسے لوگوں سے ملاقاتیں بھی گویا میرے کام کا ایک حصہ تھا۔

وہ اپنا نام بتائے بغیر ہی رخصت ہو گیا۔ ورنہ میں سرابیا نیوز میں، اس کا فسانہ ضرور لکھتا۔

][انہیں گئے ہوئے تین گھنٹے سے زیادہ ہو گئے تھے /وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میری پریشانی اور فکر بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے لکھنا بند کر دیا۔ ہر دفعہ کوئی دودھ کا چھکڑا آیا ہوا ہوتا تنگ آ کر میں باہر، جائزہ لینے نکل پڑا۔

کوئی چار گھنٹے گزرنے کے بعد، وہ گاڑی آئی، جس کا میں مسلسل منتظر تھا۔

"منکی، جلدی سے!"

میں اسے دیکھنے کے لئے آگے کے زینے کی طرف دوڑا۔ گاڑی سے، پہلے مما اتریں۔ ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ انہوں نے اپنا ہاتھ انالیز کی طرف بڑھایا۔ جو ابھی تک اندر بیٹھی تھی۔ پھر میری بیوی باہر آئی۔ اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا اور چہرہ آنسوؤں سے تر۔ بالکل چپ چاپ۔ اترتے ہی وہ میرے بازوؤں میں گر گئی۔

"اندر لے چلو اسے"۔ مما نے بڑے کھردرے انداز میں مجھے کہا۔ تیز قدم اٹھاتی ہوئی۔ وہ ہم سے پہلے اپنے دفتر چلی گئیں۔

"مما سے تمہاری جھڑپ ہو گئی ہے کیا؟" میں نے انالیز سے پوچھا۔

اس نے اپنا سر نفی میں ہلایا مگر اس کے منہ سے کوئی آواز برآمد نہیں ہوئی۔ میں اسے بالائی

منزل پر لے جانا چاہتا تھا اس کا پورا جسم سرد تھا۔

"مما غصے میں کیوں ہیں؟ "میں نے پوچھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن اوپر جانے سے انکار کر دیا۔ آنکھوں کے اشارے سے اس نے کہا کہ ڈرائنگ روم میں ہی سیٹی پر اسے لٹا دیا جائے۔

" کیا تم بیمار ہو این؟ "اس نے پھر نفی میں سر ہلایا۔"تو آخر معاملہ کیا ہے؟ "میں اپنی اس کانچ کی گڑیا کے لئے بری طرح پریشان ہو گیا۔ وہ جذباتی طور پر خاصی اپ سیٹ تھی اور الجھی الجھی لگ رہی تھی۔"میں تمہارے لئے پینے کی کوئی چیز لاتا ہوں"۔

میں پانی کا گلاس لے آیا، وہ اس نے پی لیا۔ پانی پیتے ہی اس کے حواس تھوڑے بہت بحال ہونے لگے۔

"ڈارسم "ممانے آفس میں بیٹھے بیٹھے ڈارسم کو آواز دی۔ میں اسے دیکھنے چلا گیا۔ وہ اپنے گھر میں بیٹھا، اپنی مونچھوں کے فالتو بال نکال رہا تھا۔

"جلدی چلو ڈارسم، مما غصے میں ہیں"۔

وہ تیزی سے اپنی کرسی سے اٹھا۔ اس کا شیشہ اور ٹویئزرز مین پر گر پڑے۔ میرے دفتر میں پہنچنے سے پہلے، وہ اندر موجود تھا، انالیز بھی وہیں تھی۔

"انالیز، تم سو کیوں نہیں جاتیں؟ "نیائے نے انالیز کو تنبیہی انداز میں کہا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ مما کا غصہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔

" کیا ہو گیا ہے۔ ماں؟"

ڈارسم نیائے کو سلام کرتا ہوا، تیزی سے باہر نکل گیا۔ گاڑی شاید تیار ہی کھڑی تھی۔ کیونکہ فورا "ہی اس کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ ممانے میرے سوال کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا۔ انہوں نے کھڑکی کے پاس جا کر زور سے کہا

"جلدی، ذرا احتیاط سے"۔ پھر وہ واپس مڑیں اور انالیز کے پاس گئیں۔ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے، اسے تسلی دینے لگیں۔ "تمہیں اس بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، یہ معاملہ ہمیں دیکھنے دو، مجھے اور اپنے شوہر کو"۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوئیں۔"آخر وہی ہوا، منکی بیٹا، جس کا دھڑکا مجھے لگا رہتا تھا۔ قانون تو میں جانتی نہیں لیکن ہمیں اپنی پوری قوت اور پیسے کے ساتھ اس سے لڑنا ہوگا"۔

"آخر بات کیا ہے ماں؟"

انہوں نے مجھے کچھ دستاویزات، اصلی کاغذات اور کاپیاں تھما دیں۔ یہ ایمسٹرڈیم کی ضلعی کورٹ کی طرف سے آئی تھیں اور ان پر وزارت داخلہ، وزارت نوآبادیات اور وزارت انصاف کی مہریں لگی ہوئی تھیں۔ کاغذات کے اوپر انجینئر مورٹس مے لیما کا خط تھا جس میں اس نے اپنی والدہ، مسز ایمیلیا مے لیما کو وراثت کے معاملات میں اپنا اٹارنی مقرر کیا تھا تاکہ وہ اس کے آنجہانی ہرمن مے لیما کے حقوق وراثت کے سلسلے میں ضروری قانونی کارروائی کروا سکے۔ پھر ایک خط مورٹس مے لیما کی والدہ اپنے بیٹے کی جانب سے ایمسٹرڈیم کی عدالت کو، آنجہانی ہرمن مے لیما کی جائیداد اور دولت میں، اس کے حقوق کے تحفظ کے لئے لکھا تھا۔

کچھ کاغذات سرابیا کورٹ اور پراسیکیوٹر کی ایمسٹرڈیم کورٹ کی خط و کتابت کے تھے جن میں ہرمن مے لیما کی سنئ کم کے ساتھ شادی کے تصدیق نامے کی پوچھ گچھ کی گئی تھی، ہرمن مے لیما کا کوئی وصیت نامہ موجود تھا یا نہیں۔ آہ تیانگ کے ہاتھوں مے لیما کے قتل کے سلسلے میں عدالت کا فیصلہ کیا تھا۔ رابرٹ مے لیما کی گم شدگی کی تصدیق مانگی گئی تھی۔ ہرمن مے لیما کی جانب سے اپنے بچوں کو تسلیم کئے جانے کا سٹیفکیٹ کی کاپی تھی جو سول رجسٹری آفس نے جاری کی تھی۔ نیائے کے اکاؤنٹس اور ان کی اطلاعات پیش کرنے کے متعلق، اکاؤنٹٹ کے اور سرابیا کورٹ کے مابین خط و کتابت اور اس کی جانب سے نیائے کی اجازت کے بغیر، ایسا حساب کتاب پیش کرنے سے انکار۔ محکمہ ٹیکس کی دستاویزات کی بیتن سورگ کس حد تک ٹیکس ادا کر رہی تھی۔ محکمہ لاؤ سٹاک اور زراعت کی جانب سے مویشیوں کی تعداد اور ان کی کیفیت کے بارے میں سٹیفکیٹ۔

میں نے ایک ایک کاغذ بڑے غور سے دیکھا۔ مما اور انالیز میری جانب سے متوجہ تھیں۔ شاید وہ اس معاملے میں میری رائے جاننا چاہتی تھیں۔ کاغذات میں بیان کی گئی اشیا اور معاملات کے بارے میں میرا علم نہ ہونے کے برابر تھا۔ میں نے تو شاید خواب میں بھی ایسے خطوط کے بارے میں نہیں سوچا ہوگا۔ مجھے تو یہ بھی علم نہیں تھا کہ ان دستاویزات کے لکھنے والوں کو باقاعدہ معاوضہ دیا جاتا ہے۔

آخر میں ایمسٹرڈیم کی ضلعی کورٹ کی سرکاری دستاویزات نتھی کی گئی تھیں۔ اس کیس کے فیصلے پر عمل درآمد کے لئے سرابیا کورٹ کو ذمہ دار بنایا گیا تھا۔ اس کا خلاصہ کچھ اس طرح تھا:

مسٹر ہینز گریگ کے ذریعے پیش کی گئی، آنجہانی ہرمن مے لیما کے بیٹے کی درخواست کی

بنیاد پر، ایمسٹرڈیم کی ضلعی عدالت یہ فیصلہ کرتی ہے۔ سرابیا کی ضلعی عدالت کی جانب سے بھیجی گئی مصدقہ دستاویزات اس کی بنیادی شہادت ہیں۔ ہرمن مے لیما اور سنی کم کے مابین کوئی قانونی تعلق ثابت نہیں ہوسکا البتہ انالیز اور رابرٹ کو قانونی طور پر ان کی اولاد تسلیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہرمن مے لیما کی تمام جائیداد اور دولت اس طرح تقسیم کی جائے گی کہ مورٹس مے لیما کو جائز وارث کے طور پر کل وراثت کا 4/6 حصہ ملے گا جبکہ رابرٹ مے لیما اور انالیز کو ,1/6 1/6 حصہ وراثت میں ملے گا۔ رابرٹ مے لیما کے نامعلوم ہونے کی وجہ سے اس کی وراثت کی عارضی اور مستقل دیکھ بھال بھی مورٹس مے لیما ہی کی ذمہ داری ہوگی۔

ایمسٹرڈیم ضلعی عدالت نے مورٹس مے لیما کو انالیز کا گارڈین بھی مقرر کیا کیونکہ وہ ابھی قانونی طور پر سن بلوغت کو نہیں پہنچی۔ اس لئے اس کی وراثت کی دیکھ بھال بھی مورٹس مے لیما ہی کی ذمے ہوگی۔ مورٹس مے لیما نے اپنے اٹارنی مسٹر گریگ کے ذریعے، سرابیا میں ایک اور اٹارنی مقرر کیا ہے، جو ان کی جانب سے سنی کم المعروف نیائے اونتو سار وہ اور انالیز مے لیما کے خلاف، سفید فام عدالت میں، ان کی گارڈین شپ کے سلسلے میں، چارہ جوئی کرے گا تا کہ انالیز کی تعلیم وتربیت کے لئے، ہالینڈ لے جانے کا راستہ صاف کیا جاسکے۔

ان سرکاری دستاویزات کو پڑھ کر، میرے حواس جواب دینے لگے۔ عجیب وغریب زبان تھی۔ میں اس فیصلے میں چھپے ہوئے تلخ حقائق کو بخوبی سمجھ رہا تھا۔ انہوں نے انسانوں کو بھی بے جان اشیا کی طرح سمجھ رکھا تھا۔

"مما، آپ نے انہیں کچھ نہیں کہا؟"

"منکی بیٹا، ہمارا وکیل عدالت میں ہمارا منتظر تھا۔ اسی نے یہ دستاویزات حاصل کی ہیں۔ اسی نے جج کے سامنے یہ فیصلہ بڑی وضاحت سے ہمیں بتایا"۔

مجھے یہ بات سنتے ہوئے امی کے الفاظ یاد آ گئے: ڈچ بے پناہ طاقت ور ہیں بیٹا لیکن انہوں نے جاوا کے بادشاہوں کی طرح، لوگوں کی بیویاں نہیں چرائیں۔ لیکن اب امی؟ آپ کی اپنی بہو کو آپ سے چھیننے کا پروگرام ہے، ایک بیٹی کو اس کی ماں سے، ایک بیوی کو اس کے شوہر سے چھینا جا رہا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ مما کی بیس سال پر محیط دن رات کی محنت شاقہ کا پھل بھی ان کے پاس نہ رہنے دیا جائے بنیاد کیا ہے؟ قانون کے ماہرین اور ان کے ماتحتوں کی لکھی ہوئی

خوبصورت تحریریں۔

" لگتا ہے ہمیں کسی اچھے وکیل کی خدمات حاصل کرنی ہوں گی ماں؟"

"مسٹر ڈیرہ ڈیرہ، میرا خیال ہے، آنے ہی والے ہیں"۔

حالیہ مشکلات اور مسائل کے دوران، میں اس عجیب وغریب نام سے، کافی مانوس ہو چکا تھا۔"مسٹر ڈیرہ ڈیرہ لیلیو بٹکس۔۔۔۔۔۔۔"

مجھے اس نام کو زباں پر رواں کرنے اور لکھنے میں اچھا خاصا وقت صرف کرنا پڑا تھا۔ ملا ان صاحب سے البتہ میں نہیں تھا۔ قانون صلاح مشورے کے لئے تھا مما ان کے پاس جاتی رہتی تھیں۔ میرے ذہن میں ان کا تصور ایک بڑے اور بہت موٹے آدمی کا تھا۔ ہرمن لیما کی طرح جسم پر خاصے گھنے بال اور چندیا صاف ہوگی اور ان کے نام سے، میرے ذہن میں بھوت ناچتے محسوس ہوتے۔ یقیناً "وہ بڑے قابل وکیل رہے ہوں گے۔

"آپ نے فیصلے کے خلاف احتجاج نہیں کیا مما؟"

"احتجاج؟ میں نے تو اس سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر فیصلے ہی کو مسترد کر دیا۔ میں ان یورپینوں کو بڑی اچھی طرح جانتی ہوں۔ کسی دیوار کی طرح ٹھنڈے اور سخت۔ ان کے الفاظ بہت مہنگے پڑتے ہیں۔ وہ میری بچی ہے اس پر صرف میرے ہی حقوق ہیں۔ میں نے اسے جنم دیا۔ اس کی پرورش کی۔ جج نے صرف اتنا کہا: دستاویز کے مطابق انالیز ہرمن مے لیما کی مسلمہ اولاد ہے۔ اس کی ماں کون ہے؟ اسے جنم کس نے دیا؟ میں نے پوچھا۔ دستاویزات ان کی ماں کا نام سنی کم المعرف نیائے اور اونتو سارہ بتاتی ہیں لیکن۔۔۔۔۔۔۔ میں سنی کم ہوں۔ ہاں۔ جج نے کہا مگر سنی کم مسز مے لیما نہیں ہے۔ میں شہادتیں مہیا کر سکتی ہوں کہ میں نے ہی انالیز کو جنم دیا تھا۔ اس نے کہا کہ انالیز مے لیما یورپی قانون کے تحت آتی ہے جبکہ نیائے مقامی خاتون ہے۔ اگر مسٹر مے لیما نے انالیز کو اپنی بیٹی تسلیم نہ کیا ہوتا تو وہ بھی مقامی سمجھی جاتیں اور سفید فام عدالت کا اس سے کوئی تعلق نہ ہوتا۔ منکی اور اس سے زیادہ کیا ذلت اور رسوائی ہو سکتی ہے؟ چنانچہ میں نے کہا کہ میں بہترین سے بہترین وکیل کر کے، اس فیصلے کو مسترد کراوں گی۔ یہ تمہاری مرضی ہے۔ اس نے بڑے سرد لہجے میں جواب دیا۔ انالیز نے بری طرح چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور میں اسے دیکھنے لگی"۔

نیائے نے ایک طویل اور گہری سانس لی۔

"تمہیں بھی منکی، وہاں آ جانا چاہئے تھا۔ کم از کم تم اپنی بیوی کا دفاع تو کرتے۔ با قاعدہ عدالت تو بہر حال نہیں لگی ہوئی تھی۔ ہاں، جج کے بھی تو بیوی بچے ہیں"۔

مجھے یقین ہے، میرے محسوسات کا ہر شخص بہ آسانی اندازہ کر سکتا ہے۔ مجھ پر شدید غم و غصہ طاری تھا۔ چراغ پا ہو رہا تھا میں مگر کیا حل نکالا جائے، یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ ان سارے معاملات میں، میں خود کو ایک کمزور اور نا سمجھ بچے سے زیادہ نہیں لگ رہا تھا۔

"میں نے یہ بھی کہا کہ میری بچی کی شادی ہو چکی ہے۔ وہ کسی کی بیوی ہے۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی پھر اس نے کہا: ابھی اس کی شادی نہیں ہوئی۔ وہ ابھی نابالغ ہے۔ اگر کسی نے اس سے شادی کر لی ہے یا اس کی شادی کر دی گئی ہے تو وہ قطعی غیر قانونی ہے۔ سن رہے ہو نا منکی؟ شادی ہی غیر قانونی ہے"۔

"ماس؟"

"مجھ پر یہ الزام بھی ٹھونسا جا سکتا ہے کہ میں نے زنا کی راہ ہموار کی کیونکہ میں نے شادی کے غیر قانونی ہونے کی بابت کوئی رپورٹ درج نہیں کرائی"۔

دفتر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کوئی آواز نہیں تھی باہر سے آنے والے گاہکوں میں سے کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ ہم تینوں خاموش بیٹھے ایک دوسرے کو تک رہے تھے۔

کوئی بہت ہی ذہین، قابل اور ایماندار وکیل ایمسٹرڈیم کی ضلعی کونسل کے فیصلے کے خلاف اپیل کامیاب کرا سکتا تھا۔ اوہ ایمسٹرڈیم کی عدالت ! تم نے تو ہمیں دیکھا تک نہیں۔ ایک عدالت، سفید فام عدالت جو تجربہ کار قانون دانوں اور پڑھے لکھے لوگوں پر مشتمل ہو۔ عدل و انصاف کے تقاضوں سے ہٹ کر معاملات کو ایسے کس طرح چلا سکتی ہے جو عام فہم قانون کے بھی خلاف ہو، ہماری حس انصاف کے بھی خلاف ہو؟

"میں جائیداد کی تقسیم کے بارے میں تو بات کرنا ہی نہیں چاہتی۔ اس میں تو میرا کوئی حق سرے سے رکھا ہی نہیں گیا تھا۔ ہاں، حقیقت یہ ہے کہ اس کمپنی کو اپنی ملکیت ثابت کرنے کے لئے تو میرے پاس موزوں دستاویزات ہی نہیں۔ میں تو صرف انالیز کے دفاع میں ہی بولتی رہی اس وقت میری سوچوں میں انالیز کے سوا اور کچھ تھا بھی نہیں۔ ہمارا تعلق بھی صرف انالیز ہی سے ہے۔ جج نے کہا تم تو ایک نیائے ہو، ایک مقامی عورت، تمہارا ابھی اس عدالت سے کوئی تعلق نہیں بنتا"۔

ممانے برا سا منہ بنایا۔

"اخیر میں"۔انہوں نے نرم لہجے میں کہا"بات ہمیشہ ایک ہی ہوتی ہے۔یورپی بمقابلہ مقامی۔منکی میرے خلاف، یاد رکھنا، اچھی طرح۔ یہ یورپ ہمیں ذہنی اذیتیں دے دے کر، مقامیوں کو ہڑپ کئے جا رہا ہے۔ یے------۔یو---ر----پ------۔ان کی صرف جلد ہی سفید ہے"۔انہوں نے قسمیہ کہا"ان کے دلوں میں نفرت کی آگ بھری ہوئی ہے"۔

"اور وکیل، وہ بھی تو یورپین ہے ماں؟"

"پیسے کا غلام اور کیا؟ جتنے پیسے دیئے جائیں، اتنا زیادہ وہ آپ سے ایماندار رہے گا۔یہی ہے یورپ"۔

میرے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔میری سالہا سال کی پڑھائی، ایک نیائیے کے تین چھوٹے سے فقروں نے، بے معنی کر کے رکھدی۔ جذباتی الجھنوں سے تھک ہار کر انالیز کرسی پر بیٹھے بیٹھے نیند کی آغوش میں چلی گئی۔میں نے جا کر اسے جگایا"اوپر چلو این!"

اس نے اٹھنے سے انکار کر دیا اور سیدھی ہو کر، کرسی پر بیٹھ گئی۔

"تھوڑی سی نیند لے لو این اور پریشان نہ ہو، ہم سے جو کچھ ہو سکا، کریں گے"۔مما نے بڑے پیار سے کہا اور انالیز نے بات مان لی۔میں اسے بالائی منزل پر لے گیا اور بستر پر لٹا دیا اور ہلکی پھلکی باتوں سے اس کا دل بہلانے لگا۔

"مما اور میں پوری قوت سے مقابلہ کریں گے این"۔

اس نے اپنا سر ہلا دیا۔میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ میں محض اس کا دل بہلا رہا ہوں۔ مجھے قانونی موشگافیوں کی الف بے بھی نہیں آتی تھی تو میں بھلا کس طرح اس کا مقابلہ کر سکتا تھا؟"

"اچھا، این تم یہیں آرام کرو"۔اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔لیکن اس حالت میں، اسے اکیلا چھوڑنے کی ہمت نہیں پڑی۔اس کی کیفیت تو ماہی بے آب کی سی لگ رہی تھی۔کانچ کی گڑیا جیسی نازک میری بیوی کی قسمت بھی کیا کیا قلابازیاں کھا رہی تھی۔لگ رہا تھا جیسے وہ ہمت بالکل ہی ہار بیٹھی ہے"۔میں ڈاکٹر مارٹی نیٹ کو بلاتا ہوں این"۔

اس نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔میں نے نیچے جا کر ڈاکٹر مارٹی نیٹ کو فوری طور پر لانے کی ہدایت کی۔مرجو کی فورا "ہی بگھی کو لے کر، سرابیا کی جانب روانہ ہو گیا۔

دفتر میں مما، ایک دبلے پتلے اور ناٹے قد کے یورپین کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ وہ شاید میرے کاندھوں تک آتا ہوگا۔سر سے گنجا تھا اور آنکھوں میں تھوڑا سا بھینگا پن بھی تھا۔قیمتی عینک

پہنے ہوئے تھا۔ وہ ایمسٹر ڈیم کی ضلعی عدالت کی دستاویزات پڑھ رہا تھا اور مما کی آنکھیں اس پر لگی ہوئی تھیں۔ یہ تھے مسٹر ڈیرہ ڈیرہ لیلیو بٹکس شکل صورت سے تو وہ قطعی بھوت نہیں لگ رہا تھا، اس تمام عرصہ، وہی مما کا وکیل رہا۔

مجھے حیرت تھی کہ مما اس کی خدمات کیوں حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے، جج کے سامنے، اس نے قطعی کوئی بات نہیں کی تھی۔ میں نے ان دونوں کا بغور جائزہ لیا۔ مما کے چہرے پر چھائی سرخی اب نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ خاصی پرسکون تھیں"۔

"منکی، یہ ہے مسٹر ڈیرہ ڈیرہ۔۔۔۔۔۔۔، ہم نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا"۔ یہ منکی ہے، میری بیٹی کا شوہر، میرا داماد"۔

"اچھا، تمہارے بارے میں تو خاصی باتیں ہوتی رہی ہیں۔ کیا میں پہلے ان دستاویزات کو دیکھ لوں؟ "جواب کا انتظار کئے بغیر، وہ دوبارہ کاغذات دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔

یہ چھوٹے سے قد کا آدمی، چہرے پر کیل مہاسوں کے داغ لئے۔۔۔۔۔۔۔ ایک غیر متاثر کن شخصیت۔۔۔۔۔ کیا یہ یورپی قانون اور انصاف کی طاقت، جبر اور روکھے پن کا مقابلہ بھی کر سکے گا؟ اور یورپی ہونے کے ناتے، بالآخر، یہ کس کا طرف دار ہو گا؟

وہ مسلسل انہی کاغذات کی ورق گردانی کرتا رہا۔ اس کا انہماک قابل دید تھا۔ مما اپنے دفتری کاموں میں الجھی رہیں، اسی دوران، اسے مشروبات بھی پیش کئے گئے اور ڈیرہ ڈیرہ کے استغراق کا یہ عالم تھا کہ اسے اپنے گردوپیش کی سرے سے خبر ہی نہیں تھی۔ کوئی گھنٹہ بھر بعد، اس نے کاغذات پر سے اپنا سر اٹھایا۔ کاغذات میز پر رکھ دیئے۔ رومال سے اپنے چہرے پر آیا پسینہ پونچھا، ہلکا سا کھنکارا۔ پھر پہلے میری طرف اور پھر مما کی جانب دیکھا مگر بولا کچھ بھی نہیں۔

"یہ سب کیا ہے، مسٹر لیلیو بٹکس؟ "مما نے پوچھا "اوہ، معافی چاہتی ہوں، میں ابھی تک آپ کے نام کا صحیح تلفظ نہیں ادا کر سکتی شاید؟"

اس کے چہرے پر مختصر سی مسکراہٹ آئی۔

"نہیں، ٹھیک ہے۔ میرا یہ نام تو صرف دستخط کے لئے ہے۔ نیا ئے، میں اس بات کا برا نہیں مانتا، اکثر لوگ میرا نام صحیح نہیں لے پاتے۔ مجھے اس بات سے قطعی پریشانی نہیں ہوتی، بے شک الٹا سیدھا لیتے رہیں میرا نام!"

"اتنی مشکل اور پیچیدہ صورت حال میں بھی آپ مذاق کر لیتے ہیں، ہم تو پاگل ہو گئے اس

چکر میں"۔

"جب معاملات قانونی نوعیت کے ہوں نیائے تو کسی کے محسوسات اور جذبات ان پر قطعی اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ لوگو قہقہے لگا رہے ہوں، اچھل کود رہے ہوں یا چیخنے چلانے میں لگے ہوں، نتیجہ وہی ہوگا، جو ہونا ہے۔ بالآخر فیصلہ قانون کے ہاتھوں ہونا ہے"۔

"تو کیا ہم اس معاملے میں جیت نہیں پائیں گے؟"

"شکست کے بارے میں بات نہ کرنا بہتر ہے۔ نیائے "وکیل نے کہا اور دوبارہ ورق گردانی میں مصروف ہوگیا۔"ہم نے ابھی اپنی کوشش شروع نہیں کی۔ میرے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ نیائے کو بھی قانون کی طرح سرد اور پرسکون ہونا چاہئے۔محسوسات ان معاملات پر اثر انداز ہو ہی نہیں سکتے۔ غصہ اور مایوسی بے کار کی باتیں ہیں۔ آپ بھی سن رہے ہیں نا جناب؟ "اس نے اچانک میری جانب متوجہ ہوکر کہا۔"آپ ڈچ تو سمجھتے ہیں نا؟"

"جی، میں سن رہا ہو"۔

"یہ معاملہ تمہاری بیوی کے مقدر اور تمہاری شادی سے متعلق ہے۔ مخالف یقیناً "بہتر پوزیشن میں ہیں۔ ہم پوری کوشش کریں گے کہ تمہاری توقع کے مطابق، یہ فیصلہ ختم ہو جائے یا کم از کم اس پر عمل درآمد ہی التوا میں پڑ جائے"۔

میں اسی وقت سمجھ گیا کہ دراصل ہم ہار چکے ہیں۔ ہمیں تو آسیہ کے جانبازوں کی طرح اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے لڑتے رہنا ہے۔ اب یہ ہم پر ہے کہ ہم کتنی دیر تک لڑ سکتے ہیں۔ مما نے بھی اپنا سر جھکا لیا۔ وہ غالباً بات کی تہہ تک پہنچ گئی تھیں۔ ان کی بچی، ان کا کاروبار، ان کی زندگی بھر کی جدوجہد کا سارا پھل اور ان کی جائیداد، غرض ہر شے ان کے ہاتھوں سے نکلی جا رہی تھی۔

"ہاں منکی بیٹا، ہم بھرپور مدافعت کریں گے"۔ مما نے سرگوشی میں کہا۔ ایک دم وہ عمر رسیدہ نظر آنے لگیں۔ وہ خاموشی سے اٹھیں اور اپنی بیٹی کو دیکھنے، بالائی منزل کی جانب چل دیں۔

مسٹر ڈیرہ ڈیرہ ایک بار پھر انہی کاغذات میں غرق ہوگئے۔ پتہ نہیں کیوں مجھے اب ناٹے قد کے وکیل پر اتنی بری طرح شک ہوا کہ میں بڑے محتاط انداز میں اس کی نگرانی کرنے لگا۔ مجھے یہ خوف تھا کہ کہیں ان کاغذات میں سے کچھ وہ چپکے سے اڑا ہی نہ لے۔

ایک گھنٹہ اور گزر گیا، مما دوبارہ نیچے آفس میں آگئیں۔ وہ وکیل کے مدمقابل، بالکل میرے برابر بیٹھ گئیں۔ "ابھی ان کاغذات کا مزید جائزہ لینا ہے آپ نے مسٹر ڈیرہ ڈیرہ؟"

انہوں نے حسب معمول، بڑے پر اعتماد انداز میں اس سے پوچھا۔

وکیل نے اپنی نگاہیں اوپر اٹھائیں، ایک لمحے کو دیکھا اور پھر کہنے لگا: "ہمیں کوشش تو کرنا ہے نیائے"۔

"آپ کو اس میں جیت کا امکان نظر نہیں آتا؟"

"کوشش کرنا ہمارا کام ہے "اور وہ دوبارہ پڑھنے میں منہمک ہو گیا۔

مما نے سارے کاغذات اس سے لے لئے۔

"آپ کی فیس آپ کے آفس پہنچ جائے گی۔ سہ پہر بخیر"

مسٹر ڈیرہ ڈیرہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ سر کے اشارے سے انہوں نے سلام کیا، اور اس کے بعد ڈارسم انہیں چھوڑنے چلا گیا۔

"منکی ہم ان سے لڑیں گے۔ حوصلہ ہے نا بیٹا؟"

"بالکل ماں، ہم مل کر لڑیں گے"۔

"وکیل نہ ہونے کے باوجود، ہم پہلے مقامی ہوں گے جو سفید فام عدالت کے خلاف لڑیں گے۔ بیٹا، یہ ہمارے لئے کم عزت کا مقام ہوگا؟"

مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ مجھے کیسے لڑنا ہے، کس مقصد کے لئے لڑنا ہے؟ کون اور کیسے۔ مجھے یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ اس لڑائی میں میرے ہتھیار کیا ہوں گے یا ہماری کوششوں کا رنگ کیا ہوگا۔ لیکن ہمیں بہر حال لڑنا ہے؟

"جنگ، ماں، جنگ، ہماری پوری قوت سے لڑیں گے"۔

"اگر تم انالیز کو بھی اس جنگ کے لئے، ذہنی طور پر تیار کر سکو۔ تو اس کی بیماری اور کمزوری سب ہمیشہ کے لئے غائب ہو جائے گی اور وہ تمہاری زندگی کی بہترین ساتھی ثابت ہوگی"۔

انالیز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے، میں نے اپنے خیالات کو آزاد چھوڑ دیا اور موجودہ واقعات پر غور کرنے لگا۔ انجینئر مورٹس مے لیما اور اس کی ماں کو ہرمن مے لیما سے انتقام لینے کی وجہ تو بہر حال موجود تھی۔ لیکن ہوا کیا؟ بجائے اس کے کہ وہ اپنے باپ کی وراثت سے متنفر ہوتا، وہ

اپنی ماں سمیت ہرمن مے لیما کی جائیداد کا ایک ایک پیسہ اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ بھی انالیز کے پاپا کی موت کے خواہاں تھے۔ وہ آہ تیانگ کے عمل میں برابر کے شریک تھے اور دلی طور پر اس کے ہمدرد رہے ہوں گے، لیکن اس بنیاد پر انہیں کوئی سزا نہیں دی جاسکتی، ذہن اور روح کی زندگی سرکاری پیمانوں سے ناپی نہیں جاسکتی۔

یہ محض ایک ایسا کیس تھا جس میں سفید فام نسل مقامیوں کو نگلے جا رہی ہے۔ مجھے، انالیز اور مما کو ہڑپ کر رہی ہے۔ غالباً یہی نوآبادیاتی رجحان کہلاتا ہے۔ اگر ماجدہ پیٹرز کی اشیا کے متعلق وضاحت درست تھی۔۔۔۔۔۔۔ مفتوح مقامی لوگوں کو ہڑپ کئے جانے کا معاملہ۔

اچانک مجھے آزاد خیالوں کا خیال آیا۔ بقول میری ٹیچر کے، جنہیں مقامیوں کی تکالیف کا شدید احساس تھا۔ سوشل ڈیموکریٹک پارٹی بھی یہی چاہتی تھی۔ آہ ! میری اچھی ٹیچر، میں تمہیں خدا حافظ کہنے بھی نہیں جاسکا۔ اگر تم سرابیا میں ہوتیں تو یقیناً "ہماری مدد کا کوئی راستہ ضرور نکالتیں۔ کم از کم ہمیں کوئی بہتر تجویز ہی دیتیں اور ہماری مدد کرتے ہوئے، انہیں کتنی خوشی ہوتی۔

مس ماجدہ پیٹرز کے بارے میں سوچتے سوچتے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہونے لگا۔ انہیں جزائر چھوڑنے پر مجبور ہی اس لئے کیا گیا تا کہ ایمسٹرڈیم کی عدالت کے فیصلے پر عمل درآمد کو آسان بنایا جاسکے۔ ممکن ہے انہیں جلاوطن نہ کیا گیا ہو بلکے آمدہ مقدمے کی وجہ سے، راستے سے ہٹایا گیا ہو۔ میرے شبہات اور زیادہ پختہ ہونے لگے۔ مورٹس مے لیما اور ایمسٹرڈیم کی عدالت کا شیطانی اتحاد، ہر شے کا پہلے سے ہی انتظام کر چکا تھا۔ یہ بات دل کو لگتی تھی کہ مس ماجدہ پیٹرز کو اسی لئے راستے سے ہٹا دیا گیا کیونکہ سکول ڈائریکٹر اور دوسرے اساتذہ ہمارے قریبی تعلق سے بخوبی آگاہ تھے۔ اگر میرے شبہات میں ذرا بھی سچائی تھی تو یہ سب کچھ پہلے سے تیار کردہ ڈرامے سے زیادہ کچھ بھی نہیں تھا اور اس کا مقصد صرف اور صرف مقامی لوگوں میں اذیت اور رسوائی، ناطاقتی اور بے بسی کا احساس مضبوط بنانا تھا۔ پورے جزائر میں میری دوسری پوزیشن (پہلی پوزیشن آنی تو ناممکن تھی) بھی اسی ڈرامے کا ایک حصہ تھی۔ اس طرح نوآبادیاتی حکومت کا مقصد بھی پورا ہو جاتا اور انقلابی یا سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کے لوگ بھی اپنی جگہ خوش اور مطمئن ہو جاتے۔

کیا مجھے اس قسم کے شبہات کا شکار ہونا چاہئے؟ ایک پڑھے لکھے آدمی کی حیثیت سے کیا میری یہ سوچ صحیح اور منصفانہ ہے؟ بار بار میں اس بارے میں سوچتا رہا۔ لیکن ہر دفعہ تان آ کر وہیں ٹوٹتی۔ میرے شبہات کو کسی نہ کسی وجہ سے مزید تقویت ملتی۔ سکول سے میرا اخراج، پھر اخراج کے

فیصلے کی واپسی۔ سکول میں بحث ومباحثہ کے سیشن کا خاتمہ، ماجدہ پیٹرز کی ملک بدری، اسسٹنٹ ریذیڈنٹ ٹاؤن بی کی مداخلت، ڈائریکٹر کے ذریعے سکول پارٹی میں دی گئی دعوت اور پھر بھی ڈائریکٹر اور دوسرے اساتذہ کی شادی کے موقع پر غیر حاضری اور صرف ماجدہ پیٹرز کے ذریعے بھیجے گئے ایک خط کے ذریعے سب کی نمائندگی۔ نہیں، میں نہ تو جاہل تھا اور نہ ہی اتنا کم عمر کہ یہ سب باتیں نہ سمجھ سکوں۔ تمام سلسلے پوری طرح ایک دوسرے سے منسلک نظر آ رہے تھے۔ اور مقصد ایک ہی تھا کہ مورٹس مے لیما کو ایک مقامی عورت سنی کم، اس کی بیٹی اور اس کے داماد کے مقابلے نہ صرف کامیابی دلائی جائے بلکہ اس کی دولت اور جائیداد پر بھی مکمل قبضہ دلایا جائے۔

"کوئی نئی بات ذہن میں آئی بیٹا؟"

"ماں، اگر آج شام کوئی گڑبڑ نہ ہوئی تو اس مسئلہ پر میری پہلی تحریر چھپ جائے گی۔ اگر عوامی سوچ نے اس کا خیر مقدم نہ کیا تو سمجھ لیجئے کہ ہم ہار گئے۔ ماں، ہمیں کچھ وقت چاہئے"۔

"ہار کے بارے میں بالکل نہ سوچو۔ ڈیرہ ڈیرہ کا کہنا ہے کہ سب سے پہلے مزاحمت کا بہترین راستہ تلاش کرو۔ سب سے قابل احترام مزاحمت، ڈیرہ ڈیرہ صحیح کہہ رہا تھا۔ اصل میں اس کی اپنی اغراض غلط تھیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ فیس اینٹھنا چاہتا تھا۔ بجوجیسا عفریت!"

"ہم اپنے یورپی دوستوں کو بہترین انداز میں جواب دیں گے۔ ماں"۔

"کوئی غلطی نہیں کرنی ہے"۔

اسی شام میں نے ہربرٹ ڈی لاکروکس کو ٹیلی گرام بھیجا۔ جس میں ان کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی تھی۔ مریم کو بھی لکھا۔ اگر کوئی بھی نہیں سنتا تو مجھے اچھی طرح سمجھ آجائے گی کہ کچھ عظیم اور چکاچوند پھیلانے والی یورپی سائنسی اور ٹیکنالوجی بیکار محض ہے، خالی خولی باتوں سے زیادہ کچھ نہیں۔ خالی لفظوں کی جگالی۔ آخر میں کیا ہوگا، ہمیں اپنے پیاروں سے، اپنی ملکیت سے جدا کر دیا جائے گا۔ ہماری عزت، محنت، حقوق یہاں تک کہ بیٹی اور بیوی تک ہم سے چھین لی جائے گی۔

اسی رات مما کو اور مجھے رات بھر انالیز کو دیکھنا پڑا۔ ڈاکٹر مارٹی نیٹ نے اسے سلانے کے لئے کوئی نشہ آور دوا دی تھی ڈاکٹر مارٹی نیٹ اپنی مرضیہ، اس کی ماں، اور اس کے شوہر کی حالت دیکھ کر بہت پریشان ہوئے تھے۔ انسان کی بنائی ہوئی تقدیر نے ان کو جکڑ کر رکھ دیا تھا۔ اور تقدیر بھی وہ، جو شمال میں بیٹھے ان دیکھے لوگوں نے، ہم پر مسلط کر دی تھی۔

"میں تو صرف ڈاکٹر ہوں، نیائے، مجھے قانون کا کچھ علم نہیں، نہ ہی مجھے سیاست آتی ہے"۔انہوں نے اپنی دلی مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

وہ دوسرے فرد تھے جنہوں نے سیاست کا لفظ استعمال کیا تھا۔

"معذرت چاہنا ہی بہتر ہوگا کیونکہ ان مشکلات اور پریشانیوں کو کم کرنے کے لئے میں واقعی آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔میرے قریبی دوستوں میں کوئی اہم شخص شامل نہیں ہے۔میں کبھی بال روم کلب وغیرہ میں شریک نہیں ہوا،اپنی تنہائی پسندی کی وجہ سے"۔

اور کتنے سیدھے سادھے انداز میں ڈاکٹر مارٹی نیٹ نے اپنی صفائی پیش کی۔

"میرے دوست تو وہی ہیں جنہیں میری مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔میرے پاس تو اور کچھ ہے ہی نہیں"۔

"لیکن آپ ہمارے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کو تو غیر منصفانہ محسوس کرتے ہوں گے؟" ممانے پوچھا۔

"غیر منصفانہ نہیں بلکہ انتہائی وحشیانہ!"

"یہی بہت ہے۔ڈاکٹر،اگر خلوص دل سے یہ کہا گیا ہے"۔

"معافی چاہتا ہوں۔میں کسی قابل ہی نہیں۔۔۔۔۔۔۔"۔

وہ انتہائی کبیدگی کے عالم میں اٹھے۔دروازے پر انہوں نے بڑے دکھ سے کہا۔

"میں سمجھتا تھا کہ دنیا میں سب سے مشکل اور تکلیف دہ کام ٹیکس ادا کرنا ہے۔یہ تو میرے خواب وخیال میں نہیں تھا کہ اس قسم کی دشواریوں کا سامنا بھی ہوتا ہے"۔

وہ ڈارسم کی ہمراہی میں،اندھیرے میں غائب ہوگئے۔

ڈی لاکروکس کو ٹیلی گرام بھیجے پانچ گھنٹے گزر چکے تھے۔پانچ گھنٹے !اور جواب ابھی تک ندارد۔کیا ہربرٹ اور مریم گھر پر موجود نہیں تھے؟یا وہ ہم مقامیوں کی ہنسی اڑا رہے تھے؟

"ہاں،بیٹا،ہمیں زبردست مزاحمت کرنا ہے۔کوئی یورپین ہمارے ساتھ کتنا ہی مخلص اور مہربان رہا ہو،بالآخر وہ یورپین قانون اپنے ہی قانون کے ساتھ مزاحم ہونے کا خطرہ کیوں مول لیں اور وہ بھی مقامیوں کا مفاد ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے۔ہم اگر ہار بھی گئے تو ہمیں اس پر کوئی شرمندگی نہیں ہوگی۔اس کی وجہ یہ ہے بیٹا۔ہم مقامی لوگ ان وکیلوں کی خدمات حاصل نہیں کرسکتے۔پیسہ ہونے کے باوجود بھی یہ نہیں ہو پاتا اور اس کی وجہ صرف بے حوصلگی ہے اور دوسری

بات یہ کہ ہم نے ابھی کچھ سیکھا نہیں۔ یہ جو مشکلات آج ہمیں درپیش ہیں، مقامی ہمیشہ سے انہی تکالیف کا شکار رہے ہیں۔ کوئی ان کے خلاف آواز نہیں اٹھاتا۔ دریا کی تہہ میں پڑے پتھروں کی طرح، گونگے بنے رہتے ہیں سب، بے شک ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے جائیں۔ اگر ہماری طرح سب لوگ بولنا شروع کر دیں تو کتنی خوفناک اور طاقتور آواز پیدا ہوگی۔ شاید دکھی آوازوں سے آسمان بھی دہل کر رہ جائے۔

مما اپنے احساسات کو بھولتی جا رہی تھیں۔ وہ معاملے کو ذاتی اور خاندانی نقطہ نظر کے بجائے، وسیع تر پس منظر میں دیکھ رہی تھیں۔ وہ جاوا میں ہر سمت بکھرے ہوئے دریائی سنگ ریزوں، پہاڑوں، چونے اور گرینائٹ کی چٹانوں کو سوچ رہی تھیں۔ جن کے شاید منہ تو موجود تھے مگر زبانیں نہیں تھیں۔ شاید ان بے زبانوں کے غیر مربوط جسم میں دل دھڑکتے ہوں گے۔

"بھرپور مزاحمت کے نتیجے میں، ہمیں مکمل شکست نہیں دی جا سکے گی"۔ ان کے لہجے میں آمدہ شکست کا یقینی علم محسوس ہو رہا تھا۔

"یورپی تہذیب میں شرم نام کی کوئی چیز ہوتی ہی نہیں"۔ مما نے ذرا غصیلے لہجے میں مجھے بتایا۔

"تم تو ان سے خاصا ملتے جلتے رہے ہو۔ پھر تم ایسی بات کیوں کر رہے ہو؟" "تمہیں بیٹا، ایک مقامی ہوتے ہوئے، ایسے خیالات کے قریب بھی نہیں پھٹکنے دینا چاہئے۔ یورپ اور شرم دو متضاد چیزیں ہیں۔ ان کا کوئی تعلق بنتا ہی نہیں۔ وہ صرف اپنا راستہ نکالنا جانتے ہیں۔ یہ بات کبھی نہ بھولنا بیٹا"۔

"ٹھیک ہے ماں"۔ میں نے ان کی برتری تسلیم کرتے ہوئے کہا۔ ان کی اس بات کا صحیح یا غلط ہونا بالکل ایک مختلف معاملہ تھا۔

"میں کبھی سکول نہیں گئی۔ مجھے یورپیوں کی تعریف کرنا سکھایا بھی نہیں گیا۔ تم سالہا سال پڑھتے رہے ہو، بے شک کچھ بھی پڑھتے رہے لیکن اس کی بنیاد ایک ہی ہوگی۔ یورپیوں کی برتری کا احساس اور ان کی لامحدود تعریف۔ کیونکہ اپنے بارے میں تو تمہیں کچھ پتہ ہی نہیں کہ تم کون ہو اور کہاں سے تمہارا تعلق ہے۔ سکول جانے کا ایک فائدہ تو بہرحال ہوا تمہیں دوسری اقوام کے وجود کا پتہ چلا جو دوسری اقوام مفتوح لوگوں کے مال و متاع پر قابض ہونے اور انہیں لوٹ لے جانے کے بڑے اچھے اچھے طریقوں سے واقف ہیں"۔

میری ساس نے میز پر پڑا ہوا اخبار اٹھایا۔ اس میں میرا مضمون چھپا تھا اور اس پر ایڈیٹر کی رائے بھی موجود تھی۔ "تمہاری تحریروں میں کسی ایسی دوشیزہ کا سا جوش و جذبہ نظر آتا ہے۔ جو اپنے حجلہ عروسی میں اپنے دلہا کی آمد کی منتظر ہو۔ موجودہ واقعے کو تو خیر چھوڑو، یہ جو پے در پے پریشانیاں تم پر پچھلے کچھ عرصہ میں پڑی ہیں، اس کے نتیجے میں تم ابھی تک درشت نہیں ہوئے۔ تمہارے رویے میں سختی اور غیر لچک پن آ جانا چاہیئے تھا، ہم دوسروں کی بات کیوں مانیں؟ "وہ اس طرح سرگوشی میں باتیں کرنے لگیں جیسے کوئی اور ہماری باتیں سننے کی کوشش میں ہو"۔ اب تمہیں مالے میں لکھنا چاہیئے۔ بیٹا مالے اخبارات پڑھنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے"۔

"افسوس اماں، میں مالے میں لکھ نہیں سکتا"۔

"اگر فی الحال کوئی مسئلہ ہے تو کوئی اور تمہاری تحریروں کا ترجمہ کر دیا کرے گا"۔

میرے ذہن میں فورا" کمار کا تصور آ گیا۔

"ٹھیک ہے مما؟ "میں نے فورا" جواب دیا۔

"اسلامی قانون کے مطابق تمہاری شادی جائز اور قانونی ہے۔ اس کو مسترد کرنا، اسلامی قانون کی توہین ہے۔ وہ قانون جسے پورا مسلم معاشرہ اپنے دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ آہ! میں بھی جائز شادی کے خواب دیکھا کرتی تھی۔ مے لیما نے ہمیشہ انکار کیا۔ اس کی پہلے ایک بیوی جو تھی اور اب میری بچی نے شادی کی ہے، صحیح طریقے سے اور اسے تسلیم ہی نہیں کیا جا رہا"۔

"میں اس موضوع پر کام کروں گا ماں۔ آپ کچھ دیر کے لئے، اب سو جائیں"۔

وہ سونے چلی گئیں۔ ان کی چال میں اب بھی ناقابل شکست جنرل کا سا وقار اور متانت موجود تھی۔ صبح کے تین بجنے میں کوئی دس منٹ باقی ہوں گے۔ میرا مضمون تقریبا" مکمل ہو چکا تھا۔ اچانک کسی گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز قریب آتی سنائی دی۔ جلد وہ آواز ہمارے احاطے میں داخل ہو گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں کھڑکی کے نیچے سے مجھے ڈارسم کی آواز آئی۔ "چھوٹے مالک، اٹھیں!"

نیچے ڈارسم کے ہاتھ میں لالٹین تھمی تھی۔ اس کی روشنی میں پوسٹ مین کی وردی میں ایک انڈو نظر آیا۔ اس نے سلام کرنے کے بعد مالے میں پوچھا"تو آن منکی، ٹاؤن بی کے اسسٹنٹ ریذیڈنٹ کا ٹیلی گرام ہے؟"

پانچ سینٹ کی ٹپ لے کر وہ خوشی خوشی واپس ہو لیا۔ اس کے گھوڑے کی ٹاپیں تیزی سے

دور ہوتی بالآخر غائب ہوگئیں۔

"چھوٹے آقا۔ آپ کو کام کرتے کرتے ساری رات گزر گئی۔ اب صبح ہو رہی ہے۔ تھوڑا سا آرام کر لیں۔ پھر ہو جائے گا باقی کا"۔

اسے حالات کے بارے میں کچھ بھی پتہ نہیں تھا۔ لیکن وہ اردگرد ہوتی سرگرمیوں کی وجہ سے خاصا فکرمند لگ رہا تھا۔ آہ ڈارسم ! یہ معاملہ حقوق، قانون اور انصاف کا ہے۔ تم ہمیں اپنی تلوار اور خنجر کے ذریعے تحفظ نہیں دے سکتے۔ پھر میرے ذہن میں وہی خیال در آیا: اپنے خیالات کی ابتدا سے ہی تمہیں صحیح اور منصفانہ ہونا چاہئے۔ ڈارسم تو بڑا اجی دار خنجر باز ہے، یہ خاموش پتھر اور چٹانیں بھی تمہاری مددگار ہو سکتی ہیں ۔۔۔۔۔۔ بشرطیکہ تم انہیں جانتے ہو اور انہیں سمجھ سکتے ہو۔ کسی ایک فرد کی صلاحیتوں کو بھی کم نہیں جاننا چاہئے !

"ٹھیک ہے، ڈارسم، میں اب سو رہا ہوں"۔

"ہاں، چھوٹے آقا، سو جائیں۔ نیا دن، نئے مواقع ساتھ لاتا ہے"۔

یہ سیاہ کپڑوں میں ملبوس آدمی کتنا عقلمند ہے۔ میں بالائی منزل پر چلا گیا اور ٹیلی گرام پڑھنے لگا۔

"منکی، سمارانگ سے ایک معروف وکیل، پرسوں تک تمہارے پاس آئے گا۔ اس پر اعتماد کرنا۔ اسے سٹیشن پر ملنا۔ وہ ایکسپریس ٹرین پر آ رہا ہے۔ نیائے اور انالیز کو ہمارا اسلام۔ مریم اور ہربرٹ"۔

امی، امی ! بالآخر میری آواز سن لی گئی اور آپ کو پتہ بھی نہیں کہ یہاں ہمارے ساتھ کیا بیت رہی ہے۔ میں آپ کو جگاؤں گا بھی نہیں۔ بےفکر رہیں، آپ کا بیٹا بھاگنے والا نہیں ہے۔ وہ جم کر مزاحمت کرے گا۔ پوری قوت سے آپ کا بیٹا کوئی مجرم نہیں ماں، آپ کی بہو کو کوئی چھین کر نہیں لے جا سکے گا۔ وہ آپ کی دعاؤں کے صدقے آپ کو پوتا پوتی کی خوشیاں دے گی اور پھر ایک دن آپ ان کی شادیاں جاوی رسم و رواج کے مطابق ۔۔۔۔۔۔ کر رہی ہوں گی ۔۔۔۔۔۔

اسلامی قانون سے متصادم مغربی قانون کے متعلق میرا مضمون، ڈچ زبان میں، سرابیا نیوز میں چھپا۔ اس کا مالے ترجمہ دیگر اخبارات میں، اسی شام کو منظر عام پر آ گیا۔ ہماری خصوصی

کاپی دینے کے لئے مسٹر مارٹن نیامن، خود ہمارے گھر آئے۔

"تم نے مسلسل ہماری مدد کی ہے اور اب ہماری باری ہے کہ تمہاری مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں"۔ انہوں نے کہا" لیکن ہم تمہارے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے اور کر کیا سکتے ہیں۔ اخبارات کا تمام ادارتی سٹاف اور کارکن تمہاری مزاحمانہ جدوجہد کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ تم سے مخلصانہ اور سچی ہمدردی رکھتے ہیں۔ شدید طوفان میں گھری کسی ننھی منی چڑیا کی طرح، کم عمر اور ناتجربہ کار ہو مگر پھر بھی شاندار مزاحمت کر رہے ہو۔ کوئی اور ہوتا تو جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی بکھر کر رہ جاتا۔ مسٹر ٹولی نار"۔

انہوں نے اخبار میں چھاپنے کے لئے ایک تصویر ادھار مانگی۔ "اگر ممکن ہو تو اپنی اور نیائے کی تصویر بھی"۔ مما نے انالیز کی ایک بڑی سی تصویر لا کر دی جس میں وہ بیش قیمت لباس اور زیورات زیب تن کئے ہوئے تھی۔

"افسوس، ہم یہ تصویر جلد ہی نہیں چھاپ سکیں گے۔ کم از کم دو مہینے ہمیں ضروری انتظار کرنا ہوگا"۔ نیامن نے وضاحت کی۔ جزائر ابھی تک وحشی جنگل کی طرح ہیں۔ یہاں کوئی ایسی فیکٹری نہیں ہے جو ایسے ٹن پر نقل کر کے دے سکے۔ زنکوگرافی کا ابھی یہاں رواج نہیں ہوا ہے۔ ہم اس کا نیگیٹیو ہانگ کانگ سے بنوائیں گے۔ اگر ہانگ کانگ والے، اپنے کام کے رش کی وجہ سے نہ کر سکے تو پھر یہ کام کرانے ہمیں اسے یورپ بھیجنا ہوگا۔ وقت تو خاصا لگے گا لیکن اس میں کامیابی کا بڑا اچھا اثر پڑے گا۔ جزائر میں ہم پہلی بار یہ تصویر ٹن نیگیٹیو کے ذریعے چھاپ رہے ہوں گے"۔

وہ باتیں کرتا رہا پھر اس نے انالیز سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ ہم نے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہونے کی وجہ سے معذرت کر لی۔

" کیا مس انالیز پیٹ سے ہیں؟ "نیامن نے پوچھا" سوال کی نوعیت کے لئے معافی چاہتا ہوں۔ یہ شاید ناموزوں سا لگا ہوگا۔ لیکن اس سے معاملات خاصے تبدیل ہو سکتے ہیں۔ ایمسٹرڈیم کی عدالت کے فیصلے کے باوجود، مورٹس مے لیما سے متعلق فیصلہ کالعدم ہو سکتا ہے"۔

انالیز حاملہ ہو گئی۔ یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ جواب کیا دیتا؟ مما بھی حیرانی سے میری جانب دیکھنے لگیں۔ نیامن کے جاتے ہی کمار، اپنے اخبار کی اعزازی کاپی لئے ہوئے آ گیا۔

"نیائے، مسٹر منکی"۔ اس نے کہا" تمہاری تحریریں عنقریب گاؤں گاؤں تک پہنچ جائیں

گی۔ ہم نے لوگوں کو پڑھ کر سنانے کے لئے لوگوں کی خدمات حال کی ہیں۔ لوگ اکٹھے ہو کر سنا کریں گے۔ پندرہ خصوصی کاپیاں خاص خاص اسلامی راہنماؤں کو، باقاعدہ سرخ انڈر لائن کر کے بھیجی گئی ہیں۔ وہ بھی لازما " آواز اٹھائیں گے۔ میں آج رات، ان کی رائے جاننے کی کوشش کروں گا۔ نیائے اور تم اکیلے نہیں ہو۔ اس خاندان کی مشکلات کے دوران تمہارا دوست کمار، تمہارے ساتھ ساتھ ہوگا"۔

ہم اسی بگھی میں سرابیا روانہ ہو گئے۔ وہ گوننگ سری پر اتر گیا۔ میں اپنے وکیل سے، جسکا نام بھی ابھی مجھے معلوم نہیں تھا، ملنے اسٹیشن چلا گیا۔ کمار نے رخصت ہونے سے پہلے بڑی محبت سے اپنا ہاتھ لہرایا۔ اس کی آنکھوں میں انسانی جذبہ چمکتا صاف نظر آ رہا تھا۔ جس وکیل سے میری ملاقات ہوئی، وہ ادھیڑ عمر تھا۔ خاموش طبع مگر چہرے پر مسکراہٹ لئے۔ مسٹر ڈیرہ ڈیرہ کے برعکس وہ سننا زیادہ پسند کرتا تھا۔ اس کا نام تھا مسٹر۔۔۔۔۔۔۔ میں یہاں اس کا نام ظاہر نہیں کروں گا۔ وہ بہت مشہور و معروف قانون دان تھا اور ایک ذہین وکیل ہونے کے ناتے اس نے دولت بھی بہت کمائی تھی۔ بڑے بڑے مقدمات کے سلسلے میں، اکثر اس کا نام آتا رہتا تھا۔

وہ ہمارے گھر میں ٹھہرا۔ تمام رات وہ انالیز کی فائل کا مطالعہ کرتا رہا۔ اس نے دو محرروں کی خدمات حاصل کرنے کو بھی کہا تاکہ ہر دستاویز کی نقلیں تیار کی جاسکیں۔ پنجی در من سابقہ جان ڈیپرسٹی اور میں نے، اس کے محرر کے طور پر کام کیا۔ لیکن میری بدخطی اور غلطیوں کی بھرمار کی وجہ سے، مجھے مسترد کر دیا گیا۔ چنانچہ ڈارسم کو کہیں سے ڈپٹی پوسٹ ماسٹر آفس کا کوئی کلرک پکڑ کر لانا پڑا۔ وہ اپنے ہمراہ سرکاری دستاویزات میں استعمال ہونے والی خصوصی سیاہی بھی لایا۔

مسٹر۔۔۔۔۔۔۔ (ان کا نام ظاہر کرنے کا حوصلہ نہیں ہو رہا اور اگر اس مقدمے میں وہ ناکام ہو گئے تو ان کی پریکٹس بھی متاثر ہو سکتی ہے) صبح تک ان کاغذات کا بغور مطالعہ کرتے رہے۔ دونوں محرروں نے تمام دستاویزات کی دو دو کاپیاں تیار کر دیں۔ صبح چھ بجے انہیں اپنے اپنے کاموں پر جانا تھا، اس لئے ہمیں دو مزید افراد کا انتظام کرنا پڑا۔

صبح سات بجے مسٹر۔۔۔۔۔۔۔ نے ایک لمبا چوڑا خط لکھا، اس کی بھی کچھ نقلیں بنوائی گئیں۔ کاغذات کی ایک نقل کے ساتھ، وہ ڈارسم کو ہمراہ لے کر سرابیا کی یورپی عدالت روانہ ہو گئے۔ وہ شام کو واپس آئے اور آتے ہی سونے چلے گئے۔

عدالت میں کیا ہوا، ہمیں کچھ پتہ نہیں تھا۔

شام کے وقت، کمار کے اخبار میں یہ خبر چھپی کہ مسلمان علما ایمسٹرڈیم کی عدالت کے فیصلے اور اس پر سرابیا کی عدالت کے ذریعے عمل درآمد کے خلاف احتجاج کرنے سرابیا کی عدالت میں آ گئیں گے۔ انہوں نے معاملے کو، بٹاوی میں موجود اسلامی مذہبی سپریم کورٹ میں لے جانے کی دھمکی بھی دی۔ انہیں عدالت کے سامنے سے، خصوصی پولیس دستوں کے ذریعے، زبردستی ہٹا دیا گیا۔

تبصرے نے جو غالبا خود کمار کا لکھا ہوا تھا، نوآبادیاتی حکومت کو خبردار کیا تھا کہ وہ مسلمان علما کے ساتھ انتہائی احتیاط اور دانش مندی کے ساتھ معاملات طے کرے کیونکہ اس خطے کے عوام میں ان کا بے پناہ احترام اور اثر و رسوخ ہے۔ لوگوں کے اعتقادات سے کھیلنا بہت خطرناک عمل ہے۔ بے بس اور کمزور لوگوں کے جائز قانونی حقوق، جائیداد، بیوی بچوں کو چھینے جانے سے بھی زیادہ خطرناک، ان کے ایمان اور اعتقادات پر حملہ ہے۔

یہ دوسرا موقع تھا کہ کمار نے اپنی دوستی پوری طرح نبھائی۔ ہماری حمایت میں بولتے ہوئے، ہماری صورت حال اور عمومی حالات کا بخوبی استعمال کرنا، اسے بطریق احسن آتا تھا، اس کے الفاظ سیدھے، آسان فہم اور دل میں جا چبھنے والے ہوتے تھے، معنویت اور اعتماد سے بھرپور ہوتے تھے اور ہاں خطرات سے بھرپور بھی۔ سرابیا نیوز نے نیامن اور نیائے کا ایک انٹرویو چھاپا۔

"بیس سال کی شدید جسمانی اور ذہنی محنت کے بعد، ہزارہا مشکلات اور خطرات پر قابو پانے کے بعد، تن تنہا، میں نے اس کاروبار کو پروان چڑھایا، لیکن کہیں ہرمن مے لیما بھی میرے ساتھ رہے۔ اپنے بچوں سے زیادہ نگہداشت کی اس بزنس کی۔ اب یہ سب کچھ مجھ سے چھینا جا رہا ہے۔ آنجہانی مے لیما کی بیماری، ان کے رویئے اور ان کی کمزوریوں کی وجہ سے ہی میں اپنے بڑے بیٹے سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ اب ایک اور مے لیما میری بیٹی کو بھی مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے اور استعمال ہو رہا ہے یورپی قانون۔ وہ میری ہر جائز اور قانونی ملکیت پر قبضہ جمانا چاہتا ہے۔ مجھ سے میرے پیارے چھین لینا چاہتا ہے۔ اگر یہ اس کی جانی بوجھی سازش ہے تو میں صرف اتنا پوچھنا چاہوں گی: ان تمام اسکولوں کا بھلا کیا فائدہ اگر یہ اتنا بھی نہیں سکھا سکتے کہ لوگوں کے کیا حقوق ہوتے ہیں اور کیا نہیں۔ کیا صحیح اور کیا صحیح نہیں؟"

نیامن نے میرے ساتھ اپنی گفتگو کا خلاصہ اس طرح بیان کیا:

"ہم نے اپنی مرضی سے شادی کی۔ ہماری شادی میں لڑکی کی والدہ کی رضامندی شامل

تھی۔ ہماری ذات ہماری اپنی ملکیت ہے۔ ہم کسی اور کی ملکیت یا رعیت نہیں۔ غلامی 1860 میں غیر قانونی قرار دی جا چکی ہے۔ کم از کم ڈچ جزائر کی تاریخ میں ہمیں یہی پڑھایا گیا ہے۔ عدالتی فیصلے کے مطابق، میری بیوی کو مجھ سے چھیننے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ میں اس موقع پر یورپ کے ضمیر سے یہ ضرور پوچھنا چاہوں گا: کیا وہ لعنتی غلامی دوبارہ مسلط کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں؟ انسانوں کو خالصتا "سرکاری دستاویزات کے نقطہ نظر سے ہی کس طرح دیکھا جاسکتا ہے۔ جیتے جاگتے انسان کے جذبات واحساسات اور روح کا قتل کہاں تک جائز ہے؟

اس کے بعد ڈاکٹر مارٹی نیٹ کا انٹرویو تھا:

"میں اس گھرانے کو کافی عرصے سے جانتا ہوں۔ اسی لئے میں انالیز مے لیما کی شادی سے پہلے اور بعد کی جسمانی صحت کی صورت حال اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں بڑے دکھ سے یہ بات کہوں گا کہ یہ لڑکی اپنے شوہر، اپنی ماں اور اپنے ماحول سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔ اگر ایمسٹرڈیم کی عدالت کے فیصلے پر عملدرآمد کیا گیا تو مجھے ڈر ہے کہ جذباتی دھمکیوں کی وجہ سے، اس لڑکی کی زندگی تباہ ہوسکتی ہے۔ اس وقت بھی انالیز کو نشہ آور دوائیں دی جا رہی ہیں۔ تحفظ، اعتماد اور سرکاری ضمانتوں پر اسے قطعی کوئی اعتبار نہیں رہا۔ اس کی روح غیر یقینی حالات اور خوف کے مارے کچلی جا رہی ہے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ دن کی روشنی میں باہر تو ہنسی مذاق اور تفریح کا منظر ہو اور میں اسے نشہ آور دوائیاں دیتا رہوں۔ اسی معصوم دوشیزہ کو ایسے فیصلوں کا شکار کیوں بنایا جا رہا ہے جن سے اس کی زندگی یا اس کی خوشیوں کا کوئی تعلق نہیں۔ ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے میں یہ واضح کردوں کہ مسلسل نشہ آور ادویہ دینے کی صورت میں جو بھی نتائج برآمد ہوں گے، میں ان کی ذمہ داری قطعی قبول نہیں کروں گا"۔

سمارنگ سے آئے ہوئے قانون دان مسٹر۔۔۔۔۔۔ نے ہمارے مقدمے سے متعلق ہر چیز دیکھی اور پڑھی۔ وہ نوٹس بھی بناتے رہے مگر ہم سے انہوں نے کوئی بات نہیں کی اور نہ ہی ہم نے انہیں اپنے سوالات سے پریشان کیا۔ شام کو انہوں نے دوسرے شہروں سے آئے ہوئے اخبارات کا مطالعہ کیا پھر کہیں انہوں نے اپنی زبان کھولی۔

"ہمارے ارادے مستحکم ہونے چاہئیں نیائے"۔ پھر انہوں نے مما سے پوچھا "مسٹر مے لیما نے آپ سے قانونی طور پر شادی کیوں نہیں کی؟"

مما نے جواب دیا: "سمجھ نہیں آتی کہ انہوں نے باقاعدہ شادی کیوں نہیں کی حالانکہ بعض

اوقات میں نے ان پر خاصا دباؤ ڈالا تھا اس گھر میں آنے کے بعد، مجھے اس وقت یہ وجہ سمجھ آئی جب پانچ سال پہلے ان کا بیٹا یہاں آ کر ان سے ملا۔مسٹر مے لیما قانونی طور پر ابھی تک اس کی ماں کے پابند تھے"۔

مسٹر۔۔۔۔۔۔نے مڑ کر حیرت سے مما کو دیکھا" اچھا تو ان میں طلاق ہوئی ہی نہیں۔ ایسی صورت میں تو وہ اپنے بچوں کو بھی قانونا "اپنا نام نہیں دے سکتے تھے۔ کیونکہ ایسے بچوں کو ناجائز سمجھا جاتا ہے اور انہیں تسلیم کرنا بھی قانونی نہیں ہوتا۔لیکن اگر انہیں قانونا "جائز سمجھا جاتا ہے تو نیائے کی پوزیشن مضبوط ہو جائے گی"۔

میرے اور مما کے دل میں امید کی جوت دوبارہ جاگ اٹھی۔مما کو غصہ آ رہا تھا کہ مسٹر ڈیرہ ڈیرہ کو یہ نکتہ کیوں نہیں سوجھا۔لیکن کچھ ہی دن بعد ہمارے قانونی مشیر نے ہمیں بتایا کہ اس انداز کا دفاع ہمارے لئے قطعی فائدہ مند نہیں ہوگا۔مسٹر۔۔۔۔۔۔نے کہا: میں نے ہالینڈ ٹیلی گرام بھیج کر معاملات کی چھان بین کرائی ہے۔ پتہ چلا کہ مسٹر مے لیما کی گم شدگی کے پانچ سال بعد، مسز ایمیلیا مے لیما ہمیر ز نے ڈچ عدالتوں میں طلاق کے لئے کیس دائر کیا تھا۔مسٹر مے لیما کی تلاش میں ناکامی کے بعد، 1879 میں طلاق کا فیصلہ مسز ایمیلیا کے حق میں ہو گیا۔اس طرح رابرٹ کی پیدائش سے پہلے ہی، ان دونوں کا تعلق ختم ہو چکا تھا"۔پھر انہوں نے پوچھا" مسٹر مے لیما کو اس طلاق کا پتہ تھا؟"

"میں نہیں سمجھتی کہ انہیں پتہ ہوگا"۔مما نے جواب دیا۔ایک لمحے کو انہوں نے کچھ سوچا، پھر وہ پھٹ پڑیں۔

"اگر یہ سچ ہے تو پانچ سال قبل ملاقات میں مورٹس مے لیما نے اپنے باپ سے جھوٹ بولا تھا۔اس نے بڑے چیلنج سے کہا تھا کہ اگر میری ماں بے وفا ہے تو اس کے خلاف طلاق کا مقدمہ دائر کیوں نہیں کر دیتے۔اس طرح کی گفتگو کر کے، اس نے اپنے باپ کا سارا جوش خروش ختم کر دیا"۔

مما کی آنکھوں میں شدید غصہ جھلک رہا تھا۔وہ کوئی لفظ مزید ادا کئے بغیر چپ ہو گئیں مگر میں جذبات کی شدت سے، ان کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ محسوس کر رہا تھا۔مورٹس مے لیما کے بارے میں، ہماری رائے خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی تھی۔یوں لگتا ہے کہ وہ جان بوجھ کر اپنے باپ کے پاس آیا، انہیں ذہنی اور روحانی طور پر اذیت پہنچائی اور اس طرح ان کی موت، ان کے

قریب لانے کا باعث بنا اور یہ سب کچھ پیسے کے لئے ہوا۔

اگلی صبح مسٹر۔۔۔۔۔۔سمارنگ واپس چلے گئے۔ ہم پھر کسی قانونی مدد کے بغیر رہ گئے۔عدالتی فیصلے کے خلاف لڑنے کے لئے، ہمارے پاس کوئی براہ راست ذریعہ نہیں رہا۔

"ٹھیک ہے مما،صرف یہ قلم ہی بچا ہے"۔اور پھر میں نے لکھنا شروع کر دیا۔اپنے دکھ درد پر چیخنا، چلانا، دھاڑنا اور شکایت یا احتجاج بھلا کیسے کیا جاتا۔کمار نے ان کا ترجمہ کر کے ان اخبارات کو بھیجنا شروع کر دیا، جو انہیں چھاپنے کے لئے راضی تھے اور ظاہر ہے۔ان کا خاطر خواہ نتیجہ بھی برآمد ہوا۔مذہبی سپریم کورٹ نے سرابیا میں یہ بیان جاری کیا:

ہماری شادی جائز تھی اور اسے ختم نہیں کیا جا سکتا تھا۔دوسری جانب بعض نوآبادیاتی اخبارات نے توہین آمیز انداز میں لعن طعن شروع کر دی۔نیامن اور کمار کے اخباران تمام مختلف بیانات کی تلخیص کرنے میں مصروف تھے۔

اور دوسری جانب، میری بیوی، کانچ جیسی نازک گڑیا، بستر پر کسی مردہ لاش کی طرح پڑی تھی۔پورا سرابیا، انالیز، نیائے اور میری صورت حال کی وجہ سے شدید تشویش میں مبتلا تھا۔کمار نے، معاملے میں شروع میں جو کوششیں کی تھیں، وہ مسلسل توانا ہو رہی تھیں۔اس کے اخبار کی اشاعت بہت بڑھ گئی تھی اور دیہات میں اس کا اخبار باقاعدہ لوگوں کے اجتماع میں پڑھ کر سنایا جاتا۔ہر جگہ لوگوں کا بے تحاشا ہجوم ہوتا تھا۔جوں جوں معاملہ آگے بڑھا، لوگوں کی دلچسپی بھی بڑھتی گئی اور بالآخر یہ ایک عوامی مسئلہ بن گیا۔

ڈارسم بھی، بغیر پوچھے گچھے، معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا۔وہ اپنے بچوں کی مدد سے مالے اخبارات پڑھنے لگا۔۔۔۔۔۔

ایک بار پھر نیائے اور انالیز کو عدالتی سمن موصول ہوئے۔انالیز کے لئے تو جانا ہی ناممکن تھا۔صرف مما اور میں چلے گئے اور اس حال میں کہ کوئی وکیل بھی ہمراہ نہیں تھا۔اپنی بیوی کو میں ڈاکٹر مارٹی نیٹ کی نگرانی میں چھوڑ گیا۔جج نے فورا "انالیز کے بارے میں پوچھا وہ کہاں ہے۔

"بیمار ہے، ڈاکٹر مارٹی نیٹ اس کا علاج کر رہے ہیں"۔

"کیا ڈاکٹر کا خط لائے ہو اپنے ساتھ؟"

میں حیرت سے ہکا بکا رہ گیا جب نیائے نے بڑی درشتی سے جوابا" کہا

"کیا عدالت پہلے ہی یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ میری بات پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا؟"

"اچھا"جج کا چہرہ سرخ ہو گیا۔"نیائے کو ذرا شائستگی اختیار کرنی چاہئے"۔

"کیا ہر شے سے محروم کر دیا جانے والا شخص، اس ظلم وستم کے سامنے، شائستگی کا مظاہرہ کر سکتا ہے؟ صرف یہ بتائیں کہ کیا چاہتے ہیں آپ"۔

جج نے ایک مقامی عورت سے بلاوجہ ٹکراؤ سے اجتناب کیا اور ہار مان لی۔"][ٹھیک ہے۔میرے ہاتھوں میں، آنجہانی ہرمن مے لیما کی تسلیم شدہ بیٹی انالیز مے لیما کے متعلق سرابیا کی عدالت کا فیصلہ ہے۔اس فیصلے کے مطابق مس انالیز کو پانچ دن کے اندر بذریعہ بحری جہاز سرابیا لے جایا جانا ہے"۔

"وہ شدید بیمار ہے"۔مما نے جواب دیا۔

"جہاز میں اچھے اچھے ڈاکٹر موجود ہوں گے"۔

"میں اس کی روانگی کو مسترد کرتا ہوں۔میں اس کا شوہر ہوں"۔

"ہمارا اس بات سے کوئی تعلق نہیں کہ کون اس کے شوہر ہونے یا نہ ہونے کا دعوی کرتا ہے۔وہ ابھی غیر شادی شدہ ہے اور کوئی اس کا شوہر نہیں"۔

اس شیطان سے تو بات بھی نہیں کی جاسکتی تھی۔اس نے اپنی جیبی گھڑی نکالی، اپنی کرسی سے اٹھا اور وہاں سے چلا گیا۔

ہم وہاں سے شدید غصے میں آگ بگولا باہر نکلے۔میں نے مما سے پہلے گھر چلنے کے لئے کہا۔میں خبر بتانے کے لئے نیامن اور کمار کی طرف گیا۔رپورٹ تیار کرانے میں ان کی مدد کرتا رہا، یہاں تک وہ چھپائی کے مرحلے میں چلی گئی۔اسی شام کو اخبارات میں خبر آ گئی۔

ڈاکٹر مارٹی نیٹ، مما کے ہمراہ، انالیز کی خبر گیری میں لگے ہوئے تھے۔وہ دونوں خاموشی سے، سر جھکائے بیٹھے تھے۔ان میں سے کوئی بھی بولنا نہیں چاہ رہا تھا۔

اگلی صبح ایک عجیب واقعہ ہوا۔سرابیا کی عدالت کے فیصلے پر، بہت سے لوگوں میں غم وغصے کی لہر دوڑ گئی تھی۔خنجروں اور تلواروں سے مسلح مادوری افراد کا ایک جتھا ہمارے گھر کے اردگرد اکٹھا ہو گیا اور ہر اس یورپی یا سرکاری اہلکار پر، جو ہمارے احاطے میں داخل ہونا چاہتا، بری طرح حملہ

آور ہونے لگا۔صورت حال کا نظارہ کرنے کے لئے ٹریفک بھی رکنے لگی چنانچہ اچھا خاصا اژدھام جمع ہو گیا۔

سیاہ کپڑوں میں ملبوس، ایک مادوری، اپنی قمیص کے بٹن کھولے گویا اپنا سینہ ننگا کئے، گھر کے آگے پیچھے چکر لگا رہا تھا۔اس کے انداز سے پتہ لگ رہا تھا کہ وہ کسی بھی آفت کا سامنا کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار ہے۔اس کے سر پر موجود پگڑی کی ایک تہہ اس کے کاندھوں تک جا رہی تھی۔

انالیز کے کمرے کی کھڑکی سے ان کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔وہ سفید فام عدالت کے فیصلے کو کافرانہ کارستانی قرار دے رہے تھے۔اسے شیطانی اور لعنتی عمل سمجھ رہے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ ان خباثتوں کا نتیجہ انہیں دنیا و آخرت دونوں جگہوں پر بھگتنا پڑے گا۔صبح سویرے سے کوئی گیارہ بجے تک ہمارے تمام احاطے پر انہیں کا کنٹرول تھا۔تمام کاروباری سرگرمیاں ختم ہو گئی تھیں۔کارکن خوف اور دہشت کے مارے خاموشی سے، اپنے اپنے دیہاتوں کی جانب لوٹ گئے۔

سرکاری گھوڑا گاڑیوں میں پولیس کی نفری کے دو جتھے آتے نظر آئے۔ان کی گاڑیوں میں گھنٹیوں کی مسلسل آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔مادوری جوانوں کو خاطر میں لائے بغیر گاڑیاں سیدھی ہمارے احاطے میں آ رکیں۔اپنی کھڑکی سے، ہم نے بعض مادوری لڑکوں کو، ان کے گھوڑوں کے پاؤں پر، اپنے خنجروں سے حملہ آور ہوتے دیکھا۔دو گھوڑا گاڑیاں بے قابو ہو کر، بطخوں کے تالاب میں جا گریں۔پچھلی گاڑیوں میں سے باوردی پولیس سپاہی دھڑا دھڑ نیچے اترنے لگے۔انہوں نے مادوری جوانوں کو منتشر کرنے کی کوشش کی۔وہ میدان چھوڑنا نہیں چاہتے تھے چنانچہ جنگ کی سی شکل پیدا ہو گئی۔

میں نے اپنی جگہ سے پولیس کے دو ایجنٹوں کو خون میں لت پت، زمین پر گرتے دیکھا۔ سرکاری سپاہیوں کو جب کچھ سمجھ نہ آیا تو انہوں نے ہوائی فائر کرنا شروع کر دیئے۔اکا دکا مادوری جوان بھی لپیٹ میں آئے اور خون میں تربتر زمین پر گر پڑے۔

سفید فام پولیس کمانڈنٹ نے فائر کا حکم دے دیا۔ایک پتھر اڑتا ہوا آیا اور سیدھا اس کی کنپٹی پر جا لگا۔وہ چکرایا اور پھر زمین پر گر پڑا۔دوبارہ اٹھنا اسے نصیب نہیں ہوا۔ایک دیسی ڈچ افسر نے، پولیس کی کمان سنبھال لی۔وہ چیخ چیخ کر، مادوریوں سے سختی سے نمٹنے کا حکم دے رہا تھا۔

ایک خنجر اس کے بازو میں پیوست ہو گیا اور اس کی ساری قمیص خون میں لتھڑ گئی۔ مادوری بڑے جوش و خروش اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے لڑے جا رہے تھے۔ لیکن بالآخر اس تشدد کے ذریعے تتر بتر کر دیا گیا۔

احاطے میں، خون میں نہائی ہوئی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔

مالانگ سے تازہ تربیت یافتہ میر چاؤسی کمپنی کو پولیس کی جگہ لینے کے لئے بلایا گیا۔ انہوں نے ہوائی فائر کر کے حکم عدولی کا ارتکاب کیا تھا۔ میر چاؤسی جوانوں نے ان کی بری طرح بے عزتی کی اور فورا" وہاں سے نکال باہر کیا۔ تالاب میں پڑی ہوئی گھوڑا گاڑیاں بھی باہر نکال لی گئیں۔

مادوری جوانوں نے ایک اور زوردار حملہ کیا۔ وہ ابھی تک پولیس کو ہی مقابل سمجھ رہے تھے۔ میر چاؤسی دستے کو سامنے دیکھ کر، وہ تذبذب کا شکار ہو گئے۔ بعض افراد تو فوری طور پر غائب ہونے لگے۔ میر چاؤسی دستوں کی دہشت پورے جزائر پر چھائی ہوئی تھی۔ یہ دستے ڈچ آرمی کے خاص خاص لڑاکوں کو یکجا کر کے ترتیب دیئے گئے تھے۔ تاکہ کہیں بھی ہنگاموں کو فرو کرنے میں، اس سے کام لیا جا سکے۔ یہ لوگ فائرنگ یا فولادی اسلحہ کے بجائے، صرف ربڑ کی گولیاں استعمال کرتے تھے غرض یہ لوگ لڑاکا کمپنی کے طور پر مشہور تھے۔

کھڑکی میں سے میں نے ان نئے حملہ آوروں کو دیکھا سبز بانس کے ہیٹ پہنے، جن پر پیتل کے شیر کا نشان دور سے چمکتا نظر آ رہا تھا۔ وہ مسلسل سیٹی کا شور مچاتے ہوئے، لوگوں کو بری طرح زدوکوب کر رہے تھے۔ سیٹیوں کا شور، ہتھیاروں کی جھنکار، لوگوں کی چیخیں۔۔۔۔۔۔ یہ سارا کھیل کوئی آدھ گھنٹہ جاری رہا۔ دو میر چاؤسی سپاہی موقع پر ہی ہلاک ہو گئے۔

بالآخر احتجاج کرنے والوں کو مار بھگایا گیا۔ ڈارسم کو گرفتار کر کے کسی نامعلوم مقام پر بھیج دیا گیا۔

حالات معمول پر آنے کے بعد سارجنٹ ہیمرسٹی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ اندر آنا چاہتا تھا۔ مما نے دروازہ کھولا اور راستہ روک کر کھڑی ہو گئیں۔

''نیائے اونتو سارووہ''۔ اس نے مالے میں پوچھا۔

''میر چاؤسی دستے سے مجھے کوئی کام نہیں''۔

''میر چاؤسی اس عمارت کی حفاظت کر رہے ہیں''۔

"اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میری اجازت کے بغیر کوئی اندر داخل نہ ہو"۔

"میں، میرچاؤسی دستے کا، سارجنٹ ہیمرسٹی، آپ سے اجازت لینے آیا ہوں"۔

"میں اجازت نہیں دوں گی"۔

"اس صورت میں ہم کمپاؤنڈ میں ہی ٹھہر جائیں گے"۔

نیائے دروازہ بند کر کے، اندر سے اسے مقفل کر دیا اور کچھ دیر وہیں کھڑی رہیں۔ پھر میری جانب متوجہ ہو کر کہا: "ان کے آگے سر جھکانے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اپنی من مانی کرنے کی آزادی دے دی جائے۔ گھبراؤ نہیں، کچھ نہیں ہوگا۔ گھر کے متعلق ان کے پاس کوئی اجازت نامہ نہیں ہے۔ چاہے یہ کتنا ہی دبدبہ اور رعب دکھائیں، کاغذات کے بغیر، کر یہ کچھ بھی نہیں سکتے۔ کاغذات ہی اصل طاقت ہوتے ہیں"۔ ان کے لہجے میں تلخی گھلی ہوئی تھی۔

کھڑکی ہی سے میں نے ڈاکٹر مارٹی نیٹ کو واپس جاتے دیکھا۔ سارجنٹ ہیمرسٹی نے انہیں اندر آنے دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ڈاکٹر مارٹی نیٹ کچھ دیر اس سے بحث میں الجھے رہے۔ انکی آوازیں، ظاہر ہے، مجھ تک نہیں آ رہی تھیں لیکن ڈاکٹر مارٹی نیٹ اپنے مریض کو دیکھنے کی ضد کر رہے ہوں گے۔ انہیں اندر داخل ہونے نہیں دیا گیا۔ کچھ دیر کی کج بحثی کے بعد ڈاکٹر مارٹی نیٹ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر واپس چلے گئے۔ اب ہمیں ڈاکٹر کے بغیر ہی، انالیز کی دیکھ بھال کرنا تھی۔

سہ پہر کے وقت، انالیز پر نشہ آور ادویہ کا اثر کم ہونا شروع ہوا۔ اس نے آنکھیں کھولیں، دائیں بائیں کچھ اس انداز میں دیکھا جیسے دنیا کو پہلی مرتبہ دیکھ رہی ہو۔ پھر آنکھیں بند کر لیں اور پھر دوبارہ کھولیں۔ "این۔ انالیز"۔ میں نے اسے آواز دی۔

اس نے مجھ پر نظر ڈالی۔ اس کے زرد ہونٹ کھلے۔ کوئی آواز نہیں نکلی۔ میں نے چاکلیٹ ملے دودھ کا گلاس اٹھا کر، اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ خاموشی سے، اس نے آدھا گلاس پی لیا۔ پھر بستر پر ہی بیٹھ گئی۔ مما خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اچانک وہ اٹھیں اور کمرے سے نکل گئیں۔ ایک لمحے کو میں سمجھا، وہ پیچھے گایوں کے تھان پر کام ہوتا دیکھنے گئی ہیں۔ جلد ہی مجھے ان کی آواز سنائی دی۔ وہ دبی دبی آواز میں ڈچ میں چیخ رہی تھیں۔ "ہر شخص ہالینڈ جا سکتا ہے تو میں کیوں نہیں جا سکتی؟"

میں نے باغیچے میں جھانک کر دیکھا۔ نیائے وہاں ایک یورپین سے بات کر رہی تھیں۔ وہ اتنی آہستگی سے گفتگو کر رہا تھا کہ اس کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اس نے ذرا دیر اپنا سر ہلایا۔

پھر اپنی انگلیاں ہلانے لگا"۔ اگر میں اپنی بچی کے ساتھ جاؤں تو اس سے کیا ہو جائے گا۔ میں اپنا خرچ کروں گی، کسی اور کے پیسے تو نہیں لگیں گے؟ "اس مہمان نے دوبارہ اپنا سر ہلایا۔

"مجھے وہ قاعدہ قانون دکھائیں جس کے تحت، میں اپنی بچی کے ہمراہ نہیں جا سکتی؟"

مہمان دوبارہ اپنے ہاتھ ہلاتا ہوا محسوس ہوا۔

"چیچک کا سٹرفکیٹ، صحت کا سٹرفکیٹ؟ اس وقت تو میری بچی کے پاس کوئی سٹرفکیٹ نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس وہ بیمار ہے۔ جہاز پر ہی کرالیں گے؟ میں بھی اسی طرح کرلوں گی"۔

انہیں باغیچے میں باتیں کرتے چھوڑ کر، میں انالیز کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ بستر سے اترنا چاہ رہی تھی۔ میں نے اٹھنے میں مدد دی اور کھڑکی تک لے گیا۔ یہ کھڑکی اس کی پسندیدہ جگہ تھی۔ خاصی دیر تک ہم وہیں کھڑے رہے۔ خاموشی سے فضا بوجھل لگنے لگی۔ تو میں نے کہا۔

"تم ان پہاڑیوں تک کبھی نہیں گئیں این؟ چوٹی پر سے پورا سرابیا اور وونوکرومونظر آتا ہوگا۔ کسی دن ہم وہاں چلیں گے"۔

پہاڑیاں صاف نظر نہیں آرہی تھیں۔ بادلوں اور دھند کا ہجوم انہیں اس طرح ڈھکے ہوئے تھا۔ جیسے کسی سست الوجود آدمی نے کافی بنانے کی کوشش کی ہو اور وہ دودھ میں صحیح گھل نہ پائی ہو۔ نیچے تک آئے بادلوں کی وجہ سے سرسبز جنگلات بھی نظر سے اوجھل تھے۔ نہ جانے کتنی دور، لمحہ بھر کو افق، گھٹاؤں اور سرمئی رنگت کی ملگجی بجلی بڑے زور سے کڑکی اور پھر نہ جانے کہاں غائب ہوگئی۔ فطرت اپنے معاملات میں لگی ہوئی تھی۔

اور میرے بالکل برابر میں، میری بیوی نے ایک گہری سانس لی۔۔۔۔۔۔ سارجنٹ سے گفتگو کے بعد مما واپس آ گئیں۔ وہ خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گئیں۔ انہوں نے کچھ نہیں بتایا، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ میں نے ان کی جانب دیکھا تو انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے اپنے پاس بلایا۔ میں انالیز کو کھڑکی پر ہی چھوڑ کر چلا گیا۔

"منکی، اسے بتا دو، تین دن کے اندر اسے یہاں لے جانا ہے"۔

مجھے اسے بتانا ہی تھا۔ میں تو اس کا شوہر تھا۔ وہ میری ذمہ داری تھی۔ میں اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے اسے نہیں بتا سکا۔ انالیز کو یہ بات معلوم ہونی چاہئے تھی۔ ہم ہار گئے، بری طرح پیس ڈالے گئے، لڑنا تو دور کی بات ہے، ہم تو صحیح طرح مدافعت بھی نہیں کر سکے۔

دور فضا میں خاصی بھیانک ہلچل مچی ہوئی تھی۔ بجلی کی چمک اور کڑک اسے مزید خوفناک

بنا رہی تھی۔ کھڑکی کے نیچے موجود ہماری بطخوں کا تالاب ٹوٹا پڑا تھا اور ٹھیک نہیں کرایا جا سکا تھا۔ کمپنی کا گاؤں، جو یہاں سے صاف نظر آتا تھا، زندگی کے ہر نشان سے خالی، ساکت اور سنسان دکھائی دے رہا تھا۔

میں اپنی بیوی کے قریب پہنچا، اس کے شانوں پر ہاتھ رکھا۔ اس کے ٹھنڈے رخساروں سے اپنے رخسار لگائے۔ اپنا تمام حوصلہ مجتمع کیا: "این"۔ اس نے میری طرف نہیں دیکھا۔ وہ شاید ہلی بھی نہیں۔

"این، میری انالیز، میری بیگم، میری بات تو سنو"۔

اس نے مجھے نظر انداز کر دیا۔ اس کی انگلیاں اس کے گلے پر آہستگی سے کچھ کھرچ رہی تھیں۔ اس کے سیاہ بالوں میں ملفوف، اس کی خوبصورت گردن، باہر موجود فطری منظر سے کہیں زیادہ مکمل اور دلکش تھی۔

ہم، مزید تین دن اور اکٹھے ہیں۔ پھر وہ چلی جائے گی۔ میری محبوبہ، دنیا کی حسین ترین گڑیا! نہ جانے تم پر کیا گزرنے والی ہے این؟ اور میرا کیا ہوگا؟ کیا تم بھی باہر چمکنے والی بجلی کی طرح ہو، جس کی روشنی ہر طرف چھا جاتی ہے اور پھر اچانک ہی غائب ہو جاتی ہے، صرف چند لمحوں میں۔ وہ لوگ جو تمہیں جانتے تک نہیں، اچانک تمہارے جج بن بیٹھے اور اب تمہیں اس طرح سزا دینے جا رہے ہیں اور کچھ انجان لوگ تمہیں تمہاری ہر پیاری چیز سے اور ہم سب سے جدا کرنا چاہتے ہیں۔ تم تو پہلے ہی بہت زرد اور کمزور ہو۔ این، مما اور میں تمہارے غم میں خود بھی کتنے دبلے ہو گئے ہیں۔

کتنی دکھی اور افسردہ ہو این۔ اتنی خوبصورت ہونے کے باوجود، کبھی اپنی جوانی اور دلکشی کا مزا نہیں لے سکیں۔ " کیا تم میری بات سننا نہیں چاہتیں این؟ " اس کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔

" تمہیں وہ والی پہاڑیاں پسند ہیں این؟ " اس نے ہلکا سا اثباتی اشارہ دیا۔

"ہم وہاں گھڑ سواری کرتے ہوئے جائیں گے این، ٹھیک ہے نا؟ مما گھر پر ہی ٹھہریں گی۔ صرف ہم دونوں ہی وہاں جائیں گے۔ این"۔ اس نے پھر غیر محسوس انداز میں سر ہلایا۔

"باوک ہنہنا کر تمہارے بارے میں پوچھتا رہتا ہے۔ این، وہ تمہیں یاد کرتا ہے"۔

اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ پھر آہستہ آہستہ سر گھما کر، میری جانب نگاہیں اٹھائیں۔ اس کی

آنکھیں خوابناک ستاروں کی مانند جھلملا رہی تھیں۔ منہ بدستور بند تھا، دواؤں کی بو البتہ محسوس ہو رہی تھی۔ مما اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں۔ وہ سسکتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔ کوئی دس منٹ بعد، وہ ایک یورپین کے ہمراہ واپس آئیں۔ وہ سیدھا وہیں آیا، جہاں ہم کھڑے تھے۔

"سرکاری ڈاکٹر"۔ اپنا نام بتائے بغیر، اس نے کہا۔ "مس انالیز مے لیما کی صحت کا جائزہ لینے آیا ہوں"۔

"مسز"۔ میں نے اسے جتایا۔

اس نے میری طرف کوئی توجہ نہیں دی وہ میری بیوی کو بستر کی طرف لے گیا اور وہاں اسے بٹھادیا۔ اس نے اپنے اوورکوٹ سے اسٹیتھو سکوپ نکالا اور معائنہ شروع کر دیا۔ پھر چھت کی جانب تکتے ہوئے اس کے بلڈ پریشر کا جائزہ لیا۔ اسٹیتھو سکوپ اس نے جیب میں رکھا۔ پھر میری بیوی کی آنکھیں دیکھیں۔ پھر اس کی ناک اور منہ کے ذریعے آتی سانس کو سونگھا۔ اس نے اپنا سر ہلایا۔ مما خاموشی سے اس کا عمل دیکھتی رہی۔ سرکاری ڈاکٹر نے مریضہ کو لیٹ جانے کا حکم دیا۔

"نیائے"۔ اس نے کھردری مالے میں کہا۔ "آپ نے اس بچی کو اتنی زیادہ نشہ آور دوا لینے کی اجازت کیسے دے دی؟"

" کیا تم اس گھر سے فورا "رخصت ہونا چاہتے ہو؟ "مما نے اس سے زیادہ کھردری مالے میں جواب دیا۔

"تمہیں یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ میں سرکاری ڈاکٹر ہوں"۔

"تو پھر؟ تم کیا چاہتے ہو؟ "مما نے بدستور درشتی سے کہا۔

"تم سب پر الزام عائد ہو سکتا ہے، ڈاکٹر مارٹی نیٹ پر بھی یہ خیال رہے!"

"یہ الزامات اپنے گھر جا کر لگاؤ، یہاں نہیں، اتنی زیادہ زبان چلانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ دروازہ کھلا ہوا ہے"۔

سرکاری ڈاکٹر کا رنگ سرخ ہو گیا۔ وہ میری جانب مڑا۔

"سن رہے ہو نا؟ "اس نے اسی بدتمیزی سے کہا۔ "تم اس گفتگو کے گواہ ہو سکتے ہو"۔

"ہاں، دروازہ واقعتاً "ابھی تک کھلا ہے"۔ میں نے کہا۔

میں اور نیائے، انالیز کے پاس چلے گئے اور اسے اٹھا کر بٹھایا تا کہ وہ کچھ کھا سکے۔

"وہ کمزور ہے، بہت کمزور۔ اسے سونے دو اور بالکل پریشان نہ کرو"۔ سرکاری ڈاکٹر نے

حکم دیا۔ ہم نے انالیز کو بستر سے اٹھایا اور سیٹی پر بٹھا دیا۔

"میں کھانے کو کچھ لاتا ہوں این۔ کسی اور چیز کی کوئی پروا نہ کرو"۔

اس نے ہلکے سے اشارے سے ہاں کہا۔ ڈاکٹر بڑے طیش میں میری طرف آیا اور دھمکی آمیز لہجے میں بولا۔

"تم میرے احکام کی خلاف ورزی کر رہے ہو"۔

"میں اپنی بیوی کو کسی اجنبی کی نسبت بہتر سمجھتا ہے "میں نے اس کی جانب دیکھے بغیر جواب دیا۔

"اچھا"۔ وہ یہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔ "اب ذرا سنبھل کر رہنا"۔

"این۔ تم بولتی کیوں نہیں؟ "وہ اب بھی چپ تھی۔ "میری بات تو سنو این؟ وہ بے ہودہ ڈاکٹر چلا گیا ہے۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں"۔

میں نے انالیز کی جانب دیکھا، اس کی آنکھیں کھڑکی سے باہر، بادلوں سے ڈھکی پہاڑیوں پر مرکوز تھیں۔ مما چپ چاپ، میری حرکتیں دیکھ رہی تھیں۔ انالیز آہستہ آہستہ نوالہ چبا رہی تھی۔ اسے غالباً نگلنے میں دشواری محسوس ہو رہی تھی۔

پیچھے سے مجھے مما کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ وہ شاید خود کلامی کر رہی تھیں۔

"مورٹس نے پہلے تو خونیں گناہوں کی عمارت استوار کی۔ اب وہ چاہتا ہے کہ ان گناہوں کا کفارہ بھی دوسرے ادا کریں۔ میں اسے کوئی انتہائی پہنچا ہوا فرشتہ صفت انسان سمجھتی رہی۔۔۔۔۔۔"

"کیا فائدہ ماں، یادوں کو کریدنے کا"۔ میں نے ان کی جانب دیکھے بغیر کہا۔

"ہاں، بعض اوقات یادیں بہت تکلیف دہ ہو جاتی ہیں، کیا فائدہ انہیں یاد کرنے کا۔ تم نے انالیز کو بتا دیا بیٹا؟"

"نہیں، ابھی تک نہیں ماں"۔

"بولو نا این۔ تم کافی دیر سے خاموش ہو"۔

انالیز نے مجھ پر نظر ڈالی اور مسکرا دی۔ مسکرا دی۔ انالیز مسکرائی تھی ! مما نے حیرت سے اپنی آنکھیں کھولیں۔ تم بہتر ہو رہی ہو این ! میں نے دل ہی دل میں کہا۔ مما اپنی جگہ سے اٹھیں۔ انہوں نے این کو لپٹا کر پیار کیا اور بڑبڑاتے ہوئے کہنے لگیں۔

"تمہاری مسکراہٹ سے سارے دکھ غائب ہو جاتے ہیں این۔ تمہارے شوہر پر بھی کچھ کم دکھ نہیں پڑے۔ اتنا وقت گزر گیا اور تم بول ہی نہیں پا رہیں"۔ ان کے آنسو بہنا شروع ہو گئے۔

انالیز نے آہستہ آہستہ، مگر زبردستی اپنی آنکھیں جھپکائیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ آنکھیں کھولنا ہی نہیں چاہتی۔

ڈاکٹر مارٹی نیٹ نے ایک دفعہ کہا تھا: وہ پوری قوت سے اپنی چیزوں پر قابض رہنا چاہتی ہے۔ جو کچھ اس کے پاس ہے، اسے وہ کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتی۔ لیکن کسی روز کوئی ایسا واقعہ ہوگا۔ جو اسے ہر چیز چھوڑنے پر مجبور کر دے گا اور پھر وہ کسی بھی بات کی پروا نہیں کرے گی۔ کیا میری پیاری بیوی اس مقام پر پہنچ چکی ہے؟ مجھے قطعی پتہ نہیں تھا۔ ڈاکٹر مارٹی نیٹ کو اسے دیکھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ان کے آخری الفاظ تھے کہ اگر انالیز کو حالات کی رو میں بہہ جانے کے لئے قائل کر لیا جائے تو وہ محفوظ ہو جائے گی اور اب معاملات کیا ہو رہے تھے؟ میں سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ مما بھی بے بس تھیں۔ نہ جانے تم کتنی دور ہو ڈاکٹر!

ڈاکٹر مارٹی نیٹ کے علاج کے دوران، ایک بار انہوں نے بتایا تھا کہ وہ اپنے موجودہ ماحول سے بے پناہ انس رکھتی ہے اور اسے چھوڑنا یا اس سے علیحدہ ہونا پسند نہیں کرتی۔ ہم سب ناکام ہو گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہماری ساری کوششیں رائیگاں ہو گئی ہیں۔ انالیز ان میں سے کسی طرح کی تبدیلی قبول کرنا ہی نہیں چاہتی۔ بظاہر وہ باغی محسوس نہیں ہوتی تھی مگر باطنی طور پر وہ بری طرح ٹوٹ پھوٹ جاتی تھی۔ صرف نشہ آور ادویہ ہی اسے ذہنی شکست و ریخت سے بچا سکتی تھیں۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ہر شے اس کی نظر میں بے وقعت ہو کر رہ جائے یا وہ کسی کے لئے بیکار محض ہو جائے۔ یاد رہے۔۔۔۔۔۔ مسٹر مے لیما، اگر وہ ہوش میں آ جائے تو اس سے خوب باتیں کریں، خوبصورت، حسین چیزوں کی، امیدوں اور خوشیوں کی اور اب، ایک شوہر کی حیثیت سے یہ تلخ حقیقت مجھے اس کے کانوں میں ڈالنا تھی۔ تین دن اور ! اور اسے سکون آور دوائیں نہیں مل سکیں گی۔ ڈاکٹر مارٹی نیٹ کا داخلہ تو ممنوع کر دیا گیا تھا۔

ڈاکٹر نے ایک دفعہ یہ بھی کہا تھا: "انالیز مشکل وقت کاٹ چکی ہے۔ یہ بات انہوں نے شادی سے کچھ دن پہلے بتائی تھی۔ اب نئی پریشانی آن پڑی تھی۔ اس دفعہ بھی میں اس کا ڈاکٹر نہیں ہوں بلکہ تم، اس کے شوہر، اس کے محبوب، تمہی اس کے ڈاکٹر ہو۔ تمہیں اس کے ساتھ ہالینڈ جانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ سفر کا خرچ نیا ئے آرام سے برداشت کر لیں گی۔ غالباً ایک سو بیس

گلڈر کرایہ ہوگا۔ ان کے لئے یہ رقم کوئی اہم نہیں۔

انہوں نے ہمیں اس کے ساتھ جانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ڈاکٹر نے کہا :" کوئی نہ کوئی راستہ نکالو، کسی بھی طرح۔ اپنی بیوی کی زندگی ضائع نہ ہونے دو۔ وہ تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ پائے گی۔ تم ہی اس کی واحد امید ہو، آخری سہارا ہو۔

میں نے محسوس کیا کہ میں نے حتی الامکان ہر کوشش کر ڈالی ہے اور ہر جگہ مجھے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ ایمسٹرڈیم کی ضلعی عدالت کے حکم سے سرتابی ناممکن تھی سرابیا کی سفید فام عدالت کے فرمان کے مطابق میرا یا مما کا انالیز سے کوئی تعلق ہی نہیں بنتا تھا۔ نیائے نے کمال عقلمندی سے پنچی درمن سابقہ جان ڈیپرسٹی کو مصالحہ جات کے کاروبار کے سلسلے میں، بحری جہاز کے ذریعے ہالینڈ جانے کے لئے تیار کر لیا تھا تاکہ وہ وہاں، ہمارے نمائندے کی حیثیت سے انالیز سے دوستانہ ربط رکھ سکے۔ نیائے نے اسے وونو کروموآنے سے بھی منع کر دیا تھا تاکہ کسی کو بھی اس پر شک وشبہ نہ ہو۔ ہالینڈ کی ٹرانسپورٹ کمپنی کے ذریعے، انالیز کے برابر کا درجہ دوم کا ایک کیبن بھی اس کے لئے ریزرو کرا لیا گیا تھا۔ اسی ایجنٹ نے پنچی درمن کا ہیلتھ سرٹیفکیٹ بھی پہلے ہی سے تیار کرا رکھا تھا۔

میری بیوی کا چہرہ نیلگوں پتھریلا نظر آ رہا تھا۔ لگتا تھا کہ چہرے کی حسیات کا دماغ سے تعلق ہی باقی نہیں رہا۔ بے حس وحرکت، بے تاثر۔ کوئی لفظ اس کے منہ سے نکل نہیں پا رہا تھا۔ میں نے ہر جتن کر لیا۔ ہر طریقہ آزما لیا کہ کسی طرح اسے، اس کی رخصتی کے متعلق بتا سکوں مگر سب بے کار۔

اس نے بمشکل دو چار لقمے کھائے ہوں گے، پھر سختی سے اپنا منہ بند کر لیا۔ پتہ نہیں، نیائے، پریشانی کے عالم میں، کتنی بار کمرے سے باہر گئیں اور واپس آئیں۔ ایک دفعہ نیائے کی غیر موجودگی میں، میں نے اسے خود سے لپٹا لیا اور سرگوشی کے عالم میں اسے بتانے کی کوشش کی:

"این۔ ہم ہار گئے ہیں۔ این۔ ہم تمہارے ساتھ ہالینڈ جانا چاہتے تھے مگر ہمیں روک دیا گیا ہے۔ این۔ سن رہی ہو نا؟ این"۔

لیکن اس کی جانب سے جواب ندارد۔

"پتہ نہیں، تم کیا سوچ رہی ہو لیکن این، تمہیں معلوم ہونا چاہئے۔ میری اور مما کی جگہ، جان ڈیپرسٹی وہاں ہوگا، تمہارے آس پاس۔ یورپ کے اس بحری سفر میں، وہ تمہارے ساتھ جا رہا

ہے۔خوف زدہ نہ ہونا این۔تم وہاں پہنچو گی تو مما اور میں بھی تمہارے پاس آ جائیں گے"۔

لیکن انالیز کوئی توجہ نہیں دے رہی تھی۔ بہر حال ایک شوہر کی حیثیت سے، میں نے جیسے تیسے اپنا فرض ادا کر دیا تھا، اگر چہ وہ پوری طرح ادا ہو نہیں سکا۔ پتہ نہیں وہ سمجھی بھی تھی یا نہیں۔ اس نے جواب نہیں دیا۔ یہ بات کتنی دفعہ، میں اس کے سامنے دہراؤں؟ میں نے اسے پیار کیا مگر کوئی جنبش نہیں ہوئی۔ غالباً ڈاکٹر مارٹی نیٹ نے درست کہا تھا: وہ کرائسس کا وقت کاٹ چکی تھی اور اب ہر چیز سے بے پرواہ ہو رہی تھی؟

اس دوران نہ جانے کتنی دفعہ مما کمرے میں آ جا چکی تھیں۔اس بار وہ آئیں تو انہوں نے ہربرٹ ڈی لاکروکس کا ٹیلی گرام اور امی کی جانب سے آیا ہوا خط، میری طرف بڑھا دیئے۔

اسسٹنٹ ریذیڈنٹ بی نے اپنے ٹیلی گرام میں افسوس کا اظہار کیا تھا کہ ان کا بھیجا ہوا وکیل کامیاب نہ ہو سکا۔ وہ ہمارے دکھ میں برابر کے شریک تھے۔انہوں نے خاصی دلی ہمدردی کا اظہار کیا۔انہوں نے اپنے طویل ٹیلی گرام میں ایمسٹرڈیم کی عدالت کے فیصلے کو غیر منصفانہ بھی قرار دیا۔انہوں نے گورنر جنرل کو بھی ٹیلی گرام کے ذریعے مطلع کیا تھا کہ اگر عدالت کے فیصلے پر عمل درآمد کیا گیا تو وہ نوکری سے استعفیٰ دے دیں گے۔ وزارت انصاف کو بھی انہوں نے احتجاجی ٹیلی گرام بھیجا تھا۔مگر سب کوششیں نقش بر آب ثابت ہوئیں۔ انہوں نے جواب تک دینے کی زحمت نہیں کی۔ چنانچہ مسٹر ہربرٹ نوکری سے استعفیٰ دے کر، مریم کے ساتھ یورپ واپس جا رہے تھے۔

اور انالیز خود؟ ہر چیز میں، اپنی دلچسپی کھو بیٹھی تھی۔ میں بیٹھا اس سے باتیں کرتا رہا، نہ جانے کیا کیا کہانیاں سناتا رہا لیکن اسے بولنا تھا، نہ وہ بولی۔ غالباً وہ سن ہی نہیں رہی تھی۔ میں اسے واپس بستر پر لے آیا اور لٹا دیا اور اس کے برابر میں خود بھی لیٹ گیا۔خوش قسمتی سے مجھے سینکڑوں کہانیاں اور اپنے بزرگوں کے قصے ازبر یاد تھے۔ میں نے ایک ایک کر کے، سبھی اسے سنا ڈالیں یورپی کہانیوں میں پرنس جینی وی وی چار بار، گلیوٹر یولز دو بار، بیرن وان مونچ ہاؤسن دو بار اور لٹل ڈی۔۔۔۔۔۔غالباً چار دفعہ سے بھی زیادہ۔ پھر شیر اور ہرن جیسی کہانیاں بھی سنائیں۔ دل گرفتہ لہجے اور گلوگیر آواز میں، میں نت نئی کہانیاں سناتا رہا۔اپنے ہلکے پھلکے تجربات کو قصوں کا روپ دیتا رہا۔غرض اپنی بیوی کو بغل گیر کئے۔ میں انسانوں، جنوں، پریوں کی کہانیاں پر کہانیاں سناتا رہا۔اپنا منہ اس کے کانوں کے قریب لے جاتا رہا۔اسے میری یہ حرکت بہت پسند تھی۔

میں سوکر اٹھا تو رات بیت چکی تھی۔ سورج کی کرنیں کمرے میں آ رہی تھیں۔ لیکن غالبا نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے کسل مندی کچھ زیادہ ہی طاری تھی۔ اچانک مجھے محسوس ہوا۔ :انالیز مجھ سے بغل گیر ہو رہی ہے۔ مجھے پیار کر رہی ہے، میرے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی ہے۔ میں جلدی سے اٹھ بیٹھا۔

"این۔ انالیز"۔ میں نے زور سے کہا۔ میں نے اس کی نبض دیکھی، کل کی نسبت بہت بہتر محسوس ہوئی۔

"ماس "اس نے جواب دیا۔

کیا واقعی میری انالیز بول رہی تھی؟ یا میں خواب دیکھ رہا تھا۔ میں نے زور سے اپنی آنکھیں ملیں۔ یار، خواب، مجھے پریشان نہ کرو ! لیکن میری آنکھیں انالیز کو مسکراتے دیکھ رہی تھیں۔ اس کا رنگ زرد تھا، دانت گندے ہو رہے تھے اور اس کی آنکھیں مسکراہٹ کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھیں۔

"این، میری این ! تم ٹھیک ہو رہی ہو !" میں نے اسے گلے لگا لیا اور پیار کرنے لگا۔ ان چند دنوں میں کی گئی میری محنت اکارت نہیں گئی تھی۔

" کھانا تیار ہے ماس، آؤ، کچھ کھا لیں۔ اس نے بڑے سکون سے کہا۔ عموما "اس کا یہی انداز ہوا کرتا تھا۔ میں نے اس کی جانب دیکھا۔ کیا ڈاکٹر مارٹی نیٹ صحیح تھا: کیا وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی تھی، اسے اتنے ذہنی جھٹکے لگے تھے کہ اس کا دماغ برداشت نہیں کر سکا تھا؟ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہاں اداسی تیر رہی تھی۔ اس کے ہونٹ پر مسکراہٹ ضرور تھی مگر آنکھیں مسکراہٹ سے خالی تھیں، لگ رہا تھا جیسے وہاں ویرانیاں بسی ہوں۔

"مما !" میں خوشی سے چلایا۔ "انالیز دوبارہ ٹھیک ہو رہی ہے"۔

مما، پتہ نہیں کہاں تھیں۔ میں منہ ہاتھ دھوئے بغیر وہیں پر کھانے کے سامنے بیٹھ گیا۔ میرے آگے چھری، کانٹا یا چمچہ کچھ بھی نہیں تھا۔ انالیز کے آگے یہ چیزیں رکھی تھیں۔ کیا وہ واقعی اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی تھی یا مجھے اکیلے کھانا کھانا تھا؟

اس نے چمچہ بھر کر میری جانب بڑھایا۔

"این، میں خود کھا سکتا ہوں۔ یہ تم کھاؤ۔ بلکہ میں تمہیں کھلاتا ہوں"۔

اس نے خود نہیں کھایا بلکہ دوبارہ مجھے کھلانے لگی۔ مجھے کھانا کھانا پڑا۔ اسے غصہ نہیں آنا

چاہئے چنانچہ اس نے مجھے پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیا۔
"تم مجھے اس طرح کیوں کھلا رہی ہو؟"
"زندگی میں ایک دفعہ تو میں، اپنے شوہر کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلا دوں"۔
وہ چپ ہوگئی۔ وہ غالباً مزید بولنا ہی نہیں چاہ رہی تھی۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔

باب 20

آج کا دن۔۔۔۔۔۔آخری دن

سارا کام کاج بند ہو کر رہ گیا۔ میر چاؤسی ہمارے گھر کے احاطے میں کسی کو بھی نہیں آنے دے رہے تھے۔ صرف گایوں کی دیکھ بھال اور دودھ دوھنے کا کام جاری رکھنے کی اجازت دی گئی۔

مما کے احتجاج کو سرے سے نظر انداز کر دیا گیا۔

''نیائے کا کوئی نقصان نہیں ہو رہا''۔ انہوں نے مذاق اڑایا۔ ''سارا خرچ تو ہالینڈ میں رہنے والے لوگ برداشت کر رہے ہیں''۔

بہت سے خطوط آئے ہوئے تھے مگر جواب دینے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ اس وقت تو انہیں پڑھنے کا بھی وقت نہیں مل رہا تھا۔ نیامن کے بھیجے ہوئے کاغذات کو میں ہاتھ تک نہیں لگا سکا تھا۔

مما کو، مجھے اور خصوصا "انالیز کو سوائے نہانے یا باتھ روم جانے کے گھر سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ گویا ہم تینوں گھر میں نظر بند تھے۔][میر چاؤسی دستے کے خیمے بدستور ہمارے کمپاؤنڈ میں لگے ہوئے تھے۔ وہ ہم سے کسی بھی شخص کو ملنے نہیں دے رہے تھے۔ سڑک کے کنارے اکٹھے ہو جانے والے، ہمارے ہمدردوں یا تماش بینوں کو بھی، وہ فورا "ہی وہاں سے بھگا دیتے تھے۔

انالیز کی طبیعت خاصی سنبھل گئی تھی۔ گو وہ خاصی ناتواں لگ رہی تھی۔ رنگ زرد تھا اور آنکھیں بے جان۔

''ملتا تولی کی کہانیوں میں ہالینڈ کیسا لگتا ہے، مجھے ذرا بتاؤ؟ "اس نے اچانک سوال کر

دیا۔

"شمالی سمندر کے کنارے پر واقع ایک ملک تھا۔۔۔۔۔۔ "میں نے حتی الامکان بہتر انداز میں کہنا شروع کیا۔

"اس کی سطح خاصی نیچی اس لئے اسے نیچی سطح کی سرزمین۔۔۔۔۔۔ ہالینڈ کہتے تھے"۔

اس نکتے پر آ کر، مجھے بات آگے بڑھانی مشکل ہوگئی۔ اس کی خوابناک آنکھوں میں اب بھی اداسی کا ڈیرہ تھا۔ میرے لئے اس کی آنکھوں میں تیرتا استعجاب۔۔۔۔۔۔ جیسے میں کوئی نیلی دم والی چھپکلی ہوں۔ جسے وہ پہلی دفعہ دیکھ رہی ہو۔ زمینی سطح بہت نیچی ہونے کی وجہ سے لوگوں کو بار بار اپنے گھروں کی مرمت کرنا پڑتی تھی۔ یہ خاصا پریشان کن اور اکتا دینے والا کام تھا، اس لئے وہاں کے لوگ اپنی سرزمین چھوڑ چھوڑ کر ادھر ادھر جانے لگے۔ انہیں بلند و بالا پہاڑیوں والی زمینیں اچھی لگتی تھیں۔ این، پھر وہ ان پر قبضہ کرنے لگے۔ ان اونچی اونچی پہاڑیوں کے مکینوں کو انہوں نے چھوٹا کرنا شروع کر دیا۔ کسی بھی آدمی کو ڈچ لوگوں کی انفرادی طوالت تک بھی نہیں پہنچنے کی اجازت تھی۔

"سمندر کے بارے میں بتاؤ"۔

ایک یورپین عورت، سفید کپڑوں اور سفید ٹوپی میں ملبوس، بغیر دستک دیئے، اندر آ گئی۔ نیائے نے یا میں نے اسے کچھ نہیں کہا پچھلے کئی دنوں سے یہی ہو رہا تھا۔ جو چاہتا، ہمارے کمروں میں منہ اٹھائے چلا آتا تھا۔ بہر حال غصہ تو بہت آیا۔

"اگلے چار گھنٹوں میں، ہم سمندری سفر کے لئے روانہ ہوں گے۔ پھر سمندر ہی سمندر ہوگا۔ ہمارے گرد، ڈارلنگ"۔ نئی آنے والی عورت نے میری ذمہ داری سنبھال لی۔ "سمندر میں اتنی مچھلیاں ہیں کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ لہریں، تموج، اتار چڑھاؤ، چھینٹیں، جھاگ۔ مس تم ایک بہت بڑے اور خوبصورت جہاز میں جا رہی ہو، سمندر پار، نہر سویز سے بھی آگے، راستے میں بہت سے جہاز بھی آتے جاتے ملیں گے اور پیاری لڑکی جب یہ جہاز ایک دوسرے کے پاس سے گزرتے ہیں، تو وہ وِسل بجاتے ہیں۔ جبل الطارق دیکھا ہے تم نے؟ تم مخلوط قومیتوں کی اس سرزمین سے بھی گزرو گی اور پھر چند دن بعد، تم اپنے اجداد کی سرزمین پر قدم رکھو گی۔ اس کی سرزمین چمکدار اور سنہری رنگت کی ہے۔ ہر جگہ پھول ہی پھول ہیں، بالکل تمہاری خواہشوں اور خوابوں کی طرح۔ پھولوں سے لوگ خوش ہوتے ہیں۔ پھر خزاں آ جائے گی۔ پتے جھڑنے لگیں